خصوصی شمارہ

ماہنامہ

ملی اتحاد

نئی دہلی

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رح نمبر



شخصیت، حیات اور خدمات

مئی۔ اگست ۲۰۰۲

پچاس روپے

ماهنامہ **ملّی اتحاد** نئی دهلی

جلد: 5	قیمت: پچاس روپے	مئی تا اگست 2002ء	شمارہ: 43-46

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ نمبر

بانی: **حضرت مولانا قاضی مجاهد الاسلام قاسمی** رحمة الله عليه

چیف ایڈیٹر
مولانا اسرار الحق قاسمی

اسسٹنٹ ایڈیٹر
عبدالقادر شمس قاسمی

زر اشتراک

فی شمارہ	:	=/10 روپے
سالانہ	:	=/100 روپے

بیرون ملک (سعودی عرب، متحدہ عرب امارات)

سالانہ	:	50 ریال
سالانہ	:	5 کویتی دینار (کویت کیلئے)
دیگر ممالک کے لئے	:	15 امریکی ڈالر

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں "MILLI ITTEHAD"

مراسلات کا پتہ:
The Editor Milli Ittehad (Monthly)
161/32, Jogabai, Jamia Nagar, New Delhi- 25
Phone:6906678 Telefax:6841846
E-mail milliittehad@rediffmail.com

بیرون ملک میں رابطے کے پتے:

ریاض (سعودی عرب)
شیخ محمد نظام
پوسٹ باکس نمبر 18215، ریاض 11662 (سعودی عرب)

دبئی
ایم سلمان صدیقی
پوسٹ باکس نمبر 561، دبئی (یو اے ای)

کویت
محمد هوشدار خان
پوسٹ باکس نمبر 27325، صفات 13134 (کویت)

انٹر نیٹ پر پڑھئے
آل انڈیا ملی کونسل کا تعارف، خدمات اور منصوبے
WWW.aimcnd.org

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسرار الحق قاسمی نے بھارت آفسیٹ پریس، گلی قاسم جان، دہلی-۶ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ملی اتحاد ۳۲/۱۶۱، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا۔

کمپوزنگ: نوشاد عالم قاسمی، گلوبل کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ، ذاکر نگر، نئی دہلی-25

اس شمارہ میں

باب اول: پیغامات وتأثرات

باب دوم: نقوش وتأثرات

اداریہ

مولانا اسرارالحق قاسمی

ملی کونسل کے قافلہ سالارؒ

ملی اتحاد کا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اہم شخصیتوں کے پیغامات کے علاوہ ایسے اہم مقالات شامل کئے گئے ہیں جو ملی کونسل کے قافلہ سالار اور ملی اتحاد کے سرپرست مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی حیات وخدمات کے تقریباً سبھی گوشوں پر محیط ہیں اور جس کی وجہ سے اس کی حیثیت دستاویزی ہوگئی ہے۔

ہندوستان جیسے عظیم ملک میں آباد ایک عظیم ملت جو تقریباً ۱۵ کروڑ کی تعداد میں اس ملک کے گوشے گوشے میں اپنی امتیازی تہذیب، مخصوص شناخت، اپنے مہتم بالشان عقائد واقدار، اپنی شائستہ زندگی اور طرز معاشرت کے ساتھ آباد ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ دھیرے دھیرے تعلیمی، اقتصادی، معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی شعبہ ہائے حیات میں اپنے وزن اور وقار سے محروم ہوتی جارہی ہے، قاضی صاحبؒ کو اس کا شدید احساس تھا۔ ان کی خواہش پر ۱۲ر۲ رجون ۱۹۹۱ء کو سورج کنڈ (ہریانہ) میں مسلمان کے مسائل اور ان کی دشواریوں پر غور کرنے کے لئے چند باشعور اور ملت کے مسائل میں گہری دلچسپی رکھنے والے ممتاز افراد جمع ہوئے، جو حالات کے مفصل جائزہ کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بے شمار حل طلب مسائل کو حل کرنے کے لئے سنجیدہ اجتماعی جدوجہد کرنی چاہیے اور ان کا کوئی مؤثر اور موقر پلیٹ فارم ہونا چاہیے جس کے ذریعہ ہندوستان کی امت مسلمہ کے درمیان اشتراک وتعاون اور خیرسگالی کی فضا پیدا کی جائے اور ایک ایسی قیادت کی نشوونما ہو، جو حکمت وجرأت کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کرسکے، ملت کے مسائل کا گہرائی کے ساتھ مکمل تجزیہ کرے اور ان کے حل کے لئے طویل المیعاد اور کم مدتی منصوبہ بندی کرسکے، مسلمانوں کے درمیان اتحاد ویکجہتی کو فروغ دے سکے، ملک میں امن وامان کے فروغ اور طبقہ داری اور فرقہ وارانہ کشمکش کے خاتمہ کا ایک موثر ذریعہ بن سکے، ملک کے مظلوم طبقات کے زخموں پر مرہم رکھنے اور ان کے آنسو پونچھنے کا فریضہ انجام دے سکے، جس کی آواز ملت کی آواز سمجھی جائے اور جس کو پوری ملت کا اعتماد وتعاون حاصل ہو۔

ملی کونسل کے گزشتہ دس سالہ سرگرمیوں پر نگاہ ڈالئے تو ہر مرحلہ پر آپ کو محسوس ہوگا کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے مسلمانوں کو اتحاد وتنظیم کی لڑی میں پرونے، ان میں اجتماعی جدوجہد کا شعور بیدار کرنے، ملک کے مختلف حصوں میں ربط باہم اور ملی وانسانی مفاد کے لئے مشترکہ جدوجہد کا مزاج پیدا کرنے، ملت کے افراد کو تعمیری کاموں کا احساس دلانے اور باصلاحیت افراد کی صلاحیتوں کو ملت کے مفاد میں بہتر طور پر استعمال کرنے کی راہ میں قائدانہ ومخلصانہ رول ادا کیا ہے۔ جو بلاشبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی خواہش تھی کی ملی عظمت ووقار اور مسلمانوں کی ہمہ جہت پسماندگی کو دور کرنے کے لئے کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ان میں اتحاد واجتماعیت پیدا کی جائے اور مشترکہ مقاصد کے لئے کی جانے والی کوششوں میں ربط وتوافق اور تعاون واشتراک کے جذبہ کو فروغ دیا جائے۔ انھوں نے ۱۲ر جولائی ۱۹۹۵ء کو اپنے ایک خصوصی مکتوب کے ذریعہ تمام مسلم تنظیموں سے درخواست کی تھی کہ ملک کے موجودہ حالات جس قدر نازک ہیں اور امت اسلامیہ کے لئے جو لمحہ فکریہ سامنے ہے، نیز بین الاقوامی حالات کے تناظر میں امت اسلامیہ کے افراد اور جماعتوں کے درمیان اتحاد ویکجہتی کی بے حد ضرورت ہے۔ لیکن بدقسمتی سے حالات کا صحیح شعور مفقود ہونے کے سبب انتشار میں اضافہ ہورہا ہے۔ ایسے حالات میں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ملت کی سبھی جماعتوں کو آواز دیں کہ باہمی تعاون، اتحاد ویکجہتی نیز ملی مسائل اور مشکلات کے حل کے لئے باہم مل کر سوچنے کا راستہ نکالیں۔ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کے ہر علاقہ اور ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے مسلمانوں تک پہونچنا اور انھیں اصلاح وترقی کا راستہ دکھانا کسی ایک جماعت کی بس کی بات نہیں، یہ بات بھی واضح رہے کہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں جاری ہیں۔ مسلم مخالف ذہنیت دن بدن قوی تر ہوتی جارہی ہے اور اس بات کے امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ ذہن دفکر ملک کی سب سے بڑی سیاسی طاقت کا منصب حاصل کرنے کے لئے ہے۔ ان سازشوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا وقت کا اہم تقاضا اور ملی فریضہ ہے اور اس کے لئے جماعتوں اور تنظیموں کے درمیان صرف ربط وہم آہنگی ہی نہیں، بلکہ اتحاد فکر وعمل بھی ضروری ہے۔ اس وقت ملک جن سنگین خطرات کا سامنا کررہا ہے اور مسلمانوں کو جس طرح کے چیلنج درپیش ہیں ہماری ذمہ داری ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے ہم پوری جدوجہد کریں۔ ☆☆ (چیف ایڈیٹر)

مُقدّمہ

ڈاکٹر محمد منظور عالم
چیئرمین آئی،او،ایس نئی دہلی

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمۃ اب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن انہوں نے اپنے نقوشِ پا سے جس جادۂ منزل کو منور کیا ہے اس کی روشنی نے آنے والے مسافروں کے لئے راہ آسان کردی ہے۔ میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا کہ قاضی صاحب کے انتقال سے ایک علمی روایت کے سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ وہ تو علم ومعرفت کے ایک ایسے روشن چراغ تھے جس سے سینکڑوں مینارے روشن ہوگئے اور جس کی ضیاء سے علم وتحقیق کی گذرگاہ ہمیشہ تشنگانِ علم وفن کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ قحط الرجال کے اس دور میں ایسے لوگوں کا وجود، اللہ کی خاص عنایات اور اس ملتِ مظلوم پر اس کے بے پایاں احسانات کا مظہر تھا۔

قاضی صاحبؒ کی شخصیت اس شجر طیبہ کی مثال تھی جو ایک ایسی اچھی ذات کا درخت ہے، جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں اور جو ہر آن اپنے رب کے حکم سے پھل دے رہا ہے۔ لوگ اس کی چھاؤں میں آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ اس شجر طیبہ کا سایۂ اللہ کے محبوب بندوں کی فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامت، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت ونظافت، برتاؤ میں خوشگواری معاملات میں راست بازی، کلام میں صداقت شعاری، قول وقرار میں پختگی، معاشرت میں حسنِ سلوک، تہذیب میں فضیلت، تمدن میں توازن اور عہد وپیمان میں وثوق پیدا کرتا ہے۔ میرے لئے تو یہ شجر طیبہ، ایک ایسے شجر سایہ دار کی طرح تھی جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر میں اپنی رہ نوردئ شوق کی تھکان اتارتا تھا۔ نئے عزائم اور حوصلوں کی سبیل ڈھونڈھنے کی کوشش کرتا تھا۔ علم وعمل کا سفر ہمیشہ سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا لیکن اس شجرِ سایہ دار کی ٹھنڈی چھاؤں اب یادوں کا محض ایک سرخ گلاب بن کر رہ گئی ہے۔

قاضی صاحب کے انتقال سے ملتِ اسلامیہ ہند کے اس متحرک تاریخی باب کا سفر اس پہلے پڑاؤ تک پہنچ گیا ہے، جس کی ابتدا نے ملت کو سیاسی جماعتوں کا تابع مہمل بننے کے بجائے اقدامی حیثیت عطا کی تھی اور جماعت علماء کو ایک وقار اور دانشوران ملت کو ایک اعتماد بخشا تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کے بعد ملت علمی اور عملی، دونوں سطح پر اس قدر تہی دامن ہوجائے گی کہ مستقبل کا سفر محال ہوجائے گا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قاضی صاحب مرحوم نے جس تاریخی لمحہ میں اپنے عملی سفر کا آغاز کیا تھا وہ لمحہ ان کی آمد کا منتظر تھا اور انہوں نے ان لمحوں میں جو اپنا کردار نبھایا وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔ آج قاضی صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کی علمی اور عملی روایت کی قدریں آنے والوں کے لئے راہ کی دشواریوں میں نشانِ منزل کی حیثیت سے ہماری رہنمائی کریں گی اور اب کام وہاں سے شروع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی جہاں سے تقسیم وطن کے بعد کے حالات میں عام طور پر ہمارے ملی قائدین کو شروع کرنے کی زحمت کرنا پڑتی تھی۔ جہاں تک ان کے علمی کارناموں کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ

اپنے عہد کا یہ بے مثال فقیہ اپنی روایت کی خود ابتدا تھا اور خود انتہا، مجتہدانہ مسائل میں فکری اعتدال کے اس دور انتشار میں، انہوں نے جو روایت قائم کی ہے، وہ ان کا ایسا امتیازی کارنامہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے کہ بقول شخصے انہوں نے خود بھی علمی تجربہ کے ساتھ اجتہادی بصیرت کا مظاہرہ کیا اور اسکے ساتھ اہل علم وفضل کو منظم کرنے اور وقت کے موضوعات پر انہیں تحقیق وتدبر کی دعوت ہی نہیں دی بلکہ اس کے لئے کامیاب منظم مساعی کر کے بڑی روشن مثال قائم کی۔

قاضی صاحب میں فراست مومنانہ، دقیقہ سنجی، بلند نگاہی، دوراندیشی، فکری میانہ روی، مردم شناشی ومردم سازی کا ملکہ اور جو عملی تحرک پایا جاتا تھا، اسے ہم اپنے ان علماء کی علمی وعملی وراثت کہہ سکتے ہیں جنہوں نے تاریخ کے ہر دور میں ایک مجتہدانہ شان سے ملت کی رہنمائی کی اور ملت کے شیرازہ کو اس طرح باہم مربوط بنائے رکھا کہ وقت کی تیز وتند آندھیاں بھی ان میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ امارت شرعیہ کا منصب قضا ہو، ملی کونسل کی امارت ہو یا مسلم پرسنل لا جیسے نمائندہ پلیٹ فارم کی قیادت، وہ ہر جگہ اپنی امتیازی شان اور رہبرانہ صفت کے باوصف توجہ کا مرکز رہے اور اپنے بیگانے، سبھوں نے ان کی عظمت کا برملا اقرار کیا۔

گذشتہ صدی کی آٹھویں دہائی کی ابتدا میں ملک کا سیاسی منظر نامہ بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔ عالمی سطح پر جہاں دو تہذیبوں کے تصادم کے عنوان سے مسلم امۃ کے غیر مستحکم سیاسی اور اقتصادی اداروں پر حملے کی منصوبہ بندی کی جارہی تھی، وہیں ہندوستان میں فرقہ پرستی کا عفریت اپنی قبیح ترین صورت میں پوری توانائی کے ساتھ جمال آرا ہونے کی کوششیں کر رہا تھا۔ ان حالات میں پوری ملت اسلامیہ ہند ایک ایسی افراتفری کا شکار تھی کہ اسکے بزرگوں میں خوف اور اس کے نوجوانوں میں مایوسی نے اپنے قدم جمانے شروع کر دیے تھے۔ ملت کے غور وفکر کرنے والے طبقے نے عالمی سطح پر تہذیبوں کے درمیان افہام وتفہیم پیدا کرنے کے لئے ایک نئے مکالمے کا آغاز تو کیا لیکن یہ مکالمہ غیروں کی طرف سے معانقہ کم اور گلا گھونٹنے کا عمل زیادہ تھا۔ ہندوستان کی عظیم الشان آٹھ سو سالہ اسلامی تہذیب کے مظاہر، فرقہ پرستوں کے نشانے کی زد پر اس طرح آچکے تھے کہ اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے آگے بڑھ کر پیش بندی کی کوشش نہ کی جاتی تو اس لہولہان ملت کے لئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا شاید امر محال ہو جاتا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان حالات میں، میں نے وحدت کلمہ کی بنیاد پر ملت کو باہم مربوط کرنے کے منصوبے کا خاکہ، پہلی بار مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر کے قریب جب محترم قاضی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے گفتگو کے آغاز میں ہی ایسی فکر انگیز عملی تجاویز پیش کیں کہ لگا جیسے انہوں نے اس خاکہ میں رنگ بھرنے کے لئے بہت پہلے سے تیاری کر رکھی تھی۔ میں ان دنوں پورے ملک کا دورہ کر کے مختلف دینی وملی شخصیات سے اس منصوبے پر گفتگو کر رہا تھا اور ہر جانب سے جس طرح اس منصوبے کی ستائش کی جارہی تھی۔ میرا احساس یقین میں تبدیل ہو رہا تھا کہ شاید میری یہ حقیر سی کوشش اعتماد واعتبار کی میزان پر اپنا وزن محسوس کرانے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں سورج کنڈ میں ایک مشاورتی نشست منعقد کی گئی اور اس میں خاص طور پر قاضی صاحب سے گذارش کی گئی کہ وہ نہ صرف شریک ہوں بلکہ اپنی تجاویز کا خاکہ تحریری شکل میں شرکاء کے سامنے پیش کریں تاکہ افہام وتفہیم کی جہت کے تعین میں آسانی پیدا ہو سکے۔ سورج کنڈ کی نشست اپنے مقصد کے لحاظ سے انتہائی کامیاب ثابت ہوئی۔ اور خدا کے فضل سے مئی ۱۹۹۲ء میں ممبئی کے مشہور وائی ایم سی میدان میں ملی کونسل کی تشکیل کا اعلان کر دیا گیا۔ ہر چند کہ قاضی صاحب کو اپنی بے پناہ مصروفیتوں کی وجہ سے ملی کونسل کی قیادت قبول کرنے میں عذر تھا لیکن انہوں نے اپنی بے شمار علمی اور فکری مشغولیات کے باوجود، اپنی

تمام بہترین صلاحیتوں کے ساتھ جس طرح ملی کونسل کی ترتیب وتہذیب میں اپنے آپ کو جھونک دیا، وہ اب ہماری ملی جدوجہد کی تاریخ کا ایک روشن باب بن چکا ہے۔ ملی کونسل کا یہ تجربہ اتنا کامیاب ثابت ہوا، اور ملک کے ہر چہار جانب سے وقت کے تمام موقر اور با اعتبار لوگوں نے اس طرح اس کی آواز پر لبیک کہا کہ بقول قاضی صاحب، خلافت تحریک کے بعد اس ملک میں اجتماعی شعور کے جاگنے کی اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ قاضی صاحب کی مردم شناش نگاہ نے کچھ ہی دنوں میں ملک کے بیشتر مثبت فکر رکھنے والے صاحبان علم وفضل اور رہروران شوق کا ایک پورا حلقہ سامنے لاکر کھڑا کردیا۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد پیدا کرنے کی ایسی کوشش کرنا کہ مسلمان بحیثیت امت اس ملک میں اپنی ذمہ داریاں کما حقہ پوری کرسکیں، اب صرف ایک خواب ہی نہیں تھا بلکہ اس کی عملی تعبیریں ہر جانب دیکھی اور محسوس کی جاسکتی تھیں۔

قاضی صاحب کی مشفقانہ رفاقت کا یہ سلسلہ آگے بھی بڑھتا اور مختلف عنوانات میں پھیلتا چلا گیا۔ اسلامک فقہ اکیڈمی، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن اور فاؤنڈیشن فار ایجوکیشنل ڈوِلپمنٹ جیسے کئی اہم اداروں کی تشکیل میں ان کی اس مشفقانہ رفاقت نے قدم قدم پر رہنمائی کی۔ فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام فقہی سیمیناروں کا سلسلہ ہماری علمی وفقہی روایت کا ایک گرانقدر تذکرہ ہے۔ ان مذاکروں نے مختلف الفکر علماء کو ایک ساتھ بیٹھنے، اپنی مخالف رائے کو سننے اور برداشت کرنے کی طرح ڈالی تھی، علماء دین اور جدید اہل علم کے علمی اور تحقیقی مسائل میں باہم تعاون کی شکل پیدا کی تھی۔ اس کے پس پشت دراصل وہ احساس کارفرما تھا کہ احکام شرعیہ کے اجتہاد واستنباط کے لئے ایک اجتماعی نظام کو وجود میں لایا جائے جس میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین جمع ہوں اور احکامِ شرعیہ کے تمام پہلو پر غور وخوض کے بعد رائے قائم کی جائے۔ آج اسلامک فقہ اکیڈمی ایک شجر ثمردار کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے اور یہاں جو تحقیقی وتصنیفی کام جاری ہے اس کے استناد کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک اور بیرون ملک کے کئی موقر اداروں نے تحقیق وتصنیف کے میدان میں اس کی خدمات سے نہ صرف فائدہ اٹھایا ہے بلکہ کئی اہم پروجیکٹ کا کام سپرد کرکے اس کے علمی وتحقیقی معیار کی توثیق کی ہے۔

قاضی صاحب کی ان ہی شبانہ روز کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہر چند کہ انہوں نے اپنے پیچھے اپنا کوئی قانونی وارث نہیں چھوڑا لیکن ان کی علمی وعملی روایت سے مستفید ہونے والے وارثوں کی اتنی بڑی تعداد موجود ہے کہ اب یہ کارواں نہایت خوش اسلوبی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے گا۔

''مجلہ ملی اتحاد'' محترم قاضی صاحبؒ کی امنگوں کا ترجمان تھا۔ ملی کونسل کے قیام کے کچھ ہی دنوں بعد ملی اتحاد پورے آب وتاب سے ایک ہفتہ وار کی شکل میں شائع ہونا شروع ہوگیا تھا۔ قاضی صاحب نے اس کی اشاعت میں ہمیشہ ذاتی دلچسپی لی اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کے سلسلے میں ہمیشہ متفکر رہے۔ ملی اتحاد کا یہ خصوصی شمارہ ان کی حیات وخدمات کی ایک مستند دستاویز کی صورت میں آج آپ کے سامنے ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ قاضی صاحب کی زندگی کے تمام گوشوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ اس دستاویزی شمارے میں جہاں ان کے چاہنے والوں کی تاثراتی تحریریں موجود ہیں، وہیں ان کے فکر وفن پر بھی بعض نہایت معلومات افزا مضامین شریک اشاعت کئے گئے ہیں۔

پہلا باب ان تعزیتی پیغامات اور تاثرات پر مشتمل ہے جو پوری دنیا کی محترم شخصیات اور انجمنوں نے ان کی رحلت پر ارسال کئے ہیں۔ ان لوگوں میں جہاں ایک طرف فقہ اکیڈمی جدہ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد حبیب ابن الخوجہ، شیخ وہبہ زحیلی دمشق، ڈاکٹر عبد اللہ مسفر، ریاض جیسے اہل علم ہیں وہیں دوسری طرف شیخ ماجد عبد العزیز دریس سفیر سعودی عرب، شیخ عبداللہ احمد مراد سفیر کویت اور شیخ

محمد الوفا، سفیر مراکش جیسے نمائندگان ممالکِ اسلامیہ بھی ہیں۔ قاضی صاحب کی علمی خدمات کا جہاں ایک طرف، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ، امریکہ، اخوان المسلمین، مصر، آکسفورڈ اسلامک سینٹر برطانیہ جیسے موقر اداروں اور تنظیموں نے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا ہے وہیں ونود چندر پانڈے گورنر بہار، لالو پرساد یادو، سابق وزیر اعلی بہار، چترانن مشرا سابق مرکزی وزیر، رابڑی دیوی وزیر اعلی بہار، خورشید عالم خاں سابق گورنر کرناٹک جیسے ارباب سیاست بھی، ان کی خوبیوں کی عظمت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔ مختلف النوع اور مختلف الفکر لوگوں کی جانب سے اظہار عقیدت کے یہ پیغامات دراصل قاضی صاب کی کثیر الجہت شخصیت کی بے پناہ مقبولیت کا اشاریہ ہیں۔

باب دوم میں تقریباً ۷۰ مضامین شامل ہیں۔ یہ مضامین قاضی صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے فکری و عملی کارناموں کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان میں خاصی تعداد میں ایسے مضامین ہیں جن کا انداز تاثراتی ہے لیکن ان تاثرات میں جس طرح قاضی صاحب کی زندگی کے جملہ اوصاف پیش کردئے گئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کی زندگی اپنے مخلصین کی نظر میں کس طرح ہمیشہ کھلی ہوئی کتاب کی طرح موجود رہتی تھی۔

قاضی صاحب مذہبی اور جدید تعلیم یافتہ، دونوں حلقوں میں، نہایت اعتبار واحترام سے دیکھے جاتے تھے اور ان کا یہ قابل ذکر کارنامہ ہے کہ ان دونوں حلقوں کو وہ نہ صرف ایک دوسرے سے قریب کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ ان کے اندر ایک ایسا اجتماعی شعور پیدا کر کے دکھایا جس کی کوئی دوسری مثال ماضی قریب میں نظر نہیں آتی۔ محترم مولانا رابع حسنی ندوی صاحب نے اپنے مضمون ''مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی خیر خواہ ملت اور ایک وسیع النظر عالم ورہبر'' میں ان کے ایسے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالتے ہوئے برحق لکھا ہے کہ ''مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے مسلمانوں کے دینی اور علمی حلقوں کو ایک دوسرے سے قریب ہونے میں بھی معاونت کی اور فقہ اسلامی کو اس کے جدید اور وسیع پس منظر میں دیکھنے اور اس کے لئے اجتماعی سطح پر فکر کرنے کی طرف توجہ بھی دلائی''۔

مولانا سید نظام الدین اور مولانا عبد اللہ مغیثی صاحبان کے مضامین ان کی دیرینہ رفاقتوں کی ایسی داستان ہیں جن سے نوواردانِ سفر کو ہر ہر قدم پر رہنمائی ملے گی۔

مولانا وحید الدین خاں صاحب کی تحریر محض اظہار عقیدت نہیں ہے بلکہ اعتراف حقیقت ہے کہ ''قاضی صاحب ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جنہوں نے اپنی اعلی فطری صلاحیت کے باوجود اپنی صلاحیت کو دنیا کے بازار میں کیش نہیں کرایا بلکہ اس کو دین کے حوالے کردیا۔ مجاہد الاسلام قاسمی حقیقی معنوں میں دورِ جدید کے اسلامی مجاہد تھے۔ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ایک باصلاحیت آدمی، مواقع دنیا کے مقابلہ میں مواقع دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے''۔

محترم قاضی صاحب کے اندر جو اجتہادی بصیرت کی شان تھی اس کا اقرار ملک اور بیرون ملک، ہر سطح پر عمومی طور پر ان کی زندگی میں ہی کیا جاتا رہا تھا۔ پاکستان کے مشہور ماہر اسلامی معاشیات پروفیسر خورشید احمد کا مضمون دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا اعتراف نامہ ہے۔ جس میں انہوں نے قاضی صاحب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مجھے یہ بات کہتے ہوئے کوئی باک نہیں کہ گذشتہ ربع صدی میں ہندوستان میں سب سے وقیع علمی کام کی نسبت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی ذات کی مرہون منت ہے۔ انہوں نے خود بھی علمی تجربہ کے ساتھ اجتہادی بصیرت کا مظاہرہ کیا اور اس کے ساتھ اہل علم کو منظم کرنے اور وقت کے موضوعات پر

انہیں تحقیق وتدبر کی دعوت ہی نہیں دی بلکہ اس کے لئے کامیاب منظم مساعی کر کے بڑی روشن مثال قائم کی۔ اور یہ ثابت کردیا کہ ایک بڑے پر آشوب دور میں بھی دین کے خادم کی طرح نئے چراغ جلاسکتے ہیں اور نئی روایات قائم کرسکتے ہیں''۔

مولانا مجیب اللہ ندوی، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا اسرار الحق قاسمی، مولانا عمید الزماں کیرانوی، مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا بدرالحسن قاسمی، مولانا رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا کلیم احمد صدیقی، پروفیسر طاہر محمود، پروفیسر اقبال انصاری اور پروفیسر محسن عثمانی صاحبان کے علاوہ گوشۂ مضامین میں ایسے پچاسوں اہل علم ونظر کی تحریریں موجود ہیں جنہیں اپنے اپنے موضوع پر درجہ استناد حاصل ہے۔ اس لحاظ سے یہ شمارہ دوسرے کئی مجلوں کے خاص شماروں سے ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتا ہے۔ البتہ بعض ارباب علم کی مختصر تحریروں سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے قدرے تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہوتی تو اس خصوصی شمارے کی قدر وقیمت میں اور بھی اضافہ ہوسکتا تھا۔ امید ہے کہ یہ خصوصی شمارہ جب کتابی شکل میں شائع ہوگا تو ان کمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

باب سوم میں قاضی صاحب کی ایسی قابل ذکر تحریریں شائع کی گئی ہیں جن سے ان کی فکری جہت کا بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور ان سے قاری کو، قاضی صاحب کے طریقۂ استنباط اور مسائل کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ان میں موجود استدلالی صلاحیت اور ان کی فکر کی معروضیت کا پتہ چلے گا۔ ویسے تو یہ سارے مضامین اپنے موضوع کی نسبت سے نہایت اہمیت کے حامل ہیں لیکن ''نئے مسائل کے حل کی اساس'' جیسی تحریر کو اگر قاضی صاحب کی فکری اساس کی نمائندہ تحریر کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ مسائل کی شناخت اپنی جگہ خود، تہذیب فکر کے ایک تشکیلی انجذاب کا تقاضہ کرتا ہے۔ پھر اس کے حل کی اساس کی تلاش، تعین قدر کا ایک اضافی سلسلہ ہے۔ قاضی صاحب ان ہر دو مقام کے رمز آشنا تھے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو حقیقت بیانی ہوگی کہ وہ ان دونوں مقامات پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ اس مضمون میں جس طرح انہوں نے مسائل کی شناخت، مسائل کے حل کی اساس کی تلاش، اس کی تطبیق اور توضیح کی ہے، اس سے ان کی دقیقہ سنجی اور علمی معرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے موجود مسائل کی چھ حصوں میں درجہ بندی کی ہے اور پھر اس نکتہ کی روشنی میں اس کے اسلامی حل کی طرف غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ شریعت کی اساس وبنیاد بندوں کی ان مصلحتوں اور حکمتوں پر ہے جو ضروریات زندگی اور آخرت میں پیش آتی ہیں۔ اور چونکہ احکام شرع تمام کے تمام یکساں مرتبہ ودرجہ کے نہیں ہیں لہذا ان کی رعایت میں ذراسی کوتاہی شریعت کی روح سے بہت دور لے جاسکتی ہے۔ ان مدارج احکام کا تعلق افراد اور حالات کے فرق سے بھی ہے۔ یعنی مسائل کے استنباط میں زمان ومکان کی رعایت کے بغیر اجتہادی شان پیدا نہیں کی جاسکتی ہے۔ قاضی صاحب کا یہ کہنا ہمارے فکری زاویے کی سمت مقرر کرتا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نصوص محدود ہیں اور واقعات لامحدود تو ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ روز مرہ زندگی میں ایسے واقعات کا صدور ممکن ہے، جن کا صریح حکم نصوص شریعت میں موجود نہ ہو ان حالات میں شریعت کے اصول وکلیات اور روح ومزاج کے مطابق احکام دیئے جائیں گے اور منصوص مسائل میں بھی کچھ ایسے ہیں جن کی بنیاد علت یا کسی عرف پر ہے لہذا اس علت یا عرف کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آسکتی ہے۔

باب چہارم ہندوستان بھر میں منعقد ہونے والے تعزیتی جلسوں کی مختصر رپورٹوں، باب پنجم شعرائے کرام کے منظوم اظہار عقیدت اور باب ششم فوٹو فیچر پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ آئندہ قاضی صاحب کی زندگی اور ان کے فکر وفن پر تحقیق کرنے والوں کے لئے ملی اتحاد کا یہ خصوصی شمارہ انتہائی مفید سرمایہ ثابت ہوگا۔

○○○○○

حرفِ چند

عبدالقادر شمس قاسمی
(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

سالار کارواں مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی ہمہ جہت شخصیت، اتحاد و اجتماعیت کے لئے ان کی نوع بنوع کوششیں، علمی، فقہی اور اجتہادی بصیرت اور مسلمانان ہند کے وقار و مجموعی ترقی کے لئے ان کی فکرمندی یہ اور ان جیسے بے شمار کارنامے اور ان کی زندگی کے روشن نقوش پوری امت کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت قاضی صاحب کی جدائی سے ملک و بیرون ملک کی سینکڑوں تنظیمیں و ادارے سوگوار اور لاکھوں آنکھیں اشکبار ہیں، کیوں نہ ہوں کہ دین و ملت کا چوکس نگہبان چلا گیا۔

علمی، فکری، دینی، اصلاحی، فقہی اور سماجی میدانوں اور مختلف شعبہ حیات میں ان کی کارکردگی کا اعتراف اور عقیدت و محبت کے اظہار کے طور پر ماہنامہ ''ملی اتحاد'' کا یہ خصوصی شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، ہمیں اس کا شدید احساس ہے کہ ہم اس شمارہ کو کافی تاخیر سے منظر عام پر لارہے ہیں، امید ہے کہ قارئین ہماری انتظامی، تکنیکی اور دفتری دشواریوں کے پیش نظر اس تاخیر کو محسوس نہیں کریں گے۔

حضرت قاضی صاحب مرحوم کی شخصیت یقیناً ہمہ جہت تھی اور ہر جہت ایک جہان ــــ اس نقطۂ نظر سے یہ شمارہ شاید ناکافی ہو، تاہم ہم نے کوشش کی ہے کہ مرحوم کی زندگی اور افکار و خدمات کے مختلف پہلوؤں کی جھلک پیش کرسکیں اور ان تمام اہم حضرات کے تاثرات جمع کردیئے جائیں جن کا حضرت قاضی صاحبؒ سے گہرا ربط وتعلق تھا۔ بعض ایسے مضامین بھی اس میں شامل ہیں جو محدود تعداد میں شائع ہونے والے رسالوں میں چھپ چکے ہیں مگر خصوصی نمبر میں اشاعت سے اس کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ بہت سے قلم کاروں کے مضامین اس میں شامل نہیں ہوسکے، جنہیں ہم انشاء اللہ آئندہ شماروں میں شائع کریں گے۔

ہمیں اس کا احساس ہے کہ قاضی صاحب کی ہمہ پہلو شخصیت کے احاطے کے لئے ہم نے جو وسیع خاکہ مرتب کیا تھا اس کے مطابق ہم یہ نمبر پیش نہیں کرسکے، تاہم آئندہ مرحوم کے افکار و نظریات کی مختلف جہتوں کو دریافت کرنے والوں کے لئے یہ شمارہ ممد و معاون ضرور ثابت ہوگا اور قارئین کی فکر و بصیرت میں اضافہ کا باعث بھی۔

ہماری خواہش و کوشش تھی کہ مقالہ نگار حضرات قاضی صاحب کی شخصیت کے الگ الگ پہلوؤں پر پابند ہوکر اپنے مضامین سپرد قلم فرمائیں، مگر اکثر مقالہ نگار حضرات ایسا نہیں کرسکے، جس کی وجہ سے ہم مضامین کی موضوعاتی ترتیب قائم کرنے سے قاصر رہے۔ تاہم موجودہ ترتیب میں بھی افادیت کے کئی پہلو سمٹ آئے ہیں۔

آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل حضرت مولانا حکیم محمد عبداللہ مغیثی صاحب کی سرپرستی اور مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب کی نگرانی نیز جناب انجم نعیم صاحب اور حکیم ظل الرحمن صاحب کے اس شمارے کی ترتیب میں گراں قدر تعاون کے ہم بیحد ممنون و مشکور ہیں۔ ہمیں اس نمبر سے متعلق قارئین کی آراء کا انتظار رہے گا جنہیں ہم آئندہ شماروں میں شامل اشاعت بھی کریں گے۔ ☆☆☆

پیغام

مسلمانان ہند کے بے لوث قائد و ترجمان مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ہمارے درمیان نہیں رہے مگران کی یادیں اور مختلف میدانوں میں قائم کردہ ان کے نقوش ہماری فکری رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ سے دیرینہ رفاقت، پچھلے دود ہائیوں سے بہت سے دینی وملی امور میں باہمی شرکت اور ذاتی نوعیت کے گہرے مراسم کی وجہ سے میں ان کی جدائی کا غم بھلانہیں پاؤں گا۔

انکے مشن کو لے کر آگے چلنا ان کے لئے بہترین خراج عقیدت ہوگا۔ اللہ مرحوم کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے قائم کردہ اداروں خاص طور پر آل انڈیا ملی کونسل کی سرگرمیوں کو مزید نتیجہ خیز بنانے کی جدوجہد تیز کرنے اور مرحوم کے خوابوں کی تکمیل کی قوت وتوانائی فرمائے آمین۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی شخصیت، حیات اور خدمات پر مشتمل ماہنامہ ''ملی اتحاد'' کا خصوصی شمارہ شائع ہونے پر میں جملہ احباب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ ملک بھر میں کام کرنے والے افراد میں جوش و ہمت اور توانائی بڑھے گی اور قاضی صاحبؒ کی حیات ونظریات سے روشنی پا کر فکر وعمل کو تحریک ملے گی۔

حکیم محمد عبداللہ مغیثی

سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل

باب اول

پیغامات و تاثرات



بسرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سرآمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

(علامہ اقبال)

تعزیتی پیغامات وتأثرات

فقہی و تحقیقی خدمات قابل تحسین

شیخ ماجد عبدالعزیز دریس قائم مقام سفیر سعودی عربیہ نے بھی فیکس کے ذریعہ قاضی صاحب کی دینی، فقہی، تحقیقی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اپنے رنج وملال کا اظہار کیا ہے۔

شیخ ماجد عبدالعزیز دریس
قائم مقام سفیر سعودی عربیہ نئی دہلی

جدہ فقہ اکیڈمی نے اپنے بلند پایہ علمی رفیق کھودیا

جدہ فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر محمد حبیب ابن الخوجہ نے اپنے طویل فیکس میں لکھا ہے کہ ہندوستان نے ایک ایسا نادر روزگار دماغ کھودیا جس نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے علم سے روشنی دکھائی۔ جدہ فقہ اکیڈمی کو اپنے بہترین و بلند پایہ علمی رفیق کھودینے پر گہرا دکھ ہے، جس نے جدہ اکیڈمی کے فقہی سرمایہ میں قابل قدر اضافہ کیا۔

ڈاکٹر محمد حبیب ابن الخوجہ
سکریٹری جنرل فقہ اکیڈمی، جدہ سعودی عرب

قاضی صاحب کی دینی و ملی خدمات کا لائق خراج

سفیر کویت شیخ عبداللہ احمد مراد نے بذریعہ فیکس اپنے دکھ بھرے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے قاضی صاحب کی ملی و دینی خدمات کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

شیخ عبداللہ احمد مراد
سفیر کویت نئی دہلی

قاضی صاحب کی زندگی فیض مسلسل اور دائمی عطا کا نام ہے

انتہائی حزن وملال کے ساتھ ہمیں فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل اور صدر مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے انتقال کی خبر موصول ہوئی، اللہ تعالی ان پر اپنے وسیع رحمت کا معاملہ فرمائے۔ حضرت مولانا موصوف نے دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے اپنی پوری زندگی ایک مخلص شخص کی طرح گزاردی۔ چنانچہ ان کی زندگی فیض مسلسل اور دائمی عطا کا نام ہے۔ امارت شرعیہ میں رہتے ہوئے یا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے زمانے میں یا مسلمانوں کی زندگی کو روشن کرنے کے میدان میں اور نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے آپ نے جن تنظیموں کی بنیاد رکھی اور جن اداروں کو قائم کیا وہ آپ کی بے پناہ محنت اور عظیم جہاد کی بہترین دلیل ہے، جب مرحوم نے زندگی کے ہر میدان میں گراں قدر خدمات انجام دینے شروع کردیئے تو اس وقت میرا ان سے اسلامی اخوت ومحبت کا سلسلہ قائم ہوا۔ بلاشبہ ان کی وفات پوری مسلم قوم بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے۔

ایسے نازک وقت میں ہم آپ کے غموں میں برابر کے شریک ہیں ہم اللہ تعالی سے رحمت کے طالب ہیں، اللہ تعالی مرحوم کو اپنی وسیع جنت میں داخل فرمائے، اور آپ حضرات کو ان کے پیغام کو عام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، ساتھ ہی ساتھ ہم مرحوم کے پسماندگان کے لئے صبر وسکون کی دعا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عادل عبداللہ الفلاح
کویت

قاضی صاحب کا انتقال

گہرے رنج وغم کا باعث

شیخ محمد الوفاء سفیر سلطنت مراکش نے اپنے فیکس میں قاضی صاحب کے انتقال پر اپنی طرف سے اور بادشاہ مراکش اور عوام کی جانب سے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

شیخ محمد الوفاء
سفیر سلطنت مراکش نئی دہلی

قاضی صاحب کے کارنامے

ناقابل شمار

شیخ عبدالرحمٰن راجحی ریاض (سعودی عرب) نے اپنے مرسلہ تعزیتی فیکس میں تحریر فرمایا ہے کہ: قاضی صاحب کا انتقال اہل علم اور عالم اسلامی کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے کیونکہ علماء کا معدوم ہونا دین اور اہل دین کے خسارہ کا باعث ہے، قاضی صاحب کے کارنامے ناقابل شمار ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس بڑے حادثہ کے نقصانات کی تلافی فرمائے۔

شیخ عبدالرحمن راجحی
ریاض (سعودی عرب)

علوم نبوت کے وارثین مرتے نہیں

سعودی عرب ہی سے ڈاکٹر عبداللہ مسفر اپنے تعزیتی فیکس میں رقم طراز ہیں: علماء جو علوم نبوت کے وارثین ہیں وہ مرتے نہیں کیونکہ ان کے چھوڑے ہوئے علمی ودینی کارنامے ہمیشہ روشن وتابناک اور زندہ رہتے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ مسفر
(سعودی عرب)

امت نے اپنی ایک روشن ترین

نشانی کھودی

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ امریکہ سے مرسلہ فیکس میں مشہور مفکر ڈاکٹر عبدالحمید ابوسلیمان، معروف فقیہ ڈاکٹر طٰہ جابر علوانی، ڈاکٹر ہشام الطالب اور ڈاکٹر احمد تھوتجی نے لکھا ہے کہ: حضرت قاضی صاحب کے انتقال سے امت نے اپنی ایک روشن ترین نشانی کھودی ہے، ان کی مختلف میدانوں میں ہمہ جہت تعمیری کوششیں بلاشبہ ایک علمی وعملی شہادت ہے۔ جو قابل تقلید ہے۔

انٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ
آف اسلامک تھاٹ امریکہ

عالم اسلام کا علمی وفکری نقصان

عالم اسلام کے ممتاز فقیہ شیخ وہبہ زحیلی دمشقی نے قاضی صاحب کی وفات کو عالم اسلام کا علمی وفکری نقصان قرار دیا اور لکھا کہ آج وہ درخشاں ستارہ ٹوٹ گیا جس کی تابناکی نے ہندوستان ہی کو نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کو روشنی بخشی۔ جس نے علم وحکمت کے موتی بکھیرے، جس نے نئے مسائل اور مشکل حالات میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، جو اتحاد اسلامی کا اتنا بڑا نقیب وداعی تھا کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

شیخ وهبه زحیلی، دمشق

امت کا ناقابل تلافی نقصان

اخوان المسلمین نے بھی بذریعہ فیکس حضرت قاضی صاحب کے انتقال پر پوری تحریک اخوان کی جانب سے غم کا اظہار کرتے ہوئے اسے امت کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

اخوان المسلمین، مصر

ہر وقت بیدار رہنے والا دماغ نہ رہا

آکسفورڈ سینٹر برطانیہ نے بھی قاضی صاحب کی علمی ودینی، ملی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ آج ہندوستان کا بہترین، خوب کام کرنے والا، ہر وقت بیدار رہنے والا دماغ نہ رہا، ہمیشہ کھلی رہنے والی آنکھ آہ آج بند ہوگئی، آکسفورڈ سینٹر حضرت قاضی صاحب کے علم وفکر سے مسلسل فیض یاب ہوتا رہا ہے۔

آکسفورڈ سینٹر، برطانیہ

حادثہ کبریٰ

علامہ سید سلیمان ندوی کے بیٹے ڈاکٹر سلمان ندوی مقیم ساؤتھ

افریقہ نے قاضی صاحب کے انتقال کو حادثۂ کبریٰ سے تعبیر کیا ہے۔

ڈاکٹر سلمان ندوی
مقیم ساؤتھ افریقہ

اسفار میں بھی ان کا تحقیقی و فقہی کام ساتھ ساتھ ہوتا تھا

ہمارے عزیز دوست فاضل گرامی محترم مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی کے سانحہ ارتحال کی خبر سن کر بہت ہی رنج وغم ہوا اگر چہ مرحوم کی علالت کا سلسلہ مدت سے چل رہا تھا مگر اس کا اندازہ نہیں تھا کہ اتنی جلد یہ حادثہ پیش آجائے گا اس لئے کہ وہ اپنی علالت کے زمانہ میں بھی مسلسل اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے تھے ان کے نام سے یہ ناچیز ندوۃ العلماء کے تعلیمی زمانہ سے ہی واقف تھا، واقفیت کا سبب ان کا وہ دعوت نامہ تھا جو انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں بہاری طلبہ کی انجمن کی جانب سے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے نام بھجوایا تھا، اور اس سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ سے سفارش بھی کرائی تھی، اسی بنا پر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے بہت ہی اہتمام سے دیوبند کا سفر فرمایا۔ اور وہاں طالبان علوم نبوت کے عنوان پر نہایت ہی عظیم الشان مقالہ پیش فرمایا۔ جو علمی ادبی، ثقافتی، تربیتی نقطہ نظر سے خود حضرت مولانا کی تحریروں میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اس کے بعد مرحوم سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے زمانہ میں جس کے قیام میں ان کا بڑا رول رہا ہے، ملاقات اور ان کی تقریروں کے سننے کا اتفاق ہوا، ہندستان کے علاوہ ابوظہبی، لندن وغیرہ کی کانفرنسوں میں ان سے ملاقاتیں ہوئی، اور ہر ملاقات میں ان سے محبت بڑھتی گئی، وہ میرے جائے قیام مدینۃ العین پر بھی تشریف لائے انھوں نے میرے علمی کاموں کی غیر معمولی حوصلہ افزائی فرمائی، اور اپنے علمی و تحقیقی کاموں کے بارے میں مطلع فرمایا، مجھے تعجب ہوا کہ اسفار میں بھی ان کا تحقیقی وفقہی کام ساتھ ساتھ ہوتا ہے کتابوں کے مسودے ان کے ساتھ تھے۔

بہرحال ان کی ذات گرامی بہت ہی خصوصیات وکمالات کی حامل تھی وہ فقہ اکیڈمی کے بانی وموسس تھے اور اخیر میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر بھی بنائے گئے تھے۔ جس کو بہت خوبی سے نباہ رہے تھے ان کے انتقال سے جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا بظاہر مشکل ہے اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ڈاکٹر تقی الدین ندوی
استاذ حدیث العین یونیورسٹی یو اے ای

قاضی صاحب جیسی شخصیت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کا انتقال مسلمانوں کے لئے ایک عظیم المیہ ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ قاضی صاحب جیسی شخصیت کے لوگ کسی قوم میں کبھی کبھی ہی پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مولانا کے خدمات جو انہوں نے مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کے لئے کیا ہے وہ ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

قاضی صاحب نے اپنی پوری زندگی لوگو کے خدمات، قربانیوں اور سماج کے اصلاح کے لئے وقف کر رکھی تھی۔

میری خدا سے دعا ہے کہ وہ انہیں جنت الفردوس میں سکون عطا فرمائے (آمین)

خورشید احمد خاں
سابق گورنر کرناٹک

بہار کے لئے زبردست نقصان

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کے حضرت قاضی مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کے انتقال کی خبر پا کر مجھے گہرا صدمہ ہوا ہے۔ ان کے انتقال سے ریاست نے ایک مذہبی رہنما کے ساتھ ہی عربی ادب کے ایک عظیم اسکالر کو بھی کھودیا ہے، جو بہار کے لئے ایک زبردست نقصان کا باعث ہے میری دعا ہے کہ وہ قاسمی صاحب کی روح کو سکون عطا کرے دکھ کی اس گھڑی میں میری ہمدردیاں امارت شرعیہ ودیگر اداروں کے ساتھ ہیں۔

جناب ونود چندر پانڈے
گورنر بہار

جمہوریت کا مضبوط ستون گر گیا

لالو پرشاد یادو

حضرت قاضی صاحب ملک کے ایک عظیم جمہوری ستون تھے انھوں نے ملک میں اتحاد و ہم آہنگی پیدا کرنے، پسماندہ طبقات کو تعلیم و طبی میدانوں میں اوپر اٹھانے اور خوشحال زندگی گزارنے کے لئے صنعتی تعلیمی حاصل کرنے پر زور دیا۔ آج ملک کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں کوئی حق وانصاف کی باتیں کہتا ہے تو سیاسی شعبدہ باز اس کو کنارے لگا دیتے ہیں مگر قاضی صاحب نے اہل وطن کو، سیاسی دانشوروں کو صحیح وقت میں قیمتی مشورہ دیا، ذات برادری، اور مذہب و مسلک سے بالاتر ہو کر انسانیت اور وطن دوستی کا پیغام دیا آج اقلیتوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، ان کی جان و مال کو تباہ کیا جارہا ہے۔ سارے ملک پر غم کا بادل چھایا ہوا ہے کہ آخر یہ ملک کیسے چلے گا، مرکزی حکومت اپنی کرسی بچانے کی فکر میں لگی ہوئی ہے اس کو ملک کی ترقی اور بھائی چارگی سے کچھ لینا دینا نہیں ہمیں ملک کو بچانا ہے، افسوس ہے کہ ہمارے درمیان سے جمہوریت کا ایک مضبوط ستون اٹھ گیا۔ اور اس گلشن کا مالی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ ہمیں ان کو اور ان کے آدرشوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے، جو قوم اپنے بزرگوں کو فراموش کر دیتی ہے آنے والی نسلیں بھی انھیں بھول جاتی ہیں ہماری دعا ہے کہ اس عالم کا خالق ان کی روح کو سکون عطا کرے اور جنت میں اعلی مقام دے۔

جناب لالو پرشاد یادو

صدر راشٹریہ جنتا دل

قاضی صاحب ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے

چترانن مشرا

مرحوم قاضی صاحب کا ساتھ ایک لمبے عرصے سے تھا جب میں بہار میں ایم ایل اے تھا ان دنوں بہار میں کئی فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جن میں بھاگلپور، جمشید پور، رانچی کے فسادات کافی بدنام تھے بہار شریف کا فساد لگ بھگ ایک ماہ تک چلا روزانہ واقعات ہوتے رہے اور ہم لوگ ذہنی طور پر اس فساد کو لے کر کافی پریشان رہے کہ کس طرح اس فساد کو روکا جائے، یہاں کے مقابلہ میں ہزاری باغ کا فساد چھوٹے پیمانے تک محدود رہا۔ گرڈیہہ میں ایک بڑا بم دھماکہ ہوا تھا جو رام نومی کے جلوس سے پھینکنے کے لئے بنایا جارہا تھا۔ قاضی صاحب ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کے لئے آگے آتے تھے جو اس طرح کے فسادات کا شکار ہوتے تھے خاص کر مسلمان۔ قاضی صاحب نے پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح اور ان کی ترقی کے لئے وقف کردی تھی وہ ہمیشہ جہاں بھی فساد ہوتا مظلومین اور فساد کے شکار لوگوں کی مدد کے لئے فوراً پہنچ جاتے تھے۔ سی پی آئی کے اسمبلی میں لیڈر ہونے کے ناطے برابر ہم لوگ ملا کرتے تھے اور تبادلہ خیال اور حالات پر غور و خوض کیا کرتے تھے

قاضی صاحب ایک دور رس نگاہ رکھنے والے اور سچے انسان تھے وہ مسلم سوسائٹی میں تبدیلی لانا چاہتے تھے، وہ مدارس میں رائج تعلیم کو بھی جدید کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے ایم پی فنڈ سے مدرسہ میں کمپیوٹر کی پڑھائی کے لئے رقم مانگا بھی تھا انھوں نے خود بھی کئی کمپیوٹر سینٹر

کھولے۔ وہ لڑکیوں کے جدید تعلیم کے خواہاں تھے۔ ان کے کہنے پر میں نے مغربی چمپارن کے ایک لڑکیوں کے اسکول میں کمپیوٹر سینٹر کا افتتاح کیا تھا جب میں اگیری کلچر منسٹر تھا۔ سارے مذاہب میں سب سے زیادہ عورتوں کو حقوق اسلام نے دیا ہے جیسے جائداد میں حصہ و مہر دین وطلاق وغیرہ جس کو دیکھ کر دوسرے مذہب کے لوگوں نے لجسلیشن قانون بنا کر اپنایا یہاں تک کہ پرانے زمانے میں بھی خواتین کو حکومت کرنے کا اختیار تھا آج کے زمانے میں ہم نے دیکھا کہ وزیر اعظم بھی بن رہی ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے دیکھا ہے کہ جب بہار سے لوگوں نے عرب و دیگر ممالک جا کر نوکری کر کے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا شروع کیا تو تلک اور جہیز کو مسلمانوں نے بھی اپنانا شروع کیا اور طلاق کا بھی معاملہ مسلمانوں میں بڑھا لیکن قاضی صاحب نے بروقت اس کے خلاف آواز اٹھائی، جہیز، تلک کے خلاف فتوی صادر کرنے میں کامیابی حاصل کی جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے جہیز اور تلک کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ قاضی صاحب خواتین کو زیادہ سے زیادہ حقوق دینے کے حامی و خواہاں تھے اور طلاق کے معاملہ میں صرف تین بار طلاق لفظ کا استعمال کرنے سے رشتے کو ختم کرنا بھی ان کو پسند نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ جب قاضی صاحب مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر ہوئے تو انھوں نے ایک بڑی میٹنگ کی، بڑی تعداد میں مسلم خواتین کو بھی مدعو کیا اور ان کے خیالات کو بھی جاننا چاہا یہ بات الگ ہے کہ اس میٹنگ کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوا، وہ مسلم سوسائٹی کو جدید بنانے کے خواہاں تھے اور مسلمانوں کو سائنس اور ٹکنالوجی اور کمپیوٹر کی تعلیم کے ذریعہ تمام دنیا سے جوڑنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کے باوجود وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے اور بہت بڑے محبّ وطن تھے۔

میں مرحوم قاضی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں، ہندوستان اور مسلم قوم قاضی صاحب کو کبھی فراموش نہیں کریں گے میرا یہ مشورہ ہے کہ قاضی صاحب کی یاد میں ایک بڑا اور اچھا تعلیمی ادارہ کھولا جائے جہاں دور جدید کی اونچی تعلیم دی جائے تا کہ قاضی صاحب ہمیشہ یاد کئے جا سکیں۔

چترا نن مشرا

کمیونسٹ لیڈر و سابق مرکزی وزیر

ملک کو قاضی صاحب کی سخت ضرورت تھی

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کا انتقال ملک اور ریاست کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔ قاضی صاحب جیسے محبّ وطن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے علمبردار کو ابھی ملک کی سخت ضرورت تھی۔ قاضی صاحب خدمت خلق پر یقین رکھتے تھے وہ بین اقوامی شہرت کے مالک تھے۔

محترمہ رابڑی دیوی

وزیر اعلی بہار

قاضی صاحب ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے

۱۹۶۵ء سے میرا حضرت قاضی صاحب سے تعلق رہا ہے وہ عمر میں دس سال مجھ سے چھوٹے تھے، مگر علم و فضل، ذہانت و فطانت، تحقیق، بالغ نظری اور دینی بصیرت میں آگے تھے، اور مجھ سے پہلے دنیا سے بھی رخصت ہوگئے، ان کے دل میں پوری انسانیت کا درد تھا، وہ ملت اسلامیہ کی شکستہ کشتی کو ساحل تک پہونچانے کے لئے آخری لمحہ تک جدوجہد کرتے رہے، ملک میں امن وامان کیسے قائم ہو اور یہ ملک ترقی وخوشحالی کی راہ پر کیسے گامزن رہے اس کے لئے ہمیشہ مذہبی وسیاسی رہنماؤں کو مشورہ دیا کرتے تھے، قاضی صاحب ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے، انھوں نے تعمیری ذہن رکھنے والوں کی ایک ٹیم تیار کی اور اس ٹیم کے ذریعہ ٹیکنیکل تعلیم اور انسانی خدمت کے میدان میں وسیع خدمات انجام دیں۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کے مشن اور تعمیری ذہن کو لے کر آگے بڑھیں اور حق وصداقت کے پیغام کو عام کریں۔ امارت شرعیہ انھیں بزرگوں کی امانت ہے اس کی ترقی واستحکام کے لئے ہر جہت سے کوشش کرتے رہیں۔

مولانا سید نظام الدین

امیر شریعت بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ

قاضی صاحب کو عالمی سطح پر اسلامک چیف جسٹس کی حیثیت حاصل تھی

مولانا عبدالکریم پاریکھ

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی وفات سے صرف ہندستان ہی نہیں بلکہ برصغیر کے تمام اہل علم کو بڑا علمی نقصان پہنچا ہے، حضرت قاضی صاحبؒ کی ذات کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں ایک بڑا مقام رکھتی تھی، سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا صدر اتفاق رائے سے آپ کو منتخب کیا گیا اور الحمدللہ آپ نے اس ذمہ داری کو بڑی خوبی سے نبھایا، اس عاجز کے بیس برس سے حضرت قاضی مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب سے تعلقات تھے، اللہ نے آپ کی شخصیت کو علمی اعتبار سے ساری دنیا میں اکابر علماء کی صف میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا، انھوں نے جو علمی کارنامے انجام دیئے اس کا ریکارڈ لاکھوں لاکھ صفحات میں الحمدللہ موجود ہے، جوامت مسلمہ کو علمی مسائل میں صدیوں رہنمائی کرتا رہے گا۔

حضرت قاضی صاحب کی وفات پر سارے ہندوستان کے بڑے اکابر علماء اور بیرون ہند کی عظیم شخصیات نے بہت کچھ لکھا ہے، حضرت قاضی صاحب نے اپنی محنت شاقہ اور جدوجہد سے فقہ اکیڈمی، دارالقضاء، امارت شرعیہ اور آل انڈیا ملی کونسل جیسی تنظیموں کو عروج پر پہنچادیا، ابھی بھی پچھلے سال ''قوانین اسلامی'' کے عنوان پر دستاویزی کتاب اردو اور انگریزی میں شائع کرادی ہے جس کا افتتاح ممتاز شخصیت جناب جسٹس اے ایم احمدی صاحب نے فرمایا۔ ساری دنیا میں ابھرنے والے مسلمانوں کے عائلی قوانین اور مسائل میں آپ نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے، اور ہر سطح پر کوشش کرکے ان کے مسائل کو حل فرمایا ہے۔ اور ان پر خوب خوب سیر حاصل بحث بھی کی ہے میرے نزدیک حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب کی ذات گرامی کو عالمی سطح پر اسلامک چیف جسٹس کی حیثیت حاصل تھی، اللہ تعالی ان کے حسنات کو قبول فرماکر جنت الفردوس میں مقام علیا سے نوازے آمین۔

مولانا عبدالکریم پاریکھ

خازن مسلم پرسنل لابورڈ

پورے ملک کے علما اور مسلمانوں کے لئے یہ اندوہناک حادثہ ہے

مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی وفات ایک قابل افسوس حادثہ ہے صرف امارت شرعیہ کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک کے علماء اور مسلمانوں کے لئے یہ اندوہ ناک حادثہ ہے اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے، اوران کے پسماندگان کے لئے صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء، لکھنؤ

وہ علوم دینیہ و امور سیاسیہ کے ماہر تھے

مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی چار سال سے بیمار رہ کر اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے، اور قوم وملت کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ اب لوگ ان کی خدمات کو یاد کرکے روئیں گے، انھوں نے دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی، جامعہ رحمانی مونگیر میں امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی زیر تربیت رہ کر علوم دینیہ اور امور سیاسیہ میں کمال حاصل کیا، اور حضرت مولانا منت اللہ نے ان کو پورے ملک سے متعارف کرایا، تقریر وتحریر میں باکمال بنایا۔ جب کبھی بیمار ہوئے پوری لگن سے ان کا علاج کرایا۔ اور صحت کی دولت سے مالا مال کیا۔ گو حضرت کی وفات کے بعد وہ حضرت کے مشرب ومسلک سے آگے نکل گئے اور وہ سب کچھ حاصل کیا جو ایک ذہین، ذی علم عالم دین حاصل کرسکتا تھا، بالخصوص امارت شرعیہ پر ان کی کرم فرمائی بہت زیادہ رہی اور اس کے شعبہ جات کو ترقی دی اللہ تعالی قاضی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی

دارالعلوم دیوبند

قاضی صاحب کی رحلت قیامت صغریٰ سے کم نہیں

ابراہیم سلیمان سیٹھ (سابق ایم پی)
سرپرست آل انڈیا ملی کونسل

حضرت نائب امیر شریعت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی رحلت، ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ کل عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جب کے ہندوستان کے مسلمان سنگین مسائل سے دوچار ہیں اور احمد آباد اور اطراف واکناف کے علاقوں میں مسلمانوں کی مہینہ بھر سے مسلسل قتل وغارت گری، نسل کشی اور عالم اسلام میں صیہونی اسرائیل کی فلسطین کے خلاف ظلم و بربریت جاری ہے ایسے حالات میں قاضی صاحب کا سانحہ انتقال ایک قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہے۔ آپ ایسے مدبر و دانشمند تھے جو قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی پر مکمل عبور رکھنے والے تھے، جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست پر بھی آپ کی نگاہ بہت گہری تھی اور صاحب بصیرت بھی تھے۔ حضرت مفکر اسلام علی میاں صاحب کی عظیم شخصیت کے انتقال کے بعد مسلمانان ہند کی قیادت کے لئے جو شخصیت باقی رہ گئی تھی جن کی نگاہ بلند سخن دلنواز تھا، اب وہ بھی نہ رہی، اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ حضرت قاضی صاحب کی مغفرت فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ایک نعم البدل عطا فرمائے۔

وسعتِ فکر اور کثرتِ عمل ان کی شناخت تھی

مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی
رکن عاملہ ملی کونسل و مسلم پرسنل لابورڈ

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی شناخت دقت نظر، وسعت فکر اور کثرت عمل تھی۔ علم، فکر صالح اور اس پر عمل کو قاضی صاحب نے لازمۂ حیات بنا رکھا تھا جو ہم سبھوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ہندوستان کے حالات میں شرعی مسائل کے حل کی بہتر شکل کیا ہو، اس کی بنیاد ڈالی اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جلا دی اسی شمع کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے پورے ملک میں روشن کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اس کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

قاضی صاحب نے پوری عمر عملی مجاہد ہم میں گزار کر ملت کو بہت کچھ دیا، ملک و بیرون ملک کے علمی اداروں اور شخصیات نے ان سے علمی استفادہ کیا اور پوری دنیا میں ہندوستانی مسلمانوں کی وہ شناخت بنے۔ راقم کو ۴۰ سے بھی زائد برس ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، ہر موقع پر قاضی صاحب کی متانت، معاملہ فہمی، صبر وتحمل اور وسعت نظری کی نئی جھلک دیکھنے کو ملی۔

وہ اپنے انداز کے منفرد آدمی تھے

صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے ماہر فقہ اسلامی مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے انتقال کو علمی دنیا کے لیے ایک عظیم سانحہ قرار دیا ہے۔ اور گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ قاضی صاحب اگر چہ مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مسائل کو بھی اپنی توجہ کا مرکز بناتے تھے لیکن ان کا اصل میدان فقہ اسلامی تھا، اس معاملے میں وہ اپنے انداز کے منفرد آدمی تھے۔ قاضی صاحب مرحوم کے سانحہ ارتحال سے علمی حلقے میں بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔

مولانا سید اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

ان کے انتقال کا غم برسوں رہے گا

سابق مرکزی وزیر داخلہ اور بہار کے وزیر تعمیرات جناب محمد تسلیم الدین صاحب نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے انتقال سے ہمارا ایک مذہبی قائد، بے باک ومخلص اور قابل فخر رہنما چھن گیا۔ اس طرح تاریخ کے ایک زرّیں وروشن باب کا خاتمہ ہوگیا۔ مولانا مرحوم کے انتقال کا غم برسوں رہے گا۔

محمد تسلیم الدین

وزیر تعمیرات، حکومت بہار

قاضی صاحب کے انتقال پر تعزیتی پیغامات

شہری ہوابازی کے وزیر سید شاہنواز حسین نے مشہور عالم دین اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے انتقال پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ وزیر موصوف نے جو اس وقت بنکاک میں تھے، ٹیلی فون پر یو این آئی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔ قاضی مجاہدالاسلام صاحب فقہ اسلامی پر گہری گرفت رکھنے کی وجہ سے نہ صرف برصغیر ہندوپاک میں بلکہ پورے عالم اسلام میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ سید شاہنواز حسین نے مزید کہا کہ مرحوم ہر شعبے میں مسلمانوں کے امور سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی ترقی اور فلاح وبہبود کی خاطر سینکڑوں تنظیمیں، ادارہ اور مدارس اور تکنیکی کالج قائم کئے جو ایک عظیم کارنامہ ہے۔

سید شاہنواز حسین نے قاضی مجاہدالاسلام کے پسماندگان کے ساتھ بھی اظہار تعزیت کیا اور دعا کی کہ اللہ انہیں صبر جمیل عطا کرے۔

سید شاہنواز حسین

مرکزی وزیر شہری ہوابازی حکومت ہند

قاضی صاحب مخلص انسان تھے

کانگریس صدر مسز سونیا گاندھی نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے چیئرمین اور ملک کے ممتاز عالم دین قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور ان کے اہل خانہ سے تعزیت کی ہے۔

مسز سونیا گاندھی نے کہا کہ قاضی صاحب کے انتقال سے ہندوستان اور عالم اسلام میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے وہ جلد پُر ہونا مشکل ہے۔ قاضی صاحب انتہائی فعال اور مخلص انسان تھے جنہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا۔

سونیا گاندھی

صدر کانگریس آئی

وہ عظیم اسلامی اسکالر تھے

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ایک عظیم اسلامی اسکالر تھے ان کی سوچ، ان کا فہم وتدبر اور ان کی سوجھ بوجھ بڑی گہری تھی۔ ان کی قیادت میں امارت شرعیہ ایک عظیم الشان قوت میں تبدیل ہوگئی اور ان کی رہنمائی میں ملی کونسل اور مسلم پرسنل لا بورڈ نے گراں قدر خدمات انجام دیا جنہیں پورے ملک میں سراہا گیا۔ قاضی صاحب نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ امریکہ، یورپ اور افریقی ممالک میں بھی انتہائی احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے ان کا انتقال اس ملک کا نقصان ہے میں ان کے لئے دعا گو ہوں۔

ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی، ایم پی

سابق گورنر بہار

موت العالِم موت العالَم

سید علی شاہ گیلانی

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل مشہور ومعروف عالم دین، فقیہ، اور مجتہد ۴راپریل شام ۷ر بجے اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ انا اللہ انا الیہ راجعون۔

مرحوم قاضی مجاہدالاسلام قاسمی پورے عالم اسلام میں اپنی علمی اور دینی بصیرت، تفقہ فی الدین، اور امتیازی صلاحیت کی وجہ سے مشہور ومعروف تھے اور دور جدید میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور انطباق میں گہری نظر اور دست رس رکھنے کی وجہ سے پوری ملت کا ایک قیمتی اثاثہ اور سرمایہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

آپ نے اپنی ۶۵ سالہ زندگی میں اسلام اور ملت مرحوم کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور پر بھارت کے مسلمانوں کے لئے آپ مینار نور کی حیثیت رکھتے تھے، آپ نے مرحوم علی میاں کی وفات حسرت آیات کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کی زمام قیادت سنبھالی تھی اور اپنی صحت کی خرابی کے باوجود آپ نے اسلامی قوانین کی تشریح، توضیح، اور انطباق کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں، عربی اور اردو زبان میں چار جلدوں میں آپ نے فقہیاور اسلامی قوانین کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے دور جدید کے تقاضے پورے کرنے کی اہم ترین ملی ضرورت کو پورا کردیا۔ آپ کا اجتہادی نقطہ نظر نئے ابھرتے مسائل میں بھر پور رہنمائی تھا۔ پوری ملت قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے میں ان کے رشحات قلم سے استفادہ کرنے کے اہل بنادی گئی ہے۔

بابری مسجد کی شہادت کے عظیم سانحہ کے بعد آپ نے مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر کی حیثیت سے مکالمات کا سلسلہ شروع کردیا۔ کانچی کے شنکر اچاریہ کے ساتھ بات چیت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے آپ نے مسلم خواتین کے خصوصی مسائل سے نمٹنے کے لئے بھی روابط قائم کیے۔ اور مسلم خواتین کے لئے پہلی بار یہ موقع فراہم کردیا گیا کہ وہ علماء دین کے ساتھ قریبی رابطہ قائم کرنے اور اپنے مسائل اور معاملات کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنے کا مواقع سے مستفید ہوتی رہیں۔

مرحوم قاضی مجاہدالاسلام قاسمی بیش بہا خدمات انجام دینے کے بعد اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ زندگی اور موت لازم وملزوم ہیں۔ کسی ذی نفس کو موت سے نجات نہیں مل سکتی ہے۔ اس حقیقت کو خواہی نہ خواہی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ مرحوم کی خدمات جلیلہ رب کعبہ کے یہاں درجۂ قبولیت حاصل کریں۔ دنیاوی زندگی میں ان کی لغزشیں اور کوتاہیاں معاف ہوں۔ ان کو جنت الفردوس نصیب ہو۔

ان کی وفات کے بعد ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے اس کو پُر کئے جانے کی بھی رب کائنات سے عاجزانہ درخواست ہے عالمی سطح پر پوری ملت اس وقت انتہائی نازک اور مخدوش حالات سے دوچار ہے دنیا کے گوشے گوشے میں ملت مرحوم کو کبھی ایک بہانے کبھی دوسرے بہانے نشانۂ ظلم وستم بنایا جارہا ہے اور اس کے سدباب کی کوششیں معدوم ہیں۔ ملت ایک وحدت ہونے کے بجائے نسلی، گروہی، لسانی، اور علاقائی حدبندیوں میں منقسم ہوچکی ہے، ایک ارب بیس کروڑ کی آبادی کے باوجود اس کا کوئی وزن محسوس نہیں کیا جارہا ہے اس کی کوئی آواز نہیں سنی جارہی ہے وہ دنیا کے مسائل اور حالات میں اپنے حیات بخش نظام زندگی کے حوالے سے کوئی خوش گوار تبدیلی لانے کی پوزیشن سے محروم کردی گئی ہے، کہیں اقلیت اور اکثریت کے پھیر میں مبتلا کردی گئی ہے کہیں عالمی طاقتوں کے حاشیہ بردار ہونے کی وجہ سے وہ اسلام کے عادلانہ نظام اور اقدار کی بالادستی کے منصبی فریضہ کو انجام دینے سے شرمندگی محسوس کررہی ہے اور اس طرف نہ صرف ملت بلکہ پوری انسانی برادری ان اصول واقدار زندگی سے استفادہ نہیں کرپارہی ہے جن کے

بغیر انسانیت اور اخلاقی اقدار کی برتری کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ وحدت آدم کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا ہے امن وآشتی وخوش حالی وفراغت کی تمنائیں پوری نہیں ہوسکتی ہیں۔ جنگ وجدال اور فتنہ و فساد سے نجات حاصل نہیں کی جاسکتی ہے زبردستوں اور طاقت وروں کی دست گرد اور پنجہ استبداد سے کمزور اور مادی وسائل سے محروم قومیں آزاد نہیں ہوسکتی ہیں۔

خیر امت کی حیثیت سے اپنا مقام اور مرتبہ پہچان کر پوری انسانی برادری کی خیر خواہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے لئے اعتصام بحبل للہ کے تقاضوں کو پورا کرکے ایجابی کردار ادا کرنے کے لئے مجتمع، متحرک، منظم اور فعال بن جانا چاہیے اس کے بغیر نہ ملت کے مسائل حل ہوسکتے اور نہ پوری انسانی برادری کے، نہ ہماری دنیا بہتر بن سکتی ہے اور نہ آخرت کی ابدی زندگی۔

کاش ایک مخلص مجاہد اور عالم دین کی جدائی ملت مرحوم کے زوال وادبار، اضمحلال اور انحطاط پستی وانتشار کی مہلک بیماریوں کا علاج اور مداوا ثابت ہوجائے۔

سید علی شاہ گیلانی

جماعت اسلامی، کشمیر

بدر النباض کی وفات

فقیہ الامت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی اللہ رب العزت کو پیارے ہوگئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ملک جن نازک حالات سے دوچار ہے ایسے وقت میں مولانا جیسے بدر النباض کی امت کو سخت ضرورت تھی مولانا نے انھیں حالات کے پیش نظر ملی کونسل کی داغ بیل ڈالی اور بہت جلد اس کو فروغ بھی حاصل ہوا۔ سارے ہندوستانی خاص کر شمال کے مسلمانوں میں اچھا خاصہ ربط وضبط پیدا ہوا۔ اس کے فیصلوں کا اچھا اثر مسلمانوں پر پڑا اور حکومت وقت نے بھی اس کو محسوس کیا، تیزی کے ساتھ ملی کونسل اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے پر لگی ہوئی تھی۔ اللہ تعالی کی نہ معلوم کیا مصلحت تھی کہ ایسے وقت پر اس کے روح رواں کو اٹھالیا۔

اللہ تعالی سے ہم دعا ہی کرسکتے ہیں کہ مولانا کا نعم البدل قوم کو عطا کرے، آپ کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کو جلد از جلد پُر کردے امّاذالک علی اللہ بعزیز۔

مولانا مرحوم کی خدمات کو شرف قبولیت عطا کرے، ان کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، ان کی ساری لغزشوں کو درگزر فرمائے۔ جن جن اداروں کی سرپرستی فرمارہے تھے ان تمام کو آپ کا بدل نصیب کرے، ان کے اہل خاندان اور سوگواروں کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

مولانا کاکا سعید عمری

جامعہ دارالسلام عمرآباد

ملک وملت کے لئے بہت بڑا سانحہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات ملک وملت کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے۔

مولانا مرحوم نے پوری زندگی امت مسلمہ کی دینی، ملی اور قومی خدمت میں گزاری، آخری عمر میں انھوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے فرائض نہایت ذمہ داری اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کی۔ اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور ملت اسلامیہ ہند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

مولانا مختار احمد ندوی

نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اے کہ تو مجموعہ خوبی.....

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ہندوستان کے گاؤں گاؤں اور بہت سے ممالک میں غیر معمولی مقبولیت ان کے علم و تفقہ، فکر ونظر اور بے پناہ کارکردگی کی وجہ سے تھی، وہ یقیناً بیسویں صدی میں علماء وفقہاء کے ترجمان کی حیثیت رکھتے تھے۔

۴۰ برس تک امارت شرعیہ میں بحیثیت قاضی القضاۃ ان کی کارکردگی، فقہی سیمناروں کے ذریعہ علماء کو علوم اسلامی کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کی دعوت، مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ہر سطح پر ان کی کوششیں، ساؤتھ افریقہ میں مسلم پرسنل لا کے تدوین میں ان کی گراں قدر تعاون سے اندازہ ہوتا ہے وہ قوت قہاری کے بغیر مومنانہ جراءت و

ہمت کے ساتھ قوانین اسلامی کے نفاذ کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ شاید اسی لئے محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے تو قضاء کے سب سے بڑے عہدے پر مولانا مجاہد الاسلام قاسمی فائز ہوئے۔

قاضی صاحب کے انتقال سے ذہن و دل اب بھی سوگوار ہے، جامعہ حمیدیہ بانولی، اس کے زیر اثر چلنے والے دیگر مدارس و مکاتب مرحوم کی بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مرحوم کے قائم کردہ تمام ادارے اور مشن جاری رہیں گے۔

مولانا قاری عبد الحمید
مہتمم جامعہ حمیدیہ پانولی، بھروچ

امت مسلمه کے صالح و بے لوث قائد کی وفات

یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر، امارت شرعیہ کے قاضی القضاۃ، اور امت مسلمہ کے صالح و بے لوث قائد فقیہ الاسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ؒ اس دار فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت فرمائے گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون.

حضرت قاضی صاحب ؒ کا اس دنیا سے رحلت فرمانا امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم سانحہ اور خسارہ ہے۔

جامعہ اور اس کی شاخوں میں قرآن خوانی کر کے حضرت ؒ کے لئے دعائے مغفرت وایصال ثواب کیا گیا۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل اور امت کو ان کا نعم البدل نصیب فرمائے۔ ہم سب اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اخوکم فی الدین

مولانا غلام محمد وستانوی
جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

عظیم همالیائی شخصیت کا انتقال

"یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية، فادخلي في عبادي وادخلي جنتي"

۱۴راپریل ۲۰۰۲ء کی شام کو یہ خبر بجلی بن کر گری کہ نائب امیر شریعت امارت شرعیہ، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل واسلامک فقہ اکیڈمی، ملت اسلامیہ ہندیہ کے مرد آہن، فقیہ عصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ایک طویل علالت کے بعد اپنے خالق سے جا ملے "انا اللہ وانا الیہ راجعون" اس عظیم ہمالیائی شخصیت کی وفات پر غم واندوہ کا جو اثر ہو سکتا تھا، وہی یہاں کے تمام ہندی مسلمانوں پر عموماً اور دینی وعلمی حلقہ پر خصوصاً ہوا ایسی نادرہ روزگار شخصیت روز روز پیدا نہیں ہوتی، ان کے چلے جانے سے امارت شرعیہ کو، مسلم پرسنل لابورڈ کو، ملی کونسل وفقہ اکیڈمی کو اور مختصر طور پر ملت اسلامیہ ہندیہ کو دینی، تعلیمی، سیاسی سماجی، اور معاشرتی میدان میں جو نقصان ہوا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

مادر ہند کا ایک مایہ ناز سپوت اور اسلام کا قابل فخر فرزند نہ رہا۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ ہندوستانی مسلمان انتہائی نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں "کل نفس ذائقة الموت" مگر بعض شخصیتوں کا جانا ملک وملت کا نقصان ہوتا ہے حضرت قاضی صاحب کی موت دراصل "موت العالِم موت العالَم" کی صحیح معنوں میں مصداق ہے ان کی وفات سے متعلقین ورفقاء ہی نہیں پوری ملت کو جو غم وصدمہ لاحق ہے، ہم ابناء ندوہ مقیم متحدہ عرب امارات اس میں برابر کے شریک ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ دے، پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے، اور ان کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کو پُر فرمائے اور امت کو انتشار سے محفوظ رکھے آمین۔

تنظیم ابناء ندوہ
(متحدہ عرب امارات)

ان کی رحلت کا غم مدتوں رہے گا

کل من علیھا فان یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

جب تک یہ کائنات رہے گی حیات وموت کا سلسلہ یونہی چلتا رہے گا ہر جنم لینے والا عدم کا راہی بنتا رہے گا مگر کاروبار جہاں کو سنوارنے والے اور منزلوں کے نشان چھوڑنے والے کچھ نفوس ایسے رہیں گے کہ ان کی رحلت کا غم اس زمانہ کو مدتوں رہے گا۔

ایسی ہی ایک نابغۂ روزگار شخصیت حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی تھی جس نے ایک عرصہ دراز تک قوم وملت کی ناقابل فراموش خدمات انجام دینے کے بعد ہمیں داغ مفارقت دے دیا۔ مشہور عالمی تعلیمی ادارہ دیوبند سے فارغ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کو فقہ اور شرعی احکام پر زبردست دسترس حاصل تھی، آپ نے اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی جس نے مختلف موضوعات پر ملک کے مختلف مقامات پر نہ صرف نہایت ہی کارآمد سیمینار منعقد کئے بلکہ چالیس سے زائد فقہی مسائل پر تدبر کے بعد اجتماعی فیصلے بھی کئے۔

ایک طرف آپ نائب امیر شریعت کی حیثیت سے شرعی احکام کے نفاذ اور پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ہمہ تن مصروف تھے دوسری طرف ملی مسائل کے لئے بھی آپ بے حد فکرمند تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ملی کونسل قائم کی جو آج مسلمانوں کی نمائندگی میں پیش پیش ہے اور اپنا فعال کردار ادا کر رہی ہے۔

مجاہدانہ بے باکی، دینی بصیرت، دور اندیشی، غیر معمولی قائدانہ صلاحیت، وسیع القلبی، دینی حمیت اور اسلامی تشخص کی فکر مولانا کے مزاج کا خاصہ تھے۔

ہم مسلمانان بھٹکل کے نمائندہ ادارے مجلس اصلاح وتنظیم، انجمن حامی مسلمین، جماعت المسلمین، مرکزی خلیفہ جماعت المسلمین اور جامعہ اسلامیہ بھٹکل محسوس کرتے ہیں کہ مولانا کی رحلت قوم وملت کا ایک عالمی نقصان ہے، پوری ملت کے لئے یہ ایک صدمہ جانکاہ ہے۔ آج پوری امت مسلمہ آزمائش وابتلا اور کشمکش کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے جہاں مولانا مرحوم جیسی جید شخصیت کی رہنمائی اور سرپرستی کی شدید ضرورت ہے مگر مشیت ایزدی نے انھیں ہم سے جدا کر دیا ہے۔

اس مرحلہ پر ہم اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اللہ رب العالمین سے دعاگو ہیں کہ مولانا محترم کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت کے اعلیٰ ترین مقام سے سرفراز فرمائے۔ ان کے پسماندگان اور پوری ملت کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے مولانا کا نعم البدل اس ملت کو نصیب فرمائے۔ (آمین)

من جانب

مجلس اصلاح وتنظیم بھٹکل، انجمن حامی مسلمین بھٹکل، جماعت المسلمین بھٹکل، مرکزی خلیفہ جماعت المسلمین بھٹکل، جامعہ اسلامیہ بھٹکل

آہ! حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

آہ! حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی۔ اللہ آپ کو جنت فردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اپنے قرب خاص سے نوازے (آمین) دنیا میں بھی آپ کی پہچان ایک جنتی انسان کی تھی۔ آپ پر نظر پڑتے ہی ایک جنتی انسان کا چہرہ نظروں میں بھر جاتا تھا اور دل شادکام ہو جاتا تھا اسلام کے لئے، اللہ کے دین کے لئے اور اس امت کے لئے آپ وہ سب کر گئے جو مشعل راہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے کچھ مخصوص بندوں کو مخصوص کام کے لئے اس دنیا میں بھیجتا ہے اور ان سے وہ خدمات انجام لیتا ہے۔ آپ بھی ان میں ایک برگزیدہ شخصیت تھے۔ کبر ونخوت سے پاک زندگی تواضع اور انکساری، سادگی اور خاکساری سب سے حسب مراتب محبت اور قدر افزائی یہ آپ کا طرہ امتیاز تھا ہم چھوٹے بھی آپ کے اعزاز سے نوازے جاتے تھے۔ آپ کو اللہ نے علم دین کی بصیرت سے نوازا تھا اور عملی زندگی میں بھی ایک پیکر اخلاص تھے۔ آپ نے ملت میں اپنی ایک اعلیٰ پہچان بنائی۔ اور تحسین وآفریں حاصل کی۔ آپ صاحب فکر ودانش تھے۔ آپ کی گفتگو دل پذیر ہوتی تھی۔ آپ اپنے وقت کے امام تھے، مجتہد اور فقیہ تھے۔ آپ کی علمی وفکری کاوشیں رہتی دنیا تک ہدایت کا سرچشمہ رہیں گی جو ثواب جاریہ

کے طور پر آپ کے اعمال حسنہ میں جمع ہوتی رہیں گی۔ ملت میں شخصیات کا قحط ہے آپ کے اس دنیا سے چلے جانے سے اس میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اب کون ہے جس طرف ہم رجوع ہوں آپ کی شخصیت ہمارے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے اعلیٰ مراتب کے لئے ہم دعا گو ہیں۔

عبدالحفیظ خاں (مرحوم)

مدیر ماہنامہ رہگذر (حیدرآباد)

قوم وملت یتیم ہوگئی

مفکر، قائد، رہبر ورہنمائے ملت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ صاحب سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل کے اچانک وفات سے ساری قوم وملت کو بے پناہ صدمہ وگہرا رنج ہی نہیں بلکہ یوں کہئے کہ قوم وملت یتیم ہوچکی ہے کہ ایک ایسی نایاب شخصیت جن کی رحلت سے صرف ملت کے لئے ہی نہیں بلکہ سارے اسلامی دنیا کے لئے ایک بہت بھاری وناقابل تلافی نقصان ہوا ہے اور ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی صرف قوم وملت کے لئے ہی نہیں بلکہ دین اسلام کو دنیا کے سامنے صفائی اور وضاحت سے پیش کرکے اس کو ایک نئی زندگی وراہ بخشی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مرد مجاہد کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور قوم وملت کو ایک صحیح جانشیں ونعم البدل عطا فرمائے آمین۔

ایم اے اشرف مدراس

قاضی صاحب کے خوابوں کی تکمیل ہماری ذمہ داری ہے

ہم تمام رفقاء ملی فورم جدہ، قاضی صاحب کے انتقال پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے قاضی صاحب کی مغفرت کے لئے دعا گو ہیں اور قاضی صاحب کی بے پناہ دینی فقہی، فلاحی اور تصنیفی خدمات کو جس کا دائرہ عمل ہندوستان اور تمام عالم اسلام تک پھیلا ہوا ہے، خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ قاضی صاحب کا یہ عمل ثواب جاریہ کا سبب بنے (آمین)

قاضی صاحب کی وفات ہندوستان کے ایسے پُر آشوب حالات میں ہوئی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی قیادت کی ضرورت ماضی سے زیادہ مستقبل کے لئے تھی۔

قاضی صاحبؒ صحیح معنی میں ہندوستان کے قائد تھے نہ کہ صرف مسلمانوں کے، ملک میں جب بھی کوئی بلائے ناگہانی آتی تو قاضی صاحب بلا لحاظ مذہب انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد کے لئے کوشاں رہتے۔ آج کا اجلاس آنے والی قیادت سے یہی توقع وابستہ رکھتا ہے کہ انھیں اصولوں پر عمل درآمد ہوگا۔

ہندوستان کے دشمن بین الاقوامی سطح پر ملک کا وقار مجروح کرنے میں مصروف ہیں۔ ملک کے سیکولر کردار اور مذہبی ہم آہنگی کو برباد کرنے میں ہندو انتہا پسندوں کا مخصوص طبقہ اپنی منظم منصوبہ بندی اور بے انتہا طاقت کے ساتھ برسر پیکار ہیں اور اس کے برعکس ملک کی دوسری بڑی اکثریت کمزور اور منتشر ہے آج کا یہ اجلاس بلا تفریق مسلک، فرقہ گروہ، عقائد اور تنظیم کے تمام مسلم زعما و قائدین اور صاحب رائے طبقہ سے پُرزور اور انتہائی دردمندانہ اپیل کرتا ہے کہ آپسی انتشار اور اختلاف کو بھلادیں۔

قاضی صاحب کی گزشتہ تین سالہ علالت کے دوران یہ شدید خواہش تھی کہ مسلمانان ہند کا ایک ایسا معیاری Specialised Hospital قائم کرسکیں جہاں غریب اور نادار لوگوں کو بلا لحاظ مذہب مفت علاج کی سہولت حاصل ہوسکے یہ اجلاس قائدین ملت سے اور اصحاب خیر سے اپیل کرتا ہے کہ قاضی صاحب کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی جستجو کرے اور اس سلسلہ میں بیرون ملک سے بھی امداد کے لئے منصوبہ بند کوشش کرے۔

صدر و جنرل سکریٹری و جملہ اراکین

ملی فورم جدہ

ماکان قیس هلکه هلک واحد

ولکنه بنیان قوم تهدما

عربی کا یہ شعر ہمارے جذبات کی بہتر ترجمانی کرتا ہے۔ حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کے دل کی دھڑکن تھے۔ ان کی

وفات نہ صرف ہندوستان کے لئے بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک بھاری نقصان ہے۔ وہ اس دور کے ایک عبقری شخص تھے۔ جدوجہد کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے اور دراصل وہ اسلام کے سچے مجاہد تھے۔ اپنی مختصر زندگی میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے مسلم پرسنل لابورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، آل انڈیا ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے ہندوستانی مسلمانوں کی انھوں نے شاندار راہنمائی کی جو انشاء اللہ العزیز ہمیشہ یادرکھی جائے گی۔ آپ کی شخصیت اپنی گوناگوں خوبیوں کے ساتھ حسن اخلاق اور تواضع کا بہترین نمونہ تھی۔ بالخصوص اپنے چھوٹوں کے ساتھ جس اپنائیت کا مظاہرہ کرتے تھے وہ ایک نمونہ کی چیز تھی۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ میرے ساتھ حضرت قاضی صاحب کی خصوصی عنایت ہے اللہ رب العزت نے مردم شناسی اور مردم سازی کی بڑی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ ہر فیلڈ میں کام کرنے والوں کی ایک جماعت تیار کردی۔ اللہ تعالی حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ اوران کی قبر کو جنت کا باغ بنائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

دارالافتاء دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن

وہ ایک عظیم محب وطن اور مذہبی رھنما تھے

کانگریس کمیٹی بہار کے صدر اور وزیر صحت ڈاکٹر شکیل احمد نے مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کے انتقال پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ قاضی صاحب ایک عظیم محب وطن رحم دل اور انصاف پسند مذہبی رہنما تھے، انھوں نے اپنی پوری زندگی دبے کچلے انسانوں کی خدمت میں گزاری اور سماج میں بھائی چارہ اور خیر سگالی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے، ان کے انتقال سے ملک کو نقصان پہنچا ہے۔ پردیش کانگریس کمیٹی کے سابق صدر ہدایت اللہ خان، جوان دنوں دہلی میں مقیم تھے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔

ڈاکٹر شکیل احمد

وزیر صحت وصدر بہار کانگریس

ملت پر ایسا غم ھے جسے بھلایا نھیں جاسکتا

اس وقت ملک بیمار ہے حضرت قاضی صاحب ایسے مرحلہ میں گئے جب ملک کو بڑے نازک مسائل سے گزرنا پڑ رہا ہے، لوگوں کو اس غم کی ٹیس کو بتانا اور چیر کر دکھانا ممکن نہیں ہے، بڑا خلا ہوگیا، بڑا غم مسلط ہوگیا، امارت شرعیہ پر، مسلم پرسنل لابورڈ پر، مدارس اسلامیہ پر، اور تنظیم ملت پر ایک ایسا غم جس کو بھلانا بڑا مشکل ہے، حضرت قاضی صاحب بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے، علم کی دولت اور ذہانت کی نعمت سے دل کے تاروں کو چھیڑتے اور ملت کی صحیح رہنمائی کرتے۔ امارت شرعیہ ان کی خدمات کا مرکز ومحور تھی، فقہ اسلامی میں ان کو عبور حاصل تھا، دارالقضاء امارت شرعیہ کے فیصلے ان کی فقہی بصیرت کی آئینہ دار ہیں، حضرت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے امارت شرعیہ کی مضبوط بنیادوں کے لئے ایک ٹیم تیار کی، کام کا نہج اور طریقہ سکھلایا، حضرت قاضی صاحب اس ٹیم کے ممتاز فرد تھے، پس بزرگوں کی امانت کو سنبھال کر اور جوڑ کر رکھا جائے۔ اور امارت شرعیہ کی عظمت ووقار کو مزید بلند کیا جائے۔

مولانا سید محمد ولی رحمانی

جامعہ رحمانی، مونگیر

میں نے طبقہ علماء میں طبی معلومات رکھنے والا ایسا شخص نھیں دیکھا

حضرت قاضی صاحب سے میڈیکل کالج کے طالب علمی کے زمانہ سے ہی گہرے مراسم تھے، میں نے طبقہ علماء میں طبی معلومات رکھنے والا ایسا شخص نہیں دیکھا۔ وہ مجھ سے میڈیکل کالج قائم کرنے کے لئے کہا کرتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چلنے والی تحریکات اور الزامات کے جواب کے لئے میڈیا سیل کے قیام پر زور دیتے، ہماری خواہش ہے کہ قاضی صاحب کی یہ تمنا پوری کی جائے۔

ڈاکٹر احمد عبدالحئی ، پٹنہ

ایسا وسیع القلب کہاں...

مولانا ڈاکٹر یسین علی عثمانی بدایونی
اسسٹنٹ سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل

۴راپریل کی رات میں بارہ بجے کے بعد اچانک میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی میں اتفاق سے مصروف مطالعہ تھا، دیر رات میں جب بھی کبھی ٹیلیفون پر گھنٹی بجتی ہے تو ریسیور اٹھانے سے قبل یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا نہ کرے کہ بے وقت کی یہ گھنٹی کہیں خطرے کی گھنٹی تو نہ ہو، اکثر تو یہ احساس غلط ہی ثابت ہوتا ہے مگر ۴راپریل کی شب کی یہ گھنٹی ریسیور اٹھانے کے بعد خطرے کی ہی گھنٹی ثابت ہوئی اور دلی سے فقہ اکیڈمی کے کسی کارکن نے بھرائی ہوئی آواز میں مگر جذبات پر قابو رکھتے ہوئے یہ غم ناک خبر دی کہ مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تقریباً ساڑھے سات بجے انتقال فرماگئے۔ یہ اطلاع پاتے ہی دل پر غم کا گہرا اثر ہوا اور جلد ہی آخری رسومات کی تفصیلات معلوم کر کے والسلام کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ بس اب کیا تھا قاضی صاحب کے انتقال کی نہایت ہی افسوسناک خبر، شب کا ایک بڑا حصہ اور قاضی صاحب کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر شخصیت کا تصور اور اسی کے ساتھ عالم اسلام کا انتشار اور انسانیت کا بحران، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل، گجرات میں ہو رہی مسلمانوں کی خونریزی یہ اور اسی قسم کے ذہن میں اٹھتے ہوئے بہت سے سوالات اور پھر اسی درمیان ایک عالم دین اور دوراندیش، نڈر و بے باک ملی رہنما کی رفاقت و جدائی، ظاہر ہے کیسا سانحہ ہے، اس سوچ بچار کے بیچ قدرت کے اس قانون پر یقین کہ موت کا ایک دن متعین ہے اور ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، ہر موت کی خبر پر اس قانون قدرت کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب سے میرا تعلق یا ملاقاتیں کوئی بہت دیرینہ تو نہ تھیں اور یہ ممکن بھی نہ تھا چونکہ قاضی صاحب اور میری عمر کے بیچ ایک بڑا فاصلہ تھا، قاضی صاحب کی عمر ۶۵ سے متجاوز اور میری ۳۵ سے ادھر، ظاہر ہے یہی بڑا فرق ہے دوسرا میں حضرت علامہ فضل رسول بدایونی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی کا پیرو، تیسری بات یہ کہ میرا مستقل قیام بدایوں میں اور قاضی صاحب کا دلی یا پھر سفر میں، اس طرح مسلم پرسنل لا بورڈ کی رکنیت کے بعد کل ملا کر آٹھ دس ملاقاتیں ہوئی ہونگی ان میں بھی جلسوں یا میٹنگوں کے درمیان شرکت زیادہ اور ملاقاتیں و گفتگو کم تو اس طرح شاید میری اور قاضی صاحب سے وہ ملاقاتیں جن میں کچھ گفتگو بھی ہوئی ہو کل ملا کر دو ڈھائی گھنٹے کا وقت ہو سکتا ہے لیکن میں قاضی صاحب کی جس فکر اور احساس سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ یہ کہ قاضی صاحب کی ہر ملاقات پر اس جذبہ اور احساس کا اظہار کہ مولانا! "ملت کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے" یہ اظہار وہ جلسوں میں، ملاقاتوں میں، میٹنگوں میں اس دردمندانہ لب و لہجہ میں فرماتے تھے کہ سامنے والے کا دل بھر آتا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ ان کا یہ بیان صرف بیان کی حد تک نہیں تھا ان کا یہ احساس صرف برائے احساس نہیں تھا بلکہ صداقت پر مبنی تھا سخت بیماری کے باوجود عیادت کرتے وقت بھی یہ کہتے کہ میری طبیعت تھوڑی سی سنبھل جائے تو میں سبھی مکاتب فکر اور مسلکوں کے ذمہ داروں کی خدمت میں خود حاضر ہو کر مسلم پرسنل لا بورڈ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شامل کرنے اور سب کو متحد کرنے کی کوشش کروں، بورڈ کا صدر منتخب ہونے کے بعد مجھے کئی مرتبہ کہا کہ مولانا دعا کیجئے میں صحت یاب ہو جاؤں تو آپ سے کچھ علماء کرام اور سجادگان کی فہرست لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر متحد ہو جانے اور بورڈ میں شامل ہونے کی گذارش کروں مگر افسوس یہ کہ ان کا اللہ کے یہاں سے بلاوا آگیا اور ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی بدایوں

شریف اور بریلی شریف کا کئی مرتبہ ذکر کرتے اور یہاں موجود ذمہ داروں کے سلسلہ میں تفصیل سے آگاہی حاصل کرتے، قاضی صاحب اتحاد بین المسلمین کے لئے کس درجہ سنجیدہ تھے متذکرہ بالا باتوں سے ان کے اس احساس اور جذبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح میں ان کی فراخ دلی اور وسیع القلبی کو بھی محسوس کرتا تھا مگر میں نے ان کے اس وصف کو اس وقت اور سمجھا جبکہ میری نظر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے شائع مجموعہ قوانین اسلامی میں قاضی صاحب کے تحریر کردہ پیش لفظ میں ان سطروں پر پڑی کہ جن میں انہوں نے فقہی خدمات کے سلسلے میں چند حضرات کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

''اس موقع پر میں ان تمام علماء وفقہاء کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جنہوں نے ہندوستان میں اپنی تحقیقات اور فتاوی سے بیش بہا خدمات انجام دی جن میں حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ نواب صدیق حسن خاں صاحب، علامہ میاں نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا ظفرالدین قادری اور صاحب بہار شریعت مفتی امجد علی شاگرد علامہ احمد رضا خاں بریلوی قابل ذکر ہیں'' (صفحہ ۱۸، ۱۹ مجموعہ قوانین اسلامی)۔

ان سطروں میں آخر الذکر ہر دو علماء کرام کی خدمات کا اعتراف قاضی صاحب کی ذہنی کشادگی اور وسیع القلبی کو ظاہر کرتا ہے جبکہ بہت سے دوسرے حضرات کے یہاں ایسی وسیع القلبی اور ذہنی کشادگی کہاں۔

بہر حال ایک وسیع القلب،، وسیع النظر، گفتار کا عامل، خالص ملی جذبات کا حامل، اسلام و مسلمانوں کی مخالف قوتوں کی سازشوں پر پہلی نظر رکھنے والے اور اس کے تدارک کی فوراً فکر کرنے والے قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی شخصیت کا اپنے درمیان سے اٹھ جانے کا ملت کو بہت دن تک احساس رہے گا، امید ہے کہ انشاء اللہ قاضی صاحب کے رفقا نیز ان کے ذریعہ کھڑی کی گئی تنظیموں کے ذمہ دار افراد حضرت قاضی صاحب کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے میں اپنے اپنے حصہ کا کردار ادا کر کے ان کو سچا خراج عقیدت پیش کرنے کی سعی کریں گے۔

قاضی صاحب کی رحلت

قیامت صغریٰ سے کم نہیں

مولانا سراج الحسن

امیر جماعت اسلامی ہند

ملت اسلامیہ ہند ایک بے باک، وسیع القلب، نیک سیرت عالم اور جید فقیہ سے محروم ہوگئی۔ مولانا مرحوم نے ایک طویل عرصے تک امارت شرعیہ بہار کے قاضی القضاۃ کی حیثیت سے نہ صرف شریعت کی روشنی میں مسائل حل کئے بلکہ فقہا کی ایک ٹیم تیار کی۔ ملک بھر میں امارت شرعیہ کے قیام کے لئے انتھک جدوجہد کی۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن سے لے کر آخری دم تک پرسنل لا بورڈ کی مختلف حیثیتوں میں خدمت اور رہنمائی فرماتے رہے۔ فقہ اکیڈمی کے قیام، مسلم پرسنل لاء کی تدوین اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم کی اشاعت، آل انڈیا ملی کونسل کے قیام اور اس کی رہنمائی میں آپ کا نمایاں رول رہا۔ صحت کی خرابی کے باوجود آخری دم تک ملت اسلامیہ کے دینی تشخص کی حفاظت و بقا اور اس کی بہبودی اور ترقی کے لئے کوششیں فرماتے رہے۔ اور اپنی شدید علالت کے زمانے میں انھوں نے علمی اور تحقیقی کام کو برابر جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ھے کہ وہ مرحوم کے تمام خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ ☆☆

باب دوم

نقوش وتاثرات



نگہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

(اقبال)

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

خیر خواہ ملت اور ایک وسیع النظر عالم ورہبر

مولانا سید رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
وسرپرست آل انڈیا ملی کونسل

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت عہد حاضر کی ایک ممتاز اور قائدانہ خصوصیات کی حامل شخصیت تھی وہ گوناگوں اور پُر اثر صلاحیتوں کے مالک تھے، امت اسلامیہ ہندیہ کی بہبود کے متعدد کام انجام دئے، ان کو اپنے اختیار کردہ کاموں کے لئے ہمدرد اور معاونین کو ساتھ لینے اور ان کی صلاحیتوں کو دین وملت کے مطلوبہ مقاصد کے لئے عامل بنانے کا بھی اچھا ملکہ حاصل تھا۔

اس طرح وہ ایک فرد میں ایک انجمن کا انداز رکھتے تھے، ان کی علمی وعملی صلاحیتوں کا آغاز ان کی زندگی کی ابتداء سے ہوا اور انھوں نے فقہ کو اپنا بنیادی موضوع بنایا اور ترقی کر کے مقام استناد تک پہونچے، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں جو ملک کا ایک مستند اور بڑے اعتبار کا مالک ادارہ ہے وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہوئے اور جلد اُس وقت کے امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاون خاص بن گئے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کی تشکیل دیئے جانے پر اس کے سکریٹری جنرل منتخب ہوئے، اس کے کام میں بھی مولانا مجاہد صاحبؒ ان کے معاون رہے اور انھوں نے اپنی فقہی کارکردگی سے بورڈ کو تقویت پہونچائی، ہندستانی مسلمانوں کے اس وقت کے حالات میں بورڈ کو اس کے مذکورہ بالا سکریٹری جنرل نیز بورڈ کے صدر محترم کے فکر واہتمام سے ملک میں بڑا اعتبار حاصل ہوا اور بعض مہمات سر ہوئیں اور ہندوستان میں بورڈ کو واحد نمائندگی کا اور استناد کا مقام حاصل ہوا۔ اس سلسلہ میں بھی بورڈ کے دیگر اہم ارکان ومعاونین کے ساتھ ساتھ مولانا مجاہد الاسلام صاحب کا خاصہ حصہ رہا۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی فعال شخصیت نے ان کو اس امر کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کیا کہ وہ ملت کی دیگر اجتماعی ضرورتوں کی بھی فکر کریں۔ انھوں نے مسلم مجلس مشاورت کے کمزور ہونے پر اس میں طاقت بحال کرنے کو دشوار محسوس کیا اور ان کے متوازی ادارہ ''ملی کونسل'' کے نام سے تشکیل دیا۔

دوسری طرف ملک کی فقہی ضرورت کے لئے ''فقہ اکیڈمی'' کی تشکیل کی۔ پھر ان تینوں اداروں کے توسط سے انھوں نے مسلمانوں کے ملی معاملات کو تقویت پہونچانے کی کوشش کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک زندہ قوم ہونے کے تصور کو تقویت پہونچائی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر ان کی زندگی کے آخری دو سالوں میں'' آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر (مولانا علی میاں ندویؒ) کی وفات کے بعد اس کی صدارت کی ذمہ داری بھی ان پر ہوگئی۔ وہ اس کے سرد وگرم مسائل کو دیکھے اور برتے ہوئے تھے اس لئے ان سے زیادہ اس منصب کے لئے کوئی دوسرا فرد موزوں نہیں سمجھا گیا، اس طرح ان پر ملت کی رہنمائی اور سرپرستی کے تین محاذوں کی ذمہ داری پڑگئی۔ یہ دوران کی صحت کی خاص کمزوری اور کم طاقتی کا

بھی رہا کیونکہ وہ اس مدت میں ایک پریشانی پیدا کرنے والی مسلسل علالت میں رہے لیکن وہ اسی کے ساتھ اپنی حد تک پوری رہنمائی اور دلچسپی کی کوشش کرتے رہے اوران سے ان کے اختیار کردہ ان تینوں محاذوں کو تقویت ملتی رہی، جس سے قضاء وقدر کے فیصلہ کے مطابق آغاز اپریل میں تینوں محاذ محروم ہوگئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ امت اپنے وقت کے ممتاز رہنمایان علم ودین سے یکے بعد دیگرے جلدی جلدی محروم ہوتی چلی گئی تھی اس میں یہ سانحہ اور بھی باعث فکر اور قابل افسوس محسوس کیا گیا۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کو اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے امتیاز وتفوق کی طرف بڑھتے ہوئے فرد کی حیثیت سے دیکھا گیا تھا۔ وہ دارالعلوم دیوبند میں اپنے زمانہ طالب علمی میں نمایاں طالب علم رہے۔ فارغ ہونے کے بعد انھوں نے ترقی کرکے علمی دائرہ میں اپنا مقام بنایا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے اگرچہ وطنی یا ادارہ کی نسبت کا تعلق نہ تھا لیکن ان کو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے علمی ذوق ورجحان سے مناسبت محسوس ہوئی تھی اور اسی بنیاد پر انھوں نے اپنے دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالب علمی کے دوران اپنے صوبہ کے تعلق سے قائم کردہ انجمن کے ذریعہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو توسیعی خطبہ دینے کے لئے دارالعلوم دیوبند بلایا اور خطاب کرایا وہ خطاب اہم خطاب تھا جس میں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے دینی علوم کے طالب کی خصوصیات اور ذمہ داریوں پر بہت جامع اور روح پرور خطاب کیا جو بعد میں طبع ہوکر طلباء مدارس دینیہ کے لئے مشعل راہ بنا۔

مولانا علی میاںؒ کو خطاب کے لئے بلانے نیز ان سے قریبی تعارف ہوجانے نے مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کا حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے قریبی ربط کا آغاز کا بھی کام دیا۔ پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے محاذ پر اکٹھا ہونے کے تعلق سے یہ ربط بڑھتا رہا۔ اور انھوں نے حضرت مولانا کے علمی ودعوتی ذوق ورجحان کو قریب سے دیکھا اوراس سے ہم آہنگی محسوس کی اور کارملت میں ان کے ساتھ رفاقت سے مزید قرب محسوس کیا، جس کا انھوں نے بعض نجی گفتگو میں ذکر بھی کیا۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کوان کے وسیع میدان عمل نے انسانوں کے مختلف حلقائے فکر سے گلا ملا کر رکھنے میں مدد دی اور انھوں نے ملی ضرورتوں کے تنوع کو خصوصی طور پر سمجھا اور اس میں شرکت کی کوشش کی نیز کاموں کی ضرورت کے تحت بیرون ملک سے بھی ان کا رابطہ بڑھا اور وہاں بھی ان کے تعارف اوران کی اہمیت میں اضافہ ہوا اوراس طرح ان کی شخصیت کو آفاقیت حاصل ہوئی۔

اس کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے بھی ان کا تعارف بڑھا اور ایک کو دوسرے سے رفاقت کار اور تعاون کا فائدہ ہوا، اور یہ سب ملت کے لئے وسیع تر خیر طلبی کا ذریعہ بنا۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب نے مسلمانوں کے دینی علمی حلقوں کو ایک دوسرے سے قریب ہونے میں بھی معاونت کی اور فقہ اسلامی کو اس کے جدید اور وسیع پس منظر میں دیکھنے کی اور اس کے لئے اجتماعی سطح پر فکر کرنے کی طرف توجہ دیا انھوں نے اپنی زندگی کی خاص طور پر آخری مدت جو کئی برسوں پر مشتمل رہی اپنی علالت کے ساتھ اپنے اختیار کردہ کاموں پر محنت ولگن میں گزاری، جس میں کام کے انجام دینے کے لئے ان کی بے چینی ظاہر ہوئی تھی، اور ان کی دلسوزی کا پتہ چلتا تھا۔ ان کے انتقال سے امت اسلامیہ ہندیہ ایک خیر خواہ فکر مند، وسیع النظر اور ممتاز عالم دین سے محروم ہوگئی جس کے بدل کے لئے اللہ تعالی کے خاص فضل کی ضرورت ہے، اللہ تعالی ان کی محنتوں کو قبول فرمائے اوران کوان کی خدمت ملت کی بہترین جزاء دے آمین۔

☆☆☆

دیرینہ رفاقت کی چند یادیں

مولانا سید نظام الدین

امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب قاضی شریعت سے پہلی ملاقات ۱۹۵۸ء میں جامعہ رحمانی مونگیر میں ہوئی، وہاں وہ دوسال سے تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اس وقت وہ دبلے پتلے، چھریرے بدن کے ایک نوجوان تھے اور دیکھنے میں ایک طالب علم معلوم ہوتے تھے۔ لیکن اس وقت بھی ان کا شمار جامعہ رحمانی کے ممتاز اساتذہ میں تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ان کو جامعہ میں لے آئے ان کے ساتھ کافی شفقت کا برتاؤ کرتے، اس زمانہ میں آزاد مدارس کا بورڈ قائم ہوا اور قاضی صاحب اس کے روح رواں بنائے گئے، اس کی ایک میٹنگ میں، میں مونگیر حاضر ہوا، اس کے جلسہ میں میری ایک تقریر مجمع کو پسند آئی، دوسری ملاقات ۱۹۶۰ء میں جب کہ جامعہ رحمانی مونگیر میں امارت شرعیہ کی طرف سے تربیت قضاء کا انعقاد ہوا تھا، اس کے دوسرے ہفتہ میں شریک ہوا، علماء میں قضا کے فن کو جاننے اور عملی طور پر اس کے اصولوں کو انجام دینے، توسیع دارالقضاء کے لئے قضاۃ تیار کرنے کے لئے یہ اجتماع بلایا گیا تھا، جو بڑی حد تک کامیاب رہا، اس کے بعد ہی صوبہ کے مختلف علاقوں میں امارت شرعیہ کی طرف سے دارالقضاء قائم ہوئے، اس عرصہ میں حضرت قاضی صاحب کی فقہی صلاحیت اور فن قضاء سے مناسبت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور وہ بھی مجھ سے بہت مانوس رہے، بالآخر ان کی تحریک پر امیر شریعت رابعؒ نے مجھ سے عہدۂ نظامت کو سنبھالنے کی فرمائش کی، مگر میں اس وقت مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن (بہار) میں صدر مدرس تھا، اور بہت سارے اچھے لڑکے زیر تعلیم تھے اس لئے فوری طور پر وعدہ نہ کرسکا، ۱۹۶۱ء میں مدرسہ کے بانی مولانا ریاض احمد صاحب کا وصال ہوگیا وہ مجھ پر بہت شفیق تھے اور چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، لیکن اللہ کی طرف سے یہ انتظام ہوا کہ میرے بہت سے شاگرد دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر مدرسہ میں آگئے، اور میں نے ان کو نظم ونسق اور تدریس کا کام سپرد کردیا ایک سال رہ کر ان کو تربیت دی اور ۱۹۶۲ء میں گھر چلا گیا، اس درمیان امارت شرعیہ کے قدیم ناظم مولانا قاضی احمد حسین صاحب (ممبر پارلیامنٹ) کا انتقال ہوگیا اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری عہدہ قضاء سے الگ ہوگئے، اس فوری ضرورت کو دیکھتے ہوئے اور قاضی صاحب کی صلاحیت پر پورا اعتماد کرتے ہوئے ان سے امیر شریعت رابع نے پوچھا کہ آپ امارت جاسکتے ہیں، انھوں نے آمادگی ظاہر کردی اور ۱۹۶۲ء میں ناظم اور قاضی کے عہدہ پر امارت شرعیہ آئے، اور میں نے مدرسہ رشید العلوم چترا میں صدر مدرس کی خدمت اختیار کرلی، دوسال کے بعد ۱۹۶۴ء کے آخر میں امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ اور مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ کے اصرار پر امارت شرعیہ کے قافلہ میں شامل ہوگیا پھر حضرت امیر شریعتؒ نے قضاء کے عہدہ پر قاضی صاحب کو باقی رکھا اور نظامت کا عہدہ میرے سپرد کردیا۔

اس وقت سے ہم دونوں نے ساتھ مل کر اپنے عہدوں کا فرق کئے بغیر امارت شرعیہ کے سارے کام کو انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے عوام میں اتحاد کو بحال کرنا تھا اس کے لئے تنظیمی علاقوں کا دورہ کرنا تھا، اور تمام شعبوں کی ترقی کے لئے مالی استحکام کا

نظم کرنا، ہم دونوں نے اس وقت کے کارکنوں اور مبلغوں کو ساتھ لے کر پوری لگن کے ساتھ اس کام کو انجام دیا اور اللہ کا شکر ہے کہ ہر مرحلہ میں کامیاب رہے۔ اس طرح ۱۹۶۴ء سے ۲۰۰۲ء یعنی ۳۷ سال تک ہر کام میں ساتھ رہے، یہ بات ضرور تھی کہ ہمارے منصوبوں کی کامیابی قاضی صاحب کی ذہانت ان کی اقدامی صلاحیت، ارادے کی پختگی، راستہ کی صعوبتوں کو جھیلنے اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی پوری صلاحیت تھی اور اس سے ہمیں اپنے دوروں کو کامیاب بنانے میں مدد ملتی رہی، وہ جس کام کو شروع کرتے پورے جوش و لگن کے ساتھ کرتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی لگاتے، اس طرح امارت شرعیہ کا اول دور ۵۷ء، ۶۶-۱۹۶۵ء تک، شدید مالی بحران کا دور تھا، افراد کی کمی تھی، معاونین و مخلصین انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، اکثر ہم لوگ دفتر کے مالی حالت کو دیکھ کر باہر نکل جاتے، بڑی مشقتوں کے بعد کچھ کر کے لاتے تو اس سے کام چلتا تھا، ۱۹۶۵ء میں ہندوستان اور پاکستان کی پہلی جنگ ہوئی تو اس میں امارت شرعیہ نے جو معتدل موقف اختیار کیا اس میں امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اور مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی حکمت عملی کو بڑا دخل تھا، ۶/جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے مصر، اردن اور شام پر حملہ کر کے اس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا، اس سے پوری دنیا میں اسرائیل کے خلاف غم وغصہ کی شدید لہر دوڑ گئی اور ان کی بے بسی پر امت مسلمہ میں ایک خاص ہمدردی پیدا ہوئی، اس موقعہ پر امارت شرعیہ کی طرف سے ان تینوں ممالک کو امداد پہونچانے کی اپیل کردی گئی، یہ اپیل ۲۵/جون کو جاری ہوا اور ۶/اگست کو فلسطین کے مسئلہ پر ایک اجتماع کا اعلان کردیا گیا جو انجمن اسلامیہ پٹنہ میں منعقد ہوئی۔ اس کا بڑا زبردست اثر ہوا اور اس کا بھرپور مالی تعاون سے اس کو کامیاب بنایا، شام کے سفیر عمر ابوریشہ، مصر کے نمائندہ سفیر منعام المصری شریک ہوئے، انجمن اسلامیہ میں جلسہ ہوا، عمر ابوریشہ نے عربی میں پُرجوش تقریر کی، ہلکی بارش ہو رہی تھی، مجمع بھیگ رہا تھا لیکن بالکل پُرسکون تھا، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کا جوہر اس وقت نمایاں ہوا جب عمر ابوریشہ کی تقریر کا اردو میں ترجمہ کیا کہ پورا میدان داد وتحسین سے گونج اٹھا، جب تقریر ختم ہوئی تو ابوریشہ نے کھڑے ہو کر قاضی صاحب سے معانقہ کیا اور کہا کہ میری باتوں کو آپ نے مجھ سے بہتر انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ اجلاس حضرت امیر شریعت رابع کی صدارت میں منعقد ہوا اس اجلاس میں قاضی صاحب کی شہرۂ آفاق تقریر نے اچانک امارت شرعیہ کو پستی سے بلندی کے رخ پر ڈال دیا اور کہنا چاہیے کہ یہ اجلاس امارت شرعیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہوا اس موقعہ پر جناب کلیم عاجز صاحب جو بہار کے ممتاز شاعر ہیں نے بڑا معرکۃ الآراء مضمون لکھا، جس کو نقیب اور دیگر اخبارات نے شائع کیا، اس اجلاس میں بہار کے مسلمانوں کی طرف سے تینوں ممالک کو ۷۵ ہزار روپے پیش کئے گئے اور پھر اس طرح سے ۲۱/اگست کو دہلی میں سیمینار کر کے وہاں اردن کے سفیر کو بلایا گیا جو پٹنہ نہیں آسکے تھے اور ان کی خدمت میں ۲۵ ہزار پیش کئے گئے، اس طرح ایک لاکھ دیا گیا۔ اسرائیل کی ظالمانہ رویہ کی مذمت کی گئی، اسی ۱۹۶۷ء میں ۲۲/اگست کو فرقہ وارانہ فساد ہوا جس میں مجھ کو جانا پڑا قاضی صاحب نے دفتر نظامت کو سنبھالا اور میں جتنی اطلاعات بھیجتا تھا اس سے وہ پورے ہندوستان کو باخبر کرتے تھے، اس طرح رانچی، سیتامڑھی، گریڈیہ وغیرہ کے فسادات میں امارت نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس میں قاضی صاحب کی حکمت عملی کو بڑا دخل تھا، واقعات سے ملک بھر کے لوگوں کو باخبر کرتے تھے، اس طرح رقم اور سامان آتا گیا اور ہمارے کارکن حضرت مولانا عبداللہ مرحوم اور اس کے بعض اہم شعبہ جات کو ترقی دینے کے لئے مالی ترقی پیدا ہوئی، نقیب میں شاہد رام نگری کو ایڈیٹر کے طور پر بلایا گیا اور وہ تقریباً ۱۶ سال تک نقیب سے منسلک رہے، ان کے ادارے اور سیاسی تبصرے بہت پسند کئے جاتے۔ اور اخبارات میں شائع ہوتے۔ اس کے وفود کے دوروں کا ہر سال مسلسل پروگرام ہوتا رہا جس میں قاضی صاحب اور میں پیدل، بیل گاڑی

سے سفر کرتے تھے اور گاؤں گاؤں جاتے تھے، اکثر دوروں میں امیر شریعت رابع بھی شریک ہوتے تھے، امارت شرعیہ میں سب سے پہلی رجسٹری دارالقضاء کے مکان کے لئے ہوئی، اسی سال پانی اور بجلی کا مناسب انتظام ہوا۔

فرقہ وارانہ فساد کے موقعہ پر دوسرے ملی مسائل کے سلسلہ میں بہار کے ذمہ داروں سے ملنے کا سلسلہ رہا، اسی طرح حکومت نے بھی امارت شرعیہ کے اثر کو قبول کیا۔ اسی قدیم دفتر میں شوریٰ کا اجلاس بھی ہونے لگا، بعض ہنگامی اجلاس بھی ہوئے اور وزراء کی آمد کا سلسلہ بھی رہتا، اس میں ایک وزیر آئے اور انھوں نے امیر شریعت سے کہا کہ اتنا بڑا کام ہو رہا ہے اور یہاں تک پہونچنا مشکل ہے کسی اور جگہ کو خرید یئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے انگریزوں سے تو نہیں مانگا، پتہ نہیں آپ دیں گے یا نہیں، انھوں نے کہا سرکاری زمین ہوگی تو دیں گے، جناب سراج احمد دفتر بیت المال میں تھے جو کاغذات سمجھتے تھے ان کے حوالہ یہ کام کیا گیا اور آج جہاں یہ دفتر قائم ہے اور P.W.D کی زمین ہے جس کے متعلق ۱۹۷۳ء میں جب کہ عبدالغفور صاحب وزیر اعلیٰ تھے پہلی درخواست دی گئی، آٹھ سال تک کارروائی چلتی رہی، بالآخر عبدالغفور صاحب نے استعفیٰ دے دیا اس زمانے میں جناب اخلاق الرحمٰن صاحب قدوائی گورنر ہوکر آئے ہم لوگوں نے دفتر امارت شرعیہ آنے کی دعوت دی، انھوں نے قبول کیا، ہمارے پاس جگہ نہیں تھی، شیش محل میں بلایا، انھوں نے دفتر کے تمام شعبوں کا معائنہ کیا، بہت خوش ہوئے، جب ان سے کشادہ زمین کی ضرورت کی بات کہی اور کہا کہ درخواست دی ہوئی ہے تب انھوں نے کہا کہ آپ اپنی درخواست مجھے بھیج دیجئے، وہ درخواست ان تک پہونچی، وہ اپنی ایڈوائزری کمیٹی کو دے دیا، اس نے توجہ کی اور سفارش کی کہ ایک ایکڑ زمین امارت شرعیہ کو دی جائے اسی درمیان جگن ناتھ مشرا کی سرکار آگئی یہ مسئلہ گورنمنٹ میں پیش ہوا، ۶ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو لیز پر یہ زمین امارت شرعیہ کو دی گئی۔ ۲۰ر فروری ۱۹۸۱ء کو زمین کی رجسٹری ہوئی، مگر افسوس کہ اس زمین کے حصول کے لئے شب و روز جدوجہد کرنی پڑی۔ جناب سراج احمد صاحب کا ۲ر فروری کو انتقال ہوگیا مگر سب سے زیادہ خوشی ان کو ہوتی، بڑی مشکلوں سے ۲۰ر اپریل ۱۹۸۱ء کو زمین پر قبضہ ملا، مولانا احمد حسین صاحب نائب ناظم اس مسئلہ میں آگے آگے تھے، ان کی حکمت عملی اور اقدام سے بہت سی منزلیں آسان ہوئیں، مگر قاضی صاحب کی دوراندیشی نے بہت اہم کام کیا۔ زمین کی دوبارہ پیمائش کرائی گئی اور اس کے لئے قاضی صاحب خود کھڑے رہے۔ اور جو عجلت میں کم ناپ دی گئی تھی اس کو پورا کرایا اور پورے ایک ایکڑ پر نشان لگا دیا گیا، اس وقت پولس افسر اور سب سے بڑھ کر ناپنے والے امین سے نمٹنا، نقشہ کو سمجھنا اور کاغذات پر پورا عبور رکھنا یہ قاضی صاحب کی اس خداداد صلاحیت سے ہوا کہ اس فن میں بھی اللہ نے بڑی صلاحیت عطا کی تھی۔

زمین حاصل ہوجانے کے بعد میں نے جناب فہیم الدین مرحوم کے مشورے سے ۳۷۰ فٹ کی چہار دیواری ۷ر مئی سے ۲۰ر مئی تک کی مدت میں کھڑی کروادی جس میں ۸۰ ہزار اینٹ خرچ ہوئی، مگر پوری زمین محفوظ ہوگئی، اس کے بعد یہ زمین بالکل تالاب کی شکل میں تھی جس میں کہیں دس فٹ اور کہیں پندرہ فٹ پانی بھرا ہوا تھا اس کے بھروانے میں کافی وقت لگا۔ لیکن کام مسلسل جاری رہا، بالآخر ۲۲ر مئی ۱۹۸۱ء میں سنگ بنیاد کے اجلاس کا اعلان ہوا جس میں جناب عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی بھی شریک ہوئے، وزیر اعلیٰ بہار جگن ناتھ مشرا اور شہر کے دوسرے مقررین پہونچے، اور حضرت امیر شریعت نے بنیاد رکھا۔ اس اجلاس میں حاضرین سے قاضی صاحب نے اپنے خاص انداز میں خطاب کیا، اس کے بعد حضرت امیر شریعت نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ کمرے کی تعمیر کا بار اٹھالیجئے تو دس منٹ میں ۵ر لاکھ ۴۰ ہزار کا اعلان آ گیا جس نے اسٹیج پر بیٹھے وزراء اور پٹنہ کے دانشوروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس وقت لوگوں نے امارت کے اثر کو جانا، اس کے بعد اس رقم کی وصولی کے لئے وفود کی تشکیل اور دوروں کو کامیاب بنانے کے

لئے حضرت قاضی صاحب کے کارناموں کو نمایاں لکھا جاسکتا ہے، انھوں نے دسمبر سے مارچ تک وفود کے دوروں کا نقشہ بنایا اور پورے جنوب و مشرق کا دورہ کیا اس میں قاضی صاحب پر جو جوش کا غلبہ تھا اور دیہاتیوں کے سامنے جو تقریر کرتے تھے اور ٹیکنیکل کا نقشہ جس طرح دکھلاتے تھے یہ انھیں کا حصہ تھا، پوری بات لوگوں کو سمجھ میں آجاتی تھی، دیہات کا بچہ اور عورت بھی تعمیر میں چندہ دینے سے گریز نہیں کرتے تھے اس طرح وہ رقم چند ماہ میں حاصل ہوگئی۔

پھر اس کے بعد مئی ۱۹۸۲ء سے کام شروع ہوا اور الحمد للہ دارالامارہ ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوگیا، اور قدیم مکان سے منتقل ہوا اور پھر نومبر میں بڑے عظیم الشان پیمانے پر اس جدید عمارت کا افتتاح ہوا اس میں قاضی صاحب نے معرکۃ الآراء تقریر جس جوش وخروش کے عالم میں کی اور امارت کے مستقبل کے خاکوں کو جس انداز میں پیش کیا، وہ انھیں کا حصہ تھا، اس کے بعد اسپتال کا حضرت امیر شریعت رابع کے مشورہ سے پہلی منزل کا کام شروع ہوا، اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد ۲۰ر نومبر ۱۹۸۸ء میں افتتاح ہوا اس اسپتال کی تعمیر میں بھی جناب حاجی واجد علی صاحب جو حضرت قاضی صاحب سے بے حد متاثر تھے ان کا گرانقدر عطیہ بھی ان کی کوششوں سے حاصل ہوا۔ اس کے بعد اسپتال کی دوسری منزل کی تعمیر حضرت امیر شریعت رابع کے وصال کے بعد وزیر اعلیٰ بہار لالو پرشاد یادو کے ہاتھوں ہوئی۔ میٹرنیٹی کا شعبہ قائم کیا گیا، پھر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد بھی رکھی گئی، اور اس کی تعمیر بھی ہوئی، اس کا افتتاح بھی بڑے شاندار طریقہ پر ہوا، دارالامارہ کی دوسری منزل بھی قاضی صاحب کی کوششوں اور تحریک سے تکمیل تک پہونچی، امیر شریعت رابع کے زمانہ میں ہی اس کا بھی افتتاح ہوا، طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ قاضی صاحب کے مشورہ سے منصوبہ تیار ہوتا اور سب لوگ اس کی تکمیل میں لگ جاتے، اس طرح اسپتال کی تیسری منزل الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کی تعمیر ہوگئی۔ پھر آہستہ آہستہ المعہد العالی کی عالی شان عمارت اور قاضی مسجد کی تعمیر بھی عمل میں آئی، قاضی صاحب کا ذہن تعمیری تھا اور برابر کوئی نہ کوئی تعمیری منصوبہ ان کے ذہن میں رہتا۔ پورنیہ اور دربھنگہ میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان کی زندگی میں امارت شرعیہ میں بڑے پیمانے پر جلسے ہوئے، سیمینار ہوئے۔ بہار کے دوسرے شہروں میں بھی کانفرنسیں منعقد ہوئیں ان میں وہ برابر شریک رہتے۔

اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام ممبئی کنونشن اور پھر اس کے تمام جلسوں میں ان کا بہت اہم رول رہا۔ ان جلسوں میں ان کی معرکۃ الآرا تقریر کا چرچا بہت دنوں تک جاری رہتا تھا۔ وہ مسئلہ امارت، مسلم پرسنل لا بورڈ اور حقوق انسانی کے بہترین وکیل تھے، اپنی بات مؤثر طور پر دلائل کے ساتھ کہتے اور مخاطب کو مطمئن کر دینا ان کی خاص خوبی تھی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر ہونے سے پہلے تقریباً ۲۷ر سال تک بغیر کسی عہدہ کے کام کیا، ہم لوگ ان کے ساتھ کام کرتے تھے۔

۵ر سال پہلے بیمار ہوئے جانچ کے بعد مہلک مرض ثابت ہوا، مگر پھر اللہ نے ایک حد تک شفایاب کیا اور ملک و بیرون ملک کا سفر بھی کرتے رہے۔ اسی درمیان حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جو بورڈ کے صدر تھے ان کا وصال ہوگیا تو آپ کو ۲۳ر اپریل ۲۰۰۰ء میں ارکان بورڈ نے اتفاق رائے سے بورڈ کا صدر منتخب کیا اور آپ نے بورڈ کے استحکام کے لئے ہر جہت سے جدوجہد کی، بنگلور کا سفر کیا، بنگلور میں بورڈ کا کامیاب اجلاس ہوا، اس کے بعد طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی، مگر ان کا علمی سفر جاری رہا، اسی درمیان مجموعہ قوانین اسلامی کو نظر ثانی کے بعد طبع کرایا۔ طبیعت دن بدن خراب ہونے لگی دوا وعلاج جاری تھا اور وقت موعود آپہونچا اور وہ ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء کو اللہ کے پیارے ہوگئے۔ **فرحمة الله رحمة واسعة**. افسوس کہ ہم ایک ۳۷ سالہ رفیق اور ملت اسلامیہ کے سالار سے محروم ہوگئے، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔

☆☆☆

میرے دیرینہ رفیق

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی

حکیم مولانا محمد عبداللہ مغیثی
سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل

زمانہ طالب علمی سے ہی حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی طلب علم اور حصول علوم دینی کے لئے ہمہ وقت کوشاں وجستجو میں لگے رہتے تھے، ابتدا سے ہی بامقصد موضوع میں حصہ داری اور اپنی مخاطبت میں کسی نتیجہ پر پہنچنے اور تحقیق بسیار کے بعد ہی فیصلہ کن مراحل میں داخلہ کا عزم وارادہ کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں اپنی تعلیم وتحقیق کے انداز فکر ونظر سے وہ وقت کے محترم اساتذہ کرام کے نزدیک قابل ذکر اور قابل لحاظ طلباء عزیز کی صف اول میں شامل ہوگئے مرحوم نے حضرت مدنیؒ سے تکمیل بخاری شریف کی، اور نہایت چہیتے شاگردوں کی صف میں اول درجہ حاصل کیا، قاضی صاحب مرحوم نے اپنی زندگی کا آغاز مدرسوں میں درس وتدریس سے ہی کیا آپ اپنی علمی صلاحیتوں، ذوق مطالعہ اور قابل ذکر بیان وکلام کے نتیجہ میں بڑے بڑے اہم مراکز اور معروف تعلیمی مدارس اور اداروں میں کامیاب ترین اساتذہ اور مثالی معلم ومربی کی حیثیت میں شمار کئے گئے، مطالعہ اور اسٹڈی میں وہ اس قدر منہمک رہتے تھے کہ رات رات بھر جاگ کر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے عادی تھے، بعض اساتذہ کرام کی خصوصی تربیت نے حضرت قاضی مجاہد الاسلام کو علوم دینیہ کے وہ بہتے چشمے دکھائے کہ قاضی صاحب ان سے سیرابی وتشنگی بجھانے میں لگ گئے، حضرت قاضی صاحب مرحوم نے اپنے فیوض وبرکات اور اثرات اس قدر چھوڑے ہیں کہ آج اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذریعہ جو علمی تحقیقی کام ہورہے ہیں شاید وہ بڑے بڑے مرکزی ادارے اور دارالعلوم مل کر نہیں کرسکے، حضرت قاضی صاحب کا کمال تھا کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو جوڑتے چلے جاتے تھے، مرحوم کی زندگی کا بہت اہم پہلو یہ تھا کہ بغیر تحقیق کے کچھ کہنا پسند نہیں فرماتے تھے، اور نہ ہی کچھ سننا، علماء کی نئی نسل کو حضرت قاضی صاحب نے جو طریقہ تعلیم و تربیت، رموز درس وتدریس اور اصول حرکت وعمل زندگی سمجھائے درحقیقت وہ نادر ہی نہیں نایاب وکمیاب نظر آتے ہیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی طبیعت میں عجیب درجہ کا استغنی اللہ تعالی نے ودیعت رکھا تھا، چنانچہ وقت کے بڑے بڑے طوفانوں میں کشتی ڈال کر بھی وہ بغیر سہاروں کے کنارے آگئے، آپ نے حکومت وقت کی نظروں میں نظریں ڈال کر باتیں کرنے کا عمل تحریک دیوبند کے اکابر واسلاف کے کردار وعمل سے سیکھا تھا، چنانچہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی ابتدائی خدمات سے لے کر عہدہ قضاء پر فائز رہنے تک انہوں نے جو قربانیاں دیں اور گہرے اثرات ان ریاستوں میں اپنے لائق تقلید کردار وعمل سے چھوڑے ہیں وہ آج اس عظیم ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے منارہ روشنی ہیں۔ جن کے ذریعہ ہم آج دارالقضاء کی شکل مین نہایت اہم اور ضروری تحریک سمجھ کر ہندوستان کے طول وعرض

میں چلا رہے ہیں، حضرت قاضی صاحب نے یہ ادا امام سربراہ ملت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز زندگی اور فیض صحبت سے سیکھی تھی، اور ایک جوہر خاص جو حق گوئی و بیباکی اور خاص طور پر مظلوموں اور پسماندہ طبقات کی خیر خواہی اور خبر گیری قاضی صاحب مرحوم میں موجود تھی، جس کا وقت وقت پر آپ مظاہرہ بھی فرماتے تھے وہ مثالی اور نمونہ کا عمل ہی کہا جاسکتا ہے آپ نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد اور ملک کی تباہ شدہ صورت حال کے پس منظر میں جو بات وزیر اعظم نرسمہا راؤ کے روبرو کہی وہ نا قابل فراموش حقیقت ہے۔

آپ نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی قیادت میں موجود وفد کی ترجمانی کرتے ہوئے وزیر اعظم سے صاف کہا کہ آپ کو شرم آنی چاہئے کہ آپ کے زیر سایہ سب کچھ ہو رہا ہے اور آپ پر ذرا بھی اثر نہیں ہے، اگر مسلمانوں کی عبادت گاہوں اور مسلمانوں کی حفاظت آپ نہیں کر سکتے تو وزیر اعظم کے عہدہ پر رہنے کا آپ کو قطعاً حق نہیں ہے، آپ نے ۶؍ دسمبر ۱۹۹۲ء کی صورتحال کے پیش نظر ملک میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور خود اعتمادی کے لئے ماحول سازی میں نہایت مؤثر رول ادا کیا آپ نے اپنے ساتھیوں کو کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا آپ نے نشستوں اور میٹنگوں میں فارملٹی یا خانہ پری کا عمل کبھی پیش نہیں کیا، آپ نے ملکی صورتحال اور درپیش حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے مربی اور سربراہ ملت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کا سہارا لیا، آپ کی سربراہی و قیادت میں پائے جانے والی کسمپرسی تذبذب اور غیر یقینی صورتحال کے خاتمہ کا پروجیکٹ بنایا، مسلمانوں اور ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے کلمہ کی بنیاد پر مسلم قیادت کو جمع کرنے کی سعی بلیغ کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

چنانچہ ۱۹۹۲ء کو ممبئی کے مشہور وائی۔ ایم سی میدان میں قوم وملت کے ذی شعور اور ہمدرد حلقہ کو آواز دے کر بلانے میں کامیابی حاصل کی، یہاں عالمی سطح کے عظیم جوڑ اور اجلاس میں بقول ان کے) آج اس جگہ ہر دردمند فرد ملت سمٹ کر آ گیا ہے چنانچہ متفقہ طور پر اس کانفرنس میں ملک کے ایک اتحادی پلیٹ فارم کا فیصلہ اور اعلان ہوا، اس پلیٹ فارم میں تمام مسلم تنظیموں کے ساتھ ساتھ ہر مسلک و جماعت اور مکتب فکر کی شرکت وشمولیت کی رعایت کی گئی، اور متحدہ ومتفقہ پلیٹ فارم ''آل انڈیا ملی کونسل'' کی شکل میں تشکیل دیا گیا۔

بہر کیف حضرت قاضی صاحبؒ نے درپیش حالات کے تعلق سے جس طرح کے ٹھوس اقدامات کئے وہ بروقت اور برمحل ثابت ہوئے چنانچہ ملی کونسل کے قیام نے مسلمانان ہند کو حوصلہ مندی کا جو سبق سکھایا اور اس پلیٹ فارم سے تھوڑے وقت میں جو کام ہوئے اس سے ہندوستانی مسلمان اچھی طرح باخبر اور واقف ہیں۔ حضرت قاضی صاحب باوجود ناسازی طبع اور مسلسل مہلک بیماریوں کے اپنے عزم وحوصلہ سے جو کام شروع کئے بحد ممکنہ تاحیات جاری رکھے، آج کے حالات میں حضرت قاضی صاحب مجاہدے اور، قیادت وسیادت کی بہت زیادہ ضرورت تھی لیکن وقت اجل آ پہنچا، جس میں کسی کو مجال سخن نہیں، اور ذرا بھی چون وچرا کی سکت نہیں۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

حضرت قاضی صاحب مرحوم کے چلے جانے سینکڑوں علمی تحقیقی اور اصلاحی ادارے خاص طور پر عصری علوم سے ہم آہنگ جدید علوم پر مشتمل ٹیکنیکل مراکز ان کی گرانقدر سرپرستی اور نگرانی سے محروم ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام اداروں کی حفاظت فرمائے، اور مرحوم کی منشاء کے مطابق ان کا کام چلتا رہے، اور مسلمانان ہند کو مرحوم کا سچا جانشین اور ہمدرد، مونس وغم خوار عطا کرے۔ آمین۔

☆☆☆

آہ ! فقیہ ملت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

مولانا مجیب اللہ ندوی
جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل مشرقی یوپی

۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو ۶/بجکر ۵۰ منٹ پر فقیہ ملت اور درد مند قوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کا دلی میں انتقال ہوگیا۔ ان کی زندگی کا جو چراغ کئی برسوں سے جھلملا رہا تھا وہ آخر گل ہوگیا ۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی نماز جنازہ پہلی بار دہلی میں پڑھی گئی اور پھر میت دلی سے پٹنہ لائی گئی اور وہاں امارت شرعیہ میں نماز جنازہ ہوئی اور پورے سرکاری اور غیر سرکاری اعزاز کے ساتھ مہدولی ضلع دربھنگہ میں تدفین عمل میں آئی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵۔۷۰ سال کے درمیان تھی۔

مجھے انتہائی قلق ہے کہ کسی نے رات میں فون نہیں کیا، صبح کو ۸ بجے کے اخبار سے ان کے انتقال کی اطلاع ملی۔ اسی وقت امارت شرعیہ فون کیا گیا تو علم ہوا کہ تجہیز و تکفین پٹنہ میں ہوگی۔ اس لئے دو بجے تک اعظم گڑھ سے پٹنہ پہنچنے کی کوئی صورت باقی نہیں تھی اور جنازہ میں شریک نہ ہوسکا بحمد للہ جمعہ کے وقت مجمع کے سامنے راقم الحروف نے قاضی صاحب کی شخصیت کے بارے میں مفصل تقریر کی اور دعائے مغفرت کرائی گئی دوسرے دن طلبہ اور اساتذہ نے قرآن خوانی کے بعد ایصال ثواب کیا۔

آج سے ۴/ سال پہلے وہ بیمار پڑے ڈاکٹروں نے ریڑھ کی ہڈی میں کینسر تجویز کیا۔ جب اطلاع ملی تو عیادت کے لئے اسپتال حاضر ہوا وہ زندگی سے مایوس نظر آرہے تھے میں نے کہا اگر اللہ تعالی میری زندگی کا کچھ حصہ آپ کو عطا کردے تو میں اس پر راضی ہوں انہوں نے فرمایا آپ کی محبت ہے مگر اللہ تعالی کے خزانے میں کمی نہیں ہے اس کے بعد میں نے ساؤتھ افریقہ کا سفر کیا تو اپولو اسپتال کی پوری رپورٹ اپنے ساتھ لے گیا اور وہاں اہم ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ جو تشخیص اور علاج ہے اس سے بہتر ممکن نہیں ہے واپسی پر میں نے حضرت قاضی صاحب سے عرض کیا تو ان کو بڑی تسلی ہوئی ،مگر مرض گھر کر چکا تھا اس لئے آخر وہ موت کے ساتھ ختم ہوا۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے اپنی زندگی کا آغاز ایک مدرسہ میں تدریس سے کیا، مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی مردم شناس نگاہ ان پر پڑی تو وہ ان کو مدرسہ سے ہٹا کر امارت شرعیہ میں لے آئے اور وہاں قضاء کی خدمت سپرد کی، یہاں پہنچ کر ان کو اپنی فطری صلاحیت اجاگر کرنے کا پورا موقع ملا۔ اور جلد ہی وہاں کے قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے۔

قاضی صاحب نہ صرف فقہ کی جزئیات سے واقف تھے بلکہ ان میں تفقہ تھا وہ ماخوذ کے ساتھ ماخذ اور استنباط مسائل کے اصول وقواعد سے بھی واقف تھے اسی لیے فقہ پر بعض سطحی نظر رکھنے والوں کے نزدیک بعض جدید مسائل میں ان کے فتاوے ان کو قابل اعتراض محسوس ہوتے تھے، اسلامی فقہ اکیڈمی کئے ذریعہ جو فیصلے کے گئے ان کے تفقہ کی وہ زندہ مثال ہیں، اس نہج پر سوچنے والے نوجوان علماء کی ایک ٹیم انہوں نے تیار کردی ہے۔

ان کے ساتھ تقریبا آٹھ برس مسلم پرسنل لاء بورڈ، اسلامی فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا ملی کونسل میں کام کرنے کا موقع ملا اور ہر جگہ ان کی انفرادیت باقی رہی۔ وہ بلا کے ذہین تھے، مولانا

منت اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، ان کے دماغ چاروں کی کھڑکیاں ہروقت کھلی رہتی ہیں، جس وقت وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر چنے گئے وہ بیمار چل رہے تھے مگر اس حالت میں بھی مسلم پرسنل لاء کا جو خاکہ مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ نے معتبر علماء کی ایک جماعت کے ذریعہ تیار کرایا تھا وہ تقریباً دس برس سے چھپ نہیں سکا تھا، قاضی صاحب کے دور صدارت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ بھی مجموعہ قوانین اسلامی کے نام سے شائع کرایا، مولانا منت اللہ صاحبؒ راقم الحروف کے یہاں بھی جتنا مسودہ تیار ہوتا روانہ فرماتے، میں نے اپنی سفارش میں شفعہ کے باب کے اضافہ کی بات لکھی تھی آزادی سے پہلے عدالتوں میں اس کے مطابق فیصلے ہوتے تھے جس سے مسلمانوں کی جائدادیں غیروں کے ہاتھ میں جانے سے محفوظ ہوجاتی تھیں مگر افسوس ہے اس کا ذکر اس میں نہ آسکا۔

ٹاڈا کا کالا قانون جس کے ذریعہ مسلمانوں پر کھلے بند ظلم کیا جارہا تھا اسکے خلاف ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے جو مؤثر کانفرنس انہوں نے دہلی میں کی اس کے نتیجہ میں یہ قانون کالعدم قرار پایا اب اس وقت پوٹا کی تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے خدا کرے کہ اس کے لئے بھی کوئی مردے از غیب بروں آید کارے بکند کا مصداق بن جائے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کے ذریعہ نئے فارغین کے لئے انہوں نے شرعی مسائل میں غوروفکر کا جو راستہ دکھایا ہے وہ بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے، قاضیوں کی تربیت کے لئے المعہد العالی کے نام سے جو ادارہ انہوں نے پٹنہ میں قائم کیا وہ ان کا منفرد کام ہے۔

ملت میں ان کے انتقال سے جو ہمہ جہتی خلا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہوسکے گا مگر **وماذالک علی اللہ بعزیز**۔ ☆☆☆

(بقیہ ص ۱۷۵)

جو سیاسی سطح پر ان کی لڑائی لڑ سکے۔ ان کا حوصلہ و اعتماد بحال کرسکے۔ انہیں اپنے مسائل کے لئے اجتماعی جدوجہد پر ابھار سکے اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے کاموں اور سرگرمیوں کے درمیان اشتراک وتعاون کے لئے ایک پلیٹ فارم کا کام انجام دے سکے۔ کلمہ کی بنیاد پر اتحاد کے عنوان سے مندرجہ ذیل بالا مقاصد کے لئے ملی کونسل کے قیام نے مسلمانوں کی حوصلہ کو بالخصوص بابری مسجد کی شہادت کے بعد بحال کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ تاہم بعض وجوہ سے ملی کونسل کے ذریعہ جو خواب حضرت قاضی صاحبؒ نے دیکھے وہ آج تک پورے نہیں ہوسکے۔

۱۹۷۲ء میں بھارت میں اسلامی شریعت کے تحفظ اور مسلم معاشرہ کی قرآن وسنت کی بنیاد پر اصلاح اور ملت کو نظام باطل کے عدالتی نظام سے آزادی دلا کر ملک گیر سطح پر دارالقضاء کا قیام جیسے مقاصد کو سامنے رکھ کر تمام مسالک، مکاتب فکر، طبقات و گروہوں کے مشترکہ ومتحدہ پلیٹ فارم کی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل، اکابرین امت کا ایسا کارنامہ ہے جس کے لئے آنے والی نسلیں ان کی ہمیشہ ممنون ومشکور رہیں گی۔ جن چند افراد نے یہ خواب دیکھا تھا اس کی عملی تعبیر میں اپنا پسینہ بہایا تھا ان میں قاضی صاحب محترم کا نام بھی شامل ہے۔

موصوف اس کی تاسیس سے صدر منتخب (۲۰۰۰ء) ہونے تک بورڈ کی فعالیت اور اہم کارناموں کے روح رواں رہے جب کہ وہ صرف ایک تاسیسی رکن تھے۔ صدر منتخب ہونے کے بعد صرف دو سال کے عرصے میں اپنی شدید علالت کے باوجود قاضی صاحب نے بورڈ کو ایک ایسے فعال ومتحرک ادارے میں تبدیل کردیا تھا کہ آج بورڈ نہ صرف یہ کہ مسلمانان ہند کا ایک باوقار ومستند پلیٹ فارم ہے بلکہ حکومت وقت اور برادران وطن بھی اسے مسلمانوں کی اجتماعی آواز مانتے ہیں اور ملی ودینی معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ذہاب العلماء

مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز، نئی دہلی

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ایک ممتاز مسلم رہنما اور ایک مستند عالم دین تھے، وہ ۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو دربھنگہ میں پیدا ہوئے، وہ مختلف اعلیٰ حیثیتوں کے ساتھ اسلام اور ملت اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے، اپنی آخری عمر میں وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے چیئرمین تھے۔ ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوگیا، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی موت دور آخر کے اس ظاہرہ کی ایک مثال ہے جس کو حدیث میں ''ذہاب العلماء'' کہا گیا ہے، یعنی علماء کا چلے جانا یا علماء کا اٹھ جانا، عام طور پر اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ علماء ایک کے بعد ایک مرجائیں گے اور پھر کوئی عالم دنیا میں باقی نہ رہے گا، مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں علماء سے مراد اجتہادی صلاحیت کے علماء ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اس حدیث میں علماء سے مراد بلند پایہ علماء ہیں، تاہم اس کا مطلب سادہ طور پر بلند پایہ علماء کی رحلت نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ملت کے بلند پایہ افراد کا علماء کی صف میں شامل نہ ہونا ہے، یعنی علماء بننے کے قابل لوگ علماء بننا چھوڑ دیں گے، اس سے مراد اشخاص کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ دور کا خاتمہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی حدیثیں صنعتی دور میں پیدا ہونے والے حالات کی پیشن گوئی ہیں، صنعتی دور میں ترقی کے مواقع اور مادی چمک دمک بہت بڑھ جائے گی، اس بنا پر دنیا کی طرف رغبت (Temptation) میں اتنا زیادہ اضافہ ہو جائے گا کہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ دنیوی شعبوں کی طرف بھاگنے لگیں گے، اس صورت حال کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فریب جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ
بڑی مشکل سے دل کو بزم عالم سے اٹھا پایا

''خیارکم فی الجاهلية خيارکم فی الاسلام'' کے مطابق، اعلیٰ صلاحیت کا آدمی ہی اعلیٰ عالم بنتا ہے، جب اعلیٰ اذہان دین کی طرف راغب نہ ہوں گے تو فطری طور پر یہ ہوگا کہ دین کی صفیں اعلیٰ قسم کے علماء سے خالی ہو جائیں گی، اس کے بعد صرف وہ لوگ دینی شعبوں اور دینی اداروں کو مل سکیں گے جو اپنی کم تر صلاحیت کی بنا پر مادی ترقی کے بڑے مناصب میں اپنی جگہ بنانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے، وہ تقریر اور تحریر، انتظام اور معاملہ فہمی، بصیرت اور تدبر میں اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے، وہ اگر سیکولر ڈگری اور سیکولر پروفیشن کو اپنا میدان بناتے تو یقیناً وہ بڑے بڑے دنیوی مناصب پر فائز ہو سکتے تھے، اس طرح یہ ''ذہاب العلماء'' کا ایک واقعہ ہوتا، مگر انہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیت کو اسلام اور ملت اسلام کی خدمت میں لگانے کو ترجیح دی، دنیا کے مادی بازار میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بڑی قیمت لینے کے بجائے قناعت کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر دیا، وہ ایک ایسے عالم بن گئے جنہوں نے مادی ترقی کے حصول کو اپنا نشانہ نہیں بنایا، انہوں نے دنیا کی طرف جانے کے بجائے دین کی طرف جانے کو اپنی توجہات کا مرکز بنالیا۔

وہ ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جنہوں نے اپنی اعلیٰ فطری صلاحیت کے باوجود اپنی صلاحیت کو دنیا کے بازار میں کیش نہیں کرایا بلکہ اس کو دین کے حوالے کر دیا، انہوں نے مختلف

مقامات پر سیکڑوں کی تعداد میں ملی ادارے قائم کئے، ملک کے اندر اور ملک کے باہر بہت سی ممتاز علمی اور ملی تنظیموں میں انہیں اعلیٰ مناصب دیئے گئے، وغیرہ۔

مولانا اشرف علی تھانوی (وفات ۱۹۴۳ء) سے کسی نے کہا کہ آپ کے مدرسوں میں آج کل اعلیٰ قابلیت کے علماء پیدا نہیں ہوتے، مولانا نے جواب دیا کہ اصل بات یہ نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ اعلیٰ قابلیت کے لوگ اب مدرسوں میں نہیں آتے۔

یہی مطلب ''ذہاب العلماء'' کا ہے، جس کو مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے سادہ انداز میں اس طرح بیان کر دیا، یہ نئی صورت حال جو موجودہ زمانہ میں پیدا ہوئی، اس کا سبب کیا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جدید صنعتی انقلاب نے دولت کمانے کے جو نئے طریقے پیدا کئے ہیں اس میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو ایسے برتر امکانات نظر آنے لگے جو پہلے کبھی نہیں تھے۔

قدیم زمانہ میں معیشت کا دارومدار زیادہ تر روایتی انداز کی زراعت پر تھا، اس نظام کے تحت کمائی کے مواقع بہت محدود ہوتے تھے، مگر جدید تجارتی ٹیکنالوجی اور جدید تجارتی شعبوں نے کمائی کے مواقع لاکھوں گنا زیادہ بڑھا دیئے ہیں، اب ''عاجلہ'' میں اتنی زیادہ کشش پیدا ہوگئی ہے، جو پہلے کبھی نہیں تھی۔ مادی ترقی کی یہی بڑھی ہوئی کشش ہے، جس نے اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کا رخ ان تعلیمی اداروں سے ہٹا دیا جہاں علماء پیدا کئے جاتے ہیں، وہ تیزی کے ساتھ ان سیکولر تعلیمی اداروں کی طرف بھاگنے لگے جہاں وہ افراد پیدا کئے جاتے ہیں جو جدید ترقیاتی شعبوں میں اعلیٰ مناصب پاسکیں۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو مولانا مجاہد الاسلام قاسمی حقیقی معنوں میں دور جدید کے اسلامی مجاہد تھے، موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ایک باصلاحیت آدمی مواقع دنیا کے مقابلہ میں مواقع دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کر سکے، یہ قربانی کی وہ قسم ہے جو کسی آدمی کو عظیم مجاہد بنا دیتی ہے اور مولانا مرحوم بلاشبہ اس معنی میں دور جدید کے مجاہد اسلام تھے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی متنوع خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے ہر دل عزیز اوصاف کی بنا پر ہر طبقہ کے درمیان مقبول تھے، مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے درمیان ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، وہ ایک ممتاز عالم ہونے کے ساتھ ایک مقبول رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نئی نسل کے درمیان ایسے لوگ پیدا ہوں جو مولانا مرحوم کی راہ پر چلیں، ملت کے درمیان ایسے افراد کا خلا نہ ہونے پائے جن کو بیک وقت علمی استناد بھی حاصل ہوں اور اسی کے ساتھ عوام کی مقبولیت بھی، مولانا مرحوم کی زندگی جدید مسلم نسل کو یہ مثبت پیغام دیتی ہے کہ میری موت کو ماتم کا عنوان مت بناؤ، بلکہ اس کو عزم نو کا عنوان بناؤ، ملت کے کام کو میں نے جہاں چھوڑا ہے وہاں سے آغاز کر کے آگے بڑھو، تعمیر ملت کے عمل کو مسلسل جاری رکھو، یہاں تک کہ تم اس کی آخری منزل پر پہنچ جاؤ۔

☆☆☆

عقیدۂ اتحاد

بحمد الله ملت اسلامیه ایك ایسے عقیده ، ایك ایسے نظریه اور ایك ایسی عالمگیر و لازوال فکر کی حامل هے جس نے همیشه اسے استحکام عطا کیا هے اور انتشار و افتراق کی تمام آندهیوں کے بالمقابل اسے قدم جمائے رکھنے ، ایك مرکز و محور پر قائم رهنے اور اپنی شیرازه بندی کرنے کا ولوله عطا کیا هے ۔ نظریه و عقیده کی یه گداز اور حرارت انشاء الله اس وقت تك قائم رهے گی جب تك که کلمه طیبه کا چراغ ملت کی فکر وعمل کی محرابوں میں روشن هے۔

قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

ماخوذ از خطبہ اجلاس چنئی (۳ر فروری ۲۰۰۱ء)

مرحوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
لندن

گذشتہ سال اکتوبر میں دہلی پہنچا ہوا تھا، معلوم تھا کہ مرحوم کی طبیعت اچھی نہیں چل رہی ہے، اور بیماری وہی جس میں بار بار مایوسی کی صورت پیدا ہو جایا کرتی تھی، مگر میں خود تھوڑی سی کمزوری لئے ہوئے دہلی پہنچا تھا، اور تین چار ہی دن رہ کر سنبھل چلے جانے کا قصد تھا جس کے لئے اصلاً سفر ہوا تھا۔ اس لئے مرحوم کی طرف جانے کو سنبھل سے واپسی پر رکھا تھا۔ مگر انہیں علم ہو گیا تو، اللہ بال بال مغفرت کرے، فون آ گیا، اور اس طرح نصف ملاقات ہو گئی، سنبھل اور وہاں سے تم لوگوں کے پاس لکھنؤ ہو کر دہلی کو واپسی تو نومبر کے پہلے ہفتے ہی میں ہو گئی کیونکہ ۱۲ کو لندن واپسی کے لئے فلائٹ تھی، مگر پھر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے واپسی کا سفر مؤخر کرنا پڑا، حتی کہ ۲۵ ردسمبر کو واپسی ہو سکی اور جس مجبوری سے یہ تاخیر ہوئی تھی اسی کی بنا پر قاضی صاحب مرحوم کی عیادت کے لئے بمشکل ۲۳ یا ۲۴ دسمبر کو جانا ہو سکا۔ بہت ہی کمزور حال میں پایا، اور ایسا لگا کہ یہی ملاقات اب شاید آخری ملاقات ہو، تقریباً آدھا گھنٹہ نشست رہی، میں نے پوچھا ''حالات کیسے ہیں''؟ بولے ''بے حد خراب ہیں!'' میں نے کہا قاضی صاحب، میں یہاں تقریباً دو ماہ رہ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ''اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ضرورت انقلابی سوچ ہی کی ہے۔ (بمعنی نئی سوچ، نہ کہ توڑ پھوڑ والی سوچ) پچاس سال جس طرح گذار دیئے گئے ہیں، اب سمجھ لینا چاہئے کہ اس سلسلہ کو جاری رکھنے سے کام نہیں چلے گا''۔ کاش مرحوم کی زندگی وفا کرتی اور صحت کچھ لوٹ آتی تو ضرور اس موضوع پر یہیں (لندن) سے بیٹھ کر کچھ مزید بات ہوتی۔

اس ملاقات سے ڈیڑھ سال پہلے برطانیہ ہی میں ملنا ہوا تھا، اس وقت وہ یہاں ڈیوز بری میں ''مولانا علی میاں سمینار'' میں شرکت کو آئے، ایسی کمزور تو اس وقت نہ تھی، لیکن مرض پوری طرح چھایا ہوا تھا اور ہمت پر رشک آتا تھا کہ اس حال میں سفر ہی نہیں کر ڈالا بلکہ مرض کو خاطر ہی میں نہ لانے کا سارویہ ہے، ہماری بدقسمتی سے ذوقی اور فکری اختلافات کو حدود میں نہ رکھنے کا جو ایک عام سا مزاج بنا ہوا ہے، اسی کے شاخسانہ کے طور پر یہاں مرحوم کی آمد سے قبل ان کے سلسلے میں کچھ اشتہار بازی ہوئی تھی، سمینار کے پہلے اجلاس کے صدر کی حیثیت سے مرحوم نے جو تقریر کی تو سبحان اللہ، تقریر پر تو ان کی قدرت مانی ہوئی تھی، منتظمین نے بظاہر ضرورت سمجھی تھی کہ مخالفانہ اشتہار بازی سے مرحوم کو بھی آگاہ کر دیں، موصوف نے اپنی تقریر کے ایک حصہ میں بالواسطہ طور پر اس قصہ کی طرف بھی رخ کیا، تو اس کو وہ تلخی آمیز کئے بغیر نہ رہ سکے۔ قیام ہمارے مولانا یعقوب قاسمی کے یہاں تھا، وہی ہمیشہ کا ہمارا بھی ٹھکانہ، یاد نہیں کہ وہاں کے نشست میں یا جلسے کو آتے جاتے کار کے اندر میں نے کہا ''قاضی صاحب! اب آپ مولانا علی میاں کی جگہ پر ہیں، یعنی مسلم پرسنل لا کے صدر کی حیثیت سے،

اب آپ کو مخالفتوں کے سلسلے میں تلخ کلامی سے کنارہ کرتے ہوئے وہی بڑائی اپنانی ہوگی جو حضرت مولانا کی خصوصیت تھی، بے تکلفی سے بولے ''بھئی مجھ سے یہ نہ ہوسکے گا''، اور واقعی آسان بات تو نہ تھی، کچھ دنوں بعد فقہ اکیڈمی کے خلاف نکلنے والی بعض گرم تحریروں کے جواب میں اکیڈمی کی طرف سے ایک پمفلٹ آیا جو مولانا عتیق احمد صاحب کا لکھا ہوا تھا، اس پر ان کے نام کے ساتھ رکن مسلم پرسنل لا بورڈ کا لاحقہ دیکھ کر میں مرے دل میں پھر تقاضہ ہوا کہ قاضی صاحب کو اپنی وہ ڈیوز بری والی بات اس پمفلٹ کے حوالے سے پھر یاد دلاؤں، مگر میں اس بار بھی اپنی کوشش میں ناکام رہا، اندازہ یہ ہوا کہ اکیڈمی کے خلاف گرما گرم تحریروں کے تسلسل نے ان کو بہت ہی تلخ کیا ہوا تھا۔ اللہ جانے ہمارے یہاں اختلاف رائے کے پیرایہ اظہار میں یہ تبدیلی کب آئے گی کہ دوسرے کی صرف رائے نشانہ بنے، اس کی ذات کو زخم نہ آئے۔ الا یہ کہ قطعی کفر والحاد کا معاملہ ہو۔ مجھ کو تو اس پر ''ایحب احد کم ان یاکل لحم اخیه'' یاد آجاتا ہے۔

لیکن یہ بھی کہہ دوں کہ دس پندرہ سال پہلے یہ آیت اپنے لئے بھی یاد نہیں آتی تھی۔

اللہ بال بال مغفرت کرے، میرا اور مرحوم کا تعلق بس یہ تھا کہ الفرقان کی تحریروں، بالخصوص اداریوں کی وجہ سے جہاں اور بہت سے چھوٹوں، بڑوں یا ہم عمروں کا انس حاصل ہوا، انہیں میں ایک قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بھی تھے، عمر میں مجھ سے کوئی آٹھ سال چھوٹے، اگرچہ پھر اللہ نے علم میں بہت بڑائی دی، اور بغیر کسی خاندانی پس منظر کے تھوڑی ہی سہی عمر میں وہ اپنی اسی بڑائی کی وجہ سے اپنے آپ کو منوا کے گئے، میرے الفرقانی اداریوں کا مجموعہ ''راستہ کی تلاش'' زیادہ تر انہیں کی فرمائش کا نتیجہ تھا، اللہ انہیں اس انس ومحبت کا اجر دے۔

☆☆☆

اللہ کی حکومت

اس تاریخی شاھجھانی مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے اور تاریخی لال قلعه کے سامنے کبھی قوموں کی زندگی کے فیصلے ھوتے تھے جب ھمارے ماضی کی تاریخ کا روشن باب تھا۔ لیکن آج جب ھماری نگاھیں لال قلعه کی طرف اٹھتی ھیں تو فخر کے ساتھ حسرت وندامت کے آنسو بھی ھماری آنکھوں میں آجاتے ھیں لیکن ایك بات اسی ناامیدی کے اندھیروں میں بھی سامنے آتی ھے که لال قلعه تو اجاڑا جاسکتا ھے اور ھوا ھے اور نه جانے کتنے قلعے اجاڑ ھوچکے ھیں لیکن جامع مسجد کے میناروں پر اذان قائم ھے اور انشاء الله ھمیشه قائم رھے گی۔ انسانی اقتدار کاسورج ڈوبتا رھتا ھے لیکن الله کی حکومت کا سورج کبھی بھی ڈوبنے والا نھیں ھے۔

حکومتیں آتی اور جاتی ھیں "تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" الله تعالیٰ کا فیصله ھے لیکن الله کے ساتھ رشته رکھنے والے اور الله کی رسی کو مضبوطی کے سلتھ تھامنے والے لوگوں کو یه بات سمجھ لینی چاھئے که اگر حکومت و اقتدار ھمارے ھاتھوں میں ھے تب بھی ھم خدا کے حضور سر بسجود رھیں گے اور جب حکومت و اقتدار ھمارے ھاتھوں میں نه ھو، غربت و افلاس ھم پر طاری ھو تب بھی ایمان کی دولت کو اپنے ھاتھوں سے کبھی جانے نھیں دیں گے اور آپ کایھی فیصله آپ کے مستقبل اور خود اس ملك کے تحفظ کی ضمانت ھے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

(ماخوز: تقریر بموقع "کل ھند دینی مدارس کنونشن" منعقده ۲۳/ تا ۲۵/ ستمبر ۱۹۹۴، بمقام۔ اردو پارك جامع مسجد دھلی)

کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مولانا انظر شاہ کشمیری

شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند

قاضی مجاہد الاسلام صاحب کے سانحہ وفات کی خبر وحشت اثر، نہ صرف کسی ایک گھرانے، ایک صوبے یا ایک ادارہ کی بربادیوں کی اطلاع تھی، بلکہ ملی سانحہ تھا، جس کا زخم رستا رہے گا، ایک خلا ہے جسے پر کرنے کے لئے تگ و دو کی جائے گی، کامیابی خداتعالی کی طرف سے ہے۔

میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہو چکا تھا کہ قاضی صاحب دارالعلوم میں طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئے، ان کی طالب علمی ازاول تا آخر میری نظروں میں گھومتی ہے، افلاس کے شکار، ناداری کے آہنی پنجہ میں، پاؤں میں ٹوٹی ہوئی چپل ایک لنگی اور معروف طالب علمانہ دراز کرتا، موسم سرما آتا اور دیوبند کی قہرمانی سردی، ایک معمولی بھاگلپوری چادر، جوان کی نصف اعلی کے لئے بھی ناکافی ہوتی، مگر واقعی طالب علم تھے، پڑھنے میں ممتاز صلاحیتوں میں طاق، بے خوش خط، ہر سال امتیازی نمبرات سے کامیاب، دورہ حدیث میں اول نمبر رہے، میرے برادر اکبر قیصر صاحب مرحوم کو مردم شناسی کا ملکہ تام اور تربیت کا ...ین جوہر حاصل تھا، خدا جانے قاضی صاحب رسالہ دارالعلوم کے دفتر کیسے پہنچ گئے، اور انہوں نے حسب معمول قاضی صاحب کی تربیت شروع کردی، پہلے کچھ کتابیں تبصرے کے لئے دیں، پھر مضمون نگاری کا سلیقہ وقرینہ القاء کیا، یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ برادر اکبر مرحوم نے کچھ مضامین مرحوم کے مجھے بھی دیکھنے کے لئے دیئے۔ اس زمانہ میں دارالعلوم کے صدر دروازہ کے حجرے میں فروکش تھا، اس تقریب سے قاضی صاحب کی آمد ورفت شروع ہوئی، جوہر قابل تھا بہت جلد ان کی صلاحتیں اجاگر ہو کر سامنے آئیں، مولانا سید منت اللہ رحمانی المغفور دارالعلوم کے واقعی افاضل کو اپنے جامعہ رحمانی میں درآمد کرنے میں عقاب نگاہ تھے، چنانچہ قاضی صاحب کو لے اڑے، جامعہ رحمانی سے ان کی کامیاب تدریس کے چرچے پہنچنے لگے، نہ اس پر حیرت ہوئی اور نہ تعجب کہ وہ ہر طرح اس کے مستحق تھے، پھر معلوم ہوا کہ وہ امارت شرعیہ کے شعبہ قضاء میں منتقل کردئے گئے اور دیکھتے دیکھتے قاضی القضاۃ کے منصب عالی تک پہنچ گئے، امیر شریعت مرحوم دارالعلوم کی شوری میں تشریف لائے تو عموماً قاضی صاحب رفیق سفر ہوتے، دارالعلوم میں داخلی سیاست کا بھی ایک چھوٹا موٹا اکھاڑہ ہمیشہ رہا، امیر شریعتؒ ہمہ گیر شخصیت کے مالک اور مرجع خاص و عام، ادھر قاضی صاحبؒ ان کے مزاج شناس، سیاسی داؤں پیچ کو سمجھنے میں فہیم، اکھاڑ پچھاڑ کی سیاست کے رمز شناس، بہتوں کو امیر شریعتؒ تک پہنچنے نہ دیتے، جواب امیر شریعت کے مزاج کا آئینہ دار ہوتا، مسلم پرسنل لا بورڈ نابود سے بود ہو چکا تھا، اب بیشتر اس کے اسٹیج پر بعہد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم وحضرت علی میاں علیہ الرحمہ، امیر شریعت جنرل سکریٹری رہے اور بہت کامیاب، بارہا دیکھا کہ اراکین کے غیظ و غضب ان کے پرجوش نعروں اور ہنگامہ خیز مطالبوں پر امیر شریعت مرحوم قاضی صاحب کو جوابدہی کے لئے کھڑا کرتے، اور قاضی صاحب اپنی نرم وگرم مدلل گفتگو سے کبھی جلتی ہوئی آگ پر پانی ڈالتے تو اٹھتی ہوئی آندھی کو روکتے۔ امڈتے ہوئے طوفان کے مقابلہ میں آتے اور یہ بھی خوب جانتے کہ کون کہاں سے بول رہا ہے، اس کی چیخ وپکار کے

پس پردہ کون معشوق پائے کوب ہے اس لئے حسب مرض نسخہ تجویز کرتے اور شافی پرہیز، بھوپال کی ایک نامی گرامی شخصیت اصلاح معاشرہ کا اہم عنوان مسلم پرسنل لاء سے چھیننا چاہتی۔ آج تک یاد ہے کہ دہلی کی میٹنگ میں یہ ایک گوشہ سے سرحدی انداز میں بھرپور یلغار کررہے تھے، قاضی صاب خوب سمجھتے کہ ان کے حدود اربعہ کیا ہیں اور ان کا نفس ناطقہ کون! دوچار ہی منٹ میں ان کی شورش کو خاکستر کردیا اور اس طرح کے واقعات ان کی زندگی میں کم نہیں۔

بہر حال! صدارت، نظامت اور قاضی صاحب کی رزانت، مسلم پرسنل لا کو کھینچتی رہی اور چشم اعداء سے اس گھروندے کو بخوبی بچایا، آدمی کو بھی خوب پہچانتے اور ہر ایک کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق معاملہ ہوتا، ان کی صدارت کے فوراً بعد بنگلور میں بورڈ کا اجلاس منعقد ہوا، قاضی صاحب صبح گاہی ناشتہ میں مصروف، ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو خدام مجھ سے ناواقف، مجھے بے نیل مرام واپس کیا اور وہی غالب والی بات پیش آئی۔

یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہوگئیں

قاضی صاحب کو معلوم ہوا، مجھے اندر بلایا پھر ان خدام کو جو جھاڑ بتائی وہ صور اسرافیل سے کم نہ تھی، بلکہ قیامت خیزی میں اس سے بڑھ کر، مجھ سے خاص طور سے فرمایا کہ آپ کو اس موضوع پر تقریر کرنا ہے اور یہ اصرار، آخری دور علالتوں سے لبریز اور قاضی صاحب مجموعہ امراض، مجھے ایک ذاتی کام کے لئے ان سے ملنا ضروری تھا، فون پر وقت طے ہوا اور میں بعد مغرب رہائش پر پہنچا، صاحب فراش اور بستر پر نیم دراز، میں نے چاہا کہ اسی حالت میں مصافحہ کرلوں، مجھے روکا اور خدام کو حکم دیا کہ مجھے کھڑا کرو، حرف مطلب بیچ میں آیا تو یہ کہتے ہوئے کہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ میرے ان سے تعلقات ہیں، فون اٹھایا اور گل برگہ فون کیا اور یہ فرمایا کہ یہ مخدوم ابن مخدوم عالم تشریف فرما ہیں، اگر ان کا کام نہیں ہوا تو پورے بورڈ کو آپ کے پیچھے لگادیا جائے گا، مخاطب بھی ذی ہوش تھے، کشتی کو بھنور میں دیکھا تو اپنی مشکلات کا ذکر شروع کردیا، قاضی صاحب نے فرمایا کہ سب کچھ کر دیا جائے گا، مگر شاہ صاحب کا کام ضروری ہے، پھر والد مرحوم کے بے کراں علوم پر گفتگو شروع کی، میں نے کچھ اباجی کے لطائف علمیہ ذکر کئے تو اٹھ کر بیٹھ گئے، سر دھنتے اور زبان پر سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے، ارے شاہ صاحب یہ علمی امانت کیوں چھپائے بیٹھے ہیں، اسے آشکارا کیجئے، حضرت شاہ صاحب کے افادات کو مجھے دیجئے کہ میں ان کی طباعت کا انتظام کروں، میرے دل و دماغ کی زمین پر میرے سب سے پہلے استاذ جو حضرت شاہ صاحب مرحوم کے بااختصاص شاگرد تھے، نے عقیدت کی تخم کاری کی، جو خدا کا شکر ہے کہ اب بڑھ کر شجر بار آور ہے۔ رات کافی گزر چکی تھی، میں ان کے آرام کے خیال سے گفتگو ناتمام چھوڑ آیا، اس فانی عالم میں یہ مرحوم سے آخری ملاقات تھی، سینکڑوں قضاء کے فیصلے کئے، تین درجن کے قریب اپنے پیچھے تصانیف چھوڑیں۔ عصر حاضر کے الجھے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا، فکر و فقہ کی سینکڑوں راہیں کھولیں محتاط تھے اس لئے دونوں پہلو دکھادیتے، اپنا قطعی فیصلہ سنانے سے گریز ہوتا، اس کے باوجود قدیم حلقہ بھڑک اٹھا، لیکن قاضی صاحبؒ

خموشی گفتگو ہے اور بے زبانی ہے زباں میری کا—— مرقع

آہ! اب یہ ممتاز دانشور، یہ مفکر، یہ فہیم، یہ فہم وذکاء کی قندیل، یہ ذہانت و رزانت کا پیکر، بہار کی سرزمین میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا لیکن

رفتید ولی نہ از دل ما

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نہ وہ ملت فروش تھے، نہ ضمیر فروش، انہوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کا وقار بڑھایا، اس اہم اور مضبوط اسٹیج کو نہ اقتدار کی چشم و ابرو پر اپنے موقف سے ہٹنے دیا اور نہ شخصی مفادات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا وہ تو مغفور ہیں انشاء اللہ! لیکن مسلم پرسنل لا کے لئے دعائیں اور ان کے صحیح جانشین کا انتخاب ملت کی بڑی ضرورت ہے، فرحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

☆☆☆

قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

اپنی علمی وعملی جدوجہد کے آئینہ میں

مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی
کارگذار صدر تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے کہ اس نے اپنے قیام سے لے کر آج تک بے شمار ایسی باکمال اور ممتاز شخصیات کو جنم دیا ہے جن کی حقیقی معنوں میں زمانے کو ضرورت تھی، جنھوں نے قوم وملت کے لئے ایسی عظیم خدمات انجام دیں جن کے لئے ہمیشہ انھیں یاد کیا جاتا رہے گا۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ہی شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے ایسے فاضل تھے جس پر دارالعلوم دیوبند کو بجا طور پر ناز ہوسکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کو اپنی اس نسبت پر فخر تھا جس کا موقع بہ موقع اظہار ان کی زبان سے ہوتا رہتا تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ دارالعلوم کے ساتھ ان کے تعلق ومحبت میں ایک قسم کا جذباتی ووالہانہ رنگ پایا جاتا تھا۔ یہ ایک بڑی بات ہے جو آج کل ان لوگوں میں خاص طور پر کم دیکھنے میں آتی ہے جو دینی یا ملی اعتبار سے اہم مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں پر ایک ایسے مناسب حال واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے جس کو دارالعلوم کے ساتھ قاضی صاحب کی جذباتی وابستگی کے اظہار کے لئے بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۹۹۰ء میں دہلی میں تنظیم ابنائے قدیم کی تشکیل عمل میں آنے کے بعد جب اس کے کارگزار جنرل سکریٹری مولانا محمد مزمل الحق الحسینی، صدر تنظیم مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی دامت برکاتہم کا خط لے کر مولانا کی خدمت میں دہلی میں ان کی قیام گاہ پر پہنچے جہاں وہ اس وقت امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ مقیم تھے اور یہ خط پیش کرتے ہوئے ان سے عرض کیا کہ ان کو تنظیم کی مجلس عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا ہے تو انھوں نے اس کو اپنے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے بہی خواہ فضلاء کی تنظیم کی رکنیت تو بڑی چیز ہے اگر دارالعلوم میں جھاڑو لگانے کی خدمت بھی تفویض کی جائے تو اس کو بھی میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھوں گا۔ اس واقعے سے جہاں ایک طرف قاضی صاحب کی بنی مادر علمی اور فکر وآگہی کے مرکز دارالعلوم دیوبند کے ساتھ بے پناہ شیفتگی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں مناسب حال غایت درجہ تواضع وانکساری کی بھی جھلک ملتی ہے۔

حضرت قاضی صاحب ایک کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالی نے انھیں گوناگوں اور بے پناہ صلاحیت وقابلیت سے نوازا تھا۔ یہ صلاحیتیں علمی بھی تھیں اور عملی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے علم وعمل کے دونوں میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اور اپنے معاصرین میں بہتوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ قاضی صاحب کی مذکورہ صلاحیتوں کے پیش نظر یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ قاضی صاحب جیسی شخصیت اپنے علم وعمل کے دائرے میں سے کسی بھی میدان میں قدم رکھتی اور علم

کی کسی بھی شاخ کو اپنا مطمح نظر بناتی اسے یقیناً اس میں نہ صرف کامیابی بلکہ کمال حاصل ہوتا، لیکن خدا کی توفیق ومرحمت سے قاضی صاحب نے اپنے لئے اصلاً جس میدان کا انتخاب کیا وہ قضاء وافتاء کا میدان تھا۔ پھران کی خوش قسمتی کا دوسرا زبردست پہلو یہ ہے کہ انھیں حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی (نوراللہ مرقدہ) جیسی جوہر شناس اور رجال ساز شخصیت کی سرپرستی اور فیض صحبت سے کماحقہ استفادے کا موقع ملا جس کا انھیں خود بھی اعتراف تھا، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ "حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ایک حقیقی باپ کا میرے ساتھ معاملہ کیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میری خفتہ صلاحیتوں کے ابھارنے اور اجاگر کرنے میں مولانا مرحوم سب سے آگے رہے۔ مولانا کی شفقت ومحبت کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا"۔ اس طرح انھیں اپنی فطری صلاحیت اور قدرتی استعداد کو خوب خوب نکھارنے اور سنوارنے کا موقع مل گیا۔ بلاشبہ یہ ایک خوش قسمتی تھی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر ایسی خوش قسمتی بھی قاضی صاحبؒ جیسے لوگوں کے ہی حصے میں آنے کی صورت میں صحیح معنی میں نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔

فقہ وقضاء کے میدان کے لئے قاضی صاحب کوئی نئے آدمی نہیں تھے۔ نہ ہی ان کا یا کسی کا یہ دعوا ہوسکتا ہے کہ ان کے اندر ایسی صلاحیتیں پائی جاتی تھیں جن کی فی زمانہ نظیر موجود نہیں۔ میرے خیال میں اس باب میں قاضی صاحب کا اصل امتیاز یہ ہے کہ وہ جدید مسائل اور عصری تقاضوں کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ اوران کے تجربے کی بھرپور قدرت ان کے اندر پائی جاتی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ یہ حوصلہ بھی رکھتے تھے کہ وہ ہر قسم کے خوف ومرعوبیت سے بالاتر ہوکر شریعت کی روشنی میں ان کا حل تجویز کرنے کی کوشش کریں۔ وہ اپنے اس مؤمنانہ یقین میں عملی سطح پر ممتاز نظر آتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں قیامت تک کے لئے تمام انسانی مسائل کا حل موجود ہے۔ زمانہ چاہے کتنی ہی کروٹیں کیوں نہ لے اور انقلابات دہر کی رفتار خواہ کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو جائے لیکن شریعت اسلامیہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر مسائل کا حل تلاش کرنے سے عاجز وقاصر نہیں رہ سکتی۔ ہاں البتہ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ نصوص شرعیہ کی بھرپور معرفت اور تفقہ فی الدین کی مطلوبہ شرائط وضروریات کو سامنے رکھ کر مخلصانہ جدوجہد کی جائے۔ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کو اللہ تعالی نے خاص طور پر جس فقیہانہ شعور وادراک سے نوازا تھا۔ اس کی بناپر وہ اس بات کے پورے طور پر اہل تھے کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنی فکری اور عملی جدوجہد کا مرکز ومحور بنائیں۔ اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کی ابتداء سہ ماہی "بحث ونظر" کے اجرا سے ہوئی۔ اس مجلّے نے ایک طرف فقہ وقضا کے تئیں ملک کی فضا کو استوار کرنے میں اہم رول ادا کیا تو دوسری طرف اس کے توسط سے اصحاب ذوق اور ارباب فکر ونظر کی ایک معتدبہ تعداد قاضی صاحب کے حلقے سے وابستہ ہوگئی۔ جس میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ روزافزوں اضافہ ہوتا رہا، تاآں کہ ۱۹۸۹ء میں فقہ اکیڈمی کا قیام عمل آیا یہ اکیڈمیوں کے موجودہ دور میں ہندوستان کی حد تک یقیناً اپنی نوعیت کا ایک بڑا اقدام تھا۔ اگر چہ یہ کہنا مشکل ہے کہ فقہ اکیڈمی کا قیام قاضی صاحب کے ہی اختراعی ذہنی خاکہ کا مرہون منت تھا کیوں کہ اس قسم کے اقدام اور منصوبے کو روبہ عمل لانے میں سب سے اہم مسئلہ مالی وسائل کی فراہمی کا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے منصوبہ ساز ذہن رکھنے والے اصحاب فکر ونظر کے بڑے بڑے انقلابی منصوبے وسائل کی عدم فراہمی یا کمی کی وجہ سے صرف ذہنوں اور کاغذوں تک ہی محدود ہوکر رہ جاتے ہیں۔ قاضی صاحب کو ابتدا میں وہ وسائل میسر نہیں تھے جو بعد میں اللہ کے فضل سے انھیں حاصل ہوگئے۔ ویسے قاضی صاحبؒ کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ اللہ تعالی نے جہاں ان کو منصوبہ ساز ذہن دیا تھا وہیں انھیں ان منصوبوں میں خوش بختی کے ساتھ، عملی رنگ بھرنے کے

ہنر سے بھی نوازا تھا۔

بہار کے دائرے کے باہر قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمومی مقبولیت اور ان کے تئیں عام اہل علم کی کشش کا باضابطہ دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب انھوں نے ۱۹۸۹ء میں دہلی میں پہلے فقہی سیمینار کا انعقاد کیا۔ عام لوگوں اور اہل مدارس کے لئے بھی یہ اپنے طرز کی کسی حد تک نئی چیز تھی۔ اس نے قاضی صاحب کی فکر کو ایک تحریک کی شکل دے دی، جس کی گونج ہندستان کے مختلف گوشوں کے علاوہ بیرون ملک میں بھی سنی جانے لگی۔ فقہ اکیڈمی کی جانب سے کئے جانے والے متعدد فقہی سیمناروں میں سے مجھے صرف قاضی صاحب کی زندگی میں کٹولی، ملیح آباد میں منعقد ہونے والے سب سے آخری سیمینار ہی میں شرکت کا موقع ملا تھا جس کا منظر میرے لئے نہایت روح افزا اور متاثر کن تھا۔

ان سیمناروں کی اہمیت وافادیت کیا ہے؟ یہ ایک وسیع وعریض موضوع ہے جس پر پہلے بھی لکھا جا چکا ہے اور لکھا جائے گا بعض حضرات نے اس موضوع پر سخت تنقید کے ساتھ بھی اظہار خیال فرمایا ہے۔ میں اس پر یہاں روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ البتہ خود مولانا مجاہدالاسلام قاسمی ان سیمناروں کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اور اس کی اہمیت وافادیت ان کی نظر میں کیا تھی، اس کا اظہار انھوں نے خود اس طرح کیا ہے، جس سے چاہے بعض لوگ صدفی صد اتفاق نہ کریں لیکن اس میں موجود سچائیوں سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے:

''ان سیمناروں نے امت کو کیا دیا؟ یہ سب آپ کے سامنے ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا مختلف اہل علم کے ایک اسٹیج پر بیٹھنے اور مل کر مسائل حل کرنے کا مزاج پیدا کیا۔ علمی اور تحقیقی انداز پر غور وفکر کی صلاحیتوں، مخالف رائے برداشت کرنے اور اپنی رائے پر اصرار کے بجائے قبول واعتراف کا ماحول سازگار کیا۔ نئے مسائل پر سوچنے کی ایک تحریک پیدا کی۔ جدید وقدیم کے فاصلے کو کم بلکہ ختم کیا۔ اور ایک طرف علماء وفقہاء اور دوسری طرف علوم جدیدہ کے ماہرین نے مشترکہ طور پر مسائل پر تبادلہ خیال اور بحث کی طرح ڈالی۔ اور میری نگاہ میں ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ فقہ کا میدان جو علماء کی توجہ سے محروم ہوتا جا رہا تھا، نوجوان فضلاء اور قلم کاروں کی ایک جماعت نے اس میدان میں حوصلہ افزا اور امید افزا رفتار کے ساتھ قدم بڑھایا ہے''۔ (مجلّہ فقہ اسلامی سیمینار ۱۳، ص: ۲۷)

قاضی صاحبؒ کا دوسرا اہم اور وقیع کام دارالقضاء کی توسیع ہے۔ قاضی صاحب ایک عملی آدمی تھے اور عملی آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے دائرہ میں رہ کر کام کرتا ہے۔ جذباتی قسم کے نعرے لگا دینا اور بڑے بڑے نصب العین اور اہداف متعین کر لینا آسان ہے لیکن ہمیشہ ہوتا یہ ہے کہ زمینی حقائق کی چٹانوں سے ٹکرا کر اس قسم کے اہداف اور خیالی منصوبے پاش پاش ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی مثالیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں۔ مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد علیہ الرحمہ کے طریق کار پر عمل پیرا تھے اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ کے زیر تربیت ان کی یہ فکر بنی تھی کہ ہندستان میں شریعت اسلامیہ کو زندہ رکھنے اور عائلی مسائل میں مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کے لئے دارالقضاء کا نہ صرف قیام و توسیع ضروری ہے، بلکہ اسے ایک زندہ تحریک کی شکل میں باقی رکھنا بھی لازم ہے تاکہ مسلمان ایسے معاملات میں ملک کی سیکولر اور غیر شرعی عدالتوں کا رخ کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی سطح پر حضرت مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کی راہنمائی وسرپرستی اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کی رفاقت میں اس غیر معمولی اہمیت کے کام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ آپ اور آپ کے رفقاء کار کی کوششوں سے آج ملک کے مختلف حصوں میں دارالقضاء قائم ہو چکے ہیں لیکن ضرورت

کے اعتبار سے ابھی ان کی تعداد میں معتد بہ اضافہ اور کارکردگی میں مزید چستی لانے کی ضرورت ہے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی تصنیف وتالیف کے کام میں زیادہ اشتغال وانہماک نہیں رکھ سکے دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے بہت زیادہ خوگر نہیں تھے، حالانکہ ان کے اندر صحیح معنوں میں تحریر وتصنیف کی قدرت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اس کا اعتراف ہر وہ شخص کرسکتا ہے جس نے مولانا کی کسی بھی چھوٹی بڑی تحریر یا تصنیف کا مطالعہ کیا ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کے مزاج میں ایک قسم کی سیمابیت تھی اور یہ سیمابیت اس لئے تھی کہ ان کے ذہن میں مختلف کاموں کے درجنوں عملی پروگرام اور خاکے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھیں وہ ذہنی سکون اور یکسوئی کبھی حاصل نہ ہوسکی جو ایسے تحریری کاموں کے لئے ضروری ہوتی ہے جو محض دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے یا شوقِ تحریر پورا کرنے کے لئے نہ ہو۔ تاہم اس حقیقت سے مطلقا انکار ممکن نہیں کہ انھوں نے اپنے قلمی اثاثہ کے طور پر جو کچھ بھی یادگار چھوڑی ہے وہ بلاشبہ اپنی خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ساری چیزیں طویل مطالعات وتجربات کا نچوڑ ہیں جنھیں تحقیق کے قلم سے لکھا گیا ہے، ان کی کتاب ''اسلامی عدالت'' اپنے موضوع اور اپنے انداز کی اردو میں پہلی کتاب تھی اس کو ہندستان اور بیرون ہند میں جو مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی وہ کم ہی کتابوں کے حصے میں آتی ہے۔ اس کا عربی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے اور اب اس کا نیا اڈیشن پوری آب وتاب کے ساتھ بیروت سے شائع ہو رہا ہے۔ اپنے مشمولات کے اعتبار سے یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے فقہ وقضا کے تخصص کے درجات میں جگہ دی جائے۔

قاضی صاحب کے کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ مردم سازی بھی ہے۔ آج کے دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ بسا اوقات منصوبے تو بن جاتے ہیں، اچھے سے اچھے اور نتیجہ خیز پروگرام تیار ہوجاتے ہیں نیز وسائل بھی فراہم ہوجاتے ہیں لیکن مناسب افراد ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔ حقیقت یہ ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں امت کے اندر مادی وسائل سے کہیں زیادہ اس کی کمی ہے۔... یہ قاضی صاحب کی دانشمندی اور بے پایاں حوصلے اور جدوجہد کی بات ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے اور اپنے ذہنی خاکوں کی تکمیل کے لئے ایسے باصلاحیت اور ذی استعداد افراد کی ایک بڑی ٹیم تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جو ان کے معاون بن سکیں اور اب ان کے ادھورے اور چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کرسکیں۔ **المعھد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء** کا قیام اس مقصد کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوا۔ خاص طور پر ''دورالقضاء'' کی توسیع میں اس ادارے کے فضلاء نے بنیادی رول ادا کیا ہے۔ قاضی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن یہ ان کی خوش بختی بھی ہے اور ان کی محنت کا پھل بھی کہ وہ اپنے پیچھے اپنے فیض یافتہ علماء وفضلاء کی ایک ایسی بڑی تعداد چھوڑ گئے جو ان کے مشن کو زندہ رکھنے کا حوصلہ اور ان کے لگائے ہوئے پودوں کی آبیاری کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال خود مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں جو گزشتہ دنوں فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے ہیں۔ ہماری دعاء ہے کہ وہ اس عہدہ پر حقیقی معنوں میں قاضی صاحب کے وارث وجانشیں ثابت ہوں۔

قاضی صاحب کی شخصیت میں متعدد امتیازی پہلو تھے۔ لیکن میں یہاں بطور خاص دو چیزوں کا تذکرہ کرنا چاہوں گا پہلی بات ان کی سادگی ہے۔ وہ اپنے ظاہری ڈیل ڈول، سادہ پوشی اور خلقی طور پر ڈاڑھی وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے کہیں سے بھی ایک بڑے ''مولانا'' یا ''فضیلۃ الشیخ'' کی طرح نظر نہیں آتے تھے۔ میں نے کئی لوگوں سے سنا کہ جب انھوں نے پہلی مرتبہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کو دیکھا تو حیرت واستعجاب میں پڑگئے کہ کیا یہی قاضی صاحب ہیں؟ لیکن ان سے ملنے اور گفتگو کرنے

کے بعد فوراً نہ صرف تاثر بدل جاتا تھا بلکہ ملنے والوں پر ایک گونہ مرعوبیت واحترام کا ملا جلا احساس طاری ہو جاتا تھا۔

دوسری چیز جس کو میں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ خاص طور پر نوٹ کیا وہ ان کا کتاب وقلم سے اشتغال ہے۔ میں نے زندگی میں دو آدمی ایسے دیکھے ہیں جنھوں نے صحت کی سخت خرابی کے باوجود صحت مند لوگوں سے زیادہ کام کیا آخر حیات تک لوح وقلم سے اپنا رشتہ ختم نہیں کیا۔ ایک یہی حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی مرحوم دوسرے ہمارے برادر اکبر حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانوی۔ برادر مرحوم کو ہم نے دیکھا کہ بسا اوقات ایسا لگتا کہ شاید اب وہ کئی دنوں تک تصنیف کے کام کا ارادہ بھی نہ کرسکیں گے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد معلوم ہوتا کہ وہ پورے انہماک کے ساتھ اپنے کام میں مشغول ہو گئے ہیں۔ القاموس الوحید'' کا بیشتر حصہ انھوں نے اپنی شکر کی اس بیماری کے دوران لکھا جو یوں تو ان کو عرصہ سے تھی اور اس وقت بھی تھی جب دارالعلوم دیوبند میں پوری فنائیت کے ساتھ ان کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں لیکن ان دنوں ان کی یہ بیماری بڑھ چکی تھی کیونکہ اس بیماری کے بہانے منتقمانہ کارروائی کے تحت ان کو دارالعلوم سے جبری طور پر سبکدوش کرا دیا گیا تھا جس کے صدمہ سے ان کی بیماری نے شدت اختیار کرلی تھی لیکن بیماری کی شدت کے باوجود وہ اپنے کام کے سلسلہ میں اس سے نبرد آزما رہے اور اس کو شکست دے کر انھوں نے اپنے کام کو مکمل کر کے ہی دم لیا لیکن اس کے لئے وہ دن رات کام کرتے تھے کبھی کبھی تو رات کے تین بجے تک بھی کام کرتے تھے۔

اسی طرح مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ سے آخری چند مہینوں میں جبکہ وہ تقریباً صاحب فراش ہو کر رہ گئے تھے اور اندرونی قوت یا غذا کے بجائے اللہ کی طرف سے عطا کردہ طاقت کے علاوہ ظاہری طور پر محض دوا اور ڈاکٹروں کے علاج پر زندہ تھے مجھے گھر پر یا ہسپتال میں جب بھی ان سے ملنے کا موقع ملا میں حیران رہ گیا میں نے دیکھا کہ بیماری کا عالم یہ ہے کہ اٹھنے کی سکت نہیں۔ چہرے کی نقاہت و پژمردگی اور بدن کی لاغری بتائے دے رہی ہے کہ:

یہ شمع سحر اب بجھا چاہتی ہے

لیکن عزیمت اور قوت برداشت (STAMINA) کی انتہا یہ ہے کہ اس کے باوجود کتاب وقلم سے اشتغال جاری ہے۔ چند نوجوان فضلا گرد وپیش میں کھڑے یا بیٹھے ہیں وہ ان سے بعض کتابوں کی عبارتیں پڑھوا کر سن رہے ہیں۔ انھیں ہدایات دے رہے ہیں گویا سلسلۂ تحقیق وتالیف جاری ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی بات ہے اور وقت کی قدر شناسی کی ایک بین مثال بھی۔ میرا اپنا معاملہ یہ ہے کہ مجھ سے کوئی کام بالعموم کسی دباؤ یا خارجی پریشر کے بغیر ہو ہی نہیں پاتا۔ عام طور پر ایک ایسا کام جسے چند دنوں میں مکمل ہو جانا چاہیے اس میں بسا اوقات کئی ہفتے تک لگ جاتے ہیں اس لئے میں ذاتی طور پر قاضی صاحب کی اس خوبی کا دل سے مداح ہوں اور یہی وہ حقیقت ہے جس کے پیش نظر بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ علم وعمل کے میدان میں، جدوجہد کے سلسلہ میں ایک مثالی شخصیت تھے۔

بہرحال قاضی صاحب اس دنیا سے چلے گئے وہ ایک ناقابل فراموش شخصیت کے مالک تھے، ایسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوا کرتیں۔ اگر خالق تقدیر نے ان کی قسمت میں زندگی کے کچھ اور دن لکھے ہوتے اور صحت سے بھی نوازا ہوتا تو قوم وملت کو ان کے مزید علمی وعملی کارناموں سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ لیکن اس کے باوجود علم وعمل کے میدانوں میں انھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، وہ نہایت گراں مایہ اور لازوال ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین

☆☆☆

ایک سرگرم دینی و ملی رہنما
مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ

پروفیسر خورشید احمد
مدیر "ترجمان القرآن"، لاہور

عالم کی موت کو جس نے بھی عالَم کی موت کہا بڑی سچی بات کہی۔ پھر اگر عالم بھی ایسا ہو جس کی شخصیت ہمہ جہت اور علم و فضل، تقوی وللّٰہیت اور سعی و عمل ہر میدان میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہو، نیز امت کے لئے ایک ایسے دور میں رخصت ہوا جب وہ قحط الرجال کی مصیبت اور آزمائش سے دوچار ہو تو پھر ایسے عالم کی موت پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے۔ ہاں اللہ اللہ کی رضا اور مشیت ہر چیز پر غالب ہے، صحیح فیصلہ اسی کا ہے، خواہ عطا کے باب میں ہو یا محرومی کے۔

۴/ اپریل ۲۰۰۲ء میرے لئے بے پناہ غم واندوہ کا دن تھا کہ دنیا سے ایک ایسا عالم دین رخصت ہو گیا جو صرف کتابی عالم نہ تھا بلکہ جدوجہد کے میدان میں بھی اسم با مسمی تھا، یعنی مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ ---انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا ذکر خیر میں نے سب سے پہلے اپنے عزیز نوجوان ساتھی ڈاکٹر منظور عالم کی زبانی سنا اور ان کی خدمات کا ایک خوش گوار نقش دل پر مرتسم ہوا۔ لیکن جب مجلہ فقہ اسلامی کی چھ ضخیم جلدیں (آخری دو جلدیں دو حصوں پر مشتمل ہیں) پڑھنے کو میسر آئیں جن کے مدیر، محرک اور محور مولانا مجاہد الاسلام تھے تو ان کے اس کارنامے پر دل بے اختیار پکار اٹھا---"ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے"۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے میرا اصل تعارف ان کے علمی کارناموں ہی سے ہوا۔ مجھے یہ بات کہتے ہوئے کوئی باک نہیں کہ گزشتہ ربع صدی میں ہندوستان میں سب سے وقیع علمی کام کی نسبت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی ذات کی مرہون منت ہے۔ انھوں نے خود بھی علمی تجربہ کے ساتھ اجتہادی بصیرت کا مظاہرہ کیا اور اس کے ساتھ اہل علم کو منظم کرنے اور وقت کے موضوعات پر انھیں تحقیق وتدبر کی دعوت ہی نہیں دی بلکہ اس کے لئے کامیاب منظم مساعی کر کے بڑی روشن مثال قائم کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ ایک بڑے پُرآشوب دور میں بھی دین کے خادم کس طرح نئے چراغ جلا سکتے ہیں اور نئی روایات قائم کر سکتے ہیں۔

مجاہد الاسلام قاسمیؒ دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا اعزاز علی امروہویؒ کے شاگرد خاص تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے اعلیٰ تعلیم لے کر اعزاز کے ساتھ فارغ ہوئے اور جامعہ رحمانی مونگیر سے وابستہ ہو گئے۔ پھر امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں آل انڈیا مسلم مشاورت اور ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی وفات پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ لیکن میری نگاہ میں ان کا سب سے اہم اور تاریخی کارنامہ اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام ہے جس کے وہ سکریٹری جنرل تھے۔ ان کی قیادت میں اس اکیڈمی نے وہ کام انجام دیا جس کا خواب اہل نظر دیکھ رہے تھے اور جو وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی۔

اس اکیڈمی کے پلیٹ فارم پر مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء کو جمع کیا، وقت کے موضوعات پر ان کو غور و فکر اور اجتہاد وانطباق کی دعوت دی اور ایک درجن کے قریب ملک گیر سیمی ناروں کا اہتمام کیا جن میں فقہ کے جزوی مسائل پر مبنی ایک جدید معاشرہ اور معیشت کو درپیش مسائل پر تحقیق اور بحث ومباحثہ کا اہتمام کیا۔ زکوۃ، سود، عشر، خراج، ضبط تولید، پگڑی کا مسئلہ، کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت، اعضا کی پیوند کاری، کلوننگ (Cloning)، اوقاف،

شیئرز اور محدود ذمہ داری والی کمپنیوں کی حیثیت، ضرورت وحاجت، اسلامی بنک کاری، انشورنس جیسے مسائل پر درجنوں علماء اور جدید علوم کے ماہرین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، تحقیقی مقالات کو بحث وگفتگو کی بنیاد بنایا، اور انفرادی اجتہاد کے مقابلے میں اجتماعی اجتہاد کی ایک ایسی مثال قائم کی جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس پورے عمل میں جو چیز سب سے نمایاں اور روشن ہے وہ ایک طرف اللہ اور اس کے رسول سے مکمل اور غیر مشروط وفاداری، قرآن کے احکام اور اصول وکلیات کا مکمل احترام اور اتباع، فقہی سرمایے کا اجتہادی بصیرت سے جائزہ ہے، تو دوسری طرف جدید مسائل کا ادراک اور مقاصد شریعت کی روشنی میں امت کے موجودہ حالات وظروف کو پیش نظر رکھتے ہوئے نئے مسائل کا حل نکالنے کی کوشش ہے۔

بلاشبہ یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا ہی نازک اور مشکل بھی ہے۔ اس میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے جو کام کیا اور اس سے بڑھ کر جس کام میں برعظیم ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کے اہل علم کو شریک کیا وہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے اور میری دعا ہے کہ یہ ایک صدقہ جاریہ کی شکل میں ان کے لئے اجر وثواب اور رفع درجات کا ذریعہ بنے۔

مولانا قاسمیؒ کی تصنیفات وتالیفات ۳۰ سے متجاوز ہیں۔ وہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ ان کی پوری زندگی علمی کام کے ساتھ تعلیم کے فروغ، امت مسلمہ کی اجتماعی مسائل میں رہنمائی اور قیادت میں وحدت امت کی بیش بہا مساعی سے عبارت ہے۔ آل انڈیا ملی کونسل کا قیام بھی ان کی اجتہادی بصیرت اور سیاسی فہم وفراست کا شاہکار تھا، گو یہ ادارہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل ہی میں ہے اور معلوم نہیں ان کے بعد اس کا کیا بنے۔

مجھے مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے تین بار ملنے کا موقع ملا اور ہر بار یہ ملاقات کویت میں الهيئة الخيرية الاسلاميه العالميه کے جنرل کونسل کے اجلاس کے موقع پر ہوئی۔ مولانا قاسمیؒ سے امت کے مسائل پر کھل کر بات کرنے کا موقع ملا اور ان کے علمی تجربہ کے ساتھ ان کے درد دل اور امت کے مستقبل کے بارے میں ان کی معاملہ فہمی کا دل پر گہرا نقش پڑا۔ مولانا قاسمیؒ انکسار اور اعتدال کا پیکر تھے۔ ادّعائے علم کا ادنیٰ شائبہ بھی مجھے ان سے گھنٹوں گفتگو میں نظر نہ آیا۔ بھارت کے مسلمانوں کے بارے میں فکر مندی تو فطری تھی، میں نے ان کو پاکستان، فلسطین، وسط ایشیا ہر جگہ کے مسلمانوں کے لئے متفکر پایا۔ امت میں اتحاد کے لئے وہ ہر لمحے بے چین رہتے تھے اور سب کو فقہی مسالک اور جماعتی عصبیتوں سے بالا ہونے کی دعوت دیتے تھے اور خود اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ ہر مکتب فکر میں مقبول ومحترم تھے۔ ماہنامہ ترجمان القرآن کی خدمات کا ذکر بڑی فراخ دلی سے کیا اور خرم بھائی (خرم مرادؒ) اور اس خاکسار کے دور میں جو کام ترجمان القرآن نے انجام دیا ہے اس کی بار بار توصیف فرمائی۔ ہمارے انگلستان کے کام (اسلامک فاؤنڈیشن) سے بھی واقف تھے اور بہت اچھے الفاظ میں اس کا ذکر کیا۔ ہندوستان کی جماعت اسلامی کی قیادت کا ذکر بھی بڑے احترام سے کیا اور ملی کونسل کے سلسلے میں جماعت کے بارے میں اپنی اچھی توقعات کا اظہار فرمایا۔ معاملہ فہمی، بردباری، توسع اور اعتدال ان کے ایک ایک لفظ سے نمایاں تھے۔

آخری ملاقات پچھلے سال الهيئة کے نئے مرکز کے افتتاح کے موقع پر ہوئی۔ بیماری اور وہ بھی کینسر جیسی موذی مرض کے باوجود اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور علیحدہ ملاقات کے لئے اصرار کیا جو میرے لئے باعث شرف ہی نہیں استفادے کا ایک نادر موقع ثابت ہوئی۔ خیال تھا کہ اس سال مئی میں الهيئة کا جو پانچواں عالمی اجتماع ہو رہا ہے اس میں ان سے ملاقات ہوگی مگر اس سے پہلے ہی اللہ کا بلاوا آگیا اور قاسمی صاحب علمی، دعوتی اور ملی خدمت کی ایک روشن مثال قائم کرکے ہم سے رخصت ہوگئے۔ ان کی کمی بھارت کے مسلمان ہی محسوس نہیں کریں گے بلکہ ساری دنیا کے مسلمان اس غم میں شریک اور اس محرومی کے سزاوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی بشری لغزشوں سے صرف نظر کرے، ان کو جنت کے اعلیٰ ترین درجات میں جگہ دے اور جس طرح اس تاریخی دور میں، ۱۹۷۰ء کی دہائی میں، وہ ہندوستان کے علمی اور دعوتی افق پر غیب سے نمودار ہوئے اور گراں قدر خدمات انجام دیں، اسی طرح امت مسلمہ کو ان جیسے داعیوں سے برابر فیض یاب کرتا رہے: ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

☆☆☆

یادوں کے جھروکے سے

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مولانا عبدالوہاب خلجی
سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

یہ دنیا ناپائیدار اور فانی ہے یہاں کوئی شئے مستقل نہیں ہر چیز کو زوال ہے، اس ہستیٔ جہاں میں انسانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی طویل ہے کبھی بہتر کی جگہ کمزور لیتا ہے تو کبھی ضعیف و نحیف کا مقام بلند تر حاصل کرتا ہے۔ اور کبھی ایک ہی انسان میں اللہ تعالیٰ اتنی صلاحتیں، خوبیاں اور اوصاف ودیعت کر دیتا ہے کہ وہ تنہا ایک ذات، ایک ادارہ وانجمن بلکہ قوم کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس تعلق سے ایک عربی شاعر گویا ہے:

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مستبعد بات نہیں کہ وہ ایک انسان کے اندر پورے جہاں کو پیوست کردے۔ قرآن حکیم نے اُبو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا افضل الصلاۃ والتسلیم کے بارے میں ارشاد فرمایا ''ان ابراھیم کان امۃ'' بلاشبہ اکیلا ابراہیم پوری امت تھا۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ہندوستان میں انگلیوں پر گنے چنے جانے والے ان افراد میں ہوتا تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعدد و گونا گوں خوبیوں، بے پناہ صلاحیتوں اور فکر ونظر کی بلندیوں پر فائز کیا تھا۔ ان کی زندگی جہد مسلسل، عزم پیہم محنت ولگن اور سچے ارادوں کی داستان تھی۔

وہ ایک تبحر عالم دین، وسیع المطالعہ مؤلف ومحقق، قوی الحافظہ فقیہ اور بیدار مغز خطیب اور بے خوف رہنما تھے۔ ان کی طبیعت میں خوش خلقی تواضع، انکساری باہمی ربط وتعلق اور ملنساری کے عنصر غالب تھے۔ سماج کے لٹے پٹے لوگوں کے لیے ہمدردی، خیر خواہی اور تعاون کا جذبہ ان کی کمزوری تھی، ملت کے ہر کام کے لیے وہ کمربستہ رہتے تھے۔ اپنی بیماری کی پرواہ کئے بغیر وہ ملک وقوم کی بیماری کے علاج میں لگے رہتے انہوں نے اپنے آپ کو ملت کی بیداری اور تحفظ شریعت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ہزار اختلاف کے باوجود کوئی بھی شخص ان کے اس وصف سے منکر نہیں ہوسکتا ہے۔

موصوف سے میری سب سے پہلی ملاقات آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس عام دہلی کے موقع پر ہوئی، وہ استقبالیہ کے انتظامی جلسوں میں شریک ہوتے۔ تبادلہ خیالات ہوتا، رائے مشورے کے بعد مجلس برخواست ہوجاتی لیکن انداز گفتگو اسلوب اور طرز عمل کا عکس ایک دوسرے پر قائم رہتا۔

بورڈ کے دہلی اجلاس کے موقع پر جب وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے انصاری حال میں مجلس تأسیسی کے اجلاس کے بعد ہال سے باہر آئے تو اتفاق سے ان کے ہمراہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند بھی تھے اور میں ان کا منتظر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے کہنے لگے ''مبارک ہو ہم نے آپ کو اپنے قافلۂ تحفظ شریعت میں شامل کرلیا ہے آپ بورڈ کے رکن منتخب کرلیے گئے ہم مل جل کر کام کریں گے۔''

میں ان کی اس والہانہ بے تکلف گفتگو پر متعجب ہوا کہ بلا تعارف اور جان پہچان کے سلسلہ کلام شروع ہوگیا۔ مولانا مختار احمد ندوی صاحب نے فوراً ہی فرمایا اب صدر بورڈ سے سفارش کریں کہ خلجی صاحب کو مجلس عاملہ میں بھی لے لیں تاکہ میری غیر موجودگی میں وہ جماعت اہل حدیث کی نمائندگی کرتے رہیں۔ قاضی صاحب نے بلا جھجک کہا کہ وہ بورڈ میں شریک ہوگئے ہیں۔ اس مرتبہ رہنے دیں آئندہ میقات میں ایسا بھی ہوجائے گا۔ مجھے ان کی یہ صاف گوئی بہت پسند آئی۔

آل انڈیا ملی کونسل کی تاسیس سے قبل اتحاد ملت کانفرنس بمبئی میں میری شرکت نہ ہوسکی تھی، اس کانفرنس میں جب ملی کونسل کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اس کے بعد اجلاس میسور سے قبل میری بعض مجالس میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ملاقات ہوئی تو وہ انتہائی محبت وشفقت اور اپنائیت سے ملتے تھے ان کا یہ انداز بہت بھلا لگتا اور اس طرح ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملتا، چند ہی ملاقاتوں میں ان کی ملی ہمدردی نے مجھے اپنا اسیر بنالیا۔ ایسا اسیر نہیں کہ میں ان کا اندھا مقلد بن گیا بلکہ علی وجہ بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود میں ان کا قدرداں ہوگیا۔

نومبر ۱۹۹۲ء میں ریاست کرناٹک کے تاریخی شہر میسور میں آل انڈیا ملی کونسل کی تشکیل کے لیے پہلا اجلاس تھا، مجھے پتہ چلا کہ مجھے کونسل کا رکن منتخب کیا گیا ہے اور اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔ میسور جاتے ہوئے مجھے ایک روز بنگلور قیام کرنا پڑا۔ اس دوران بنگلور کے روزنامہ ''سالار'' اور ''پاسبان'' کے نمائندے مجھ سے ملے انہوں نے ملی کونسل کے بارے میں سوالات کئے میری رائے جاننا چاہی۔ تو میں نے خیالات کا برملا اظہار کیا۔ دوسرے روز روزنامہ پاسبان نے سرخی قائم کی۔

''امید کی نئی کرن...... آل انڈیا ملی کونسل۔'' مولانا خلجی

میسور پہنچتے ہی اجلاس شروع ہونے سے پہلے میں قاضی صاحب سے ملنے گیا تو وہ کونسل کے اہل حل وعقد کے ساتھ تشریف فرما تھے مجھے دیکھتے ہی متبسم لہجہ میں اخبار کی سرخی دہرانے لگے۔ علیک سلیک کے بعد گویا ہوئے امتحاں سے پہلے ہی آپ نے کیسے امیدیں لگانا شروع کردیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو وقت بتلائے گا۔ بحمدہ تعالیٰ آج ملی کونسل مزاحمتوں متعدد دشواریوں اور نامساعد حالات کے باوجود قاضی صاحب کی مساعی حمیدہ اور بعد نظری سے ملت اسلامیہ ہند کے دلوں کی دھڑکن بن گئی ہے۔

اجلاس میسور شروع ہوا تو انہوں نے زبردستی مجھے اسٹیج پر بلا کر اپنے پاس بٹھایا۔ اور برابر اپنے ساتھ رکھا۔ دوران اجلاس تشکیل شدہ کئی ذیلی اور سب کمیٹیوں میں میرے انکار کے باوجود میرا نام رکھوایا۔

آل انڈیا ملی کونسل کے پہلے تاسیسی اجلاس میسور میں جب متفقہ طور پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب سکریٹری جنرل منتخب ہوگئے تو اجلاس میں موجود قد آور شخصیتوں نے اس پر اپنی رائے وتأثرات اور خوشی کا اظہار کیا اجلاس کی کارروائی بڑھانے سے پہلے میں نے عرض کیا حضرت آپ بھی تو کچھ فرمائیں تاکہ ایک طرح سے آپ کی حلف برداری بھی ہوجائے۔ میری بات سنتے ہی ظریفانہ انداز اور خوش خلقی سے فرمانے لگے ''تو اچھا آپ ایجاب کے بعد قبول بھی چاہتے ہیں؟ میں نے کہا: کیا ایجاب کے بعد قبول کے بغیر عقد واقع ہوجاتا ہے؟

اس روز سے قاضی صاحب کے ساتھ میرے تعلقات استحکام کی طرف بڑھتے گئے، انہوں نے مجھے بے پناہ محبت سے نوازا، بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی بات میں مشورہ کرتے، مجھے نہیں معلوم کہ اس دن کے بعد بڑی یا چھوٹی کوئی مجلس رہی ہو وہ مجھے اپنے پاس نہ بٹھاتے ہوں اگر میں دیر سے بھی پہنچتا تو وہ پہلی صف میں بلا کر بٹھاتے یہ ان کی کمال شفقت ومحبت تھی۔

آل انڈیا ملی کونسل کے قیام کے بعد جب تک موصوف کا مستقل دہلی میں قیام نہیں ہوا تھا وہ جب جب دہلی تشریف لاتے پہلی فرصت میں خاکسار کو فون کرتے، مجھے بلاتے مشورہ کرتے پیچیدہ مسائل پر اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے اور بعض ذمہ داریاں بھی سونپتے۔

موصوف طبیعت کے بڑے سخی اور زندہ دل انسان تھے ایک دن علی الصباح نماز فجر کے بعد فون آیا، محبّ گرامی مولانا محمد اسرار الحق قاسمی دوسری جانب گویا تھے محترم قاضی صاحب یاد فرما رہے ہیں آپ فوراً نظام الدین چلے آئیں، میں نے کہا خیر تو ہے؟ فرمانے لگے ایک سفر پر جانا ہے مشورہ کرنا ہے شاید بعض سیاسی لیڈروں سے بات کا پروگرام بھی بن جائے...... میں نے کہا ٹھیک ہے میں دس گیارہ بجے تک آتا ہوں کہا کہ نہیں بھائی فوراً چلے آیئے ہم لوگ اوکھلا سے ابھی نکل رہے ہیں۔ میں تقریباً ساڑھے سات بجے نظام الدین پہنچا تو میں نے محترم قاضی صاحب مولانا محمد اسرار الحق قاسمی اور مولانا محمد عبداللہ طارق ناظم ادارہ امور مساجد کو دو خدام کے ہمراہ منتظر پایا۔ قاضی صاحب فرمانے لگے ہم لوگ کام سے نکل پڑے تو موقع نہیں ملے گا۔ اس لیے سوچا کہ آج دہلی والوں کے ساتھ نہاری کا ناشتہ ہو جائے۔ میں نے عرض کیا پہلے تو یہ غلط فہمی دور ہو جائے میں پنجابی ہوں دہلی والا نہیں، پھر نہاری یہاں کہاں؟ وہ تو غالب واجمل کی گلیوں میں ملے گی یہاں تو جو کچھ ملے گا وہ نہاری نما ہوگا۔ تو فرمانے لگے اچھا پنجابی حضرت! دلی کی نہاری آپ پر قرض اس وقت جو میسر آئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد جو فسادات کا سلسلہ شروع ہوا اس نے مسلمانوں کے دل توڑ دیئے ان کی ہمتیں جواب دینے لگیں مایوسی اور یاس وقنوط کے بادل چھانے لگے ایک دن خاکسار کو بلایا اور کہنے لگے امت کس قدر بے بس ہوگئی ہے۔ میں نے عرض کیا ہرگز نہیں، بہادر نبی ﷺ کی بہادر امت کبھی بے ہمت نہیں ہوسکتی۔ چلئے میدان میں اتر یئے شکستہ دلوں کو ڈھارس بندھوانے کی ضرورت ہے۔ کہا کہ اسی لیے تو آپ کو یہاں بلایا ہے کہ کل ہی کلکتہ کی طرف چلنا ہے۔

پہلے قاضی صاحب، مولانا اسرار الحق اور خاکسار کلکتہ گئے، مضافات کا دورہ کیا، لوگوں سے ملے، ماؤں بہنوں کو دیکھا، نوجوانوں کی اشک شوئی کی۔ حوصلہ دے کر عزم لے کر وہاں سے دہلی لوٹے، دہلی میں متعدد النوع کارروائیاں ہوتی رہیں۔

پھر دوسرا قافلہ جو متعدد مقامات پر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ، مولانا مجیب اللہ ندوی، مولانا اسرار الحق قاسمی، جناب محمد عبدالرحیم قریشی، عبدالرحمٰن ملی، مفتی نسیم احمد، مولانا رضوان وغیرہم میں سے مختلف افراد پر مشتمل تھا۔ ممبئی سورت، بڑودہ اور بھڑوچ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ایک ایسا سفر تھا جو مستقل اپنے اندر کئی داستانیں سمیٹے ہوئے ہے لیکن اس سفر کے تین منظر کبھی نہیں بھول سکتے۔

اول: بمبئی کے جے جے اسپتال میں بے ضمیری اور انسانی درندگی کا شکار لاشوں کا وہ انبار جو اسپتال کی چہار دیواری میں بھی بے توجہی سے تعفن زدہ ہو رہا تھا۔ جس کی تصویر کشی سے آج بھی ہاتھ تھرا رہا ہے۔ آنکھیں پرنم ہیں اور روح بے چین۔

دوم: سورت کے قرب وجوار میں ایک جلسہ کے دوران ہر قسم کے تفکرات سے بے پرواہ ایک غیرت مند دیہاتی مسلمان کھڑے ہو کر بلا لومۃ لائم انتہائی سادگی سے گویا ہوتا ہے: آج آئے ہیں آپ؟ جب سب کچھ لٹ گیا، ہماری مسجد بھی نہ رہی ہم تو ۶ ردسمبر کے دن اپنے کان دہلی کی طرف لگائے منتظر تھے کہ مرکز سے کوئی آواز آئے؟ کوئی حکم ملے؟ ہم جہاد کیلیے نکلیں اور اللہ کے راستے میں جان قربان کردیں اس دن ہم نے جانا کہ ہم بے یار ومددگار ہیں؟ اور وہ آدمی زار وقطار رو رہا تھا۔

سوم: بمبئی میں دادر کے علاقہ کے قریب شارع عام کے کنارہ پر واقع ایک ہوٹل میں ہم لوگ قیام پذیر تھے میں اور محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب ایک کمرے میں تھے رات کو دو بجے کے قریب چیخ وپکار کی آوازیں سنائی دیں، میں نے جب کھڑکی سے باہر دیکھا تو پولیس کا ایک ٹرک کھڑا ہے جو مسلمان نوجوانوں سے بھرا ہوا ہے دو تین پولیس والے پہلے دھکا دے کر ایک ایک نوجوان کو نیچے گراتے پھر خود اس کے اوپر چھلانگ لگا کر کود پڑتے جب وہ اٹھنے کی کوشش کرتا تو دونوں ہاتھوں سے اس پر لاٹھیوں کی بارش کردیتے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. قاتلهم الله و اهلكهم

دوران سفر بعض مقامات پر جب میں اپنے خطابات میں ان واقعات کا ذکر کرتا تو قاضی صاحب پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے۔ تمہارا ایمان اس قدر مضبوط ہوگیا کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا؟

میرے خطابات کا موضوع عموماً نوجوان ہوتے میری یہ کوشش ہوتی کہ میری ملت کے نوجوان کوہ صفا کے انقلابی نوجوانوں کا پرتو بنیں اور ہندوستان میں ایک ایسے صالح انقلاب کی کوشش کریں جس سے انسان اور انسانیت کا بول بالا ہو اور سرزمین ہند کو یہ احساس ہو کہ ابھی شیدائیان محمد اس سرزمین پر موجود ہیں جو اپنے اوپر ہر قسم کے ظلم وتشدد کے باوجود اس عظیم ملک کو گہوارہ امن وامان بنانا چاہتے ہیں۔

چند سال قبل مجلہ ''بحث ونظر'' میں ایک فتویٰ شائع ہوا جس کے مستفتی اس وقت کے ممبر پارلیمنٹ محترم جناب سید شہاب الدین صاحب اور مجیب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی تھے۔ عنوان تھا: ''ویران مقابر اور اوقاف کے بدلتے احکام''

میں نے جب وہ فتویٰ دیکھا سوال و جواب کو پڑھا، تو اس میں قبروں سے متعلق جواب میں چند باتیں ایسی تھیں جس میں حدیث نبوی کی ہدایت کچھ اور تھی نیز قبروں سے متعلق سعودی عرب کے موقف کے بارے میں غیر ضروری نقطہ چینی بھی تھی۔ جسے پڑھ کر حیرت زدہ ہوا کہ قاضی صاحب جیسا باہوش، ذی علم انسان اس طرح لکھ گیا؟ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے ''الانسان مرکب من الخطاء والنسیان'' انسان غلطی اور بھول چوک کا پتلا ہے۔

میں نے یہ فتویٰ استاد الاساتذہ مولانا محمد رئیس ندوی استاد جامعہ سلفیہ بنارس کے پاس بھیج کر گزارش کی کہ اگر میزان کتاب و سنت میں یہ پورا نہ اترے تو اس کی تصحیح فرمالی جائے۔ محترم ندوی صاحب نے اس کا تعاقب لکھ کر مجھے بھیج دیا۔ اسی دوران ایک اور انکشاف ہوا جس سے میں جذباتی ہوگیا اور میں نے اس پر ایک مقدمہ لکھا۔ پھر اسے اصلاح عوام وافادہ عام کے لیے مکتبہ ترجمان سے شائع کیا۔ میری یہ عادت ہے کہ میں نہ تو کوئی بات دل میں رکھتا ہوں اور نہ ہی جس بات کو حق سمجھتا ہوں اس کے برملا کہنے میں تردد کرتا ہوں کیوں کہ مصلحت کوشی اور عیب جوئی اس سے بری بات ہے۔ مجھے احساس ہوا کہ قاضی صاحب میری جانب سے ان کے فتویٰ پر تعاقب کی اشاعت بالخصوص اس پر میرے مقدمہ کو پڑھ کر ضرور ناراض ہوں گے اور غصہ کا اظہار بھی کریں گے۔ بعض حضرات نے کہا بھی کہ آپ کی یہ تحریر آپ کے اور قاضی صاحب کے درمیان حد فاصل ہوگی۔ اور کچھ حاسدین نے میری غیر موجودگی میں قاضی صاحب سے اس تحریر کا تذکرہ بھی کیا اور موصوف کو ورغلایا بھی۔

میں نے سوچا کہ کسی کے دل میں کوئی بات نہ رہے اور قاضی صاحب کے سامنے بات بالکل واضح ہوجائے تو میں نے از خود وہ کتاب ایک مجموعہ کتب کے ساتھ لے جا کر قاضی صاحب کے ہاتھ میں دی۔ انہوں نے سب کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا، اور پڑھا ''ویران مقابر اور اوقاف کے بدلتے احکام'' کو دیکھ کر فرمانے لگے، اچھا یہ ہے وہ کتاب؟ میں خاموش رہا، دو تین دن کے بعد میرا پھر موصوف کی عیادت کے لیے جانا ہوا مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور مجھے کچھ کہیں گے اور اپنے ردعمل کا اظہار فرمائیں گے۔ میں نے دیکھا میرے ہدیہ کردہ مجموعہ کتب میں سے وہ کتاب الگ سے ان کے سرہانے رکھی ہے۔ میرے سامنے انہوں نے اپنے ہاتھ میں بھی لیا۔ لیکن میرے سامنے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی ردعمل کا اظہار کیا۔ میں دل ہی دل میں سوچنے لگا یہ ہے عالم وعامی میں فرق، جامد مقلد اور وسیع المطالعہ انسان کی نفسیات کی وسیع النظری جس نے مخالف رائے کے دلائل کو جان کر خاموشی اختیار کی اور اسے تلخ ہونے کے باوجود برداشت کیا، اس واقعہ نے قاضی صاحب کی قدر ومنزلت کو میرے دل میں مزید پیوست کردیا اور میں ان کی کشادہ دلی کا قائل ہوگیا۔

چند سال قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس تحقیق علمی دہلی سے جاری شدہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے سے متعلق ایک فتویٰ ہفت روزہ جریدہ ترجمان دہلی میں شائع ہوا جو مسلک اہل حدیث کے مطابق تھا۔ جریدہ ترجمان سے لے کر

بعض ہندی اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کر دیا، اہل صحافت ذرائع ابلاغ اور عام لوگوں کے لیے یہ ایک نئی بات تھی، یہ فتوی ایک عرصہ تک میڈیا ذرائع ابلاغ اور اخبارات میں بحث و مباحثہ کا موضوع بنا رہا۔ غیر اہل حدیث حلقوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور مختلف الخیال لوگ مختلف الزامات و اتہامات عائد کرتے رہے۔

ابھی اخبارات و رسائل میں یہ بحث چل رہی تھی اتفاق سے انہیں دنوں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی تشریف لائے، ان کا قیام نئی دہلی میں محترم جناب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے دولت کدہ پر تھا۔ صدر بورڈ نے بعض اہم امور پر صلاح ومشورہ کے لیے بورڈ کی چند اہم شخصیات کو بھی دہلی بلایا ہوا تھا، یہ مشاورتی میٹنگ صدر بورڈ کی مذکورہ قیام گاہ پر منعقد ہوئی تھی جس میں خاکسار بھی مدعو تھا۔ اس میٹنگ میں مولانا سراج الحسن، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا عبدالکریم پاریکھ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ، مولانا سید ولی رحمانی، جناب محمد عبدالرحیم قریشی، مولانا محمد شفیع مونس اور سید محمد یوسف کے علاوہ بعض دیگر حضرات بھی شریک تھے۔

جس مسئلہ پر صلاح ومشورہ کے لیے مجلس بلائی گئی تھی اس کے اختتام پر دیوبندی مکتب فکر کے ایک بزرگ بڑی تیکھی نظروں سے مجھے دیکھنے لگے اور برانگیختہ ہو گئے: آپ نے یہ کیا بحث چھیڑی ہے ایک فتنہ برپا کر دیا، آپ کو دوسرے کے مسلک کا خیال رکھنا چاہئے وہ غیض وغضب میں نہ جانے کیا کچھ کہہ گئے اور نہ معلوم کیا کیا کہتے رہے۔ میں حیرت زدہ تھا کہ بزرگوار محترم نہ جانے کیوں اس قدر خفا ہیں جو اصل مسئلہ کو سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ سیخ پا ہو گئے۔ وہ خاموش ہوئے تو میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ پیش قدمی کرتے ہوئے قاضی صاحب بولے: خلجی صاحب اور ان کی جماعت کا کیا قصور ہے، جس طرح آپ کے مسلک کے مدرسوں سے فتوے جاری ہوتے ہیں اور آپ کے مجلّہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، بحث ونظر وغیرہ میں شائع ہوتے ہیں وہ آپ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں اسی طرح اگر جریدہ ترجمان میں کوئی فتوی شائع ہوا تو اس میں کیا جرم ہے اور مولانا عبدالوہاب خلجی کا کیا قصور ہے۔ قصور تو میڈیا والوں کا ہے جنہوں نے بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا کر مسئلہ کو ہوا دی۔ ہمیں تو اس موقع پر میڈیا کے رول کی مذمت کرنی چاہئے نہ کہ خلجی صاحب پر خفا ہونا چاہئے۔

قاضی صاحب کا بس اتنا کہنا تھا کہ وہ حضرت سرد پڑ گئے اور خاموش ہو گئے۔ قاضی صاحب نے اپنی وسعت نظری سے ایک بگڑتی صورتحال کو حکمت اور عالمانہ تدبیر سے بچالیا۔ میں اگر بولتا تو انہیں مخالف نظر آتا اور اتنی لن ترانیاں سن کر میرا جذباتی ہونا بھی فطری عمل تھا۔ قاضی صاحب کے اس قول فیصل کے بعد مسلک دیوبند کی ترجمان ان قدآور شخصیتوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی کیوں کہ یہ سچائی اور حقیقت تھی۔ اس طرح موصوف نے اپنی بصیرت سے جماعت اہل حدیث کا دفاع کیا یہ ان کی سحر انگیز شخصیت کا اثر تھا: ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ہم جب بھی کسی جلسہ ومیٹنگ میں شریک ہوتے وہ مجھے اظہار رائے کے لیے کہتے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں ہمارا بہت ساتھ رہا، اور جب کسی عوامی جلسہ کا پروگرام ہوتا وہ مجھے بولنے پر مجبور کرتے، یہی کچھ صورت حال حضرت مولانا عبداللہ مغیثی مہتمم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میرٹھ کی ہے۔

چند سال قبل میں کویت گیا تو وہاں کی ایک عالمی رفاہی تنظیم ''عالمی اسلامی خیراتی کونسل'' کی ذیلی شاخ کمیٹی برائے مسلمانان ایشیاء کے نئے دفتر کے افتتاح کی تقریب تھی۔ جس میں کویت کی اہم وقدآور شخصیتیں مدعو تھیں میں بھی اس تقریب میں مدعو تھا۔ جب میں اپنے دوستوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تو دیکھا حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بھی نہ صرف وہاں موجود تھے بلکہ ان کو ایشیائی مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریر بھی کرنی تھی۔

اب تک میں قاضی صاحب کی سحر آفریں گفتگو، عالمانہ

تقریر، جرات مندانہ اردو خطابات سے نہ صرف متاثر تھا بلکہ مداح بھی۔ مگر اس روز ان کی انتہائی سلیس عام فہم ادیبانہ لب ولہجہ میں برجستہ عربی تقریر سن کر دنگ رہ گیا، انہوں نے مافی الضمیر کو اس انداز سے بیان کیا جیسے کوئی عرب بولتا ہو۔ میرے لیے محترم مولانا عبدالحمید رحمانی سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند وصدر مولانا ابوالکلام آزاد اویکننگ سینٹر نئی دہلی کے بعد قاضی صاحب کی وہ دوسری شخصیت تھی جس کی اردو عربی برجستہ تقاریر نے متاثر کیا۔ میری نظر میں رحمانی صاحب اور قاضی صاحب ایسی دو شخصیتیں ہیں جو چند لمحات میں دھارا کو بدلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

فروری میں موصوف سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر اوائل مارچ میں آخری ملاقات آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی اور ترجمان بورڈ ڈاکٹر قاسم رسول الیاس کے ہمراہ اپولو اسپتال میں ہوئی۔ وہ گجرات کی صورتحال سے واقف ہو چکے تھے۔ انتہائی تکلیف اور بے چینی میں بھی وہ گجرات کے مظلومین کو بھلا نہ سکے۔ مارچ میں ان کی نازک ترین کیفیت میں کئی بار اپولو جانا ہوا۔ لیکن انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں ہونے کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

جس روز انہوں نے اپنی جاں جاں آفرین کے سپرد کی، اسی روز مجھے دیار حرمین کے سفر پر جانا تھا بلکہ جس وقت ان کا انتقال ہوا وہ وقت میری فلائٹ کا تھا۔ لیکن سفارتخانہ میں ایک ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے ویزہ کی حصولی میں تاخیر کے سبب اس روز مجھے سفر ملتوی کرنا پڑا۔ میں چار اپریل کی شام کو ایک میٹنگ میں شرکت کے بعد ذاکر نگر سے لوٹ رہا تھا کہ رنگ روڈ پر ہی تھا کہ یکے بعد دیگرے تین فون ملے۔ برادر محترم کمال فاروقی نے آنسو چھلکاتی روہانسی زبان میں قاضی صاحب کی وفات کی خبر دی اور کہا کہ گھر چلے آیئے میں اپولو جانے کے لیے تیار ہوں اتنی دیر میں ان کی رحلت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ عوام وخواص اور قائدین کی ایک معتدبہ تعداد اپولو پہنچ چکی تھی۔ کمال بھائی کی پھرتی کام آئی ضروری کارروائیوں کی تکمیل کے بعد رات دس بجے ان کا جسد خاکی گھر لایا گیا۔ صبح سات بجے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے احاطہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ان کے ہمراز و ہم درس ساتھی مولانا عبداللہ مغیثی نے بوجھل دل کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ ایک ساتھی کا دوسرے ساتھی کے لیے بہتر خراج عقیدت تھا۔ مولانا محمد سالم قاسمی بھی پیکر غم تھے، مولانا احمد علی قاسمی بھی نڈھال تھے۔ ایک جم غفیر تھا جو شکستہ دل اور حسرت سے انھیں رخصت کر رہا تھا یہ میرے ساتھ ان کے کمال تعلقات، گہرے روابط کی دلیل تھی کہ کسی وجہ سے میرا سفر ملتوی ہوا مجھے ان کی جنازہ میں شرکت اور آخری دیدار کا موقع ملا۔ حقوق مسلم میں سے ایک حق کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوئی۔

ان کے آبائی وطن ''جالہ'' میں جس وقت ان کی تدفین عمل میں آرہی تھی۔ اس وقت میں دیار حرمین کی فضاؤں میں پہنچ چکا تھا۔ جوں جوں بیت اللہ کے قریب ہوتا گیا۔ میری زبان لبیک اللھم لبیک کا نعرہ توحید تلبیہ زن تھی۔ وہیں پرنم آنکھوں کے ساتھ زبان پر بار بار یہ کلمات بھی جاری ہوتے رہے۔ **اللھم اغفر للشیخ قاضی مجاھد الاسلام و ارحمه و عافاه واعف عنه و اکرم نزله و وسع مدخله و اغسل خطایاه بالماء والثلج والبرد۔** جب جب اور جہاں جہاں موقع ملا ان کی یاد آتی رہی اور زبان ان کے لیے دعا گو رہی۔ مسجد حرام، مطاف، ملتزم، مقام ابراہیم، حطیم کعبہ، صفا ومروہ اور اندرون کعبہ یہ سب مقامات قبولیت دعا ہیں۔ ان میں وہ کون سا مقام تھا جہاں آنکھوں نے ان کے لیے آنسو نہ بہائے ہوں اور دعا نہ کی ہو۔

میں یہ کلمات لکھ رہا ہوں ان کی زندگی کے کئی ان مٹ نقوش میرے سامنے ہیں یادوں کے جھروکے کھلے ہیں۔ واقعات حیات کا ایک تسلسل ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے..... مگر ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے قبل اس کے کہ ملی اتحاد کے صفحات اپنی تنگ دامانی کے لیے شکوہ سنج ہوں۔ اسی پر ختم کرتا ہوں۔

ویراں ہے مے کدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

☆☆☆

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

پروفیسر طاہر محمود
سابق چیئرمین ، قومی اقلیتی کمیشن

آج سے تیس سال پہلے فروری ۱۹۷۲ء کی ایک سرد سہ پہر کی بات ہے، دہلی میں سپریم کورٹ کی بلند و بالا عمارت کے سامنے انڈین لا انسٹی ٹیوٹ میں واقع میرے دفتر کے دروازے پر دستک ہوئی، میں نے اپنے معمول کے مطابق ''آجائیے'' کہنے کے بجائے خود اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے ایک مولوی صاحب کھڑے نظر آئے۔ عمر تقریباً پینتیس چھتیس سال، چھوٹا قد، برائے نام ڈاڑھی، ان کے پیچھے کچھ فاصلہ پر ایک اور نسبتاً سن رسیدہ باریش شخص بھی تھے، دونوں سادہ مذہبی لباس میں ملبوس ہیں۔ نوجوان مہمان نے پروقار لہجہ میں کہا ''مجھے مجاہدالاسلام کہتے ہیں۔ ہم لوگ پٹنہ سے آئے ہیں، یہ میرے ساتھ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب ہیں، مسلم پرسنل لاء کے مسئلے پر آپ سے گفتگو کرنی ہے''۔ میں ملت کی ان دونوں اہم شخصیتوں سے غائبانہ طور پر واقف تھا لیکن انہیں کبھی دیکھا نہیں تھا، ان کی اپنے دفتر میں غیر متوقع آمد پر ششدر ہو کر ادب سے شکوہ کیا کہ یہاں زحمت کرنے کے بجائے مجھے اپنے جائے قیام پر کیوں نہیں بلایا گیا تو جواب ملا کہ ''ملاقات کے خواہش مند ہم ہیں نہ کہ آپ۔ ہمیں ہی آنا تھا''۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی ملاقات میں گفتگو کا انداز ایسا رہا کہ جیسے میں بزرگ ہوں اور دونوں باکمال مہمان خورد۔ نہ جانے آسمان سے کیسے فرشتے اتر کر آئے تھے کہ نہ اپنی ملی حیثیت کا کوئی احساس، نہ خود کی علمیت کے غرور کا کہیں شائبہ اور نہ میری علمی کم مائیگی پر کسی ذہنی کوفت کا مظاہرہ، میرے لئے وہ مبارک دن زندگی کا ایک یادگار دن بن گیا، کہ مشیت ایزدی سے افق ہندی کے فقہی آفتاب و ماہتاب اس بندہ ناچیز، کندہ ناتراش اور ننگ اسلاف کے دروازے پر اتر آئے تھے۔ اور یہ مبارک دن یقیناً میرے لئے علمی سفر میں ایک سنگ میل ثابت ہوا۔

ایک ماہ بعد ہی مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے سلسلے میں دارالعلوم دیوبند میں منعقد اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا جس کے نتیجے میں آگے چل کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی داغ بیل پڑی۔ اس اجلاس کے خاتمے پر جو تجاویز پاس ہوئیں اور جو فیصلے کئے گئے انہیں اجلاس عام میں پیش کرنے اور پڑھ کر سنانے والے بھی یہی قاضی مجاہدالاسلام قاسمی تھے۔ باوقار لب ولہجہ، الفاظ و عبارات کی پراثر ادائیگی، تقریر میں دل کا درد جھلکتا ہوا، مجمع مکمل خاموشی کے ساتھ ہمہ تن گوش، افکار و موضوع کی تقدیس اور انداز خطابت کے وقار سے معمور اس مبارک و مسعود منظر کو دل سے کبھی محو نہیں کر سکا۔

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی، جنہیں آج مرحوم و مغفور لکھتے ہوئے دل بے حد دکھ رہا ہے، ان تیس سالوں میں اس ناچیز سے مستقل علمی تعلق بنائے رہے، یہ مرحوم کی اپنی بڑائی تھی ورنہ من آنم کہ من دانم۔ میں نے ایک بار انہیں انڈین لا انسٹی ٹیوٹ میں ملک بھر سے آئے ہوئے عائلی قوانین کے اساتذہ کے اجلاس سے خطاب کرنے کی دعوت دی، انہوں نے بڑے اعتماد اور خلوص سے وہاں تقریر کی، اور شرکاء جلسہ ان کے خیالات اور نظریات کو آج تک یاد کرتے ہیں۔

مرحوم قاضی مجاہدالاسلام، اللہ رب العزت انہیں اپنی رحمت بے پایاں سے ڈھک لیں، ایک تبحر عالم دین، ایک بے مثال فقیہ، ایک بالغ نظر دانشور اور ایک دور اندیش سماجی مصلح تھے۔ عصری مسائل اور ملت کی موجودہ معاشرتی مشکلات پر ان کی روشن خیالی کی مثال کم از کم سماج کے اس طبقے میں تو عنقا ہی ہے جس سے ان کا تعلق تھا۔ ان کی وفات ایک دور کا خاتمہ ہے، بس یہی دعا کی جاسکتی ہے کہ ملت کی قسمت کا مالک اپنی قدرت کاملہ سے ملت کی فلاح و بہبود کے لئے ملت کی صفوں سے ان کا صحیح معنوں میں کوئی جانشیں مہیا فرمادے۔

☆☆☆

اصلاح معاشرہ کا انقلابی داعی

مولانا اسرار الحق قاسمی
اسسٹنٹ سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اس صدی کے بلند پایہ عالم، عظیم مفکر و مدبر اور ایک ایسے انقلابی سماجی مصلح تھے جو سماجی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے تھے، سماج میں کس راستہ سے ظلم بڑھ رہا ہے، سماجی حقوق کی پامالی کہاں سے ہورہی ہے، سماج کی بنیادی قدریں کیوں کمزور اور کھوکھلی ہورہی ہیں، سماج میں کیسی انقلابی اصلاحات اور انفارمیشن کی ضرورت ہے اور کیسی اصلاحات ہونی چاہئیں۔ وہ اپنی تحقیق و توجیہ کی نظر سماجی محور پر مسلسل مرکوز رکھتے تھے۔

مسلم معاشرہ کے خدوخال اور نقوش دوسروں سے مختلف ہیں، مسلم معاشرہ کی امتیازی خصوصیات دوسری تہذیبوں سے ممتاز و منفرد ہیں اس لئے جب وہ اپنے صاف ستھرے، سہل اصولوں سے ہٹ جاتا ہے تو وہ بے شمار مسائل میں گھر کر اپنی انقلابی روح اور بنیادی جوہر و کردار کھونے لگتا ہے، جب سماج اپنے اصل مدار سے ہٹ کر چلنے لگتا ہے تو وہ اپنی خصوصیات سے تہی دست و عاری ہوجاتا ہے۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے ایک سماجی مصلح کی حیثیت سے جب ہندوستانی مسلم سماج کا جائزہ لیا تو انہیں اندازہ ہوا کہ سماج قرآنی و نبوی تعلیمات کو نظر انداز کر کے غیر اسلامی اساس پر استوار ہورہا ہے اور وہ بھانت بھانت کے تضادات و نقائص اور امراض میں گھرتا جارہا ہے، تعلیم سے دوری، جہالت، سماجی ناانصافی، سماجی حقوق کی پامالی، سماجی ظلم، حقوق نسواں کی پامالی، عائلی زندگی میں خواتین پر زیادتیاں، شرعی قوانین کا عدم نفاذ جیسے مسائل و حالات کو دیکھ کر وہ انقلابی تبدیلیوں اور اصلاحات کے لئے فکر مند ہوئے اور ان کی فکرمندی بڑھتی ہی چلی گئی۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی دوررس نگاہوں نے ادارک کرلیا کہ مسلم سماج افراط و تفریط کا شکار ہورہا ہے اور عائلی مسائل نیز ازدواجی زندگی میں مظالم ہورہے ہیں، ناانصافیاں ہورہی ہیں تو اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے مسلم سماجی علوم کے ماہرین سے صورت حال کے تجزیہ کی درخواست کی، انہوں نے ملک کے طول وعرض سے رپورٹیں حاصل کیں، دارالقضاء کے مقدمات کی نوعیت کا جائزہ لیا اور پھر نوشتہ دیوار پڑھ لیا۔

انہوں نے بلاتاخیر کئی محاذ پر ایک ساتھ کام شروع کردیا، ایک جانب اصلاح معاشرہ کی مہم چلوائی، دوسری جانب مفتیان کرام اور اہل علم کو نئی صورت حال پر سوچنے کی دعوت دی، تیسری جانب حضرت قاضی صاحبؒ نے حالات کی سنگینی و نزاکت کو محسوس کیا، تغیر پذیر دنیا میں ٹوٹتی روایات کو دیکھا تو وہ نئے انداز سے رہبری کے لئے سامنے آئے انہوں نے جبری شادی کو موضوع بحث بنایا، علماء کو متوجہ کیا کہ انسانی آزادی و حریت کے بنیادی اصول کے خلاف جاری عمل کو روکا جانا چاہئے۔ انہوں نے جبری شادی کے رجحانات پر تنقید کی اور اسے شریعت کے خلاف قرار دیا، انہوں نے واضح طور پر کہا کہ شوہر کے انتخاب کا حق بنیادی طور پر لڑکی کو حاصل ہے، زندگی اسے گزارنی ہے، اس لئے یہ حق اسلام نے اسے ہی عطا کیا ہے، دوسرے کو چھیننے کا حق حاصل نہیں، انہوں نے کہا کہ شادی و نکاح لڑکے و لڑکی کا ایسا ہی حق ہے، لہذا ایجاب و قبول میں ان پر کوئی خارجی دباؤ، جبر اور پابندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، سماج میں ذات پات اور برادری کے نام پر جو حقوق چھینے

جارہے تھے نکاح کے پس منظور میں انہوں نے کفاءت کے تصور کی نئی تشریح وتعبیر کی اور اس مسئلہ کو آج کے دور میں حل کرنے کی کوشش کی اور دشمنوں کی چالوں سے امت کو آگاہ کیا کہ ذات پات کے موضوع کو زیادہ تر اغیار واعداء زیر بحث لارہے ہیں، مسلم سماج میں لڑکیوں کو جائداد وراثت میں حصہ نہ دیئے جانے کے رجحان کو ختم کرنے کے لئے بھی انہوں نے بڑے پیانے پر مہم چلائی اور صحت مندرجحان کو فروغ دینے کے لئے بے شمار اقدامات کئے۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے پیچیدہ مسائل کا ادراک کرتے ہوئے ایک جامع نکاح نامہ غور وخوض کے لئے پیش کیا تاکہ علماء مختلف پہلوؤں سے اس پر غور کرسکیں، انہوں نے حضرت مولانا تھانویؒ کے اقدامات کے تناظر میں یہ قدم اٹھایا، ان کی فکر مندی اور فکر کی گیرائی اور توسع کا اندازہ کرنا دشوار ہے، وہ مسائل کو حل کرنے کے لئے اصحاب فکر اور ماہرین سے مشورے کرتے اور اصحاب علم سے استفادہ کرتے تھے، انہوں نے سماجی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے نشہ کی طلاق کے نہ واقع ہونے کے موقف کو اختیار کیا اور اس کی تائید کی، تاکہ امت کو مشکلات سے بچایا جاسکے، انہوں نے اسباب تفریق وطلاق میں ایڈز کو بھی شامل کیا اور کہا کہ شوہر اگر اس موذی مرض میں مبتلا ہو تو بیوی کو علاحدگی کا حق حاصل ہوگا، وہ بلاضرورت دوسری تیسری شادیاں کرنے والوں کو روکنا چاہتے تھے تاکہ پہلی بیوی کی زندگی اجیرن نہ بنا دی جائے وہ اس کو عدل اور ضرورت کے دائرہ میں رکھ کر دیکھتے تھے۔

سماج کے بے شمار پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے وہ مسلسل کام کرتے رہے اور تمام چیزوں کا احاطہ علمی اصولوں اور فقہی معیار پر کرتے رہے، وہ سماجی حالات کے جائزہ کے لئے اس قدر بے چین رہتے تھے کہ سماجی علوم کے ماہرین سے مشورہ کرکے ایک جامع سوالنامہ تیار کرایا تاکہ پورے ملک کی مسلم آبادی کا وہ اپنے طور پر تفصیلی تجزیہ اور معلومات حاصل کرسکیں، سماجی حالات سے باخبر رہنے کی بے چینی واضطراب نے ہی انہیں بورڈ کی جانب سے خواتین اور خواتین تنظیموں سے براہ راست گفتگو پر آمادہ کیا تاکہ وہ صورت حال کو از خود سمجھ سکیں۔

مسلم معاشرہ کو اسلامی خطوط پر لانے اور عصر حاضر میں اس پر ہونے والی ثقافتی یلغار اور نظریاتی تنقیدوں کا وہ منطقی ومعروضی اسلوب میں جائزہ لیتے اور نئے پیرایہ میں اسلامی تعلیمات کی ابدیت وصداقت کی تشریح وتعبیر کرتے تھے۔ انہوں نے سماجی مسائل کے بے شمار پہلوؤں پر اپنی ان گنت فقہی تحریریں چھوڑی ہیں، تاکہ امت ان سے استفادہ کرسکے۔ حقیقت حال اور سچ تو یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد زبان حال سے کوئی کہہ رہا ہے:

ڈھونڈو گے مجھے ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

☆☆☆

ملت کا شعور

"گذشتہ تیرہ صدیوں میں بارہا ایسے مراحل آئے کہ محسوس ہونے لگا کہ یہ ملت ٹوٹ اور بکھر جائے گی۔ بہت سے ایسے فرقے اور گروہ اٹھے جنھوں نے ملت کی سالمیت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی، بے شمار ایسے فتنے منظر عام پر آئے جنھوں نے اس کو اس طرح کتر ڈالنے کی کوشش کی جیسے قینچی پان کے پتوں کو کتر ڈالتی ہے۔ لیکن ملت کے اجتماعی شعور اور کلمہ طیبہ کی مقناطیسیت نے اسے بکھرنے سے محفوظ رکھا، نظریہ اور عقیدہ کا یہ گداز اور یہ حرارت انشاء اللہ اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کلمہ طیبہ کا چراغ ملت کی فکر وعمل کی محرابوں میں روشن ہے۔"

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

☆☆☆

ایک نرالی شکل وصورت کے بے مثال مولانا
قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رح

مولانا بدر الحسن القاسمی
نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

''داڑھی'' مردوں کے لئے زینت اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ لیکن بہت سے لوگ انگریزوں کی تقلید میں داڑھی کو اپنی شائستگی اور روشن خیال کے منافی سمجھتے ہیں، اور بعض لوگ داڑھی کے ساتھ مونچھوں کا بھی صفایا کرلیا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں لارڈ کرزن کی تقلید میں جب کچھ نوجوانوں نے داڑھی کے ساتھ ''مونچھیں'' بھی صاف کرانے کا فیشن اختیار کیا تو اکبر الہ آبادی مرحوم نے اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں پھبتی کستے ہوئے کہا تھا:

کردیا کرزن نے زن، مردوں کو صورت دیکھئے
آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کر پونچھ لی
سچ یہ ہے انسان کو یورپ نے ہلکا کردیا
ابتدا داڑھی سے کی اور انتہا میں مونچھ لی

''داڑھی'' کی سنیت بلکہ ''وجوب'' پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کتاب ''داڑھی کا فلسفہ'' اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب ''داڑھی کا وجوب'' مسئلہ کی اہمیت اور شرعی حکم کو جاننے کے لئے کافی ہیں، عرب شعراء اور ادباء نے داڑھی کی تعریف اور مذمت میں سینکڑوں اشعار کہے ہیں اور بے شمار ایسے محاورے اور ضرب الامثال مشہور ہوگئے ہیں جو داڑھی سے تعلق رکھتے ہیں۔

عام طور پر برصغیر میں ''مولوی'' کا تصور بغیر داڑھی کے نہیں کیا جاتا جبکہ مصر وغیرہ میں ''شیخ الحدیث'' کے برابر منصب پر فائز ہونے کے باوجود داڑھی کو ضروری نہیں سمجھا جاتا بلکہ شیخ ابوزہرہ کے پایہ کے عالم فقیہ اور محقق نے اپنی کتاب ''اصول الفقہ'' میں سارا زور اسی پر صرف کیا ہے کہ ''داڑھی'' رکھنا ان سنتوں میں سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض عربوں کی عادت کے طور پر اختیار فرمایا تھا اور اسے تشریعی سنتوں میں شمار کیا جاسکتا ہے حالانکہ صریح وصحیح احادیث میں داڑھی رکھنے کی جو تاکید فرمائی گئی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ کی اس نکتہ آفرینی کو قبول کرنا مشکل ہے۔

خیر عرض یہ کررہا تھا کہ برصغیر میں ''داڑھی'' کا وجود ''دینداری'' کا لازمہ ہے جبکہ بعض عرب ملکوں کا یہ حال ہے کہ مولانا علی میاں ندوی مرحوم سے جب مہینوں مشرق وسطی اور خاص طور پر مصر میں رہنے کے بعد دریافت کیا گیا کہ مصر میں جو سب سے عجیب چیز آپ نے دیکھی ہے وہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا تھا کہ: مصر میں سب سے زیادہ عجیب چیز جو مجھے نظر آئی وہ یہ ہے کہ علمائے دین بغیر داڑھی کے نظر آئے جبکہ ہندوستان میں ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی عالم دین بغیر داڑھی کے بھی ہوگا۔

اس سلسلہ میں ایک دوسرا لطیفہ وہ بھی ہے کہ جو مصر کے سابق وزیر اوقاف ڈاکٹر عبدالمنعم النمر مرحوم کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے تقریباً دو سال جب دارالعلوم دیوبند میں جامع ازہر کی طرف سے بھیجے ہوئے استاذ کی حیثیت سے گزارے تو وہ زمانہ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے اکابر دیوبند کا تھا چنانچہ انھوں نے خاصی معتبر داڑھی رکھ لی تھی۔ لیکن ہندوستان چھوڑنے کے دن بمبئی میں یہ کہتے ہوئے کہ ''اے اہل ہند آپ کی داڑھی آپ ہی کو مبارک ہو'' اپنی داڑھی منڈا کر وہ پھر اپنے مصری علما کی وضع قطع میں آگئے، بہرکیف داڑھی رکھنے یا نہ رکھنے کا مسئلہ تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی کے چہرے پر داڑھی اُگے لیکن اگر قدرت نے سرے سے داڑھی دی ہی نہ ہو تو پھر ایسا شخص داڑھی کہاں سے لائے؟ صحابہ میں سے ایک بزرگ تھے جو داڑھی سے محروم ہونے کے ساتھ اپنے قبیلہ کے سردار بھی تھے ان کے اہل قبیلہ کہا کرتے تھے کہ:

''ہمارے سردار کتنے بہترین آدمی ہیں لیکن افسوس ہے کہ اُن کے چہرے پرڈاڑھی نہیں ہے اگر کہیں سے ممکن ہوتا تو خرید کر ہم اپنے سردار کے لئے ڈاڑھی لے آتے''

علامہ ابن عابدین شامی نے طبرانی سے حضرت ابن عباس کی مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے:

من سعادة المرأ قلة لحيته (رد المختار: ج ۵، ص ۲۶۱)

انسان کی سعادت مندی کی علامت اس کی ڈاڑھی کے بالوں کی قلت ہے، (یعنی فطری طور پر چہرے پر بال ہی کم اُگے ہوں) ورنہ اُگنے کے بعد کٹانے کو فقہاء نے فسق کی علامت قرار دیا ہے۔

ہمارے مضمون کے مصداق حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ تھے جن کے چہرے پر خلقی طور پر ڈاڑھی کے بال نکلے ہی نہیں تھے، اخیر میں چند بال برائے نام نظر آنے لگے تھے۔

اس معاملہ میں وہ اپنے پیشرو مشہور تابعی وفقیہ قاضی، شریح کے مشابہ تھے جن کے بارے میں تاریخ وتراجم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ اس پایہ کے فقیہ تھے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی ان کی فقہی بصیرت اور قضا میں مہارت کا لوہا مانتے تھے لیکن خلقی طور پر وہ ''اطلس'' تھے اور اُن کے چہرے پر بھی حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ہی کی طرح ڈاڑھی کے بال اُگے ہی نہیں تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے انھیں کوفہ کا قاضی بنایا تھا اور ساٹھ سال تک اپنے منصب پر فائز رہے۔

مولانا مجاہدالاسلام صاحبؒ اکثر وبیشتر میر مجلس ہوا کرتے تھے اور اُن کے اردگرد بعض دفعہ بڑی بڑی ڈاڑھیوں والے علمائے کرام کو دیکھنے اور پھر ان کی باتیں سننے کے بعد اکثر وبیشتر خیال ہوتا تھا کہ ڈاڑھی یقیناً ایک عالم کے لئے زینت ہے لیکن محض کسی کے باریش اور معتبر شکل وصورت والے انسان ہونے سے علم وفضل میں امتیاز ثابت نہیں ہوتا اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ:

اگر چہ شیخ نے ڈاڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں ''مولوی مدن'' کی سی

قاضی صاحب مرحوم میں وہی ''مولوی مدن'' والی جو خاص شان تھی اس کی وجہ سے وہ ہر مجلس میں ممتاز اور علما کے طبقہ کے سرخیل سمجھے جاتے تھے۔ ''مولوی مدن'' کی داستان پڑھنی ہو تو مولانا گیلانی کی سوانح قاسمی پڑھیئے۔

کسی انسان کی غیر معمولی خوش بختی اور سعادت کی علامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بتلائی گئی ہے کہ اُسے دینی احکام کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی خصوصی لیاقت اور فہم وبصیرت اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کی جائے۔ صحیح بخاری شریف کی روایت کے الفاظ ہیں: **من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين**. اس کی دوسری روایت میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ الفاظ یہ ہیں: **إذا أراد الله بعبد خير افقهه فى الدين** چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی: **اللهم فقهه فى الدين وعلمه التأويل**.

پچھلے چند دنوں سے پورے ہندوستان اور بعض عرب اور غیر عرب ملکوں میں بھی جس شخصیت کے اٹھ جانے کا غم منایا جارہا ہے اور جسے ملت اسلامیہ کے لئے زبردست خسارہ قرار دیا جارہا ہے۔ وہ ایک بوریا نشین مولوی، ایک بے لوث خادم دین، ایک مخلص رہنما، ایک نامور خطیب اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم اور بے مثال ''فقیہ'' مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی ذات، ہے۔ جنھیں اللہ نے دین میں تفقہ اور شرعی احکام میں غیر معمولی بصیرت عطا فرمائی تھی، اور وہ صحیح معنوں میں ان سعادتمند لوگوں میں تھے جنھیں اللہ نے اس ''خیر'' سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کو قدرت نے ''فقہ'' پر بے پناہ دسترس اور قضاء وافتاء کی گھتیوں کو سلجھانے کی زبردست مہارت عطا کی تھی وہ سالہا سال تک ''امارت شرعیہ'' سے وابستہ ہوکر ملی وسماجی کاموں میں الجھے رہے اور درس وتدریس کا مشغلہ ان کا باقی نہ رہا اس کے باوجود درسی کتابوں کو انھوں نے جس شان سے پڑھا اور پڑھایا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ بظاہر ایک طویل عرصہ تک علمی مشغلہ سے دور رہ کر بھی ان کے علمی کمال میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''قضاء وافتاء'' تو ان کی مہارت کا خاص میدان تھا اور فقہ وفتوے کے بنیادی مراجع ہی نہیں قضا سے متعلق متقدمین

ومتأخرین کی تمام ہی کتابیں ہمیشہ ان کی نظر میں رہیں۔

دیوبند کے ایک سفر میں میرے فتویٰ کے استاذ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے انہیں خاص طور پر علامہ القرانی مالکی کی اہم ترین کتاب ''الأحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الأحکام'' بطور ہدیہ عنایت فرمائی، اور اس پر اپنے ہاتھ سے نوٹ بھی تحریر فرمایا۔ کتاب مشہور محدث فقیہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ مرحوم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بڑے آب وتاب کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔

امارت شرعیہ کے قاضی ہونے کی حیثیت سے انھوں نے جو اہم فیصلے کئے ہیں وہ اپنی ترتیب، دلائل کے وزن اور فنی مہارت میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کوئی پیشہ ور یا ماہر مصنف نہیں تھے لیکن یہ بات ان کی زندہ کرامتوں میں سے ہے کہ مرنے سے پہلے ہزاروں صفحات تالیف، ترتیب، تحقیق وایڈٹ یا مطبوعہ خطبات ومقالات کی شکل میں اپنے نام کی نسبت سے چھوڑ کر گئے ہیں اور جوان کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت کسی نہ کسی اعتبار سے ضرور رکھتے ہیں۔

مولانا کی تصنیف وتالیف سے اشتغال کی داستان بھی عجیب وغریب ہے۔ ان کی واحد باقاعدہ لکھی ہوئی کتاب ''اسلامی عدالت'' نہ جانے کتنے سالوں تک نامکمل شکل میں ان کی اٹیچی کی زینت بنی رہی، بلکہ اس کا مسودہ بھی ٹرین کے ایک سفر میں کھو گیا تھا، اور ابھی کتاب کا صرف ایک ہی حصہ سامنے آسکا ہے دوسرا حصہ لکھنے کا ارادہ ہی رہا جو میرے علم کی حد تک غالباً پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

درحقیقت غیر معمولی ذہین وذکی اور عبقری لوگوں میں عام طور پر صبر وتحمل کے ساتھ اور جم کر کام کرنے کا مزاج نہیں ہوا کرتا۔ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول نے اس کی توجیہ مشہور یونانی فلاسفر افلاطون کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ غیر معمولی ذہانت مزاج میں حرارت کا تقاضا کرتی ہے اور صبر وتحمل کے لئے مزاج میں برودت درکار ہے اور ایسا کم ہی اتفاق ہوتا ہے کہ حرارت وبرودت دونوں متوازن طور پر کسی شخص میں جمع ہو جائیں اور غیر معمولی ذکی وذہین ہونے کے ساتھ اسی طرح محنت ویکسوئی کے ساتھ کام کا خوگر بھی ہو۔

حضرت قاضی صاحب مرحوم کے مزاج سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی زندگی میں ان کا حال یہ تھا کہ کبھی کسی بات یا کام کا دُھن سوار ہوتا تو خوب دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اُسے انجام دیتے پھر طبیعت اچاٹ ہوتی تو مہینوں اس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے۔ لیکن مولانا رحمانیؒ کے انتقال کے بعد انھوں نے ملت کے بڑے بڑے مسائل کا بوجھ اٹھایا اور پھر پوری بے جگری سے اپنی صحت وعافیت کا خیال کئے بغیر ان کو حل کرنے میں لگے رہے۔ اور انتہائی غیر مرتب زندگی گزارنے اور ہمہ وقت سیاسی واجتماعی لیڈروں، بھانت بھانت کا مزاج رکھنے والے افراد میں گھرے رہنے کے باوجود علمی کام بھی مسلسل کرتے رہے اور ان کی بیشتر تحریریں اور مرتب شدہ تقریریں بھی عمر کے انھیں چند آخر کے سالوں کی دین ہے۔

مولانا سجاد صاحبؒ اور امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی مجلسوں کا خاص امتیاز دینی وعلمی اور ملی وسیاسی سبھی مسائل پر اجتماعی غور وخوض رہا ہے۔ یہ ایسی بزم ہوا کرتی تھی جس کی مثال شاید امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اپنے مایۂ ناز چالیس سے زائد شاگردوں کے ساتھ فقہی مسائل پر بحث وگفتگو کی مجلس کہیں اور مشکل ہی سے مل سکے گی۔

اس بزم کا خاص امتیاز یہ تھا کہ اس میں سوائے علمی کمال اور فنی بصیرت ومہارت میں فرق وامتیاز کے نہ کوئی چھوٹا ہوتا تھا اور نہ بڑا۔ دلائل سے جو رُخ قابل ترجیح ہو وہی میر مجلس کی رائے ہوا کرتی تھی۔

مونگیر میں اساتذہ کی مجلس ہو یا پٹنہ میں قاضیوں اور منتظمین کی مجلس ہو یا دیوبند اور دہلی میں پرسنل لا اور دیگر ملی مسائل کی مجلسیں ہوں، ہر جگہ یہ خصوصیت غالب رہا کرتی تھی۔

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی فطری قائدانہ اور فقیہانہ صلاحیتیں انہیں مجلسوں میں پروان چڑھی تھیں اس لئے اُن کے مزاج میں بھی یہ بات پورے طور پر رچ بس گئی تھی اور فقہی سیمناروں میں اس کے جلوے تو ساری دنیا نے دیکھے ہیں۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کا ایک امتیاز مخالف دلائل کو سننا اور کسی پہلو کے بارے میں دلائل فراہم ہو جانے پر بلا تردد حق کا اعتراف کر لینا بھی تھا۔ یہ بات سینکڑوں موضوعات پر

اُن سے بات چیت کرنے اور دسیوں نشست میں بحث ومباحثہ میں حصہ لینے کے بطور شہادت کہی جارہی ہے کہ قاضی صاحب مرحوم علمی مسائل میں انتہائی عالی دماغ، بے حد کشادہ قلب اور اعتراف حق کے حد درجہ خوگر تھے۔ اگر اپنی بات کو ترک کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی شرط تھی تو یہ کہ دلائل سے ان کو قائل کرلیا جائے۔

اس کی تازہ ترین مثال موسوعہ فقہیہ کے ترجمہ کی ہے جس کا سودا ان کے ذہن پر سوار ہوا تو اُسے بڑی عزیمت کے ساتھ پورا کرانے کی ذمہ داری انھوں نے لی۔ اور تقریباً چالیس سے زائد نوجوان اور باہمت وباصلاحیت علماء کی ٹیم کو خود اپنی نگرانی میں اس کام کے لئے انھوں نے مامور کیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اتنے بڑے علمی کام کی انجام دہی میں انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور ترجمہ کی نظر ثانی کے بعد نظر نہائی کا کام انھوں نے خود اپنے ذمہ رکھا تھا۔ چنانچہ اس کی جلدیں مکمل کرکے انھوں نے طباعت کے لئے بھیجنی شروع کیں۔

یہاں کویت میں اس اہم اور علمی کارنامہ کے ترجمہ کے بارے میں افتا اور بحوث شرعیہ کے ذمہ دار اعلیٰ شیخ مشعل مبارک الصباح نے میری سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل دیدی، تاکہ اصل اور ترجمہ کا موازنہ کرکے اپنے ''ملاحظات'' لکھے۔ اندازہ یہ تھا کہ شاید نظر ثانی اور نظر نہائی کے بعد فروگذاشتیں نہیں ہوں گی، لیکن جب اصل اور ترجمہ کا موازنہ کرکے ہم نے ایک ایک سطر پڑھنے کا سلسلہ شروع کیا تو ترجمہ کے عمومی طور پر اچھے اور معیاری ہونے کے باوجود ہر انسانی کام کی طرح اس میں بھی کچھ فروگذاشتیں نظر آئیں چنانچہ ایک فارم بناکر موجودہ ترجمہ، اصل عربی عبارت، اور اس کا ہماری نظر میں جو صحیح ترجمہ ہونا چاہیے وہ لکھ کر پہلی جلد پر اپنے ملاحظات کا پلندہ، ہم نے رسمی طور پر مولانا کی خدمت میں بھجوایا اور اسی عرصہ میں خود مولانا کویت کے دورہ پر تشریف لے آئے تو کہنے لگے آپ اپنے ملاحظات کی کاپی اور کتاب لے آیئے۔ چنانچہ میریڈین ہوٹل میں جو ٹائم ملتا مولانا کی موجودگی میں ہم اپنے ملاحظات پڑھتے، چند ایک سرسری ملاحظات کو چھوڑ کر بیشتر تبدیلیاں مولانا نے بغیر کسی تأمل کے قبول کیں اور فرمایا تم لوگوں نے واقعی کتاب بڑی محنت سے پڑھی ہے اور نہ معلوم اس طرح کی غلطیاں کیسے رہ گئیں؟

انھوں نے کہیں بھی اپنی بات کی پچ رکھنے یا غلط ترجمہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ ان کی بڑائی کی بات تھی اور یہی ان کا علمی مزاج بھی تھا۔

ان کے کسی بھی مضمون، کتابچہ یا کتاب پر کبھی بھی میں نے کوئی اعتراض کیا تو انھوں نے پوری سنجیدگی سے ہمیشہ اعتراض سنا اور ہر معقول بات یا ضروری تبدیلی کو بغیر کسی چون وچرا کے قبول کیا۔

بعض دفعہ ان کے علم میں لائے بغیر کوئی اخباری بیان میں نے ترتیب دے دیا تو حیرت کرتے کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں یہ کہوں گا؟

بعض کانفرنسوں میں شرکت سے پہلے مقالہ کے موضوع کو اختیار کرنے یا اس کے ضروری مصادر ومراجع کی نشاندہی کے لئے بھی اکثر ٹیلیفون کرتے اور اگر میں اُن کے کسی مضمون کی تعریف کرتا تو فرماتے: ''غنیمت ہے آپ کو میری کوئی بات پسند تو آئی جس سے محبت اور عتاب کے دونوں ہی پہلو عیاں ہوتے''۔

اخیر کے چند سالوں میں عرب دنیا سے مولانا کا تعلق خاصا بڑھ گیا تھا اور خاص طور پر کویت سے ان کو اور کویت کے بعض ذمہ داروں کو ان سے ایک طرح کا تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ کویت آنے کے لئے وہ سخت بیماری میں بھی آمادہ رہتے تھے، افسوس ہے کہ جدہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی کا آخری اجلاس جو گزشتہ مارچ میں کویت میں منعقد ہوا اس میں شرکت کے لئے وہ بالکل پابہ رکاب تھے لیکن عین ایرپورٹ کے لئے روانگی سے پہلے ان کی طبیعت اس قدر ناساز ہوگئی کہ وہ شرکت سے معذور ہوگئے جبکہ یہاں کے بھی منتظمین اور شرکائے کانفرنس ان کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔

کویت کی اہم دینی شخصیتیں اور خاص طور پر وزارت اوقاف کے انڈر سکریٹری اور معاون انڈر سکریٹری وغیرہ تو انھیں دل سے چاہتے تھے۔

فقہ اکیڈمی کا بمبئی میں اجلاس ہوا تو ڈاکٹر خالد مذکور کی قیادت میں آٹھ افراد پر مشتمل کویت کا نہایت ہی موقر وفد ہمارے ساتھ تھا۔

پٹنہ میں امارت شرعیہ کی مجلس ارباب حل وعقد کا اجلاس تھا

تو چار چار وکلائے وزارت وہاں ہمارے ساتھ موجود تھے اور دہلی میں آبجیکٹیو اسٹڈیز کے سیمینار کے بعد پٹنہ میں امارت کے کام، اور مولانا کی شخصیت سے گہرا تاثر لے کر لوٹے اور پھر ہمیشہ مولانا کی سادہ وپُر کار شخصیت کا گن گاتے رہے۔

کویت کی ان سر برآوردہ شخصیتوں کو مولانا سے اس درجہ گرویدگی ہوگئی تھی کہ ہر صبح وشام کی خیریت معلوم کرتے تھے اور ان کے پیش کردہ ہر علمی وغیر علمی منصوبہ کو کافی اہمیت دیتے تھے بلکہ وکلائے وزارت میں سے ڈاکٹر عادل عبداللہ الفلاح نے تو مجھ سے باصرار مولانا کو یہ خط لکھوایا کہ:

''آپ کی شخصیت پوری ملت کا گراں قدر سرمایہ ہے اور آپ کی حیثیت ایک ''وقف'' کی ہے اور میں اس کا ناظر یا ٹرسٹی ہوں اس لئے اپنی صحت کا خیال رکھے بغیر آپ کہیں کا سفر میری اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے''۔

اس جملہ میں جو محبت اور لگاؤ ہے اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے مولانا کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی کی ایک وجہ ان کی یہ ادا بھی تھی کہ انھوں نے سوائے کتابوں کے ''اپنی'' کوئی ضرورت اصرار کے باوجود کسی کے سامنے نہیں رکھی، جو بلاشبہ اس زمانہ میں ایک نایاب بات ہے۔

مولانا کی طرف سے اسلامی فقہ اکیڈمی کے سالانہ اجلاس میں جہاں ایک طرف ہندوستان کے نامور علماء مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ نے شرکت کی وہیں عرب ملکوں سے فقہ وافتا کی دنیا کی مایہ ناز شخصیتیں، شام کے ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، اور ڈاکٹر محمد رواس قلعجی، کویت کے ڈاکٹر خالد المذکور، عراق کے شیخ محروس المدرس اور ڈاکٹر طہ جابر العلوانی، پاکستان کے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور ان کے نامور برادر خورد اور فقیہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی، تیونس کے شیخ الحبیب الخوجہ اور مقالہ کی حد تک شرکت میں شیخ محمد مختار السلامی اور دوسرے، قطر کے شیخ عبدالرحمٰن آل محمود اور دیگر ارباب علم ودانش شامل ہیں۔

کویت کا سفر انھوں نے متعدد بار کیا اور اپنی صحت کی انتہائی خرابی اور اضمحلال کے باوجود ہمیشہ اچھے نقوش چھوڑے۔ کویت کی وزارت اوقاف کی طرف سے ان کی زندگی کے آخری علمی شاہکار ''صنوان القضاء'' کو بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ان کے متعدد علمی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اہل کویت نے خصوصی دلچسپی لی ہے۔

سیاسی اور ملی سرگرمیاں آخر کے چند سالوں میں مولانا کی زندگی کا ایک لازمی جز بن گئی تھیں اس لئے علمی کاموں اور تصنیف وتالیف کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ انھیں میسر نہیں تھی۔ ان کی زندگی کا یہ پہلو بہرحال لوگوں کو یاد رہے گا:

امارت شرعیہ کی سطح پر سجاد ہاسپٹل کی ترقی، ''معہد قضاء وافتا'' کا قیام، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا ایک جال، فتاویٰ امارت شرعیہ کی ترتیب وطباعت، مولانا سجاد سیمینار کا انعقاد اور مولانا سجاد مرحوم کی یادگار تحریروں کا احیاء۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی سطح پر آفس کی ترتیب جدید، مسلم پرسنل لا کے مسئلہ کا موثر تعارف، مجموعہ قوانین اسلامی کی اردو اور انگلش میں طباعت، ملک کے مختلف علاقوں میں دارالقضاء کے قیام میں توسیع، ساؤتھ افریقہ کے لئے مسلم پرسنل لا کی ترتیب وتدوین میں حصہ، ملی کونسل کی سطح پر ٹاڈا قانون کی مؤثر مخالفت، صوبائی انتخابات میں مسلمانوں کی بروقت رہنمائی، ملت کے مسائل کو خود اعتمادی اور حوصلہ کے ساتھ پیش کرنے کا طریقہ، اسلامک فقہ اکیڈمی کی سطح پر ۱۳ ر سیمیناروں کا انعقاد، سینکڑوں مسائل پر اجتماعی طور پر غور وخوض اور ان کے بارے میں صحیح قرار دادوں کا صدور، تمام فقہی سیمیناروں کی ابحاث اور متعدد موضوعات پر کتابوں کی ترتیب اور نشر واشاعت، تصنیف وتالیف کے میدان میں اسلامی عدالت اور مباحث فقہیہ کی تالیف، صنوان القضاء کی تحقیق، متعدد فقہی رسالوں کی ترتیب اور بحث ونظر جیسے علمی میگزین کی ترتیب وادارت۔

یہ سارے کام ان کی زندگی کے انھیں چند سالوں میں انجام پائے ہیں جب وہ بیمار بھی تھے اور مختلف ومتضاد قسم کی مشغولیات سے زیر بار بھی، اس لئے ان تمام کاموں بلکہ کارناموں کو بلاشبہ ان کی زندہ کرامتوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

اخلاص ہے نقاش خدوخال مشیت
گفتار خرد کشف وکرامات کہے ہے۔

وانما بعزة الله وجلاله تتم الصالحات

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی اتحاد ملت کے ایک عظیم داعی ونقیب

مولانا محمد رضوان القاسمی

مہتمم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

فقیہ العصر مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کا وطنی تعلق اگرچہ بہار کے مردم خیز علاقہ سے رہا ہے، مگر ان کی علمی، تعلیمی، فقہی، فکری، سیاسی اور اشاعت دین وشریعت اور خدمتِ ملک وملت کی بے پناہ وسعت نے انھیں کسی ایک علاقہ کا پابند نہیں رکھا تھا، بلکہ ان کی زندگی کا دائرہ کار اقبالی تصور ''اچھل کر بے کراں ہوجا'' کے جلوے دکھاتا رہا ہے۔ ان کے اس عمومی دائرہ کار کی حیثیت کو اس پھول سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جو چمن کی حدبندیوں سے آزاد ہوکر ہر سو اپنی خوشبو بکھیرتا ہے۔ وہ اپنے اسی آفاقی تصور وعمل کی بنیاد پر اقبال ہی کی طرح ''مرغ حرم'' (مسلمان) کو آواز دیتے رہے کہ تمہارے بال وپر غبار آلودہ رنگ ونسب ہیں، اڑنے اور فضا میں پروازی جوہر دکھانے سے پہلے پُرفشاں ہوجا۔ وہ کبھی اپنی تقریر میں فارس کے رہنے والے حضرت سلمان کی مثال دیتے ہوئے کہتے کہ جب ایک خاص موقع پر حضرت سلمانؓ نے اپنی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو اس سے مہاجرین بھی متاثر ہوئے اور انصار بھی۔ چونکہ حضرت سلمانؓ اصلاً نہ مہاجر تھے اور نہ ہی انصار، لیکن جب حضرات صحابہؓ کے ان دونوں مقدس گروہ نے ان کے جوہر قابلیت اور حسن صلاحیت کو دیکھ کر مسابقتی جذبہ کے تحت اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہا تو پیغمبر عالم ﷺ نے رفع نزاع کے لئے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ''سلمان منا اهل البيت'' ''یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں''۔

اس کے بعد قاضی صاحب (جو اسی نام سے پہچانے جانے لگے تھے) وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ''اور جب وہ اہل بیت میں شامل ہیں تو اہل بیت سب کے ہیں، مہاجر کے بھی ہیں اور انصار کے بھی، اس لئے حضرت سلمانؓ ایک لحاظ سے مہاجر بھی ہیں اور انصار بھی، بس مجھے کہنا یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا تھا جس میں وطن اور علاقہ، زبان، رنگ ونسل، فرقہ، گروہ اور مسلک ومشرب کے تصورات اور ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہوکر اسلامی رشتہ اخوت میں منسلک ہوجانا چاہیے۔ اخوت کی جہاں گیری اور محبت کی فراوانی ہی دراصل مقصود فطرت اور رمز مسلمانی ہے۔ قرآن کا اعلان ہے ''إنما المؤمنون اخوة'' (بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) نبی کا فرمان ہے: ''كونوا عباد الله اخوانا'' (تم سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو)

گزشتہ جون (۲۰۰۱ء) میں جب مولانا کویت کے دورہ پر تھے تو اس وقت راقم الحروف بھی وہاں موجود تھا اس دورہ کے موقع پر منعقدہ ایک اجتماع میں مولانا کی نشست جہاں تھی، وہیں علامہ اقبال کا مجموعہ کلام بھی رکھا ہوا تھا، ادھر اُدھر سے دیکھ رہے تھے، اجتماع کے موضوع اور اپنے پسندیدہ دائمی پیغام کی مناسبت سے ''کلیات اقبال'' کی اس نظم پر ان کی نگاہ جم گئی جس کا عنوان ہے:

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے:

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

اور آخری شعر یہ ہے:

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ضعف اور نقاہت کے باوجود ان دو اشعار کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں کی، اجتماعی زندگی اور اس کے تقاضوں کو سمجھایا۔ اس سے وابستہ رہنے میں جو دینی اور دنیوی فوائد وبرکات ہیں ان پر روشنی ڈالی۔ مولانا سے جو لوگ قریب رہے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ اپنی ہر تقریر میں اتحاد ملت اور نظم جماعت پر زور دیتے تھے۔ اس وقت ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی، اور پوری شانِ خطابت کے ساتھ اس کی اہمیت کو اجاگر کرتے تھے۔ وہ کبھی انتباہ دیتے:

تمیز بندۂ وآقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

دردبھری آواز میں یہ بھی پیغام دیتے:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہو جا

وہ اپنی تقریروں میں ''تقویٰ'' کو خیر کے لئے شاہ کلید اور نیکیوں کے حصول کے لئے بنیادی سرچشمہ قرار دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ تقویٰ کا اصل مقام دل ہے، اس دل کی حفاظت چاہیے۔ معاشرتی اور سماجی زندگی کو بہتر بنائے رکھنے کے لئے سورہ حجرات کی بعض آیتوں (۱۱ تا ۱۳) کی تلاوت کر کے اس کے معنی ومفہوم کو بتاتے تھے اور تلقین کرتے تھے کہ مذاق اڑانے، طعنہ دینے، تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھنے، بدظنی، بدگمانی اور غیبت وغیرہ سے آپس کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔ ایک دوسرے کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا معترف رہنا چاہیے، خاندان اور برادری کی تقسیم تعارف (جان پہچان، شناخت) کے لئے ہے، نہ کہ تفاخر (ایک دوسرے پر برتری۔ بتانے اور جتانے) کے لئے۔ اسلام نے ''مساوات'' کا جو تصور دیا ہے، بڑا اونچا ہے، تقویٰ ہی سے ایک انسان اللہ کے نزدیک معزز ومکرم ہوتا ہے''۔

اصلاح معاشرہ کے عنوان کے تحت بتاتے تھے کہ ''شادی بیاہ کے معاملہ کو آسان بنانا چاہیے۔ جہیز کے مطالبہ سے بچنا چاہئے۔ گھوڑے جوڑے، اور تلک وغیرہ کی رسم نے شادی بیاہ کے مسئلہ کو سنگین بنا دیا ہے، جب کہ شریعت نے اسے سہل رکھا ہے، اس کی وجہ سے بہت ساری ایسی لڑکیاں جو شادی کے لائق ہیں، ان کی عمریں ڈھل رہی ہیں، والدین اور سرپرست اس کی وجہ سے ایک شدید الجھن اور گھٹن میں گرفتار ہیں۔ مہر میں احکام شریعت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ایسی خوشگوار زندگی گزارنی چاہیے، جس کے سبب طلاق کی نوبت نہ آئے، بے حد مجبوری آ بھی جائے تو اس سلسلہ میں جو ضابطۂ شریعت ہے، اس کا اپنے آپ کو پابند بنانا چاہیے۔ اس میں طرفین کے لئے راحت ہے۔ بہت سارے لوگ بیوی کو ''معلق'' (لٹکی ہوئی حالت میں) چھوڑ دیتے ہیں، نہ بیوی کے حقوق ادا کرتے ہیں، نہ ہی طلاق دیتے ہیں اور نہ ہی بیوی کی جانب سے خلع کی پیش کش کو قبول کرتے ہیں، یہ ظالمانہ رویہ ہے، اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو یہ رویہ پسند نہیں ہے۔ عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے بطور خاص اس کی تاکید فرمائی ہے۔ آج کل وراثت کے شرعی نظام میں بھی کوتاہی روا رکھی جا رہی ہے، اس میں شرعی اصول وضابطہ کا لحاظ رکھا نہیں جا رہا ہے، اس سے بھی ہمارے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو رہا ہے''۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے طرز پر ہندوستان میں امارت شرعیہ کی تشکیل وتنظیم کو بہت ضروری قرار دیتے تھے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں شرعی دارالقضاء کے قیام کو وقت کی اہم ضرورت بتاتے تھے۔ ۳ر فروری ۲۰۰۲ء کو جب شمالی دہلی کے علماء اور حوصلہ مند مسلمانوں نے دارالقضاء قائم کرنا چاہا تو شدید علالت کے باوجود (جس میں نہ وہ ٹھہر سکتے تھے اور نہ چل سکتے تھے اور نہ ہی صحیح طریقہ پر بول سکتے تھے) اس کی افتتاحی تقریب میں تشریف لے گئے۔ رفاقت کی سعادت مجھے بھی حاصل تھی۔ میرے خیال میں مولانا کی کسی جلسہ میں شرکت اور عوامی تقریر، یہ آخری تھی، لب ولہجہ بھی وداعی ہے، اور اس آخری تقریر میں ان کی پوری زندگی کے پیغام کا حاصل اور خلاصہ بھی ہے۔ فرمایا تھا:

''میں اپنی شدید بیماری کی پرواہ کئے بغیر آپ حضرات کے سامنے حاضر ہوا ہوں، محض اس لئے کہ اللہ کی شریعت کے نفاذ کی جو بھی کوشش ہو وہ مبارک ہوتی ہے اور لائق اجر ہوتی ہے۔ میرے بزرگو اور دوستو! جس کام کے لئے آج ہم لوگ اکٹھا ہوئے

ہیں وہ ہے قاضی کا تقرر۔ قضا فریضۂ محکم ہے اور سنت متبع ہے، یہ فرمایا سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ جب کوئی سنت مرجائے، عرصے تک اس سنت کا چلن نہ رہے اور متروک ہوجائے اور پھر کچھ لوگ اگر اس سنت کو زندہ کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو ایک حدیث کے بموجب انھیں سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے''۔

اس کے بعد یہ فرمایا:

''دارالقضاء کا قیام انتہائی ضروری ہے اور یہ ایسی سنت ہے جو ہمارے درمیان موجود نہیں، دراصل قاضی کے تقرر سے یہ مقصود ہے کہ اللہ کی شریعت کو انسانی معاشرے پر جاری کردیا جائے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ عند القضاء سمع وطاعت کا مظاہرہ کریں۔ اور اللہ کے سامنے سپر ڈال دیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فیصلہ کیا کہ موجودہ حالات میں شریعت کے فیصلے کے نفاذ کے لئے دارالقضاء کا قیام نہایت ضروری ہے، جس کی ذمہ داری حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر ڈال دی۔ دارالقضاء کا نظام گزشتہ پون صدی سے بہار واڑیسہ میں قائم ہے، وہاں کے کامیاب تجربے کی بنیاد پر ہم نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت ملک بھر میں دارالقضاء کے قیام کی جدوجہد شروع کی ہے۔ ہندوستان کے بہت سے مقامات پر دارالقضاء کا نظام چل رہا ہے۔ میں آج آپ تمام حضرات سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ شرعی زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ آپ قاضی کے فیصلے کو دل وجان سے مانیں گے یا نہیں؟ (اس پر سامعین نے ہاتھ اٹھا کر پُرجوش انداز میں سمع وطاعت کا اظہار کیا)

حضرات گرامی! آج کے حالات میں مسلمانوں کے اندر اتحاد واتفاق کی سخت ضرورت ہے۔ کون کس فکر کا ہے، کون کس مسلک کا ہے اس سے بالاتر ہوکر صرف کلمہ کی بنیاد پر قضاء کا کام ہونا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ تمام حضرات معاشرے میں شریعت کے نفاذ کے لئے متحد رہیں گے اور اپنے تمام مسائل میں دارالقضاء سے رجوع کریں گے''۔ (تقریر ختم)

قاضی صاحب کی تقریر کے بعد جلسہ کی نوعیت کے لحاظ سے اس موقع پر میں نے جو کچھ عرض کیا، اس کے آخر میں قاضی صاحب کا ایک معنی خیز جملہ نقل کیا تھا، جسے انھوں نے مکہ مسجد حیدرآباد کی ایک تقریر میں فرمایا تھا:

''یاد رکھنا کہ اسلامی عدالت میں جو جیتتا ہے تو وہ جیتتا ہی ہے مگر جو ہارتا ہے وہ بھی جیتتا ہے چونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے گردن جھکا دینے سے بڑی جیت اور کیا ہوسکتی ہے؟''۔

عصر حاضر میں مرد اور عورت کے حقوق، ذمہ داریاں اور فرائض کا اکثر تذکرہ ہوتا ہے۔ قاضی صاحب اس سلسلے میں اسلام کا جو عادلانہ نظام ہے، اسے اس طرح پیش کیا کرتے تھے:

''آج کل یورپ نے ایک نعرہ دیا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ بلاشبہ عورت اور مرد کے درمیان اللہ کی شریعت میں بحیثیت انسان کوئی فرق نہیں ہے۔ حقوق انسانی میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ بحیثیت انسان مرد کو جو عزت اور وقار حاصل ہے وہی عزت اور وقار عورت کو حاصل ہے۔ دونوں کی تکریم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بحیثیت انسان اگر مرد کو پراپرٹی رائٹ حاصل ہے اور وہ اشیاء کا مالک بن سکتا ہے تو اسی طرح عورت کو بھی آزادانہ بالاستقلال بلاکسی دوسرے کی محتاجی کے مالک ہونے کا پورا حق حاصل ہے۔ جیسے ایک مرد کی ملکیت پر دوسرے شخص کو اس کی منظوری کے بغیر تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، اسی طرح کسی عورت کی پراپرٹی پر بھی اس کے شوہر یا باپ بیٹے یا اس سماج کو کسی طرح کا تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جتنے احکام بحیثیت انسان شریعت نے دیئے ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مرد ایک الگ صنف ہے اور عورت ایک الگ صنف ہے، دونوں کی صنفی خصوصیات ہیں۔ دونوں کو پیدا کرنے والے نے دو مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ دونوں کا دو Purpose ہے، اب اگر وہ مساوات کا اصول وہاں پر برتا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فطرت کو ہم الٹ دینا چاہتے ہیں، اسی لئے سماج کی بعض ذمہ داریوں میں مرد وعورت کے درمیان فرق کرنا عین منشاء فطرت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اس صنفی فرق کی وجہ سے جو احکام دیئے جائیں، ان احکام میں چاہے مرد کو یا خاتون کو کسی طرح کی ذلت کا سامنا کرنا

پڑے۔ تذلیل کسی کی نہیں ہوسکتی۔ یہ فرق ہے مساوات کا اور عدل کا، مساوات برابری کا نام ہے اور عدل ہر شخص کی صلاحیت کے لحاظ سے اس کے حقوق وفرائض متعین کرنے کا۔ اسی لئے اسلام عورت اور مرد کے درمیان بحیثیت میاں بیوی عدل کا حکم دیتا ہے۔

مرد نے جب عورت کا استحصال کیا اور اس کو اس کے جائز حقوق سے محروم کیا تو مرد نے عورت کو فیکٹریز میں پہنچا دیا اور خود ریٹائرمنٹ لے کر بیٹھ گئے۔ سوشیل سیکوریٹی کا پیسہ کھا رہا ہے۔ غرض مرد اپنی ذمہ داریوں سے بھاگ رہا ہے، عورت بہت خوش کی میں کمانے لگی۔ اس نے یہ نہیں سمجھا کہ بچوں کی پرورش کون کرے گا؟ اب بچوں کے گھر تلاش کیا جانے لگا۔ غیر عورتوں کے ہاتھ میں ہمارے بچے ڈال دیئے گئے۔ یہ مغربی تہذیب کی وہ مصیبت ہے کہ بچوں کو ماں کا پیار نہیں مل پاتا اور کتنی ہی زبردست کرایہ پر لائی ہوئی عورت ہو، وہ بچوں کو ماں کی شفقت اور ماں کا پیار نہیں دے سکتی۔ اس کو کوئی بھی عورت اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر سمجھ سکتی ہے۔ کوئی غیر نہیں دے سکتا، اگر ماں نہیں دیتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آنے والی نسل برباد ہورہی ہے۔ وہ منشیات میں اور گانے بجانے میں لگ رہی ہے۔ وہ بہی بن رہی ہے مگر اس کا کوئی غم نہیں، پس یہ انسانیت اس کی محتاج ہے کہ عدل کے وہ اصول جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے ہیں ان کو دنیا میں رائج کیا جائے''۔

(تلخیص از خطبات بنگلور صفحہ ۱۳۷ تا ۱۴۰)

مسلم پرسنل لا کا تحفظ کس طرح ہو؟ اس پر قاضی صاحب نے جو اظہار خیال فرمایا ہے، وہ نہایت قیمتی، معنی خیز اور فکر انگیز ہے۔ اس میں مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں واضح خط اور خاکہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''بورڈ نے اپنے فرائض پوری محنت اور جفاکشی سے انجام دیئے ہیں۔ اور تیقظ و بیداری کے ساتھ۔ لیکن دو تین باتیں اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ہندوستان کا جو مستقبل ہے اس میں اگر آپ کا ملی اتحاد برقرار رہا، اگر آپ اپنی مختلف جماعتی، گروہی، فکری وابستگیوں سے بالاتر ہوکر ''لا الہ الا اللہ'' کے کلمہ کی بنیاد پر ایک منظم امت اور مستعد جماعت بن کر قانون شریعت کی حفاظت کا کام کریں گے تو انشاء اللہ اس میں کوئی طاقت مداخلت نہیں کرے گی۔ لیکن اگر آپ نے آپس کے فرقے بنائے، ٹولیاں بنائیں اور اتحاد کو توڑا تو پھر آپ کو کوئی اس زوال سے نہیں بچا سکتا جس سے اندلس، بخارا، ترمذ اور تاشقند اور دوسرے ممالک دوچار ہوئے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی خود ذمہ داری ہے کہ وہ قانون شریعت کو صحیح طرح سمجھ کر اپنے معاشرے میں صحیح طور پر نافذ کریں، اگر خود مسلمان قانون شریعت کو توڑیں گے تو سرکار کو بھی ان کے توڑنے سے کوئی روک نہیں سکتا اور ہماری تمام چیخ پکار فضول ہوگی، آپ یقین کیجئے جب تک یہ امت خود طریقہ رسول ﷺ پر نہیں چلتی آپ سرکار اور غیروں کی مداخلت سے اپنے قوانین کو نہیں بچا سکتے۔ پس آپ کا ملی اتحاد، مسلم پرسنل لا بورڈ پر کامل اعتماد، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں کا تیقظ و بیداری کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دینا اور قانون شریعت کو خود مسلم معاشرے میں پوری طاقت کے ساتھ نافذ اور جاری کرنا۔ یہ طریقہ ہے مسلم پرسنل لا کو اس ملک میں بچانے کا''۔

(مسلم پرسنل لا کا مسئلہ، تعارف، وتجزیہ صفحہ ۱۸ تا ۲۰)

اہم جلسوں میں حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ رہنے، ان کی تقریروں کو سننے اور ان کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد ان کے ''پیغام'' کے بعض اہم حصے زیر نظر مضمون میں پیش کئے گئے ہیں۔ کسی اہم شخصیت کی زندگی کی جو سب سے اہم چیز ہوتی ہے، وہ اس کا ''پیغام'' ہے۔ قاضی صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی زندگی کے نقوش، کارنامے اور پیغام زندۂ جاوید بنے رہیں گے اور بعد وفات بھی ان کا ذکر ہوتا رہے گا۔

اہل وفا ہر راہ گزر میں نقش قدم چھوڑ آئے ہیں اپنے
بعد فنا بھی ذکر ہمارا ہوتا رہے گا عالم عالم

قاضی صاحبؒ اپنے مخصوص لب ولہجہ، طاقتور انداز اور پوری دل سوزی، فکر مندی اور دردمندی کے ساتھ قوم وملت کو جن باتوں کی تلقین کرتے رہے اور پیغام دیتے رہے، اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

حضرت قاضی صاحبؒ۔ نجی زندگی کے چند نقوش

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

نجی زندگی انسان کی شخصیت اور کردار کا اصل مظہر ہوتی ہے، باہر کی دنیا میں وقار و اعتبار کو قائم رکھنا اور اپنے رکھ رکھاؤ کے ذریعہ لوگوں کو متاثر کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جن لوگوں کے ساتھ صبح و شام اور شب و روز کا تعلق ہو ان سے انسان اپنی کمزوریوں کو چھپا نہیں سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں اور تم میں سے بہترین اخلاق کا حامل وہ ہے جس کا سلوک اپنے ''اہل'' کے ساتھ بہتر ہو۔

اھل: ایک جامع لفظ ہے اس میں بیوی بھی داخل ہے، بال بچے بھی، اعزہ و اقارب بھی، خدام و ملازم بھی، اور ہمہ وقت ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے دوست احباب بھی۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نجی زندگی بڑی حد تک اس کا مصداق تھی، رشتوں اور قرابت مندیوں کا جو لحاظ ان کو تھا وہ خاندان میں ایک دو ہی افراد میں دیکھا گیا، وہ دور کی رشتہ داریوں کو بھی یاد رکھتے، کھود کرید کر کئی پشتوں کے رشتے دریافت کرتے، پھر ان کی خبر گیری کرتے، صحت و عافیت معلوم کرتے، کوئی بیمار ہو تو بار بار اس کے بارے میں حال دریافت کرتے، لڑکوں کی تعلیم کے بارے میں خاص طور پر دریافت کرتے اور اس سلسلے میں راہنمائی فرماتے، خاندان کے جو لڑکے پڑھنے میں غفلت کرتے ان کی گوشمالی بھی ہوتی اور ان کے والدین کو بھی اچھی خاصی ڈانٹ ڈپٹ سننی پڑتی، لڑکیوں کے رشتہ کے بارے میں بھی فکر مند ہوتے، ان کی سخن دل نواز اور بزرگانہ وقار کی وجہ سے خاندان میں کتنے ہی رشتے طے پاتے تھے، ہم لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ قاضی صاحب ایک تقریب نکاح میں دوسرے نکاح کا معاملہ طے کر دیتے ہیں۔

جن لڑکوں نے امتحان دیا ہو نتائج آنے تک وہ ان کے بارے میں اتنے فکر مند ہوتے تھے شاید ان کو اور ان کے والدین کو بھی اتنی فکر نہیں رہی ہو، اسی نسبت سے حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے، جب تک صحت کی حالت میں رہے تو یہ کیفیت تھی کہ خاندان میں کسی کی موت ہوتی تو سب سے پہلے قاضی صاحب موجود ہوتے، میرے والد صاحب، میری بڑی پھوپی اور خاندان میں مجھ سے بڑی بہن کی وفات کے موقع پر قاضی صاحب کو جتنی خدمت اور وفات کے بعد کے امور انجام دینے کا موقع ملا دوسروں کو نہیں ملا، جب خاندان میں کوئی شخص زیادہ بیمار ہوتا تو وہ سارے کام بھول کر اور اسفار چھوڑ کر مریض کے پاس رک جاتے، میرے پھوپھی زاد بھائی اور ممتاز صاحب علم مولانا شعیب احمد رحمانی (پروفیسر رانچی یونیورسٹی) کا اچانک قلب پر حملہ کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی وفات کے بعد انتخاب امیر کے سلسلے میں بعض حضرات نے ان کو قاضی صاحب کی طرف سے بدگمان کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کے رویہ میں تلخی و تندی پیدا ہو گئی تھی، قاضی صاحب اس موقع پر برابر صبر و سکوت کا راستہ اختیار کئے رہے لیکن جب ان کی وفات کی اطلاع پہونچی تو سب سے پہلے قاضی صاحب ہی پہونچے، اپنی نگرانی میں تمام امور کو انجام دیا اور ان کے بچوں اور پسماندگان کے بارے میں ہمیشہ فکر مند اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

بیواؤں اور یتیموں کا بھی بہت خیال رکھتے، یہ اتفاق ہے

کہ میری کئی پھوپھیاں بیوہ ہوئیں، قاضی صاحب نے اپنی گنجائش کے لحاظ سے ان کا خیال رکھا، ان کی لڑکیوں کی شادی کی ذمہ داری قبول کی اور پورے اہتمام کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا بلکہ ایک بیوہ پھوپھی کا دوسرا نکاح بھی کر دیا، قاضی صاحب کا سسرال دربھنگہ کا ایک معزز، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب نسبت خاندان ہے۔ سسرال کے لوگوں کے ساتھ آپ نے ہمیشہ حسن سلوک اور شفقت کا برتاؤ رکھا، ان کی تعلیم میں مدد پہونچائی اور کئی لوگوں کو اپنے اثر ورسوخ سے ملازمتیں دلوائیں۔

انسان جب بلندی پر چڑھ جاتا ہے تو ان سیڑھیوں کو بھول جاتا ہے جن کے ذریعہ وہ عروج وکمال کی اس منزل کو پہنچا ہے لیکن قاضی صاحب نے ہمیشہ اپنے قدیم مخلصین ومحبین اور رفقاء واحباب کو یاد رکھا، وہ اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ اسی بے تکلفی سے ملتے، ہنسی مذاق کرتے، پچھلی باتوں کو یاد کرتے، ہنستے اور ہنساتے، تقاضہ کر کے ان سے کھاتے اور انھیں کھلاتے، انھیں یہ احساس نہ ہونے دیتے کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہے ہیں جس کا حال اس کے ماضی سے بہت مختلف ہے۔ قاضی صاحب نے بہار کے دور دراز دیہاتوں کے اسفار کئے ہیں جب دیہات سے یہ لوگ آتے تو ان سے بعض اوقات انھیں کے لہجہ میں گفتگو کرتے اور ان کی باتوں سے لطف اٹھاتے۔ اپنی طالب علمی کے زمانہ کو ہمیشہ یاد فرماتے اور اس دور کی عسرت اور تنگی کا بھی ذکر کرتے، نوجوان فضلا سے کہتے کہ تنگ دستی اور فاقہ مستی کی بھی اپنی ایک لذت ہے۔

میری چچی اماں (قاضی صاحب کی اہلیہ) ماشاء اللہ بہت خلیق، مہمان نواز اور صابر وشاکر خاتون ہیں، قاضی صاحب ہمیشہ ان کی دل داری اور دل جوئی کا لحاظ رکھتے، ان کی ازدواجی زندگی نمونہ تھی، میرے نکاح کے دوسرے دن قاضی صاحب نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میں نے خاندان کی ایک ایسی لڑکی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیا ہے جو میری نگاہ میں ظاہر وباطن دونوں لحاظ سے خاندان کی سب سے بہتر لڑکی ہے، تم اس کے ساتھ بہتر سلوک رکھنا اور ہمیشہ ماں، بھائیوں، بہنوں اور بیوی کے درمیان توازن قائم رکھنا البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ قوت فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھو۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کس حد تک ان کی نصیحت کو برتا، لیکن واقعہ ہے کہ خود قاضی صاحب کی حیات اس کا عملی نمونہ تھی۔ وہ میری چچی کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے اعزہ واقارب کا حق بھی آخر دم تک ادا کرتے رہے۔

ملازمین اور خدام کے ساتھ قاضی صاحب بڑی شفقت وعنایت کا معاملہ کرتے اور ان کے ساتھ نہ خود تحقیر آمیز رویہ اختیار کرتے نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے۔ بچپن میں ہمارے گھر میں ایک مستقل ملازم تھے جو کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے تھے، قاضی صاحب ہمیشہ ان کو مسلم بھائی اور ہم لوگ مسلم چچا کہتے تھے، گھر میں ان کے رعب کا حال یہ تھا کہ وہ بے تکلف بچوں کی پٹائی بھی کر دیتے تھے، یہی حال دوسرے کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کا تھا ہم لوگ ہمیشہ ان کو چچا، چچی، پھوپھی وغیرہ سے مخاطب کرتے اگر کبھی اس میں فروگزاشت ہو جاتی تو خیر نہ تھی، یہ والدہ اور قاضی صاحب کی تربیت اور گھر کے ماحول کا اثر تھا، اگر دفتر میں کوئی ذمہ دار بھی ملازم کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کرتا تو قاضی صاحب کو اس سے ناگواری ہوتی اور فرماتے کہ یہ بڑے اور چھوٹے کا مسئلہ نہیں ہے کہ آپ اسے حقیر سمجھیں یہ محض تقسیم کار ہے، امت کا ایک کام آپ کر رہے ہیں اور ایک کام وہ انجام دے رہا ہے، ایسا بھی ہوتا کہ کسی کارکن کو سامنے تو آپ ڈانٹتے لیکن پیچھے میں اس کی طرف سے وکالت کرتے۔

عفو ودرگزر کا خانہ آپ کے یہاں بڑا وسیع تھا، کتنے ہی لوگوں سے آپ نے دھوکہ کھایا ہے اور کتنی بار اعتماد واعتبار کا آب گیر چور چور ہوا ہے، لیکن قاضی صاحب المومن عفو کریم کے مصداق اپنی سادہ لوحی اور عفو ودرگزر کی خوبی کی وجہ سے بار بار دھوکہ کھاتے اور انھیں بھولتے جاتے، بندگان خدا کے ساتھ قاضی صاحب کا جو درگزر اور مسامحت کا معاملہ تھا خدائے رحمان ورحیم سے امید ہے کہ وہ بھی اپنے اس بندہ کی کوتاہیوں کے بارے میں اس کے ساتھ یہی معاملہ فرمائے گا۔ اللهم اغفرله ورحمه وتجاوز عن سيأته. ☆☆☆

ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

مولانا محمد کلیم صدیقی
پھلت مظفرنگر

انسان اس سرائے فانی کا مکین نہیں ہے، وہ مسافر کی طرح اس عارضی دنیا میں ایک میعاد کے لئے احکم الحاکمین اور اس کائنات کے مالک کی طرف سے ویزے پر آتا ہے اور اپنی میعاد پوری کر کے اس دنیا سے چلا جاتا ہے، اس سرائے فانی میں جتنے دن بلکہ جتنے لمحات گذارنے کی انسان کو مہلت دی جاتی ہے ان کا دنیا میں آنے والے ہر انسان کو اپنے مالک کے حضور حساب دینا ہے، میدان محشر اسی حساب کے لئے برپا کیا جائے گا، اور انسان کو جن چار سوالات کے جواب کے بغیر قدم ہلانے نہیں دیا جائے گا ان میں دو سوال زندگی اور صحت کے بارے میں ہیں کہ یہ مستعار زندگی کس مصرف میں خرچ کی اور اپنی صحت و جوانی کہاں صرف کی؟ لیکن انسان اکثر اس حساب کے دن سے غفلت میں اپنی پوری عمر اور صحت و جوانی کو اپنی ملکیت سمجھ کر بے مقصد اور سرکشی و طغیانی میں گذار دیتا ہے۔

مگر اس عارضی سرائے فانی میں کچھ خوش نصیب لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو میدان محشر کے سخت ترین دن اپنی زندگی کے لمحات اور صحت و جوانی کو صحیح ترین مصرف میں خرچ کرنے کے سلسلے میں بڑے فخر اور ناز کے ساتھ اپنے مالک کے حضور حاضر ہوں گے ان میں اس مرد مجاہد کا نام بہت نمایاں طور پر شامل ہوگا جن کا نام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہے، جنہیں ابھی ۴ر اپریل کی شام کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے مدظلہ العالی کی جگہ رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

قاضی صاحبؒ ملک کے ممتاز ترین قائد اور رہنما تھے اور ملت کی قیادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ممتاز ترین عہدوں اور ذمہ داریوں پر فائز کیا، مختلف النوع خدمات میں اہم رول ہونے کی وجہ سے ملت اسلامیہ ہند یہ بلکہ عالم اسلام کے ممتاز ترین افراد، قائدین، اہل علم اور رہنمایان قوم سے ان کا ذاتی رابطہ رہا اور انہوں نے سب کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا، مگر اس کے ساتھ قاضی صاحب کی شخصیت کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ خواص امت کے ساتھ ذاتی روابط کے ساتھ ہم جیسے عوام سے بھی رابطہ اور دوستانہ تعلق رکھتے تھے جیسے وہ عوام ہی کے ایک فرد ہوں۔

ام المدارس دارالعلوم دیوبند سے انہیں بے پناہ عشق تھا اور وہ دارالعلوم کی بقا کو ملت کی بقا کی ضمانت خیال فرماتے تھے اس حقیر کے دل میں ان کی شخصیت اور ملت کے لئے ان کی دردمندی اس وقت چھپ گئی جب دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس کے بعد وہاں سخت ترین انتشار کا دور چل رہا تھا، ایک روز اچانک یہ ناکارہ دوپہر کے وقت ندوہ کے مہمان خانہ پہنچا تو دیکھا کہ مرشدی حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ اور حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب تشریف فرما ہیں اور دونوں رو رہے ہیں قاضی صاحب حضرت مولانا کے قدموں کی طرف بڑھتے ہیں اور سسکیاں بھرنے لگتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں حضرت آپ دارالعلوم کو بچالیجئے اللہ کے لئے، بچالیجئے آپ کوشش فرما سکتے ہیں اور ملت کے حال پر آپ ہی ترس کھا سکتے ہیں اور آپ ہی اس کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں اس کے بعد قاضی صاحب کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

اس حقیر کے لئے قاضی صاحبؒ کا یہ پہلا حقیقی تعارف تھا جس کی وجہ سے دل ہمیشہ ان کی طرف جھکتا رہا، بہر حال جو اللہ کو منظور

تھا وہ ہو کر رہا اور مسئلہ اس وقت سلجھ نہ سکا ہو سکتا ہے کہ اسی میں ملت کی خیر مقدر ہو۔

دارالعلوم کے ساتھ اس درجہ تعلق اور عشق، اور اپنے نام کے ساتھ قاسمی نسبت کو تبرکا یا فخر کے طور پر لگانے کے باوجود، اور اس سیع اور صحیح العقیدہ نسبت کے احترام کے باوجود ہمیشہ مزاجا، فکرا اور عملا قاسمی سے زیادہ ابوالقاسمی (ابوالقاسمی محمد ﷺ کی طرف منسوب) رہے اور پوری زندگی اس کوشش اور تگ ودو میں گذار دی کہ ملت اسلامیہ، عربی، عجمی، ایرانی، تورانی، قاسمی، مظاہری، نسبت کے بجائے اپنے اصلی محور جناب رسول اللہ ﷺ سے اپنی ابوالقاسمی نسبت کے ساتھ جڑی رہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے ملت کو بہت کچھ عطا کیا، دنیا کے کسی کونے میں ملت کے کسی فرد کو جب ان کی خدمات کی ضرورت پڑی تو انہوں نے بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنے قدم بڑھا دیئے۔

یہ حقیر ایک بار کسی ضرورت سے ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے ادارہ آبجیکٹیو اسٹڈیز میں قاضی صاحب سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، قاضی صاحب اس وقت کسی علمی کام میں مشغول تھے وہاں پر ایک بچہ جو خادم کی حیثیت سے کام کر رہا تھا میرے پاس بیٹھ گیا میں نے اس سے نام معلوم کیا اور اس کا تعارف پوچھا، معلوم ہوا کہ وہ بنگلہ دیش سے آئے پناہ گزینوں کی جھونپڑیوں میں مغربی نظام الدین میں رہتا ہے، مگر اس کو کلمہ یاد نہیں ۱۲ ارسال کے قریب عمر کے باوجود اسے دین کی بنیادی معلومات تک نہیں، اس نے یہ بھی بتایا کہ ہماری جھونپڑی میں ہندو مسلمان ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور آپس میں شادیاں بھی کرتے ہیں، قاضی صاحب سے ملاقات ہونے پر اس حقیر نے ان کے سامنے یہ حالات رکھے قاضی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو ابھی وہاں چلتے ہیں، اور فوراً سب کام چھوڑ کر چل دیئے، وہاں پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا تڑپ گئے اور فوراً علاج طے کیا، مرکز نظام الدین پہنچے اور حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ سے کچھ پرانے ساتھیوں کے ذریعہ اس جھونپڑی میں سروے کرنے کی درخواست کی چند ساتھیوں سے ملاقات بھی ہوگئی اور انہوں نے کام کا اطمینان دلایا اور الحمد اللہ وہاں پر کام ہوا۔

ایک اہم علمی کام چھوڑ کر اس حقیر جیسے عامی آدمی کے ساتھ فوراً چل دینا ان کی اس ابوالقاسمی نسبت اور درد کا عکس تھا جو جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں خوب نمایاں اور عیاں ہے کہ ہر خاص و عام پر آپ کا فیض عام تھا۔

قاضی صاحبؒ مایہ ناز خطیب تھے ان کی خطابت میں بھی سیرت پاک کا خاص اثر محسوس ہوتا تھا لمبی تمہید گنجلک منطقی اور فلسفیانہ بحثوں سے ہٹ کر تذکیری انداز میں بہت سلیس زبان میں خطاب فرماتے، اور جس طرح ان کے خطاب میں ایک عالم اور فقیہ کے لئے علمی وفکری خزانہ ہوتا تھا اسی طرح ایک عامی انسان کے لئے بھی اس کا سمجھنا آسان ہوتا تھا وہ اپنے خطاب میں حقیقی اور فکری اعتبار سے سیرت پاک کے بہت قریب تھے اور الفاظ کے انتخاب میں بھی قرآن و سنت کا انداز اختیار فرماتے تھے اور بار بار اے لوگو! (یا ایہا الناس) کہہ کر جب خطاب کرتے تو ان کی بات دل کی گہرائیوں میں گھر کر جاتی تھی۔

قاضی صاحب عالم اسلام کے ایک ممتاز فقیہ تھے اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے چیف قاضی، انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے اور اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، نیز المجمع العلمی العالمی دمشق کے رکن تھے، اور ان میدانوں میں وہ "بشرا و لا تنفرا اور یسرا و لا تعسرا (بشارت دو، تنفر نہ بناؤ، آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو) کے نبوی ارشاد پر عامل تھے بلکہ اس سلسلہ میں ان کو اختصاص حاصل تھا، اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تمام تر علمی اور فقہی کوششوں میں تبشیر فی الدعوۃ اور یسر فی الفقہ کو مقصدی درجہ حاصل تھا تو بجا ہوگا۔

ایک فقیہ کو دوسرے فقہاء سے اختلاف ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو قاضی صاحب سے بعض

مسائل میں اختلاف تھا خود قاضی صاحب کو بھی بہت سے معاملات میں بعض فقہاء سے اجتہادی اختلاف ہوتا رہا اور ان کے فقہی مقام کے پیش نظر ان کو اس اختلاف کا شرعی حق تھا بعض مرتبہ اس اختلاف کی تفصیلات دینی ماہناموں میں شائع ہوئیں قاضی صاحب ان علمی قسم کے اختلافات کا ماہناموں میں شائع ہونا پسند نہیں فرماتے تھے، اور جزوی اختلاف کی اشاعت کو ملت کے لئے گروہ بندی پیدا کرنے جیسا سمجھتے تھے اس طرح کی بعض تحریریں قاضی صاحب کی طرف سے بھی شائع کی گئیں مگر اس اختلاف میں کوئی بھی صاحب الرائے شخص انہیں حد ادب یا اصول اختلاف سے ہٹا ہوا نہیں پاتا تھا وہ ان اختلافات کو کبھی ذاتیات کا مسئلہ نہیں بناتے تھے، انتہائی اعتدال اور دردمندی کے ساتھ اظہار حق فرماتے، اور اختلافات کے موضوع پر ان کی تحریر تقریر سن کر "اختلاف امتی رحمة" (میری امت کے علماء کا اختلاف رحمت ہے) کے فرمان نبوی کی عظمت سمجھ میں آتی تھی۔

اس زمانہ میں جب ملت اسلامیہ کے خلاف ساری باطل طاقتیں بالکل متحد ہو کر یلغار کر رہی ہیں ظاہر ہے ملت کی سب سے بڑی ضرورت اپنی مسلکی، جزوی اور فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے اسلام اور توحید و رسالت کی بنیاد پر متفق اور متحد ہو کر باطل کا مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے اور بدقسمتی سے ملت کے قائدین اور جماعتوں، مسلکوں اور اداروں کے ذمہ دار، باطل سے لڑنے کے بجائے اپنے مسلکی اور گروہی اور مکتب فکر کے اختلافات، مخالفتوں بلکہ ایک دوسرے کی تکفیر و تحقیر میں مصروف ہیں، قاضی صاحب اپنی صلاحیتوں کو اسلام کے نام پر ملت کو متحد کرنے میں کھپا دینے کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے، اور اس سلسلہ میں ان کی شخصیت ملت کے لئے مشعل راہ تھی، رہنمایان قوم کی مسلکی گروہ بندی کے مقابلہ میں قاضی صاحب کی فکر و کوشش اور اختلاف کے آداب و حسن دیکھ کر ہر انسان صاف محسوس کر سکتا تھا کہ

ملا کی اذان اور مجاہد کی اذان اور...

عالم اسلام کے کسی خطہ میں اور ملت اسلامیہ کے کسی فرد کا کوئی مسئلہ ہو قاضی صاحب اس کے لئے ایسے دردمند رہتے اور ملت کے مسائل پر اس طرح بلکتے اور تڑپتے تھے کہ پاس بیٹھنے والا محسوس کرتا تھا اور اس کے لئے کسی مستقل علاج کی فکر میں وہ مشغول رہتے تھے۔

رفیق محترم جناب مصلح الدین حیدر آبادی جو قاضی صاحب سے دیرینہ نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے جدہ سے آئے تو قاضی صاحب کی عیادت کے لئے ذاکر باغ دہلی حاضر ہوئے یہ حقیر بھی ساتھ تھا اس حقیر کو دیکھ کر قاضی صاحب نے فرمایا، میں نے تو آپ کو خط لکھا ہے اور کئی لوگوں سے ذکر کیا کہ کسی طرح آپ سے ملاقات ہو جائے، آپ غیر مسلموں میں جو دعوت کا کام کر رہے ہیں اس کی تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا، ادھر کچھ روز سے دل اور ذہن اس بات پر جم گیا ہے کہ پورے عالم اسلام کے جملہ مسائل کا حل صرف یہ ہے کہ امت کو داعیانہ منصب پر کھڑا کیا جائے، اس حقیر سے کارگذاری سنتے رہے اور ملی کونسل اور پرسنل لا بورڈ کی میٹنگوں میں مدعو کرنے کو کہا کہ خواص کے سامنے آپ یہ باتیں پیش کریں۔

ملی کونسل قائم فرمائی تو اپنی خوش گمانی کی وجہ سے اس حقیر کو ابتدائی ارکان میں شامل فرمایا اور ملی کونسل کے مقاصد کے بارے میں اس حقیر کو ذاتی خطوط بھی لکھے افسوس ہے کہ ملی کونسل کے مقاصد سے سو فیصد اتفاق کے باوجود اپنی نااہلی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے یہ حقیر قاضی صاحب کے اس کارواں کا حق ادا نہ کر سکا۔

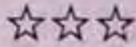
قاضی صاحب کے پرسنل لا بورڈ کے صدر منتخب ہونے کے بعد جب مخدومی و محسنی بعض عوارض کی وجہ سے ابتدائی دو اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے تو اس حقیر کی دعوت پر ایک سونی پت جاتے وقت حضرت قاضی صاحب کی رہائش گاہ ذاکر باغ اجلاس میں شرکت نہ کر سکنے کے سلسلے میں معذرت اور ملاقات کے لئے پہنچے، یہ حقیر بھی ساتھ تھا قریب بٹھایا اور فرمایا مجھے آپ سے ضروری کام ہے میں خود حاضر ہوتا مگر صحت کا حال آپ دیکھ رہے ہیں کسی وقت ملاقات ہو جاتی تو بہتر تھا، اگلے روز اپنی سعادت سمجھ کر یہ حقیر حاضر ہوا تو نہ جانے کس خوش گمانی کی وجہ سے ملت کے بعض مسائل کے سلسلہ میں

اس حقیر کو دعا کرنے کا حکم فرمایا اور بورڈ کے تشخص بقا اور افادیت کے لئے خاص طور پر دعا کے لئے فرمایا اور اخیر میں یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس محترم ادارہ کو اس سیاہ کار کی نحوست سے بچائے رکھے اور رونے لگے ایک بے حقیقت انسان سے محض خوش گمانی کی وجہ سے دعاء کے لئے اس درجہ اصرار، ظاہر ہے قاضی صاحب کا ملت کے لئے جذبہ کی حد تک بے پناہ درد ہی کہا جاسکتا ہے، دینی تفقہ، اسلامی تاریخ کی عبقری صلاحیت اور مزاج شریعت اور ذوق سنت کے ساتھ قاضی صاحب پوری دنیا کے جدید مسائل، تقاضوں، تحریکوں، فتنوں اور ضرورتوں سے بھی کمال درجہ واقفیت رکھتے تھے، اس سلسلہ میں جب وہ وکلاء، ماہرین قانون، صحافیوں اور مختلف علمی فقہی اور فکری میدانوں میں ملت کو غذا فراہم کرتے تھے تو دوسری طرف تحریک کے میدان میں مجاہد اعظم تھے، انہوں نے زندگی کے ہر لمحہ کو اور اپنی صحت و قوت کو عالم اسلام کے لئے قربان کر کے اپنے مالک محبوب کے حضور سرخروئی سے حاضری دی۔

۹ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بہار کے مردم خیز ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا نام مولانا عبدالاحد قاسمی تھا، ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء کو ۶۶ رسال کی عمر میں اس دار فانی سے اپنے مالک کی آغوش رحمت میں آرام فرمانے چلے گئے ان کا جسد خاکی بلاشبہ ان سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں نے قبر کی مٹی کے نیچے دفن کردیا مگر ان کا روشن کردار، ملت کے لئے ان کا سوز و درد، ان کی فقہی اور علمی کاوشیں، ان کی درجنوں تصنیفات اور ان کے زیر سایہ تربیت پانے والے ہزاروں مجاہدین اسلام فقہاء مفکرین اور خدام دین ان کی روحانی علمی اور فکری حیات کے ضامن ہیں، ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور ان کی پوری زندگی یہ صدا لگا رہی ہے:

مری آرزو یہی ہے ہر ایک کو فیض پہنچے
میں چراغ رہ گذر ہوں مجھے شوق سے جلاؤ

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو پوری امت کی طرف سے ان کی کاوشوں اور ان کی دردمندی کا بھرپور اور اپنی شایان شان اجر عطا فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے (آمین)۔



داعی کی زندگی

وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بڑا ہر دلعزیز تھا، جو بڑا محبوب تھا، جو بڑا پیارا تھا، شہر میں جس کے گن گائے جاتے تھے اب وہی لوگوں کی مخالفت اور عداوت کا مرکز بن گیا۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ میں خصوصیت سے علماء، ارباب حل و عقد اور ذمہ داروں سے کہتا ہوں کہ آپ صالح اور نیکو کار بن کر رہئے واللہ آپ سے کوئی نہیں جھگڑے گا، کوئی آپ کو پریشان نہیں کرے گا، آپ کے بارے میں تاثر ہے کہ بڑا نیک ہے، بہت اچھا آدمی ہے، ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا ہے، بہت پیارا آدمی ہے، لیکن جب بھی آپ جدو جہد و عمل کے میدان میں آئیں گے، حق و صداقت کی آواز اٹھائیں گے اور داعی بن کر زندہ رہنا چاہیں گے، وہیں آپ کو اپنی ہر دلعزیزی اور محبوبیت کو پہلے اپنے ہاتھوں سے قربان کردینا ہوگا۔ پھر تو آپ متنازع فیہ بنیں گے، تنازعہ ہوگا، لوگ آپ کی مخالفت کریں گے، آپ کو تکلیف پہنچانا چاہیں گے، پس اگر تم چاہتے ہو کہ اس وادی میں آؤ جو ابتلاء و آزمائش کی وادی ہے، جو جد وجہد اور حرکت و عمل کی وادی ہے، حق اور سچائی کی دعوت کا میدان ہے۔ تو تم کو پہلے سوچ لینا چاہئے کہ: "شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی"

حضرت مولانا قاضی مجاهدالاسلام قاسمی

(از "خطبات بنگلور")

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ
مشاہدات و تأثرات

مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کون رخصت ہوا؟

۴ر اپریل کے سورج غروب ہونے کے ساتھ علم وتحقیق، فکر ونظر و جہد وعلم کا وہ آفتاب بھی غروب ہوگیا جس نے بیسویں صدی کے آخری دہوں میں اپنی تنویر اور ضیا پاشیوں سے بزم علم و تحقیق کو منور اور فکر ونظر کی شاہراہوں کو معطر کر رکھا تھا، اس کی نکتہ آفرینیوں اور بذلہ سنجیوں سے علمی محفلیں بارونق، اور اس کی قانونی موشگافیوں سے وکلا اور ججز محو حیرت تھے! اتحاد ملت کا وہ حدی خواں چلا گیا جو دل دردمند اور فکر ارجمند کے ساتھ امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کے لئے سرگرم عمل تھا اور امت کی بکھری ہوئی صفوں کو درست کرنے میں جٹا ہوا تھا! وہ مردم شناس اور مردم گر رخصت ہوگیا جو نوجوانوں کی بہترین خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار اور منظم کر کے امت کی تعمیر نو اور سربلندی کی مہم میں مصروف تھا۔

وہ متکلم اسلام نہ رہا جس نے اپنی زبان وقلم سے اسلامی عقائد وحقائق اور اسلامی شریعت کی ترجمانی دور حاضر میں بڑی ذہانت اور بلاغت کے ساتھ کی، وہ فقیہ اسلام ہم سے جدا ہوگیا جس کو اللہ تعالی نے اسلام کی دستوری قوانین اور مقاصد شریعت، مدارج احکام پر مجتہدانہ نظر وبصیرت عطا فرمائی تھی اور دور حاضر کے نت نئے پیچیدہ مسائل کو اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کرنے کا زبردست ملکہ عطا فرمایا تھا۔

وہ ملی قائد و رہنما رخصت ہوگیا جس نے اغراض پرستی اور مادہ پروری کے اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کرنے کے ساتھ سیاست کو دین کا خادم و تابع بنانے کی کوشش جاری رکھی، وہ کشادہ دل اور روشن دماغ چلا گیا جس نے عمر بھر علماء اور دانشوروں کے اختلاف رائے کو برداشت کرنے اور تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرنے کا عملی سبق دیا اور حدود کے اندر رہتے ہوئے اختلاف فکر ونظر کو امت مسلمہ اور انسانیت کا عظیم سرمایہ قرار دیا۔

حیف! محمد عربی ﷺ کا وہ سودائی اور شیدائی دنیا سے رخصت ہوگیا جو دین محمدی کی سربلندی کے لئے تڑپتا اور پھڑکتا رہا اور اپنی راحت وآرام، صحت وزندگی ہر چیز کو خطرے میں ڈال کر دین واسلام کی سربلندی کے لئے فکرمند اور سرگرم عمل رہا۔

وہ خوش نوا واعظ اور شعلہ نوا خطیب ہمارے درمیان سے رخصت ہوگیا، جس کی شیریں بیانیوں نے دل ودماغ کو اسلامی تعلیمات پر مطمئن کیا اور جس کی شعلہ نوائیوں نے باطل کے فکری خس وخاشاک کو جلادیا اور غیر اسلامی رسوم وعادات کا قلع قمع کیا، وہ عبقری شخصیت ہم سے رخصت ہوگئی جس کا زرخیز ذہن امت کی صلاح وفلاح کے لئے تعمیری اور قابل عمل منصوبے بناتا رہتا تھا اور اس کی توانائیاں ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقف تھیں۔

دریغا! وہ صاحب عزم اور بلند حوصلہ شخص نہ رہا جس کے لغت میں ''مایوسی'' اور ''شکست خوردگی'' کے الفاظ نہ تھے، جو مایوسیوں میں امید کی قندیلیں روشن کرتا تھا، اور انتہائی حوصلہ شکن اور نازک حالات میں بھی عزم وحوصلہ مندی کی دعوت دیتا تھا۔

وہ مجاہد اسلام اپنے خالق ومالک کے حضور جا پہنچا اور ابدی نیند سو رہا، جس کی زندگی جہد مسلسل، سعی پیہم، جہاد واجتہاد

سے عبارت تھی، جس کا فلسفۂ زندگی تھا ''کرتے کرتے مرنا، مرتے مرتے کرنا''۔

ملت اسلامیہ کا وہ پشتیبان اور ترجمان رخصت ہوگیا جس کی آواز حکومت کے ایوانوں اور سیاست وصحافت کے میدانوں میں اہمیت اور توجہ کے ساتھ سنی جاتی تھی۔

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے اللہ تعالی کا عظیم عطیہ اور نعمت بے بہا تھے، ان کی وفات سے ایسا زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا موجودہ حالات میں بڑا مشکل ہے، ان کی ہمہ جہت اور ہشت پہل شخصیت امت کے لئے اس گھنے ثمردار درخت کی سی تھی جس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے اور اس کے گھنے سائے میں تھکے ہوئے درماندہ مسافر آرام بھی کرتے ہیں، اللہ تعالی حضرت قاضی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت کے اعلی مقام میں انہیں جگہ دے، ان کے رخصت ہونے سے جو زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے اسے پر فرمائے، امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی غمزدہ رفیقۂ حیات اور دوسرے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور ان کے شروع کئے ہوئے مفید کاموں کو جاری رکھے۔

یادوں کے چراغ:

حضرت قاضی صاحبؒ پر یہ تاثراتی مضمون لکھنے بیٹھا ہوں تو ان کی خدمت وصحبت میں گذارے ہوئے وہ قیمتی اوقات و لمحات یاد آرہے ہیں جنھوں نے خود میرا مستقبل طے کرنے میں کلیدی رول ادا کیا، حضرت قاضی صاحبؒ کی بے انتہاء شفقتیں، عنایتیں اور کرم فرمائیاں یاد آرہی ہیں، جن کی بدولت مجھ جیسا عافیت کوش، خلوت گزیں، کم آمیز شخص بعض ملی کاموں میں شامل ہوا، ان کی وہ ہمت افزائیاں اور خوابیدہ نوازیاں رلا رہی ہیں جن کے طفیل بہت سے نوجوانوں کی صلاحیتیں برگ وبار لائیں اور انہیں کام کا حوصلہ ملا، آج وہ ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی یادوں کے چراغ دل ودماغ میں روشن ہیں اور اس چراغ کی روشنی روز بروز تیز تر ہوتی جائے گی، وقت گزرنے کے ساتھ ان کی یادوں کے نقوش مدھم پڑنے کے بجائے زیادہ نمایاں اور شوخ ہوتے جارہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی:

یہ تو بتانا مشکل ہے کہ ان کے نام اور کام سے کان کب آشنا ہوئے لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی میری زمانہ طالب علمی (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۷ء) ہی میں ان کا نام کانوں میں پڑچکا تھا، اس وقت ان کی شہرت ہند گیر تو نہیں ہوئی تھی، لیکن صوبہ بہار کے افق پر وہ درخشاں ہوچکے تھے اور صوبہ بہار کے بہت سے طلبہ میرے ساتھیوں اور دوستوں میں تھے اس لئے یہ بات بہت بعید ہے کہ ان طلبہ سے حضرت قاضیؒ کا ذکر نہ سنا ہو۔

مسلم پرسنل لابورڈ کی خشت اول:

میرے زمانہ طالب علمی دارالعلوم دیوبند میں یہ تاریخ ساز واقعہ بھی پیش آیا کہ اسلام کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لاء) کے خلاف منڈلاتے ہوئے خطرات کا احساس کر کے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الامت حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ نے قائدین ملت اور ممتاز ترین علماء اور دانشوروں کا ایک مخصوص مشاورتی اجلاس دارالعلوم دیوبند میں بلانے کا فیصلہ کیا، اس اہم ترین اجلاس کی علمی وفکری تیاری کے لئے بزرگوں کے حکم وایما پر حضرت قاضی صاحبؒ نے تقریباً ایک ماہ دارالعلوم دیوبند میں قیام فرمایا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے تمام پہلوؤں پر بحث کا خاکہ تیار کیا، اور ہندوستان میں مسلم پرسنل لابورڈ کے تحفظ کے لئے بنیادی خطوط اور نکات کی نشاندہی کی اسے آپ مسلم پرسنل لاء کی خشت اول کہہ سکتے ہیں، اس یکماہی قیام میں حضرت قاضی صاحبؒ کا طلبہ میں خطاب ہوا ہو، ممکن ہے کہ بہار کی کسی ضلعی انجمن نے حضرت قاضی صاحبؒ کے خطاب کا کوئی پروگرام رکھا ہو لیکن تمام طلبہ دارالعلوم کی سطح پر ان کا کوئی خطاب یاد نہیں۔

خوش بیانی کا پہلا مشاہدہ:

حضرت قاضی صاحبؒ کی خوش بیانی اور قادرالکلامی کا پہلا مشاہدہ اور تجربہ دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ (منعقدہ مارچ ۱۹۸۰ء) کے موقع پر ہوا، تاحد نظر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا

سمندر تھا، اسٹیج پر برصغیر کی ممتاز ترین شخصیات کے علاوہ بلاد عربیہ کے چوٹی کے علماء اور اصحاب فکر جلوہ افروز تھے، عرب مہمانوں کی تقریروں کا ترجمہ ہو رہا تھا، بعض عرب مہمانوں کی تقریروں کا ترجمہ کرنے کی زحمت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو دی گئی، جب تک وہ اسٹیج پر تشریف فرما رہے حاضرین کی یہی خواہش رہی کہ عرب علماء کے خطابات کا ترجمہ انہیں کی زبان سے سنیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ سے پہلی ملاقات:

حضرت قاضی صاحبؒ سے براہ راست ملاقات، نیاز مندی واستفادہ کا دور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میرے آنے کے بعد شروع ہوتا ہے، غالباً ۱۹۸۱ء کی بات ہے حضرت قاضی صاحبؒ کسی مناسبت سے ندوۃ العلماء میں آئے ہوئے تھے، مہمان خانہ میں قیام تھا میں مناسب وقت نکال کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت ان کے پاس زیادہ ہجوم نہ تھا، وہ آرام کرنے جا رہے تھے، دو تین طلبہ جو ان سے بہت مانوس تھے وہی ان کے پاس تھے، حضرت قاضی صاحبؒ غیر معمولی اخلاق واپنائیت سے ملے، جیسے وہ مدتوں سے مجھ سے واقف تھے، میرے بعض معاصر فضلائے دیوبند امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کی زیر نگرانی کام کر رہے تھے، انہوں نے میرا تذکرہ کر رکھا تھا، میری بعض تحریریں بھی ان کی نظر سے گزر چکی تھیں، دیر تک ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اس ملاقات میں فسخ وتفریق کے بعض اسباب پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے دور کی مظلوم اور ستم رسیدہ عورتوں کی بعض سماجی اور معاشرتی مشکلات کا شرعی حل نکالنے کے لئے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی شکل میں ایک اجتماعی اور انقلابی قدم اٹھایا، عورتوں کی غیر معمولی مشقت اور پریشانیوں کے پیش نظر فقہ مالکی سے بعض اسباب فسخ وتفریق کو اختیار کیا تاکہ ان ستم رسیدہ پریشان حال عورتوں کی مشکلات کا مداوا ہو سکے، حضرت تھانویؒ نے اس کام میں دو احتیاطیں برتیں، ایک تو یہ کہ اپنے دور کے ممتاز ترین علماء اصحاب افتاء اور بڑے مدارس اور اداروں سے رابطہ قائم کر کے ان کی تائید واتفاق حاصل کرنے کا اہتمام کیا تاکہ چند مسائل میں فقہ حنفی سے عدول کر کے فقہ مالکی کی رائے اختیار کرنے کا اقدام اہل علم میں زیادہ سے زیادہ مقبول ہو سکے اور بڑے پیمانے پر اس کی مخالفت نہ ہو سکے، دوسری احتیاط یہ ملحوظ رکھی کہ ان مسائل کے بارے میں حرمین شریفین وغیرہ میں مقیم مالکی علماء ومفتیان کرام سے تفصیلی مراسلت کر کے ان مسائل کی فقہ مالکی کے مطابق جزوی تفصیلات حاصل کر کے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں شامل کر دیا تاکہ ان مسائل میں فقہ مالکی پر عمل کرتے ہوئے اس کی تمام تفصیلات کو ملحوظ رکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ اصل مسئلہ میں عمل فقہ مالکی پر ہو اور اس کی تفصیلات فقہ حنفی سے لی جائیں، جس سے تلفیق بین المذاہب کی شکل پیدا ہو جائے۔

امارت شرعیہ بہار کے نائب امیر حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے اپنی تصنیف ''کتاب الفسخ والتفریق'' میں ''الحیلۃ الناجزۃ'' سے چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے چند مزید اسباب فسخ کو فقہ مالکی سے اختیار کر کے شامل کتاب کیا، اور امارت شرعیہ بہار کے دارالقضاء اس پر کاربند ہو گئے، انہیں اسباب سے ایک سبب فسخ ''شقاق بین الزوجین'' بھی ہے۔

مجھے اس دور میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے اضافہ کردہ اسباب فسخ پر دو خلجان تھے، پہلا یہ کہ حضرت مولانا رحمانیؒ نے ان اسباب کو فقہ مالکی سے اختیار کرنے کے سلسلے میں اپنے معاصر علماء اور اصحاب افتاء کی رائے اور موافقت حاصل کرنے کی اس طرح کوشش نہیں کی، جس طرح کی کوشش حضرت تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' مرتب کرتے وقت فرمائی تھی، دوسرا خلجان یہ تھا کہ ان اسباب فسخ کی تفصیلات علماء مالکیہ اور کتب مالکیہ سے مراجعت کر کے اس طرح مرتب اور مندرج نہیں کی گئیں جس طرح حضرت تھانویؒ نے اپنے اختیار کردہ اسباب فسخ کے سلسلے میں کیا، اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ بعض شرعی پنچایتیں ان اسباب کی بنا پر نکاح فسخ تو کر رہی ہیں لیکن اس میں فقہ مالکی کی تفصیلات وجزئیات کا خیال نہیں کر پا رہی ہیں، اس سلسلے میں میں نے فقہ مالکی کی اہم کتابوں سے اچھے خاصے اقتباسات جمع کر رکھے تھے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے جب ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں اطمینان کی ملاقات کا موقع ملا تو میں نے یہ موضوع ان کے سامنے چھیڑا مجھے اندیشہ تھا کہ میری ناقدانہ گفتگو سے وہ ناراض ہو جائیں گے یا کم از کم آزردہ خاطر ہوں گے، لیکن میرے اندیشے کے برعکس انہوں نے پوری خوشدلی اور دلچسپی سے میری بات سنی بلکہ مجھے ہدایت کی کہ میں پوری تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے اپنی باتیں رکھوں۔

میرے خلجانات اور اشکالات سننے کے بعد نہ وہ بدمزہ ہوئے اور نہ ان پر ناگواری کا کوئی اثر ظاہر ہوا، ان کی بشاشت میں کافی اضافہ ہوا، انہوں نے میری باتیں پوری توجہ اور انہماک سے سنیں، اس کے بعد بڑے سنجیدہ لب ولہجہ میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: یہ بات درست ہے کہ حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ نے اس پیمانے پر اتفاق رائے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جیسی حضرت تھانویؒ نے کی، وجہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ اپنے حلقہ میں ایک بالکل نیا اور انقلاب انگیز قدم اٹھانے جا رہے تھے، اس لئے ان کی مخالفت کئے جانے کا خطرہ زیادہ تھا، پھر مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کی صورت میں مجلس قانون ساز سے بھی اسے منظور کرانا تھا، لہذا ان کے لئے علماء اور اصحاب افتاء کا اتفاق حاصل کرنے کی اشد ضرورت تھی۔

حضرت مولانا رحمانیؒ کو بنی بنائی شاہراہ ملی حضرت تھانویؒ کے انقلاب انگیز اقدام نے ان کے لئے راستہ آسان بنا دیا تھا، اس لئے انہوں نے امارت شرعیہ کی شرعی عدالتوں کے طویل تجربات کی بنا پر اور حضرت تھانویؒ کے محرکات عدول عن المذہب کو بنیاد بنا کر چند مزید اسباب فسخ وتفریق کو فقہ مالکی سے اختیار کر لیا۔

میرے اٹھائے ہوئے دوسرے نکتہ سے انہوں نے پورا اتفاق کیا اور فرمایا کہ میرا خود بھی یہ احساس ہے کہ حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی نے جن اسباب فسخ کا اضافہ کیا ان کے بارے میں فقہ مالکی مستند کتابوں اور مالکی علماء سے رجوع کر کے ضروری تفصیلات یکجا اور مرتب کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ ان اسباب فسخ میں جن کو فقہ مالکی سے لیا گیا ہے فقہ مالکی پر پورے طور پر عمل ہو اور دار القضاء اور شرعی پنچایتیں ان پر کاربند ہوں، قاضی صاحب نے خود مجھے یہ کام کر ڈالنے کی ترغیب دی۔

قاضی صاحب سے یہ تفصیلی ملاقات جو غالباً ۱۹۸۲ء میں پیش آئی تھی ان سے مستقل رابطہ وتعلق کا ذریعہ بن گئی، اس کے بعد ان کی عنایتیں اور نوازشیں فزوں ہوتی گئیں اور اپنے علمی اور تحقیقی کاموں میں مجھے برابر شریک کرتے رہے۔

افراد سازی اور خوردنوازی:

افراد سازی اور خوردنوازی کے وصف میں وہ اپنے معاصرین اور بزرگوں میں بہت نمایاں تھے، قحط الرجال کی شکایت ہر دور میں رہی ہے خصوصاً اس دور اخیر میں اس میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے لیکن یہ شکوہ دراصل اپنا شکوہ اور اپنی کوتاہ قدمی اور بے تاثیری کا اعتراف ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلاحیت ارزانی میں کوئی کمی نہیں ہے، وہ ہر دور میں مختلف صلاحیتوں کے حامل افراد پیدا کرتا ہے، اگر ان صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے، ان کی نشوونما کے لئے مناسب ماحول اور مواقع فراہم کئے جائیں، بچوں اور نوجوانوں کی رہنمائی اور ہمت افزائی کی جائے تو قحط الرجال کا شکوہ نہ کرنا پڑے اور امت مسلمہ اور عالم انسانیت کو ہر میدان میں مناسب افراد کار ملتے رہیں۔

ہماری ملی زندگی کا یہ بڑا اندوہناک حادثہ ہے کہ افراد سازی کا عمل ایک مدت سے اگر موقوف نہیں تو انتہائی سست ضرور ہے، ہزاروں دینی مدارس اور ملی ادارے ہیں ان سے وابستہ طلبہ اور نوجوانوں کی تعداد لاکھوں لاکھ ہے لیکن کام کے افراد تیار ہونے کا تناسب شاید ایک فیصد بھی نہ ہو، کچھ نوجوان اگر ذاتی محنت اور ذہانت سے کام کے بن جاتے ہیں تو ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی کے بجائے، حوصلہ شکنی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، اور بڑی بے دردی کے ساتھ ہم صلاحیتوں کا قتل کرتے ہیں، پھر قحط الرجال کا رونا روتے ہیں۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ان چند گنے چنے افراد میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فضل وکمال، علم وبصیرت کے ساتھ مردم گری اور افراد سازی کا خصوصی وصف بڑی وافر مقدار

میں عطا فرمایا تھا، انہوں نے اپنی بساط بھر افراد سازی اور نوجوانوں کی تربیت اور رہنمائی کا کام عمر بھر انجام دیا۔

مختصر تدریسی زندگی:

حضرت قاضی صاحبؒ کی باقاعدہ تدریسی زندگی سات یا آٹھ سال سے متجاوز نہیں، لیکن اس مختصر مدت میں بھی انہوں نے بہترین مردم گری اور صلاحیت سازی کا ثبوت دیا، ان کے چند سالہ تدریسی دور میں ان کی تعلیم وتربیت سے پروان چڑھنے والے طلبہ کی معتد بہ تعداد ہے، جنہوں نے حضرت قاضی صاحبؒ کے فیض تربیت اور اپنی محنت سے علم وتحقیق درس وتدریس اور بحث وتصنیف کے میدانوں میں ممتاز مقام پیدا کیا، ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وہ اپنے اساتذہ گرامی قدر کے مشورے اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی طلب پر تدریس کے لئے جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے، امیر شریعت کی جوہر شناس نظر نے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو بھانپا، شفیق باپ اور خیر خواہ مربی کی طرح ان کی ہمت افزائی کی اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا، حضرت قاضی صاحبؒ زندگی کے آخری ایام تک حضرت مولانا رحمانیؒ کی شفقتوں اور کرم فرمائیوں کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے اور بسا اوقات ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

امارت شرعیہ سے وابستگی:

۱۹۶۲ء میں حضرت امیر شریعت نے ان کی گوناگوں صلاحیتوں کو بھانپ کر انہیں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا قاضی بنایا اور عمل قضا کی انجام دہی کے ساتھ امارت شرعیہ کے احیاء وتجدید کا مشکل کام بھی ان کے سپرد کیا، امارت شرعیہ اس وقت بہت خستہ حالت میں تھی، اس کے کاموں اور اثرات کا دائرہ دن بہ دن سمٹ رہا تھا، وسائل اور افراد کار دونوں کا بحران تھا، حضرت امیر شریعت مولانا رحمانیؒ نے امارت شرعیہ کی رکتی ہوئی گاڑی میں دو ایسے طاقتور انجن (حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، حضرت مولانا نظام الدین صاحب) لگائے جنہوں نے امارت شرعیہ کے کاموں کی رفتار کو بہت بڑھا دیا، پورے صوبہ میں دارالقضاء کا جال بچھا دیا، صوبہ بہار کی چھوٹی بڑی مسلم آبادیوں کو امارت شرعیہ سے ایمانی اور جذباتی طور پر جوڑ دیا، رفتہ رفتہ امارت شرعیہ مسلمانان بہار کا دھڑکتا ہوا دل بن گئی، حکومت کے حلقوں میں بھی اس کا وزن محسوس کیا جانے لگا۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے دور امارت میں امارت شرعیہ کی تعمیر وترقی توسیع واستحکام کی منصوبہ سازی اور ان منصوبوں کی عمل آوری میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا بہت بنیادی کردار رہا ہے، انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں، صحت و جوانی سب کچھ امارت شرعیہ کے لئے وقف کردیں، اور امارت شرعیہ کے کاز کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے بعد کی دونوں امارتوں میں بھی ان کی یہ کلیدی حیثیت برقرار رہی، ان کا زرخیز ذہن امارت شرعیہ کی تعمیر وتوسیع کے لئے نئے نئے منصوبے بناتا رہا اور انہوں نے اپنے ملکی اور بین الاقوامی اثرات کو کام میں لاکر ایسے بہت سے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جو ایک مدت سے عمل آوری کے منتظر تھے۔

قاضیوں کی تربیت:

قاضی صاحبؒ کا تدریسی سلسلہ اگرچہ قاضی بننے کے بعد ٹوٹ گیا لیکن افراد سازی اور نوجوانوں کی تربیت وہمت افزائی کا کام برابر جاری رہا، انہوں نے بہت سے نوجوان فضلاء کو کار قضاء کی تربیت دے کر بہار کے مختلف ضلعوں اور علاقوں کا قاضی یا معاون قاضی مقرر کیا، اسلام کے عدالتی نظام کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان میں جاری کرنے کی کوشش کی، امارت شرعیہ کے مرکزی آفس کے مختلف شعبوں کے لئے (مثلاً دار القضاء، دارالافتاء، شعبہ تبلیغ ودعوت، بیت المال وغیرہ) مناسب ترین افراد، کا انتخاب کر کے انہیں ان کاموں کی تربیت دی، ان کی نگرانی اور رہنمائی فرمائی۔

کل ہند سطح پر صلاحیتوں کی تلاش:

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام، اسلامک فقہ اکیڈمی کی تاسیس، ملی کونسل کی تشکیل نے انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ وہ صوبہ بہار سے بڑھ کر ہند گیر سطح پر امت مسلمہ کے افراد خصوصاً نوجوانوں

میں صلاحیتوں کی تلاش کریں اور ان قیمتی صلاحیتوں کو جو بکھری ہوئی ہیں اور ضائع ہو رہی ہیں مجتمع کرنے کی کوشش کریں، اور انہیں پروان چڑھا کر ملت اسلامیہ کے بہترین مفاد میں لگائیں، اس سلسلے میں ان کی جولان گاہ صرف فضلاء مدارس ہی نہیں تھے بلکہ مختلف طبقات اور حلقوں کے حوصلہ مند اور باصلاحیت نوجوانوں کو انہوں نے اپنی تربیت و ہمت افزائی کا میدان بنایا، اور زندگی کے مختلف میدانوں میں ان سے کام لیا۔

ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ہر فرد میں کوئی نہ کوئی صلاحیت اور خوبی ہوتی ہے، اللہ تعالی نے کسی فرد کو بالکل بے صلاحیت اور تمام خوبیوں سے عاری نہیں پیدا کیا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ہم ہر شخص کی صلاحیت کو صحیح طور پر پہچان کر اسے پروان چڑھائیں اور اس کی خوبیوں سے واقف ہو کر اس سے ملک وملت کے کام لیں، آج کل ہمارا سانحہ یہ ہے کہ ہم ہر شخص کے عیوب اور کمزور پہلوؤں کی شناخت میں عمر بسر کرتے ہیں اور کسی معمولی عیب یا خامی کی وجہ سے اسے بالکل ناکارہ اور غیر مفید قرار دے دیتے ہیں اس کی وجہ سے امت مسلمہ کی بے پناہ صلاحیتیں اور بے شمار افراد کار ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت قاضی صاحب سے میرا تعلق:

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اصطلاحی معنی میں میرے استاذ نہیں ہیں، لیکن میں نے ان سے اپنے بہت سے اساتذہ سے زیادہ سیکھا ہے، ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی نے میری طرح معلوم نہیں انہوں نے کتنے نوجوانوں کے ذہن ومزاج کی تشکیل اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا کارنامہ انجام دیا، وہ ایک جوہری تھے جو جواہر کی تلاش وشناخت میں سرگرداں رہے اور جہاں بھی جاتے ان خوابیدہ صلاحیتوں کو تاڑ لیتے تھے جو صحیح مواقع نہ ملنے کی وجہ سے ضائع ہو رہی تھیں اور اپنی بساط اور وسائل بھر انہیں سنوارنے نکھارنے اور مناسب مواقع فراہم کرنے کی پوری کوشش کرتے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں پہلی تفصیلی ملاقات کے بعد ہی ان سے رشتہ عقیدت ومودت استوار ہو چکا تھا، وہ بالکل علیحدہ قسم کے عالم دین نظر آئے جن کا رنگ وآہنگ عام علماء سے کافی مختلف تھا ان کی شخصیت عقل وتدبر، فکر وتعقل، گہرائی وگیرائی سوز وگداز، اخلاق وتواضع، دلداری ودلنوازی، تفقہ واستنباط، حلم وعلم، ربط ملت اور اتحاد امت سے عبارت تھی، حضرت قاضی صاحب نے ذہانت و شرافت غم خواری وانسانیت نوازی کی اس ابتدائی ملاقات کے بعد اس حقیر کو اپنے علمی وتحقیقی، دینی وملی کاموں میں برابر شریک رکھا اور چھوٹے چھوٹے کاموں پر بڑی بڑی ہمت افزائی فرمائی۔

شاہ بانو کیس کا فیصلہ اور مسلمانوں کا اضطراب:

۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کی آئینی بنچ کے فیصلہ نے اسلام کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لا) میں حکومت اور عدالتوں کی مداخلت کی راہ کھول دی، سپریم کورٹ کے فاضل ججز نے قرآنی آیات کی من مانی تشریح کرتے ہوئے فیصلہ سنایا کہ مطلقہ عورت نکاح ثانی تک طلاق دینے والے شوہر سے نان نفقہ پانے کی مستحق ہے، اسی کے ساتھ کورٹ نے حکومت ہند کو بڑے صریح اور تیکھے انداز میں یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کا مشورہ دیا۔

اس فیصلہ نے مسلمانوں میں فکرمندی اور اضطراب کی لہر دوڑادی، مسلمانان ہند اپنے عائلی شرعی قوانین کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، اس کے تدارک کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں نے ایک طرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پرچم تلے تحفظ شریعت کی مہم چلائی، ملک کے طول وعرض میں اس فیصلہ کے خلاف بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں کیں، حکومت سے مطالبہ کیا کہ ''تحفظ حقوق مسلم مطلقہ'' کا مجوزہ بل پارلیمنٹ سے منظور کر کے شاہ بانو کیس کے مضر اثرات کی تلافی کرے، دوسری طرف بورڈ نے یہ مہم بھی چلائی کہ ملک کے طول وعرض میں دار القضاء کا جال بچھا دیا جائے، ہر علاقہ میں قاضی مقرر کئے جائیں جو احکام شریعت کی روشنی میں مسلمانوں کے تنازعات (خصوصا عائلی مقدمات) کا فیصلہ کریں، تاکہ اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے کہ مسلمانوں کے عائلی مقدمات سرکاری عدالتوں میں جائیں اور شاہ بانو کیس جیسے ہلاکت آفریں فیصلے سامنے آئیں۔

مرکزی دارالقضاء اتر پردیش کے قیام میں حضرت قاضی صاحبؒ کا رول:

اتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ میں بھی صوبائی دارالقضاء قائم کرنے کی تحریک اٹھی مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کا مستقر اور مرکز چونکہ لکھنو تھا اس لئے قیام دارالقضاء کی تحریک نے یہاں کافی زور پکڑلیا، انجمن شباب الاسلام اور تحفظ شریعت کمیٹی لکھنؤ کے اشتراک وتعاون سے لکھنؤ میں چند روزہ پروگرام رکھا گیا، اس پروگرام میں شرکت کے لئے حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کودعوت دی گئی، اس کام کے لئے ان سے زیادہ موزوں کوئی نام ہوبھی نہیں سکتا تھا، حضرت قاضی صاحبؒ نے بڑی ذہانت اور حکمت سے لکھنؤ کے تمام دینی وعلمی حلقوں کو جوڑ کر قاضی کونسل اتر پردیش کی تشکیل کی، قاضی کونسل کے تحت مرکزی دارالقضاء اتر پردیش کا قیام ہوا، اس طرح ایک بڑے خاموش، مثبت کام کا آغاز ہوگیا جو آج تک جاری ہے۔

ایک یادگار نشست:

قیام دارالقضاء کے اس زریں موقع پر چند روز حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ رہنے اورانہیں انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اس بات کا مشاہدہ ہوا کہ اللہ تعالی نے انہیں ملت کے مختلف طبقوں کو جوڑنے، ان میں قربت پیدا کرنے کی کیسی بے نظیر صلاحیت اور حکمت عطا فرمائی ہے، اس موقع کی ایک نشست برابر یاد آتی ہے، گولہ گنج کے ایک اسکول کے ہال میں حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ لکھنؤ کے وکلاء، جج اور قانون دانوں کی ایک میٹنگ رکھی گئی تھی، حضرت قاضی صاحبؒ نے اسلام کے عائلی قوانین، شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء اور ہندوستان میں قیام دارالقضاء کی اہمیت وضرورت اوراس کے طریقہ کار پر مختصر گفتگو فرمائی، اس کے بعد حاضرین کوسوالات کا موقع دیا گیا، حاضرین میں لکھنؤ ہائی کورٹ کے چوٹی کے وکلاء اور قانون دانوں کی خاص تعداد موجود تھی، بعض جج بھی نشست میں شریک تھے، اہل علم ودانش سے ہال بھرا ہوا تھا، قاضی صاحبؒ کے مختصر وموثر خطاب کے بعد لکھنو ہائی کورٹ کے متعدد چوٹی کے وکلاء نے مسلم پرسنل لا اور قانون شریعت کے بارے میں بڑے اہم اور نازک سوالات کئے، حضرت قاضی صاحبؒ نے بڑی لیاقت اور ذہانت سے ان سوالوں کے تشفی بخش جوابات دیئے، حاضرین محوحیرت تھے کہ یہ بوریہ نشین مولوی اتنی مشکل قانونی سوالوں کا کتنی آسانی کے ساتھ اطمینان بخش جواب دے رہا ہے، مسلم پرسنل لا کے قانونی پہلوؤوں پر بھی اس کی گرفت کتنی مضبوط ہے، انداز بیان بھی اتنا شیریں اور باوقار تھا کہ سارا مجمع گوش برآواز تھا۔

ایک علمی مقالہ:

لکھنؤ میں مرکزی دارالقضاء اتر پردیش قائم ہونے کے بعد بعض اہل علم کی طرف سے یہ آواز بلند ہوئی کہ تنفیذی قوت کے بغیر دارالقضاء کا قیام اور قاضی کی تقرری شرعا درست نہیں، قوت نافذہ کا ہونا قاضی کی ایک اساسی شرط ہے، خود قاضی کونسل کے بعض ارکان نے اس نقطہ نظر کی وکالت کی، میں نے اس موضوع پر ایک مفصل مقالہ لکھا، جس میں بہ دلائل ثابت کیا کہ تنفیذی قوت کا ہونا قضا کی بنیادی شرطوں میں سے نہیں ہے، اس کے بغیر بھی قاضی مقرر کرنا درست ہے، اسی ذیل میں میں نے غیر اسلامی ممالک میں نصب قاضی کے طریق کار پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی، یہ مقالہ کلیۃ الشریعۃ و اصول الدین دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طرف سے ہونے والی مجلس مذاکرہ میں ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلبہ کے سامنے پڑھا گیا۔

اس کے کچھ دنوں بعد ایک پروگرام میں حضرت قاضی صاحبؒ کی لکھنؤ آمد ہوئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض اساتذہ نے میرے مقالہ کا ذکر ان سے کیا، تو انہوں نے مجھ سے مقالہ طلب فرمایا اور حرف بہ حرف پڑھ کر غیر معمولی پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور حکم فرمایا کہ کتابی صورت میں اس کی اشاعت کروں، مکتبہ امارت شرعیہ بہار و

اڑیسہ کی طرف سے اس کی اشاعت کا نظم فرمایا، اور اپنے گراں قدر ''پیش لفظ وتعارف'' سے اس کی افادیت دو چند کردی۔

قاضی صاحب کا پیش لفظ:

حضرت قاضی صاحبؒ کا یہ پیش لفظ مختصر ہونے کے باوجود بڑا جامع اور فکر انگیز ہے، اس لئے دل چاہتا ہے کہ محفوظ ہوجائے تحریر فرماتے ہیں:

''انصاف قائم کرنا، حقوق کی حفاظت اور شریعت اسلامی کی تنفیذ امت مسلمہ کا اہم ترین فریضہ ہے، اللہ کے اتارے ہوئے قانون کو زندگی میں نافذ کر کے ہی ہم قیام عدل کے فریضہ کو انجام دے سکتے ہیں اور مسلمان کی زندگی کو اسلامی اساس پر منظم کر سکتے ہیں، وہ مشینری جو اللہ کی شریعت کو انسانوں پر نافذ کرتی ہے اور ان کے باہمی تنازعات کا خدا کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرتی ہے، اصطلاح شرعی میں اسے قضاء کہتے ہیں اور جو اس منصب پر فائز ہو اسے قاضی کہتے ہیں۔

فقہاء اسلام نے بہت تفصیل کے ساتھ ان مسائل واحکام کو تحریر فرمایا ہے جو قضاء قاضی کے محتاج ہیں یعنی مسلمانوں کی زندگی میں روزمرہ ایسے حوادث پیش آسکتے ہیں، جن کا حل قاضی شرع ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اور یہ حالات صرف ان مسلمانوں کو نہیں جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہتے ہوں بلکہ ان مسلمانوں کو بھی پیش آتے رہتے ہیں جو غیر مسلم اقتدار کے تحت زندگی گذار رہے ہوں۔

کتاب وسنت میں ایسا کوئی استثناء بھی نہیں کہ غیر مسلم اقتدار میں بسنے والے مسلمانوں کو ان احکام پر عمل سے چھوٹ مل گئی ہو، تو اب سیدھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلم اقتدار کے تحت آباد اسلامی معاشرہ ان شرعی احکام پر کس طرح عمل کرے۔

ہمارے فقہاء نے حالات اختیار اور حالت ضرورت میں مختلف احکام میں فرق کیا ہے، بہت سی وہ صورتیں جو حالت اختیار میں درست نہیں وہ حالت ضرورت میں جائز قرار پاتی ہیں اور بہت سے وہ شرائط جو حالت اختیار میں معتبر ہیں حالت ضرورت میں ان کا اعتبار ختم ہوجاتا ہے، اس کی بہت سی نظیریں فقہ کے دفاتر میں پھیلی ہوئی ہیں اور ارباب نظر سے مخفی نہیں۔

حالات کی ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں جو مسائل اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں ان کا حل ہمیشہ اصول وکلیات شرع، قواعد فقہ اور شرع کے بنیادی مقاصد کو سامنے رکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ جزئیات اور حوادث میں تغیر ہے، وہ وقت، زمانہ اور عرف کے پابند ہوتے ہیں لیکن اصول وکلیات اور قواعد شرع ہر عہد میں، ہر ملک میں اور ہر عرف میں اپنی جگہ قائم اور برقرار رہتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان مغل اقتدار کے زوال کے بعد کئی مشکلات سے دوچار ہوئے اور آزادی کے بعد خصوصاً پچھلے چند برسوں میں مسلم پرسنل لا کو درپیش چیلنج کی وجہ سے پیچیدگیاں اور بڑھ گئیں، اگر مسلمان مضبوط شرعی تنظیم اور منضبط نظام قضاء پورے ملک کے پیمانے پر منطقی موشگافیوں سے بلند ہوکر قواعد شرع کی روشنی میں قائم نہیں کرلیتے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی اسلامی زندگی اور دینی معاشرت کو شدید خطرہ پیش آسکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے دوست مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (جن کی فقہی بصیرت کا میں معترف ہوں) نے اس موضوع پر ایک محققانہ رسالہ لکھا ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر انہوں نے اصولی بحثیں جمع کردی ہیں، اور فقہاء کی تصریحات کو سلیقہ کے ساتھ مرتب کردیا ہے، مجھے یقین ہے کہ اصحاب فکر ونظر کے لئے یہ رسالہ مفید ثابت ہوگا اور دعا ہے کہ اللہ تعالی اس اہم ترین فریضہ کو جسے ایمان کے بعد قوی ترین فرض قرار دیا گیا ہے، انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، مسلمانوں میں کتاب وسنت کی طرف رجوع اور اپنے قضاۃ کے فیصلوں کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کا جذبہ پیدا فرمائے۔

(مجاہد الاسلام قاسمی)

''۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ ۴/ نومبر ۱۹۸۷ء''

(ہندوستان اور نظام قضاء ۵، ۷)۔

ایک روشن چراغ بجھ گیا

شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی
اسسٹنٹ سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، علوم دینیہ کے ایک ممتاز جید عالم ربانی تھے اور شرعی امور کے ایک تبحر فقیہ و مجتہد تھے اور ملی معاملات کے اعلیٰ درجہ کے منتظم تھے اور ملکی و عالمی ہمہ جہتی مسائل (تعلیمی، سماجی، سیاسی) سے پوری طرح باخبر اور حالات حاضرہ سے براہ راست مکمل واقف ایک بلند پایہ رہنما تھے اور ان ظاہری "علمی، فکری، قانونی، سیاسی" خوبیوں کے ساتھ باطنی "روحانیت، بصیرت، فراست" کے اوصاف سے بھی متصف تھے۔ بلاشبہ آپ گزری بیسویں صدی اور جاری اکیسویں صدی کے ایک جامع کمالات عبقری شخصیت اور بزرگ ہستی تھے۔ ملت اسلامیہ "ہندو عالم" کے لئے تو آپ سب کچھ تھے ہی، ملک اور عالم انسانی کے لئے بھی آپ بہت کچھ تھے آپ کے علمی، فکری اور عملی ملکہ وکاوش سے پوری امت محمدیہ (امت اجابت وامت دعوت) فیضیاب و مستفید ہوئی ہے۔ مسالک و مکاتب فکر کی تمیز اور مذاہب کی تفریق کے بغیر آپ سب کے خیر خواہ و ہمدرد، سب کے لئے فکر مند و دعا گو تھے۔ طبقہ علما سے ہونے کی وجہ سے اہل علم وادب سے اور ہندوستانی ہونے کی وجہ سے اہل ملک سے آپ کا خصوصی جذباتی تعلق تھا۔ ملک کی خوشحالی و ترقی اور سارے عالم میں اس کی شہرت و نیک نامی کے آپ ہمیشہ خواہاں تھے اور اس کے لئے کوشاں رہے۔ ملک میں کہیں بھی کوئی حادثہ (قحط، سیلاب، زلزلہ) ہوتا یا کوئی فتنہ (بلوا، فساد) ہوتا تو آپ حد درجہ بے چین ہو جاتے اور متاثرین کی راحت رسانی کے لئے شب و روز مصروف کار رہتے۔

اللہ نے آپ کو ظاہری و معنوی، علمی و روحانی، استعداد سے خوب بہرہ ور اور مالا مال فرمایا تھا۔ آپ کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں ملت اسلامیہ اور عالم انسانی، ملک اور عالم اسلام کے نام تاحیات معنون رہیں۔ آپ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت اور اس کے دار القضاء کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر تھے اور آل انڈیا ملی کونسل کے اس کے زمانہ قیام 1992 سے تاحیات سکریٹری جنرل تھے اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے، اس کے زمانہ قیام 1989 سے تاحیات سکریٹری جنرل تھے۔ مگر یہ مناصب بظاہر تھے ورنہ حقیقت یہ رفاعی فقیر جانتا ہے کہ نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام اور دیگر ممالک کے تمام تنظیموں اور تحریکوں اور علمی فکری، ادبی، فلاحی، اصلاحی دعوتی اداروں کو آپ اپنا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کے مسائل کو حل کرنے، ان کی ترقیات کے لئے کوشاں رہنے، ان کے پروگراموں میں شرکت کرنے اور ان کی امداد و معاونت کے لئے جدوجہد کرنے کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے۔

اس سیہ پوش رفاعی فقیر کا یوں تو آپ سے تعلق 1975 سے رہا مگر 1990 سے بہت قریب ہوا اور 1992 سے تو قریب تر ہو گیا۔ گزشتہ دس سالوں میں سفر میں حضر میں آپ کو بالکل قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ ہر ہر موقع پر اس فقیر نے آپ کو ملی تمام اختلافی ونزاعی مسائل میں الجھنے سے مبرا اور ہر گروہ طبقہ کے حق میں خیر خواہ و دعا گو ہی پایا۔ ملک و عالم میں عوام وخواص دونوں طبقوں کے حالات و مسائل سے آپ بہت زیادہ واقف تھے۔ جدید تعلیم یافتہ اور مالدار طبقہ کی مادہ پرستی و نفس پروری سے اس کے اسراف اور بے جا اخراجات کی عادت سے اور اخلاقیات میں دن بدن اس کے بے توجہی سے آپ بہت متفکر رہتے تھے اور اسی طرح غریب طبقات کی طرف سے بھی بہت مغموم رہتے کہ تعلیمی و معاشی اعتبار سے ان کی پسماندگی دن بدن بڑھتی جارہی ہے، ایک طرف صاحب ثروت دوسری طرف نوے فیصد سے زائد وہ انسان

ہیں جو بنیادی ضروریات وحاجات کے لئے محتاج سے محتاج تر ہوتے جارہے ہیں۔ آپ ایک خوشحال وترقی یافتہ انسانی سماج کے ہمیشہ خواہشمند رہے اور مختلف ذرائع سے اس کے لئے تاحیات کوشاں بھی رہے حضرت قاضی صاحب یوں تو انسانی تمام طبقات کے لئے ایک نمونہ تھے لیکن طبقہ علماء کے لئے بطور خاص آپ کی زندگی ایک مکمل اسوہ تھی۔ ملک وملت اور عالم انسانی کی دارین میں صلاح وفلاح کے لئے آپ کا ذہن ہمہ وقت سوچ میں رہتا تھا اور آپ عملاً بھی اس کے لئے سرگرم عمل رہتے تھے۔ آپ رنگ ونسل، علاقہ وزبان، مسلک وطبقہ، پارٹی وجماعت وغیرہ ہر طرح کی وابستگیوں کے تعصب اور ہر طرح کے مفادات سے بالاتر رہے۔ بلاشبہ آپ ایک ولی اللہ تھے۔ پوری للّٰہیت سے اور بے لوثی سے آپ نے ملک وملت اور عالم انسانی کی ہر جہت سے شب وروز خدمت کو معمول حیات بنایا تھا۔

آپ اعلیٰ درجہ کے عالم، فقیہ، قاضی اور مجتہد تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مفکر، مدبر اور منتظم تھے، آپ اعلیٰ درجہ کے دینی رہبر، ملی رہنما، قومی پیشوا اور سیاسی قائد تھے۔ آپ صوفی، زاہد، ذاکر اور درویش تھے۔ آپ نہایت شفیق وخلیق اور وسیع القلب اشرف انسان تھے۔ ایسی جامع الامتیازات شخصیت 4/اپریل 2002 کو اس دنیا سے اللہ کو پیاری ہوئی۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے صدمہ سے ہم سنبھلے بھی نہیں تھے کہ آپ کی رحلت کا عظیم سانحہ پیش آیا۔ آپ کے وصال سے پوری ملت اسلامیہ اور عالم انسانی رنجیدہ وغمزدہ ہے۔

اللہ نے آپ کو ایک چراغ بنایا تھا، تاحیات دوسروں تک حق کی روشنی آپ پہنچاتے رہے۔ اس چراغ سے سینکڑوں چراغ روشن ہوتے رہے ہیں۔ اصل چراغ تو بجھ گیا مگر علمی وفقہی، فکری وادبی تعلیمی وتہذیبی، ومعاشرتی اور ثقافتی وسیاسی ہر میدان عمل کے لئے اس چراغ سے روشن مردان کاران کی وراثت کے طور پر حیات ہیں، جن سے ملک وملت اور عالم انسانی مستفید ومستفیض ہوتی رہے گی اور ان چراغوں سے چراغ روشن ہوتے رہیں گے اور یہ تمام ہستیاں اور ان کی کاوشیں مرد مجاہد، مجاہدالاسلام کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گی۔

☆☆☆

ہماری صفوں کا اتحاد ہماری کامیابی کا راز ہے

ایک بڑی منظم قوت اس ملک کو اس سمت میں لے جانا چاہتی ہے جو کمزور طبقات اور اقلیتوں کے جینے کے لئے نہیں ہے بلکہ فنا کرنے کے لئے ہے۔ ایک بہت بڑی منصوبہ بند کوشش ۱۹۲۵ء سے چل رہی ہے، آج ہم اس کو بار آور ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

آر ایس ایس ایک چھوٹا سا پودا تھا جس کا تنا اب پورے ملک میں چھا رہا ہے۔ اس میں حکمت عملی اور پالیسی کو بہت بڑا دخل ہے جس میں ان کی سوچ یہ ہے کہ جہاں دبنا اور جھکنا ہو، ذرا دب جاؤ اور اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہو۔ ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کا المناک حادثہ پیش آیا جو در اصل ایک اشارہ اس بات کا تھا کہ مسلمان یہاں سکنڈ کلاس کے شہری کی حیثیت سے جینے کے لئے تیار ہوجائیں۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اپنے حوصلے کو زندہ رکھا اور ہمیں فخر ہے کہ اتنی مشکلات کے باوجود چاہے ۱۹۴۷ء کے خوں ریز واقعات ہوں یا بابری مسجد کا انہدام اور پھر نہ تھمنے والے فرقہ وارانہ فسادات، مسلمانوں نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔

ابھی جو "دھرم سنسد" کی پر عزم تحریک چلی ہے اس کو تقویت در اصل وزیر اعظم کے اس بیان سے ملی ہے جو انہوں نے رام مندر کے سلسلہ میں امریکہ و ہندوستان میں دیا تھا۔

اس تحریک کے مقابلہ کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ پر عزم وفکر مند ہے۔ پس مسلم پرسنل لا بورڈ کے ہر فیصلہ کی عمل آوری کے لئے ایک زبان اور ایک دل ہوکر ایک مضبوط چٹان بن جائیے۔ اور امت کے مفاد میں ہر قربانی دینے کے لئے تیار رہئے۔ یاد رکھیے! ہماری صفوں کا اتحاد ہماری کامیابی کا راز ہے۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی

سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(ملخوذ از خطبہ افتتاحیہ ہنگامی اجلاس مجلس عاملہ مسلم پرسنل لا بورڈ) منعقدہ ۲۱/ جنوری ۲۰۰۱ء انڈیا انٹر نیشنل سینٹر، نئی دہلی

ایک مرد مجاہد کی وفات

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

سابق صدر شعبہ عربی دھلی یونیورسٹی

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صدر مسلم پرسنل لابورڈ نے کئی سال کی علالت کے بعد دار فانی کو الوداع کہا۔ موت اور زیست کی طویل کش مکش کے بعد بالآخر موت فتح سے ہمکنار ہوگئی لیکن قاضی صاحب حال و مستقبل میں اپنی محنت وخلوص، مسلسل عمل، فقہی بصیرت، علم وتحقیق، علمی کتابوں سے اشتغال اور سب سے بڑھ کر ملت اسلامیہ کے لئے دردمندی اور رہبری جیسی صفات کے وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اس وقت ملت اسلامیہ اپنی نکبت وناسازگاری کی پست ترین حالت میں ہے۔ دوپہر کی کڑی دھوپ میں ملت اسلامیہ کے سر سے ان کے سایہ لطف وکرم کا ختم ہوجانا نہایت افسوسناک اور غم انگیز ہے۔

زندگی یا تو کامیاب ہوتی ہے یا ناکام۔ اگر ایک انسان کا معیار زندگی بہت بلند لیکن معیار بندگی بہت پست ہو تو سمجھنا چاہیے کہ وہ ناکام انسان ہے۔ لیکن اگر معیار زندگی تو بلند نہ ہو لیکن اس نے حق کا علم مرتے دم تک بلند رکھا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کامیاب ہے اور دوسری زندگی میں اس کے لئے اللہ کی طرف سے اجر عظیم ہے۔ ایک بڑے ادیب نے کیا خوبصورت بات کہی ہے کہ مرد غازی کی کامیابی کا اندازہ مال غنیمت یا ہتھیاروں سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ "اندازہ کیا جاتا ہے ٹوٹی ہوئی زرہ، بہتے ہوئے خون اور ڈوبتے ہوئے سورج سے" اس کو اگر معیار بنایا جائے تو یقیناً مرحوم مولانا مجاہدالاسلام اپنی زندگی میں سرخرو اور کامیاب رہے۔ ان کی زندگی جلترنگ کے بجائے لہو ترنگ سے عبارت تھی۔

مصائب اور تھے پر ان کا جانا
عجب ایک سانحہ سا ہوگیا ہے

حضرت قاضی صاحب مجموعہ کمالات تھے۔ جو شخص ان سے ملتا ان کی ذہانت، ان کی خوش اخلاقی اور ان کی علمی صلاحیت سے متاثر ہوتا۔ وہ حلقہ یاراں میں ریشم کی طرح نرم تھے لیکن اگر حق وباطل کی رزم گاہ ہو تو فولاد سے زیادہ سخت تھے۔ بابری مسجد کے سلسلے میں بورڈ کے موقف سے حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلیم کے بعد خانقاہ رحمانی مونگیر کے مدرسہ میں استاذ رہے اور نصاب کی تمام اہم کتابیں پڑھائیں۔ علمی صلاحیت کو خوب جلا ملی۔ پھر اس کے بعد امارت شرعیہ پھلواری شریف میں چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کے عہدہ پر فائز رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد منصوبہ بندی کے ماہر جناب ڈاکٹر منظور عالم کے ساتھ مل کر ملی کونسل ۱۹۹۲ء میں قائم کی۔ اگرچہ مسلم مجلس مشاورت جو مسلمانوں کا نمائندہ پلیٹ فارم تھا موجود تھا لیکن اس پر جمود، بے عملی اور زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ یہ ملی کونسل بغیر کسی جماعتی آویزش اور منافرت کے خاموشی کے ساتھ کام کرتی رہی۔ یہاں تک کہ یوپی کے حالیہ انتخابات میں فرقہ پرست طاقتوں کے زوال میں اس کونسل کا بھی قابل قدر حصہ رہا ہے۔ کونسل نے کوشش کی تھی کہ انتخابی سیاست میں مسلم ووٹوں کا متحدہ اور صحیح استعمال ہوسکے۔ قاضی صاحب کے روشن کارناموں میں امارت شرعیہ کی ترقی بھی شامل ہے۔ جب امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمن کی وفات ہوئی تو ایک خاص مزاج ولی عہدی نے فرق مراتب کو نظر انداز کر کے بزور طاقت

امارت شرعیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی اور امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحب کی خوش تدبیری تھی جس نے امارت کو بدانجامی سے بچالیا۔

حدیث میں امارت اور عہدہ کی طلب کو بہت برا کہا گیا ہے۔ اصلاح اور تزکیہ کے منصب پر فائز ہو کر بھی عہدہ کی ایسی ہوس اور منصب کی ایسی طلب اور اس قدر حُب جاہ حیرت انگیز ہے۔

یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں

قاضی صاحب نے امارت میں قضاء اور افتاء کی تربیت کے لئے انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جہاں اب بہت سے علماء زیر تربیت ہیں۔ انھوں نے مولانا سجاد ہسپتال اور کمپیوٹر سینٹر قائم کیا۔ مولانا کا غالباً سب سے بڑا کارنامہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا قیام ہے۔ انھوں نے اہم پیچیدہ مسائل پر اس اکیڈمی کے تحت سال بہ سال فقہی سیمینار منعقد کئے اور پورے ملک کے ہر مکتب فکر کے علماء کرام کو ژرف نگاہی اور بصیرت سے آراستہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک ایسا علمی، دینی اور فقہی کارنامہ ہے جس کی نظیر گزشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملے گی۔

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب بلاشبہ اس ملت کے لئے قائدانہ کردار ادا کیا اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی صاحبؒ کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر آپ کو بورڈ کا صدر چنا گیا تھا۔ اس عظیم ذمہ داری کو اپنی شدید علالت کے باوجود وہ نباہتے رہے اور بورڈ کو سرخرو رکھنے اور طوفان میں اس کی کشتی کو سلامت رکھنے اور ساحل مراد تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ ان ہی کا کارنامہ ہے کہ کتاب مجموعہ قوانین اسلامی مدون شکل میں سامنے آئی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی فوراً ہو گیا۔ اس کتاب کے منظر عام پر لانے کے سلسلے میں قاضی صاحب نے جو کوششیں کیں ان سے اہل نظر واقف ہیں۔ یہ بھی ایک بڑا المیہ ہے کہ بورڈ کی اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی اس میں ایک طالع آزما غیر تربیت یافتہ سیاسی عالم کا ہاتھ تھا۔ وہ کتاب کا مسودہ دبا کر بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے مولانا علی میاں تک کی بات نہ مانی اس ناگفتنی کا تذکرہ اس لئے زبان قلم پر آ گیا کہ یہ ملت مخلص اور غیر مخلص قائدین کے درمیان فرق کر سکے۔

جفا کا معاملہ مسودہ کی عدم حوالگی تک محدود رہتا تو غنیمت تھا لیکن افسوس کہ جفا کی کہانی اور بھی طولانی ہوگئی جب ہر طرف سے مسودہ کی واپسی کا مطالبہ بڑھا تو ایک دن مسودہ قاضی صاحب صدر مسلم پرسنل لا بورڈ کو واپس کر دیا گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ بزرگوں کے خاندان کے بگڑے ہوئے لڑکے کو توفیق نیک مل گئی اور صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ قاضی صاحب نہایت بیدار مغز آدمی تھے لیکن کئی سال کی علالت نے انھیں کمزور اور نزار کر دیا تھا وہ اس مسودہ پر اعتماد کر بیٹھے اور اہتمام کے ساتھ اس کی طباعت کروائی رسم اجراء کا بھی پورا اہتمام کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مسودہ ہی سے صفحات کے صفحات غائب تھے۔ شاگرد کی عقل چالاک بیمار اور مرض موت میں گرفتار استاد کو جل دے گئی۔ شاگرد نے اب کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا اور الزام یہ عائد کیا کہ پہلے ایڈیشن میں کتاب نامکمل اور ناقص شائع کی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دینی قیادت بھی شطرنج کی کوئی بساط ہے شاطر اپنی جیت کے لئے کبھی فرزیں کو آگے بڑھا رہا ہے کبھی فیل کو۔ خانقاہیت پر سیاست گردی غالب آ چکی ہے۔ کتاب وسنت کے مزاج سے قرب کی کوئی علامت نہیں۔ خاندان کے بزرگوں کا کوئی فیضان نظر نہیں۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

مولانا کی زندگی کا ایک پہلو تو قیادت ورہبری کا تھا لیکن اسی کے ساتھ ایک دوسرا پہلو یہ تھا کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو علم وتحقیق سے وابستہ رکھا۔ مراجع اور مصادر کی کتابیں ان کے گردو پیش ہر وقت پھیلی ہوئی نظر آتیں۔ وہ ہمیشہ قافلہ علم کے ہم رکاب رہے اور نئی کتابوں سے واقف رہتے۔ کتب خانوں میں علم فقہ پر موجود مخطوطات کا بھی انھیں علم رہتا۔ انھوں نے اسلامی عدالت کے نام سے جو کتاب لکھی وہ اردو زبان میں اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ خطبات بنگلور کے نام سے سیرت پر ان کے مقالات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ فقہ کے مختلف موضوعات پر ان کے مضامین ان کی وسعت مطالعہ اور علم کی گہرائی کی آئینہ دار ہیں۔ اپنی علالت کے زمانہ میں بھی انھوں نے قرطاس وقلم کے محاذ سے پسپائی اختیار نہیں کی بلکہ ''عنوان

القضاء" کے نام کے ایک مخطوطہ کو ایڈٹ کیا۔ یہ کتاب چار جلدوں میں کویت سے شائع ہوئی۔ ان کی کئی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے ہوئے۔ ایک بہت وسیع اور بے شمار جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں فقہی انسائکلو پیڈیا کے ترجمہ کی نگرانی بھی کرتے رہے۔ اس کی کچھ جلدیں ترجمہ ہو کر عنقریب شائع ہوں گی۔

مولانا صرف بہت بڑے عالم ہی نہیں بلکہ بہت بڑے مقرر بھی تھے۔ موقع اور محل کی مناسبت سے تقریر کرنے کا خاص ملکہ اللہ نے انھیں عطا فرمایا تھا۔ ایک بار سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی جناب سید حامد نے راقم السطور کو دہلی میں ٹیلیفون پر کہلوایا کہ ہمدرد پبلک اسکول میں ۱۲ ربیع الاول کو سیرت النبی کا جلسہ ہے۔ آپ کسی اچھے مقرر کا انتظام کر دیجئے۔ قاضی صاحب ان دنوں بہار، پھلواری شریف میں رہتے تھے اور دہلی آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ وہ فوراً تقریر کے لئے آمادہ ہو گئے۔ غالباً دوسرے دن ہی یہ جلسہ تھا۔ میں قاضی صاحب کے ساتھ جب ہمدرد پبلک اسکول پہنچا تو دیکھا کہ سرکاری تعطیل کی وجہ سے غیر متوقع طور پر تمام اساتذہ غائب، ہال ننھے بچوں سے بھرا ہوا جو وہیں ہوسٹل میں رہتے تھے۔ بس ہوسٹل کے وارڈن اور سید حامد صاحب استقبال کے لئے موجود تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ آج تو قاضی صاحب کا امتحان ہو جائے گا۔ جو شخص علماء اور دانشوروں کی محفل میں نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز تقریریں کرتا رہا ہو وہ آج طفلان خورد سال کے درمیان کیسے کچھ کہہ سکے گا۔ میں نے دیکھا کہ کلیوں اور شگوفوں کے مجمع کو دیکھ کر قاضی صاحب کی بشاشت اور خوش مزاجی میں کوئی فرق نہیں آیا اور انھوں نے سیرت کے موضوع پر نہایت چھوٹے اور کمسن نونہالوں کے سامنے اس قدر آسان اور اثر انگیز تقریر کی شائد کسی بھی دوسرے شخص کے لئے اس غیر متوقع صورت حال میں برجستہ ایسی تقریر آسان نہ ہوتی۔ قاضی صاحب کی نگاہ بلند تھی۔ سخن دلنواز تھا۔ وہ شبنم کی طرح تھے جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ وہ اس طوفان کی طرح بھی تھے جس سے دریاؤں کے دل دہل جاتے ہیں۔ ان کے انتقال سے قیادت کا خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ جذباتی قائدین کی اب بھی کمی نہیں لیکن عقل و ہوش پر مبنی تجربہ کار قیادت جو حالات سے نبرد آزما ہو سکے اور حالات کا رخ موڑ سکے، رخصت ہو گئی۔

اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

☆☆☆

امت سے محبت کا تقاضہ

اتحاد کب ضروری نہیں رہا ،لیکن موجودہ حالات میں جب کہ آپ کے بد خواہ بڑے بڑے بنیادی اختلاف کے باوجود صرف آپ کی عداوت کے جذبہ سے متحد ہورہے ہیں ، جن لوگوں کا ایک ساتھ ایک اسٹیج پر بیٹھنا بھی ناقابل تصور تھا ۔ وہ ایوان اقتدار میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہیں ۔ اور لوگ آب و آتش کے اجتماع کو کھلی آنکھوں سے ملاحظہ کررہے ہیں ، ان حالات میں ہمارے لئے اتحاد اور وحدت کلمہ پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے ۔ اگر تاریخ کے اس نازک موڑ پر بھی ہم نے اپنی صفوں کو متحد نہیں رکھا اور اپنے آپ کو انتشار سے نہیں بچایا تو اس سے زیادہ بد بختی اور کم نصیبی کوئی اور نہیں ہوسکتی ، اور اس طرح سے ہم یقینا اس ملک میں ایک با عزت قوم کی حیثیت سے رہنے کا حق کھودیں گے ۔ " وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ " اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری زبان و حدت امت کا بیان ہو، ہمارا قلم محبت کا نقیب اور دلوں کو جوڑنے کا سامان ہو ۔ چھوٹے چھوٹے جزوی اور فروعی مسائل میں ہم اپنے آپ کو الجھانے سے بچیں ، سیاسی وابستگیوں کو امت کے وسیع تر مفادات کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں، یہی اس وقت دین سے اور امت سے محبت کا تقاضہ ہے ۔ اگر ہم نے اپنی صفوں کر متحد رکھا ، اور دوش سے دوش اور قدم سے قدم سے ملاکر آگے بڑھے، تو انشاء اللہ آئندہ بھی کامیابی ہمارے قدم چومے گی ، کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی جو ہماری راہ سے نہ ہٹے ۔ اور کوئی دشواری نہ ہوگی جو آسان نہ ہو ۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی یاد میں

پروفیسر اقبال احمد انصاری

سابق پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ سے قاضی صاحب مرحوم کی وابستگی کا اخباری علم عرصہ سے تھا۔ اس طرح کی شخصیتوں کے حلیہ اور وضع کا جو خاکہ عموماً ہمارے ذہنوں میں بن جاتا ہے، قاضی صاحب سے پہلی اتفاقی ملاقات میں حقیقت اس کے برعکس پائی یعنی علم ومنصب کے پندار اور فاصلہ کی جگہ ایک خلیق ومشفق شخص جو دوسروں کی عزت کرنے کا اپنی عزت کرانے سے زیادہ خواہاں۔

گیارہ بارہ سال کے عرصہ میں دینی، علمی، سماجی وملی مسائل کے تعلق سے مرحوم سے جو ربط رہا اس سے بہت جلد یہ اندازہ ہوا کہ دینی علم میں تبحر وتفقہ کے ساتھ موجودہ سماجی وتہذیبی حالات سے واقفیت اور حالات وضروریات زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے مقاصد شرعیہ کے حصول کے لئے دینی احکامات کی تعبیر وتاویل اور تطبیق کے لئے بصیرت اور جامعیت کی ضرورت ہوتی ہے اور جو بہت مشکل سے جمع ہوتی ہے وہ موصوف میں اللہ تعالی نے جمع کردی ہیں۔ پھر سیمیناروں میں دانشوروں اور علماء دونوں کے ساتھ انھیں ساتھ یا الگ الگ فکری لین دین کے کام میں موعظہ حسنہ کے علاوہ حکمت وتدبیر اور تحمل سے اختلافات بلکہ نزاعات کو مثبت رخ دے کر متشددین کو معتدل رائے اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کا مرحوم کو جیسا ملکہ تھا، اس کی ملت میں کمیابی بلکہ نایابی کی وجہ سے میرے دل میں بہت قدر تھی اس ملکہ کا بھرپور اظہار علی گڑھ میں ۱۹۹۵ء میں منعقدہ فقہی سیمینار بہ عنوان ''اشتراط فی النکاح'' میں ہوتے دیکھا جس کے اختتامی نشست میں مرحوم کے امارت شرعیہ کے قریب ترین رفیق ''مشروط نکاح نامہ'' کے خیال پر ہی انقباض ظاہر کررہے تھے اور کئی جید علماء اسے عورتوں کی بے لگامی کا چارٹ سمجھ رہے تھے۔ فکری اختلافات ومخالفتوں وبغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے عموماً دینی حلقہ میں قائد وشیخ اپنے منصب کے پندار کا استعمال کرتا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کے بجائے دو تین سو علماء کے اس اجتماع سے یہ سوال کیا کہ معلقہ ومطلقہ کے جتنے مقدمات عموماً علماء کے پاس آتے ہیں ان میں ان کے خیال میں عورتوں کی مظلومی کا کیا تناسب ہوتا ہے۔ خاصے علماء نے جب دستور مردوں کے نقطہ نظر سے رائے کا اظہار کیا، دو ایک نے قاضی صاحب کی رائے سے اتفاق کیا کہ تقریباً سارے مقدمات میں عورت ہی مظلوم ہوتی ہے۔ جو نکاح نامہ کے ذریعہ عائلی مسائل کے حل کی تجویز سیمینار میں منظور ہوئی۔

نکاح نامہ کے ذریعہ طریقہ طلاق وبیوی سے بدسلوکی کی صورت میں طلاق تفویض کا استعمال اور معلقہ ومطلقہ کے حقوق ونیز تعداد ازدواج کے مسائل کا حل نکالنے کی طرف ابتداء توجہ دلانے والوں میں میرا بھی دخل تھا چنانچہ فقہی سیمینار کے لئے وضاحت مسئلہ اور سوالنامہ مرتب کرنے میں خاکسار سے بھی مدد لی گئی تھی... مسلم پرسنل لاء بورڈ بنگلور اجلاس میں نکاح نامہ کا جو مسودہ پیش کیا گیا میں نے اس کی مزید اصلاح پر قاضی صاحب سے زبانی بات کی

اور ایک متبادل زیادہ جامع نکاح نامہ بھیجا۔ ہر مرحلہ پر اس کا احساس ہوا کہ عورتوں کی مظلومی اور اسلام میں اس کے عادلانہ حل کی موجودگی کے باوجود ہمارے معاشرہ میں بیوی کو معلق رکھنے اور تین طلاق کے غلط و تباہ کن طریقے رائج ہیں اور جسے فقہی جواز حاصل ہے اسے ختم کرنے کے لئے قاضی صاحب کا ضمیر ویسا ہی بیدار اور تدابیر اختیار کرنے کا ویسا ہی عزم ہے جیسا ہمارے جیسے اسلام میں حقوق انسانی کے تحفظ کے حاملین کا ہے۔ افسوس ہے کہ پرسنل لاء بورڈ کے چیرمین کی حیثیت سے انھیں ہر طبقہ فکر کو ساتھ لے کر کام کرنے کے لئے جو مجبوری تھی اس کی وجہ سے اس رفتار سے نکاح نامہ کے اختیار رائج کرنے کا کام نہیں ہو سکا جو ہونا چاہیے تھا۔

میرے مجوزہ نکاح نامہ میں تعداد ازدواج کے لئے فریقین کو مندرجہ ذیل تین صورتوں میں سے حسب مرضی و حالات معاہدہ کا اختیار دیا گیا تھا: (الف) شوہر دوران زوجیت دوسری شادی نہیں کریں گے۔ (ب) بغیر بیوی کی اجازت نہ کریں اور (ج) دوسری شادی کے حق کا بہ شرط استطاعت وعدل استعمال کر سکتے ہیں۔

اس پر قاضی صاحب نے میری توجہ دلائی کہ ایک صاحب اپنی جانب سے دوسری شادی نہ کرنے کی ایسی ہی پابندی قبول کر لی تھی، بعد میں بیوی کی مسلسل بیماری کی وجہ سے انھیں بڑی پریشانی ہوئی۔ میں نے اس دفع میں ضروری ترمیم کر دی کہ دوسرے نکاح کے حق سے دستبرداری کے معاہدہ کے باوجود اگر بعد میں کوئی مرض بیوی کو ایسا لاحق ہو جس سے وہ حقوق زوجیت کی ادائگی سے قاصر ہو تو معاہدہ کی اس دفعہ پر نظر ثانی کی جا سکتی ہے۔ (یہ بہ شرط استطاعت وعدل) مزید فقہی عذرات کو سمجھتے ہوئے میں نے قاضی صاحب سے دوٹوک کہا کہ نکاح نامہ اور اس کے اندر اجازت کی حیثیت کسی ادارہ (مثلاً پرسنل لاء بورڈ) کے فتوے کی نہیں۔ نکاح نامہ کے اندراجات کی ذمہ داری فریقین پر ہوگی۔ پرسنل لاء بورڈ یا کوئی اور انجمن اور چھپے ہوئے فارم کی دستیابی میں سہولت فراہم کرنے کی حد تک ذمہ دار ہوگا۔ جن کا فقہی مسلک مختلف ہو اسے اختیار نہ کریں۔

پرسنل لاء بورڈ کے بمبئی اور بنگلور کے سشن کے باوجود نکاح نامہ کی تشفی بخش تکمیل نہ ہونے کے بعد قاضی صاحب کا یہ کارنامہ بھی مسلمانان ہند کی دینی وثقافتی تاریخ کے ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے کہ انھوں نے ایسے دوروزہ قومی سیمینار کا اہتمام دلی میں ایک یونیورسٹی کے ہال میں کیا جس میں علماء ومرد وخواتین دانشور کے علاوہ خواتین کی رضا کارانہ تنظیموں کی بھی شرکت ہوئی اور سب کو اپنا درد وحال اور خیال ونظریہ (بشمول خاکسار) پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔

'اوقاف' پر ایک سیمینار کے اختتامی اجلاس میں قاضی صاحب نے اپنے خطبہ کے دوران اس درد کا اظہار کیا کہ نئے اوقاف بہت کم قائم ہو رہے ہیں ضرورت اس کی ہے کہ رفاہی کاموں خصوصاً نادار مطلقہ کے نان نفقہ کے انتظام کے لئے اوقاف قائم کئے جائیں۔ یہی تجویز میرے دل میں عرصہ سے تھی کہ غیر خود کفیل مطلقہ مطلقہ کے نان نفقہ کا ذمہ اس شہر/گاؤں کے مسلمان اجتمائی ادارہ کے ذریعہ کریں (اگر چہ میری رائے میں سابق شوہر کے ذمہ دوران عدت یا مناسب قسطوں میں "متاع معروف" کی ادائیگی کو قانونی درجہ دیا جانا جائز ہے)۔

اس نشست کے بعد دیر تک میں ان کی دردمندی پر اپنے تأثر کا اظہار کرتا رہا کہ کاش علماء دینیاتی اسلام کے بجائے پیغمبرانہ اسلام کا تفقہ عام کریں۔ تقریباً دو ڈھائی سال قبل ایک دن ۱۲۶/ ذاکر باغ والی رہائش گاہ پر بلا کر کہا کہ اسلام اور حقوق انسانی، پر ایک جامع سیمینار منعقد کرنا ہے جس کے شرکاء علماء ہوں گے تم اس کے لئے موضوع کا تعارفی مضمون اور سوالنامہ جو شرکا کو علمی تحقیقی مضامین لکھنے کے لئے بھیجا جائے لکھ دو۔ میں نے اس پیشکش کو انشراح صدر سے قبول کیا اور مطلوبہ مضمون اور ۲۷/ ۲۸ عنوان پر مشتمل سوالنامہ مرتب کر کے ان کے سپرد کیا جس میں کوئی ترمیم

واضافہ کے بغیر باضابطہ منظوری دے کر علماء کو بھیجا گیا۔ اس ابتدائی کام کے علاوہ میرے پاس یہ خط بھیجا کہ تم ہی اس سیمینار کے لئے کلیدی خطبہ لکھو اور مزید کہ اس کے پہلے سیشن کے لئے ایک مقالہ الگ سے لکھو۔ میں نے اس کی بھی رضامندی دیدی۔ افسوس ہے کہ کاموں کے ہجوم اور دیگر اسباب کی وجہ سے اس سیمینار کی تاریخیں ملتوی ہوتی رہیں اور وہ ان کی حیات کے دوران نہیں منعقد ہو سکا۔

اس عنوان سے سیمینار کے عزم اور مجھ جیسے کم علم کو اس کی ذمہ داری دئے جانے کے ذکر کی ایک وجہ یہ ہے کہ عرصہ سے (ایمرجنسی کے زمانہ سے) حقوق انسانی کے کاموں سے وابستگی کے دوران یہ احساس ہوتا رہا کہ میرے بہت سے ایسے دوست جو اسلامی نظریہ کے تحت علمی وعملی کام کررہے ہیں وہ حقوق انسانی کے کام کو ''اسلام'' سے ہٹا ہوا (اگر چہ لازماً متصادم نہیں) سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس قاضی صاحب میری جو قدر کرتے تھے اسی میں حقوق انسانی، کے لئے عملی وعلمی کاموں کے اعتراف کو بہت دخل تھا۔

بابری مسجد کے حادثہ کے بعد مسلسل سیمیناروں وکتاب وپمفلٹ کے ذریعہ حقوق انسانی حلقوں میں قانون کی حکمرانی کے لئے پولس، انتظامیہ وعدلیہ کی اصلاح پر توجہ دلانے کے باوجود جب عملی تبدیلی کے لئے کہیں سے اقدام ہوتا ہوا نظر نہیں آیا تو ایک دوسطری خط قاضی صاحب کو لکھا کہ جن کا مسئلہ ہے (یعنی فساد زدہ اقلیتی گروہ، خصوصاً مسلمان) اگر وہی فسادات کے تدارک اور اس پر قابو پانے کے لئے غیر جانبدارانہ نفاذ قانون کو اہم مسئلہ بنا کر اصلاحات کے لئے جدوجہد نہیں کریں گے تو حقوق انسانی کی انجمنیں ہمدردی میں رپورٹیں تیار کرنے پر اکتفا کریں گی۔ اسی خط پر یہ نوٹ لکھ کر بھیج دیا کہ ایک سیمینار 'فسادات ونفاذ قانون' پر کیا جائے۔ ملی کونسل کے زیر اہتمام سیمینار (قومی سطح پر) بہت اچھا ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے لئے منصوبہ کے تحت اصلاحات نافذ کرنے کی جانب کوئی کام سیمینار میں بنائی گئی کمیٹی کے تحت نہیں ہو سکا۔

قاضی صاحب سے آخری ملاقات گزشتہ بقرعید کے موقع پر ہوئی۔ عرصہ سے دہشت گردی کے خلاف پوری شدت سے قاضی صاحب کے بیانات آتے رہتے تھے جو جامع اور اعتدال پر مبنی ہوتے تھے۔ میں نے دوران ملاقات ان سے کہا کہ ایک عرصہ سے میری اس تجویز پر عمل نہیں ہو سکا کہ جنگ ودہشت گردی پر جب کوئی واقع ہو جائے اس پر بیان دیتے رہنے کے بجائے سارے مذاہب کے لوگ اپنی مذہبی تعلیم کی روشنی میں طاقت وہتھیار کے استعمال کے جواز وعدم جواز اور اس کے قانونی واخلاقی ضابطوں پر مشتمل ایک اعلانیہ پر دستخط کر کے اس کی قبولیت اور نفاذ کے لئے مہم چلائیں۔ جیسا کہ حقوق انسانی کے تحت جنیوا کنونشن (۱۹۴۹) کے قانونی نظام کے ذریعہ انسانی قدروں کے تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے بلا تامل اس کی رضامندی دی کہ مناسب وقت پر ایسا کیا جائے۔ ان کی بالغ نظری کا ثبوت اس میں ہے کہ انھوں نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ طاقت وہتھیار کے جواز، اور شرائط استعمال کے ساتھ نزاعات کے تصفیہ کے طریقوں کے تعین پر بھی توجہ ہو۔ یہ مذاکرہ بھی نہیں کیا جا سکا۔

قاضی صاحب علالت کے باوجود آخر وقت تک متنوع علمی وعملی کاموں میں مصروف رہے۔ سفر بھی کرتے رہے، اجلاس کی صدارت اور مذاکرات میں شرکت۔ سعئ مسلسل کے لئے حوصلہ وطاقت کا منبع قوت ایمانی اور دردمندی کا جذبہ ہوتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ انھوں نے خلق خدا کی رہنمائی کے لئے جو علمی وعملی کام کئے اس کا اجر اپنی رحمت سے بے حساب دے۔

ان کے رفقاء اور قائم کردہ اداروں پر یہ ذمہ داری ہے کہ ادھورے کاموں کی تکمیل کریں اور ان کی قائم کردہ روایت کو جاری رکھیں۔

☆☆☆

آہ! قاضی صاحبؒ

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مالیر کوٹلہ، پنجاب

جمعرات ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء، ۲۰؍محرم ۱۴۲۳ھ کی شب میں دہلی سے یہ افسوس ناک اطلاع بذریعہ فون پہنچی کہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب جو کہ اپولو اسپتال دہلی میں زیر علاج تھے وفات پاگئے، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ قاضی صاحب کچھ عرصہ سے مہلک مرض میں مبتلا تھے، کینسر ان کی ریڑھ کی ہڈی کے گودے میں تھا، بہت تکلیف اور معذوری کا احساس کرتے تھے اور دن بدن حالت گرتی جارہی تھی، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ جو ہوسکتا تھا کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر کب تک...... آخر وقت موعود آپہنچا اور وہ اسپتال ہی سے اپنے رب کے پاس روانہ ہوگئے، اطلاع ملی کہ جمعہ کی صبح سات بجے ان کی نماز جنازہ جامعہ ملیہ نئی دہلی میں ادا کی جائے گی، اور وہاں سے ان کی میت کو پٹنہ لے جاکر آبائی وطن میں تدفین کی جائے گی، مجھے ۵؍کو صبح دہلی اور وہاں سے اررریہ کے لئے روانہ ہونا تھا، مگر ان کے انتقال کی خبر نے جیسے ایک دم گرادیا، سفر کرنے کو دل نہ چاہا، قاضی جی بڑے باصلاحیت عالم دین تھے، ایسے لوگ کم یاب ہوتے ہیں، ہر زمانے میں ایسے لوگوں کی مثالیں کم ملتی ہیں جو امتیازی اوصاف و خصوصیات لے کر دنیا میں آتے ہیں، دارالعلوم دیوبند میں ان کے ساتھ طالب علمی کا کافی زمانہ گزارنے کا موقعہ ملا، فارغ التحصیل تو وہ مجھ سے ایک سال پہلے ۱۳۷۵ھ، ۱۹۵۶ء میں ہوگئے تھے، مگر میرے ہم درس مولانا شفیق عالم پورنوی اور ان کا کمرہ ایک ہی تھا، احاطہ دفتر صدر دروازہ کے داہنی طرف بغل والا کمرہ جس کی کھڑکی سڑک پر کھلتی تھی، اپنا ٹھکانہ بھی یہی کمرہ رہتا تھا، قاضی جی طالب علمی کے زمانے میں نحیف وزار دبلے پتلے سے تھے اور مولوی روح اللہ مونگیری ان کی خبر لیتے رہتے تھے، پھر ملی کاموں میں حصہ لینے کی وجہ سے ان سے ملنا جلنا ہوتا رہا، مسلم پرسنل لا بورڈ، ملی کونسل کی میٹنگیں اور جلسے ہوتے تھے، یہاں مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ مالیر کوٹلہ میں بھی ہوا، اس میں مولانا منت اللہ رحمانی کے ساتھ وہ بھی آئے تھے، طالب علمی کے زمانے کی بے تکلفی اور اپنائیت وخلوص کی فضا میں ساتھ ساتھ رہے، انہوں نے ملی کونسل بنائی، پھر پرسنل لا بورڈ کے صدر بھی ہوگئے، علمی کاموں میں لگے رہتے تھے، تحریر وتقریر کا اچھا سلیقہ تھا، اصل میں ان کا مذاق علمی تھا، مولانا منت اللہ کی تربیت نے ان کے جوہر نکھار دیئے تھے اور چونکہ مولانا منت اللہ صاحب عالم ورہبر دین اور پیر طریقت ہونے کے ساتھ سیاسی سوجھ بوجھ بھی رکھتے تھے، اس لئے قاضی صاحب بھی غیر سیاسی نہیں رہے تھے، اپنے اکابر کا احترام وقدر دانی کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب میں وضع داری ومزاج شناسی تھی، ادھر چند سالوں سے ان کی شہرت ملکی حدود سے باہر نکل رہی تھی، اور دن زندہ رہتے تو عالمی پیمانے پر پہنچ جاتے، اتنی شدید تکلیف اور مہلک مرض کے باوجود میں نے ان کو مایوس نہیں دیکھا، قاضی جی صاحب اولاد نہ تھے، بذلہ سنج اور شوخ طبیعت کے تھے، ٹیلی فون پر بھی بات ہوتی تو کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ہوجاتی جس میں شوخی اور مزاح کا انداز ہوتا تھا، میری اہلیہ کے انتقال سے کافی ملول ہوئے اور جب بھی ملے اس کا تذکرہ کرکے افسوس بھی کرتے اور حوصلہ بھی دیتے، ہم عصری کبھی اعتراف میں مانع ہوجاتی ہے، مگر میرے دل میں ان کی ہمیشہ قدر رہی، میں ان کو دارالعلوم کا نوتراشیدہ ہیرا سمجھتا تھا جو ابھی جگمگاتا اور روشنی دیتا، مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے...... قاضی جی چلے گئے دل بڑا ملول ہے، نبی ﷺ کے الفاظ میں "وانا بفراقک لمحزونون......"، ہم بھی پس پابہ رکاب ہیں ایک نسل رخصت ہورہی ہے جس نے شیخ الاسلام مولانا مدنی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے لوگوں سے کسب فیض کیا تھا...... ہمارے بعد دوسری نسل ہماری جگہ لے گی، خدا کرے وہ ہم سے بہتر ہوں......

معمولی شکل وشباہت میں ایک عظیم شخصیت

مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی
صدر تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند

اپنی عمر میں تین ایسے آدمی دیکھے ہیں جن کا سادہ لباس، معمولی اور سادی شکل وشباہت سے وہم وگمان بھی نہیں ہوا کہ وہ اپنی جگہ حیرتناک شخصیتوں کے مالک ہیں، پہلے شخص مولانا حسرت موہانی، دوسرے شخص مولانا عثمان فارقلیط، تیسرا شخص مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی۔

مولانا حسرت موہانی کی شاعرانہ عظمت کے ساتھ ساتھ ان کا سیاسی کردار اور آزادی کے تیور کا کوئی شائبہ بھی ان کی وضع قطع میں نہیں تھا، اسی طرح مولانا عثمان فارقلیط کے بے پناہ قلم، بے لگا تنقید، اور بے باک لب ولہجہ دیکھ کر جب میں نے الجمعیۃ کے دفتر میں ان کی شکل وشباہت دیکھی تو مولانا سید اسعد صاحب کے تعارف کے باوجود یقین نہیں آیا کہ قلم کا بادشاہ بھی گدڑی پوش ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی بے داڑھی مونچھ کا ایک مختصر بوڑھا آدمی، شکل وشباہت بہت معمولی، مگر پیشانی بلند اور چمکدار، میں نے ان کو دار العلوم سے نکلتے دیکھا تھا پھر مولانا منت اللہ رحمانی کی نگاہ انتخاب نے ان کو امارت شرعیہ کے کاموں میں الجھا دیا تھا مگر انہوں نے اپنے گہری بصیرت، فقہی تنوع اور عبقریت کی بدولت مولانا سجادؒ کی طرح امارت شرعیہ کے پورے ڈھانچے کو متحرک کر کے رکھ دیا، انہوں نے بڑے بڑے کام اٹھائے مگر اپنی جرأت مندی، بالغ نظری اور عزم ومحبت سے ہمیشہ ان کاموں کو قابو یافتہ ہو کر چلاتے رہے اور ہر کام کے لئے اچھے کارکن تلاش کرتے رہے اور کام انہیں سپرد کرتے چلے گئے اس لئے وہ تمام دفاتر آج بھی کھلے ہوئے ہیں جن میں بیٹھ کر قاضی صاحب تقریر کرتے تھے یا لکھا کرتے تھے یا بحث ومباحثہ کو آخری شکل دیتے تھے، حتی کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے بنانے میں بھی وہ شریک تھے اور آج اس کی سربراہی کے سب سے بڑے عہدے پر بھی، اور جاتے جاتے اس کی طرف سے مسلم پرسنل لا کی اک جیتی جاگتی تصویر انہوں نے سپریم کورٹ کو بھی عطا کی ہے، ہائی کورٹ کو بھی، عالم اسلام کو بھی، اسی جرأت اولوالعزمی اور بصیرت کا کام تھا، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی۔ رحمۃ اللہ تعالی۔

فن حدیث بہت بڑا علم ہے، علم قرآن ابدی اور ازلی علوم کا موجد ہے، پھر انسانی معاملات سب سے پیچیدہ فن ہیں اور منطق وفلسفہ قائل ومعقول کرنے کا سب سے بڑا میدان ہے، لیکن اگر ان پھولوں کو ایک بوتل میں نچوڑ دیا جائے تو امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کا تفقہ نظر آنے لگتا ہے۔ اس تفقہ پر قاضی مجاہد الاسلام کو بڑا عبور تھا۔ خوشی اس کی ہے کہ وہ اپنا فن شاہ ولی اللہ کی طرح عام کر کے گئے ہیں، اپنے ساتھ نہیں لے گئے دیکھنا ہے کہ ان کے ساتھ ان کے رفقاء اور ان کے شاگردان کی امانت کو امت کو ترقی دینے کے لئے کس طرح عام کرتے ہیں۔

قاضی صاحب مجھ سے تقریبا ۱۰۔۱۲ برس چھوٹے تھے میں نے ۱۹۴۱ء میں دار العلوم چھوڑا ہے، اور انہوں نے ۵۰ء کے بعد مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم دونوں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی کی جوتیاں سیدھی کی تھیں، حضرت علامہ بلیاوی کے علم وفن کی بہاریں لوٹی تھیں، اور حضرت مولانا اعزاز علی جیسے ادیب وفقیہ سے علم وعمل کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کر کے جینا سیکھا تھا، اسی طرح سیاست میں گاندھی جی، جواہر لال، رفیع احمد قدوائی اور مولانا حفظ الرحمن، مولانا آزاد کے تیور دیکھے تھے، اس لئے ہمیں نہیں معلوم ہوا کہ کسی شخصیت سے یا اس کے علم فن سے کیسے مرعوب ہوتے ہیں،

کیونکہ ہم نے دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی آن بان دیکھی ہیں، اورایسی دیکھی ہے کہ کسی کی شان پھرنگاہ میں جچی نہیں۔

اس لئے یہ ہمارامعاشرہ جس سمت چلا گیا ہے تعلیم وتربیت، وعظ وتبلیغ، تقریر وتحریر، نظم ونسق اور مناظرہ ومباحثہ میں حق کو اجاگر کرنے، باطل کو توڑ دینے کے راستے پیدا کئے ہیں، ایسے میں اگر کوئی دلیل قائم کردے تو ضرور مان لیں گے، مگر بلا دلیل دبایا جائے تو کبھی نہ تسلیم کریں گے کیونکہ ہم نے امام ابوحنیفہ کی مجلس درس میں دیکھا ہے کہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفرؒ جیسے شاگرد اپنے استاد کے سامنے اختلاف آراء کا اظہار بھی کرتے تھے اور امام صاحب انہیں اختلاف کا حق بھی دیتے تھے، حتی کہ کبھی کبھی شاگرد کی رائے خود تسلیم بھی کر لیتے تھے۔

تعلیم وتعلم کے اس قاسمی ماحول کے عادی ہونے کا اثر یہ ہوا کہ فضلاء دارالعلوم نے علم سے سیاست کے ہر گوشے تک کام کیا ہے اور اسی کا ایک خوشگوار نتیجہ تھا کہ چند سال پہلے قاضی مجاہدالاسلام نے علماء ودانشور اور سربرآوردہ مسلمانوں کو جمع کر کے ملی کونسل کی تشکیل کردی اور اس کے پلیٹ فارم سے کام کر کے اور مختلف عناصر کو اس پر جمع کر کے دکھا دیا کہ کھلے دل ودماغ سے اگر کوئی کام کرے تو ہر فرقہ اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔

ملی کونسل کا قیام اور اس کی بقا قاضی صاحب کی اولوالعزمی کا بہت بڑا ثبوت ہے کیونکہ انہوں نے اس پلیٹ فارم پر کثرت سے ایسے لوگوں کو جمع کر لیا تھا جو کسی بات کو عقیدت سے نہیں صرف عقلیت سے جانچتے ہیں، ایسے لوگوں کو دلیل ثبوت اور بصیرت سے مطمئن کرنے میں قاضی صاحب نے دہلی سے ممبئی تک دنیا کے سامنے جو کارنامے انجام دیئے ہیں اس کا نقش کبھی نہیں بھول سکتا، یہی وہ مقام ہے جہاں سے کسی کی شخصیت کا سراغ لگتا ہے، اور اس کے باوجود اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔

اسی طرح فقہی مسائل میں سمینار قائم کرنا اور اس میں علماء قدیم وجدید کو اکٹھا کرنا اور پھر پوری بحث کا مدلل جواب دینا یہ صرف قاضی صاحب کا کارنامہ ہے، دوسرا کون اس کو انجام دے گا اب تک سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ نقل کا جواب نقل سے اور عقل کا جواب عقل سے دینا آسان نہیں مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام وہ پوری خوش اسلوبی سے انجام دیا کرتے تھے۔

سمینار کے سلسلے میں میرا انکا بارہا اختلاف ہوا ہے، اور انہوں نے خط کے ذریعہ مجھے سمینار میں واپس کرنے پر اصرار کیا تھا اور میں واپس بھی ہوا تھا، مگر ان کی بشاشت میں کوئی فرق نہیں آیا، میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ کسی اہم سوال پر پہلے فقیہان ہند سے رائے لے کر جب انہیں اختلاف ہو تو اس کو بحث کے لئے پیش کیجئے، مگر قاضی صاحب اس کو طول عمل سمجھتے تھے، مجھے قاضی صاحب کے خلوص میں نہیں مگر ان کے طریق کار میں اختلاف تھا اور یہ اختلاف پھر بہت سے لوگوں کو ہوتا چلا گیا، اس لئے قاضی صاحب نے اصلاحات بھی فرمائی ہیں اور طریقہ کار بھی بدلے ہیں۔

حرف آخر:

قاضی صاحب سے میری آخری ملاقات مارچ ۲۰۰۲ء میں ہوئی تھی، ہم لوگ ابناء قدیم دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، اور پرسنل لابورڈ کے نمائندے شامل ہوجاویں تو ساری جماعتوں کا اتحاد ایک مرکزی طاقت بن جاوے گا، اس کے لئے ہم سب سے پہلے مارچ میں قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا عبداللہ میرٹھ، مولانا فضیل احمد، مولانا عمید الزماں، جیسے تقریباً ۹ آدمی تھے، قاضی صاحب اپنے کمرے میں تھے بیماری کا سلسلہ چل رہا تھا مگر جب ہم نے اپنی غرض سامنے رکھی تو حسب عادت خوش ہو گئے، پوچھا تمہارا کنوینر کون ہے، کتنا کام باقی ہے، کس طرح انجام دو گے پھر خود ہی تجویز پیش کی کہ رابطہ کے لئے ہم نے بھی سوچا تھا، اور تم لوگ کام شروع کر چکے ہو تو کرتے ہو ہمارا تمہارا کام مشترکہ ہوگا، تمہارے دفتر سے ہوگا، اور کنوینر مولانا عمید الزماں ہی رہیں گے۔

قاضی صاحب کا انداز فکر، انداز کار دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی مگر وہ بشاشت سے آخر تک گفتگو کرتے رہے۔

ان کی فراخ دلی، ان کا اعتماد اور ان کی گہرائی کہاں تلاش کی جائے گی؟

قاضی صاحب ایک عجوبہ روزگار تھے اس لئے ان کی سوانح عمری نہایت احتیاط اور پوری ذمہ داری سے پوری کرنی چاہئے ان کی زندگی نمونہ عمل تھی اس کا فیض عام دور دور تک پہونچ سکے گا۔ ☆☆

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ
چند تأثرات

ضیاء الدین اصلاحی
مدیر "معارف" اعظم گڑھ

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر، آل انڈیا ملی کونسل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی اور جنرل سکریٹری، امارت شرعیہ بہار اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ و نائب امیر شریعت اور ملک وبیرون ملک کے متعدد علمی وتعلیمی اور مذہبی اداروں کے رکن مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ۴راپریل ۲۰۰۲ء کو وفات پاگئے، "اناللہ واناالیہ راجعون"۔

اس قحط الرجال اور پرآشوب دور میں جب امت مسلمہ پر ہر طرف سے یلغار ہو رہی ہے اس کی مشکلات اور دشواریاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں اور اس کے مسائل کی پیچیدگی اور الجھاؤ میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، قاضی صاحب جیسے راہبر ومجاہد کا اسے چھوڑ کر چلا جانا اس کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے،

آج شبیر پر کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کی گھٹا چھائی ہے

ابھی ان کی عمر زیادہ نہیں تھی اور طوفان حوادث میں گھری ہوئی قوم وملت کو ان کی سخت ضرورت تھی، مگر مشیت ایزدی میں کس کو دخل ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ہولناک سناٹے میں جب کہیں بوئے دم ساز اور کوئی آواز آتی ہے کون حریف سے مردافگن عشق ہوگا۔

وہ ضلع دربھنگہ (بہار) کے قصبہ جالہ میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے تھے، اسلامی عہد میں ان کا خاندان عہد قضاء پر فائز تھا، ان کے والد بزرگوار مولانا عبدالاحد صاحب ممتاز عالم دین اور شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے، قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اپنے ضلع کے بعض مدارس میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا، ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور اس وقت کے اکابرین سے کسب فیض کیا، ۱۹۵۵ء میں وہاں سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔

مولانا منت اللہ صاحب نے ہونہار دیکھ کر انہیں اپنی تربیت میں لے لیا اور ۱۹۶۲ء میں پھلواری شریف لے آئے اور امارت شرعیہ کے کاموں میں لگا دیا، یہاں ان کی صلاحیتوں کے جوہر خوب چمکے اور انہوں نے اس کے پلیٹ فارم سے خدمت خلق، اصلاح معاشرت، مسلمانوں کے تحفظ وغیرہ کے گوناگوں قومی وملی کام انجام دیئے اور اپنی زندگی دین وعلم کی اشاعت اور قومی وملی اصلاحی خدمت کے لئے وقف کردی پہلے شعبہ قضاء کا نظام سنبھالا اور سے بڑی وسعت وترقی دی، مختلف جگہوں پر دارالقضاء قائم کئے، گاؤں گاؤں کا دورہ کر کے مکاتب کے جال بچھائے، باہمی نزاعات کا تصفیہ کیا، فسادزدہ علاقوں میں جاکر ریلیف کا کام کیا، مظلوموں اور آفت رسیدہ لوگوں کی مالی، اخلاقی، سیاسی اور قانونی مدد کی، امارت سے ان کا تعلق مدت العمر رہا اور قاضی القضاۃ اور نائب امیر شریعت جیسے اہم عہدوں پر فائز ہوئے۔

قاضی صاحب کی تحریک سے مولانا سجاد اسپتال امارت کے زیر نگرانی قائم ہوا، جس سے غریب لوگوں کو طبی سہولتیں میسر آرہی ہیں، انہوں نے قضا کے نظام کو بہتر اور موثر بنانے اور مناسب افراد تیار کرنے کے لئے امارت شرعیہ کے زیر اہتمام ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جواب تربیت قضاوافتا کے لئے پورے ملک میں مشہور ہے۔

اسی سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی تشکیل کا خیال بھی ان کے ذہن میں آیا جس کے بہت اعلی پیمانے پر نہایت کامیاب کئی سمینار ان کی سرکردگی میں ہوئے جن کے کئی جلدوں پر مشتمل مجلات شائع ہوئے، قاضی صاحب نے اس کے ذریعہ مدارس وغیرہ میں فقہ وافتاء کی خدمت پر مامور علماء ومفتیان کو ان کے زاویوں سے نکال کر نئے پیش آمدہ مسائل کا حل ڈھونڈنے اور فقہی مقالات لکھنے پر آمادہ کیا، مدارس کے ہونہار طلبہ وفضلاء کو بھی اس طرح کے کام کرنے کی امنگ بخشی، اس طرح علمی وفقہی مباحث پر لکھنے والے نوجوانوں کی ایک جماعت تیار کردی۔

قاضی صاحب کے خاص مربی مولانا منت اللہ رحمانی کی کوششوں سے ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا باوقار ادارہ وجود میں آیا، جس کی تشکیل کے وقت ہی سے قاضی صاحب ان کے دست راست کی حیثیت سے اس کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیتے رہے، وہ شروع سے بورڈ کے تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن رہے، شاہ بانو کیس کا معاملہ گرم ہوا تو مسلم پرسنل لا بورڈ کے نقطہ نظر کی وضاحت اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے انہوں نے ملک کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا، مسلم پرسنل لاء کے تمام گوشوں اور نکات پر ان کی جیسی نظر کسی کی نہ تھی اور قدرت نے گویائی اور تعبیر و بیان کا جو ملکہ انہیں عطا کیا تھا وہ بھی دوسروں میں مفقود تھا، اس لئے بورڈ کے پہلے صدر مولانا قاری محمد طیب صاحب اور دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے زمانے میں وہ بورڈ کے وکیل اور سفیر بن کر اس کی نہایت کامیاب ترجمانی کرتے رہے، قاضی صاحب کی قابل رشک صلاحیتوں اور شاندار خدمات ہی کی بنا پر بورڈ کے تیسرے صدر کی حیثیت سے ان کا انتخاب عمل میں آیا، لیکن انہیں کم موقع ملا اور وہ مسلسل موذی امراض میں مبتلا رہے، تاہم بورڈ کو موثر اور فعال بنانے پر پوری توجہ کی اس کے مرکزی دفتر کو اپ ٹوڈیٹ بنایا، اور عصری سہولتوں سے آراستہ کیا، اس کی لائبریری قائم کی، مسلم پرسنل لاء سے متعلق فقہی وقانونی کتابیں اور دستاویز جمع کئے، فقہی موسوعہ شائع کرایا۔

۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر سید محمودؒ کی مساعی جمیلہ سے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا، جس کی اٹھان بہت شاندار تھی، مگر ڈاکٹر صاحب کی زندگی ہی میں وہ اختلافات وتعطل کا شکار ہوگئی اور اب تو اس کے ٹکڑے بھی ہوگئے ہیں، قاضی صاحب جیسے فعال اور متحرک شخص نے یہ صورت حال دیکھ کر ۱۹۹۲ء میں آل انڈیا ملی کونسل قائم کی، کونسل کی اصل توجہ ملی اتحاد واشتراک اور مسلمانوں کے انتشار اور پراگندگی دور کرنے کی جانب رہی، اس نے دینی و عصری تعلیم اور سیاسی و مذہبی مسائل کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا مگر ملی کونسل کو مسلم مجلس مشاورت جیسا مشترکہ اور باوقار پلیٹ فارم بنانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

قاضی صاحب دینی تعلیم کا معیار بہتر بنانے، اس کے نظام تعلیم وتربیت کی اصلاح وترقی، مدارس کے تحفظ اور انہیں حکومت کی یورش سے بچانے کے لئے برابر فکر مند رہتے تھے، بہار و اڑیسہ کے متعدد مدارس کے وہ سرپرست تھے، مولانا منت اللہ رحمانی کی سربراہی میں غیر سرکاری مدارس کے نصاب ونظام تعلیم میں ہم آہنگ پیدا کرنے اور ان کا معیار بلند کرنے کے لئے آزاد دینی مدارس بورڈ قائم ہوا، تو قاضی صاحب نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان کی کوشش سے مدارس اسلامیہ کونسل کا قیام عمل میں آیا، وہ وفاق المدارس الاسلامیہ کے صدر بھی تھے۔

جدید اور عصری تعلیم کے فروغ کی جانب بھی ان کی توجہ رہی اپنے وطن جالہ میں ایک ایجوکیشنل کیمپس قائم کیا جس میں پرائمری اسکول سے ڈگری کالج اور ٹیچرس ٹریننگ کالج تک ہر سطح کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہتے تھے، اس وقت ایک اقامتی انگلش میڈیم ہائی اسکول وہاں چل رہا ہے، امارت شرعیہ کے زیر انتظام اس کے مرکز اور بعض دوسرے اضلاع میں جو کئی ٹیکنیکل ادارے قائم ہوئے ان کے قیام اور ان کے لئے وسائل و ذرائع کی فراہمی میں انہوں نے بڑی دلچسپی لی، ان میں خطابت اور تقریر کا ملکہ خداداد تھا، اس میں وہ دوسروں سے علانیہ ممتاز تھے، وہ اپنی موثر اور دل نشیں تقریروں سے مجمع کا رخ موڑ دیتے تھے، اگر انتشار کی کیفیت ہوتی یا مذاکروں اور مباحثوں میں اختلاف ناگواری کی صورت اختیار کر لیتا تو وہ اپنی خداداد صلاحیت سے اسے صحیح رخ پر لانے میں کامیاب ہو جاتے، قاضی صاحب کی تقریروں میں بڑی بے ساختگی روانی اور سراپا آمد ہوتی، آورد اور تصنع کا نام بھی نہ ہوتا، جو بات کہتے حسب حال اور حسب موقع ہوتی، الفاظ کے استعمال اور موضوع کے انتخاب میں مجمع اور مخاطب کی رعایت ملحوظ رکھتے، ان کی تڑپ، دردمندی اور سوز و گداز کی بنا پر ان کی تقریریں جادو کا کام کرتی تھیں۔

فقہ و افتاء کے ماہر اور دین و شریعت کے مزاج شناس تھے لیکن دوسرے تمام علوم دینیہ بھی ان کے دست رس میں تھے اور سب پر نہایت خود اعتمادی سے گفتگو کرتے تھے، انہوں نے ہر علم و فن کی تحصیل دیدہ ریزی سے کی تھی ان کا مطالعہ وسیع اور علم مستحضر تھا، عام علماء و مدرسین کی طرح وہ صرف درسی اور مذہبی کتابوں ہی سے اشتغال نہیں رکھتے تھے بلکہ جدید خیالات و رجحانات سے بھی باخبر تھے، اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات سے واقف تھے، اسلامی تاریخ کو انگریز اور ہندو مورخین نے مجروح کرنے کی جو کوشش کی ہیں وہ ان کی نگاہ میں تھیں اور موقع بہ موقع ان کا جواب بھی دیتے تھے۔

اسلام کی طرح دوسرے مذاہب و افکار اور نظریات کا بھی انہوں نے مطالعہ کیا تھا، انگریزی زبان اور جدید علوم سے بھی واقف تھے، جب ان پر گفتگو کرتے تو ان علوم کے ماہرین کو حیرت زدہ کر دیتے، پریس کانفرنس میں اپنی ذہانت حاضر جوابی، منطقیانہ استدلال اور تجزیہ و تنقیح سے صحافیوں کو عاجز کر دیتے، بین الاقوامی حالات و مسائل، سیاسی تبدیلیوں اور مد و جزر پر گہری نظر رکھتے تھے۔

قاضی صاحب کا اصل ذوق علمی و تحقیقی تھا، تصنیف و تالیف کی صلاحیت ان میں بدرجہ اتم تھی مگر ان کے کاموں کا دائرہ بہت وسیع اور پھیلا ہوا تھا، بہ کثرت سفر کرنا پڑتا تھا، اس لئے جم کر اور یک سوئی کے ساتھ انہیں تصنیف و تالیف کا موقع نہیں ملتا تھا، تاہم انہوں نے متعدد عالمانہ تصانیف اور محققانہ حواشی اردو اور عربی میں لکھ کر اس میدان میں بھی اپنا لوہا منوایا ہے، بعض فتاوی کے مجموعوں پر تعلیقات بھی قلم بند کی ہیں، ان کی ادارت میں نکلنے والا سہ ماہی ''بحث و نظر'' ان کی تحریری صلاحیت، فقہی بصیرت اور علمی دقت نظر کا غماز ہے۔

قاضی صاحب بڑے اعتدال پسند تھے، وہ تصادم اور ٹکراؤ سے بچ کر اتحاد و اشتراک کا راستہ اختیار کرتے تھے، وہ مختلف الخیال افراد اور جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کے عادی تھے، ان میں سب کو جوڑے رکھنے اور مطمئن کر دینے کی صلاحیت تھی، کسی کو شکایت کا موقع نہ دیتے، وہ جماعتی عصبیت اور تنگ نظری سے دور رہتے تھے، ان میں یہ وسعت نظر تھی کہ حنفی مذہب کے جو مسائل اس زمانے سے ہم آہنگ نہیں ہیں یا ناقابل عمل ہو گئے ہیں ان میں دوسرے مذاہب کو اختیار کرنے میں قباحت نہیں محسوس کرتے تھے، وہ نہ تقلید جامد کے قائل تھے اور نہ اجتہاد کا دروازہ مسدود سمجھتے تھے۔ مختلف فیہ اور نئے پیش آمدہ مسائل میں اہل علم و اصحاب افتاء سے

مشورے اور تبادلہ خیال کے بعد اجتماعی رائے سے فتوی دیتے تھے، جس پر بعض جامع قسم کے لوگ معترض بھی ہوتے تھے، مگر عام طور سے ان کی اس فکری اور ذہنی کشادگی کو پسند کیا جاتا تھا اور موافق ومخالف ہر ایک ان کی علمی وفقہی بصیرت کا اعتراف کرتا تھا، قاضی صاحب نے اپنے مجتہدانہ ذوق سے فقہ اکیڈمی تشکیل کر کے فقہی جمود کو توڑنے کی جو کوشش کی وہ ان کا بڑا کارنامہ ہے، گزشتہ برس انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی نے تفقہ واجتہاد میں ان کے کمال کا اعتراف کر کے انہیں شاہ ولی اللہ ایوارڈ دیا تھا۔

قاضی صاحب کی ایک نمایاں خوبی ان کی معاملہ فہمی ہے وہ بہت جلد مسائل کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اس کی وجہ سے انہیں استنباط واستخراج اور نتائج اخذ کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تھی، علمی وفقہی مسائل کی طرح تجارتی اور معاشرتی نیز ہر قسم کے معاملات کی گہرائی تک پہنچ کر ان میں اختلاف ونزاع کا تصفیہ کر دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی علمی عظمت، انتظامی صلاحیت اور فقہی تبحر کی شہرت ملک وبیرون ملک میں تھی مختلف اداروں اور تنظیموں سے ان کا تعلق تھا، متعدد کمیٹیوں اور اداروں کے وہ ممبر تھے، ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ وہ پاکستان، بنگلہ دیش، ملیشیا، عرب امارات، مصر، سعودی عربیہ، امریکہ، برطانیہ اور جنوبی افریقہ وغیرہ کے اجتماعات میں تقریریں کرتے اور کانفرنسوں میں مقالات پڑھتے۔

قاضی صاحب بڑے متواضع اور خاکسار تھے، ان میں کبر ونخوت اور عجب وپندار نہ تھا، انہوں دردمند دل پایا تھا اور وہ بڑے نرم گفتار اور نرم دل تھے، ان کی زندگی دینی وملی کاموں کے لئے وقف تھی، ہر شخص کا کام کرنے کے لئے تیار رہتے، سب سے گرم جوشی اور خندہ پیشانی سے ملتے، میں نے کبھی انہیں غصے اور طیش میں یا کسی پر برہم ہوتے نہیں دیکھا، ان پر نکتہ چینی کی جاتی تو اس سے ان کی پیشانی پر شکن نہ پڑتی، اعتراض واختلاف سے وہ نہ گھبراتے تھے اور نہ آزردہ ہوتے تھے، غرض ایک میر کارواں کے لئے جو رخت سفر درکار ہوتا ہے یعنی "نگہ بلند سخن دل نواز" اور جان پرسوز، وہ ان کے پاس مہیا تھا، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور مسلمانوں کو ان کا بدل نصیب کرے۔ آمین

☆☆☆

جدید مسائل میں اجتماعی غور و فکر

صحیح اصولوں کی روشنی میں مسائل کے حل کا راستہ نکالنے کی کوشش اگر علماء نے نہیں کی تو اسلامی شریعت اہل ہوس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ اجتماعی غور و فکر ایک اہم تقاضا ہے جس کی بنیاد ہمارے علماء سلف نے رکھی ہے، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ایک طبقہ ہمیں قدامت پسند اور آرتھوڈکس سمجھتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہ ہم کہنا شروع کردیں اور دوسرا طبقہ ہمیں "اجتہاد پسند اور تجدد پسند" بتاتا ہے۔ ہم دونوں کو برداشت کرتے ہیں۔

بہت سے احکام عرف پر مبنی ہیں۔ حالات اور سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی ہیں ان حالات میں ضروری ہے کہ معاشرہ کی مشکلات کو دیکھاجائے اور اصول وقواعد کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔

قاضی مجاهد الاسلام قاسمیؒ

از خطبہ افتتاحیہ نواں فقہی سیمینار، جے پور

ہرگز نہ بھول پائیں گے

کمال فاروقی
خازن آل انڈیا ملی کونسل

حضرت قاضی صاحبؒ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ یوں تو قاضی صاحب کی شخصیت سے میں غائبانہ طور پر متعارف ہو چکا تھا مگر مئی ۱۹۹۲ء میں ممبئی کے اتحاد ملت کانفرنس میں قاضی صاحب کو قریب سے دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے طبیعت ہمیشہ ایسی شخصیتوں کو دیکھنے کے لئے بے چین رہتی تھی علماء کرام کے ساتھ ساتھ دانشور، ماہرین تعلیم پروفیشنلس اور گراس روٹ کے ورکرس سے ملاقات میرا شوق تھا۔ اس بات کا بھی شدت سے احساس تھا کہ مسلمانوں کے بہت سارے مسائل کمیونی کیشن گیپ کی وجہ سے حل نہیں ہو پاتے۔ اس طرح کے خیالات کو لے کر ایک ورکنگ پیپر میں نے مرتب کیا تھا اور اس پر نیو ہورائزن اسکول میں ایک مخصوص میٹنگ رکھی تھی جس میں ڈاکٹر محمد منظور عالم، اے ایم خسرو صاحب جیسی شخصیات نے حصہ لیا تھا۔ گو کہ آئیڈیا سب کو پسند آیا لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا اور وہ خاکہ میری فائلوں کے درمیان بند رہ گیا۔ لیکن قاضی صاحب کی ممبئی کی تقریر اور ان کے کام کرنے کے انداز نے مجھ جیسے آدمی کو جس کے خیالات منتشر اور فائل کے بیچ دبے ہوئے تھے، متحرک ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے ان جذبات سے خاک کی پرت ہٹانے کا کام کیا ہو جو ملک وملت کی فلاح کے تعلق سے میرے اندر موجود تھے۔ ایک بہت ہی عام سی شخصیت جو کہ اگر زبان نہ کھولے اور اپنے خیالات کا اظہار نہ کرے تو شاید قریب سے بھی گزرنے پر کوئی متوجہ نہ ہو پائے لیکن جیسے ہی ان کے ہونٹ ہلے تو وہ اپنے طرز گفتگو، مختلف الخیال لوگوں کے احساسات کو مؤثر انداز میں لفظی جامہ پہنانے والا اور ملت کے درد میں تڑپتی ہوئی شخصیت جن سے کوئی شخص متاثر ہوئے بنا نہ رہ پائے، جیسے جیسے قاضی صاحب سے قربت بڑھتی گئی ویسے ویسے والہانہ محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ قاضی صاحب کی ایک خصوصیت جس نے مجھے بے پناہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ وہ مردم شناس تھے اور لوگوں کو کام پر لگانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جو آدمی جس کام کے لئے مناسب ہوتا پتا نہیں ان کے دماغ کے کمپیوٹر میں کہاں وہ شخص محفوظ رہتا تھا کہ وقت پڑنے پر اس شخص کی صلاحیتوں کا استعمال وہ بخوبی کرنا جانتے تھے۔

ملی کونسل کا قیام ابھی عمل میں آیا ہی تھا کہ اس کے بعد دل پریشان کرنے والی خبریں بابری مسجد کے تعلق سے آنے لگیں۔ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ سابق ایم پی کے یہاں ۴/۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کی نشستوں میں قاضی صاحب کی قائدانہ شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد کے فسادات میں پورے ہندوستان میں جس طرح سے قاضی صاحب نے انفارمیشن سینٹر قائم کیا اور لوگوں کی پریشانیوں کو دیکھا اور حل کرنا شروع کیا اور پھر وزیر اعظم، صدر اور اپوزیشن پارٹی کے لیڈروں اور مسلم رہنماؤں سے جس طرح سے ربط قائم کیا اور قاضی صاحب نے ملت کے لئے جس طرح کام کیا اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے متاثر کیا بلکہ کچھ کرنے کا جذبہ بیدار کیا۔ قاضی صاحب ہر ہر منٹ کی میری خبر رکھتے تھے اور میری رفتار اور جذبات سے وہ پوری طرح واقف ہو چکے تھے اس لئے وہ پورے اختیارات کے ساتھ مجھ سے کام لیتے تھے اور مجھ پر ایک شفیق باپ کی طرح کڑی نظر بھی رکھتے تھے۔

بہت سارے واقعات ایسے ہیں جن کو اگر تحریر کیا جائے تو ایک لمبی داستان بنے گی لیکن کچھ واقعات نے ایسا گہرا اثر چھوڑا کہ اس کے بعد میں قاضی صاحب کا گرویدہ ہوگیا۔ کام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کام کرنے کی جرأت قاضی صاحب نے میرے اندر پیدا کی۔ اس زمانے میں دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی میٹنگ بابری مسجد یا مسلمانوں کے تعلق سے ہوتی اس میں اپنی رائے دینا اپنا فرض سمجھتا تھا، قاضی صاحب چونکہ مجھے سمجھ چکے تھے اس لئے ایسی میٹنگوں میں مجھے ساتھ رکھتے تھے۔

ایسی ہی میٹنگ راجیش پائلیٹ صاحب کے یہاں ہوئی اس میٹنگ میں اتفاق سے پہلے مجھے بولنے کے لئے کہا گیا میری زبان سے کچھ ایسے بے باکانہ سخت الفاظ نکلے کہ جناب سی کے جعفر شریف اور دوسرے کانگریسی رہنماؤں کے پاس میری ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ میرے بعد قاضی صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ کچھ کہیں، قاضی صاحب نے کہا کہ جو کچھ کمال فاروقی صاحب نے کہا اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہ کہتے ہوئے مجھے سینے سے لگا کر تھپتھپایا، اور اس کے بعد ہم لوگ اس میٹنگ سے چلے آئے۔ لیکن اس ایک واقعہ نے جیسے میرے جذبات اور ہمت کو ایک قوت بخش دی ہو اور جیسے کسی طلاطم میں بھٹکی ہوئی کشتی کو ناخدا کا سہارا مل گیا ہو۔ بس وہ قاضی صاحب سے قربت اور بے پناہ عقیدت کا سنگ میل ثابت ہوا۔

اس کے بعد چاہے وہ لاتور کے زلزلہ میں ریلیف کا کام ہو یا مہاراشٹر میں مسلمانوں کے لئے بازآبادکاری کا معاملہ ہو یا کاروان آزادی میں ملک گیر سفر کا، میں کس کس چیز کو یاد کروں کہ قاضی صاحب ایسے تمام مسائل میں کس فعالیت کے ساتھ پیش رفت کرتے تھے اور کس طرح سے مجھے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

زندگی کا کارواں رواں دواں تھا اور ملی کونسل اپنے پورے شباب پر تھی کہ اسی دوران قاضی صاحب کی بے چینی اس بات کو لے کر بڑھنے لگی کہ ملی کونسل کی عاملہ میں سیاسی معاملات پر گفتگو کافی زیادہ ہونے لگی تھی جو قاضی صاحب کے مزاج کے خلاف تھی۔ قاضی صاحب کا یہ محسوس کرنا کہ ملی کونسل مختلف فیلڈ میں اقدام کے لئے بنائی گئی ہے اور اگر سیاسی معاملات اس پر حاوی ہوگئے تو پھر تعمیری کام نہیں ہو پائیں گے اسی احساس کے نتیجے میں ملی پولیٹکل فورم کا قیام عمل میں آیا، اس کے فوراً بعد کمبخت ایسی ہی ایک شام تھی کہ قاضی صاحب نے مجھ کو قریب بلا کر کہا کہ میری پیٹھ میں سخت درد ہے میں نے کہا کہ اب آپ پٹنہ نہیں جائیں گے اور پہلے میں آپ کا چیک اپ کرواؤں گا اس کے بعد میں زبردستی اپولو ہاسپٹل لے گیا اور وہاں بہت سارے ٹسٹ کرائے گئے، قاضی صاحب بے پناہ ناراض اور بار بار مختلف ٹسٹوں سے پریشان اور بار بار مجھ پر اصرار کہ کہاں پھنسا دیا واپس چلو۔ لیکن شاید قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ اگلے دن کے بہت سے ٹسٹ کے بعد جو مرض سامنے آیا جس کو سن کر میرا دل دہل گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ ڈاکٹر چوپڑہ سے میں ساری تفصیل ان کے کمرے میں لے رہا تھا، لیکن جیسے قاضی صاحب آدمی کا چہرہ پڑھ کر حالات جاننے کے ماہر تھے میرا چہرہ دیکھ کر فوراً سمجھ گئے کہ کوئی سخت بیماری ہے۔ میری پریشانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر چوپڑا نے قاضی صاحب کی زندگی چھ ماہ سے زیادہ نہ بتائی تھی۔ یہ بات میں نے چھپانے کی کوشش کی لیکن آہستہ آہستہ قاضی صاحب نے اتنی تفصیلات حاصل کر لی تھی کہ ڈاکٹر چوپڑا بھی حیران ہوجاتے تھے کہ یہ کیسا مریض ہے جو اپنے مرض کے بارے میں اتنی معلومات رکھتا ہے۔ قاضی صاحب کو اپنی زندگی کے تعلق سے اندازہ ہو چکا تھا اسی لئے وہ بہت سارے کام جلدی جلدی کرتے جا رہے تھے بالآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ لیکن اس بیماری کے درمیان بھی دو واقعات اتنے اہم ہیں جن کا تذکرہ کرنا بہت ضروری ہے۔

(۱) قاضی صاحب کا حکم ہوا کہ چاروں سابق وزیر اعظم کے ساتھ میٹنگ ہے اس میں تم کو چلنا ہے۔ چونکہ تنظیمی معاملات میں کبھی کبھی اختلاف رائے بھی ہوتا ہے اور قاضی صاحب جو

میرے مزاج سے پوری طرح واقف تھے اس لئے انھوں نے خود مجھ کو حکم دیا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ شاید اگر قاضی صاحب نہ فرماتے تو ہوسکتا ہے میں اس دن میٹنگ میں نہ جاتا، بہت اچھی میٹنگ ہوئی ملی کونسل کے ملک بھر کے ذمہ داران سابق وزیراعظم دیوگوڑا کے یہاں جمع چاروں وزرائے اعظم تشریف فرماتھے اور آل انڈیا ملی کونسل کے ملک بھر سے آئے ہوئے دوسوممبران اور سرکردہ شخصیات موجود تھیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب قاضی صاحب نے حکم دیا کہ میں خطاب کروں، میں حیرت زدہ قاضی صاحب کو دیکھنے لگا اور پھر ہمت کر کے اٹھا اور پوچھا کہ کیا کہنا ہے تو قاضی صاحب نے مخصوص مسکراہٹوں کے ساتھ صرف اتنا کہا کہ جو کہنا ہے کہو لیکن لہجے میں ''فاروقیت'' کم ہو۔ اور اس کے بعد شاید ان کی دعا کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاروں سابق وزرائے اعظم کے سامنے ملت کی ترجمانی مجھ سے کرائی اور قاضی صاحب بار بار میری غیر موجودگی میں میری اس تقریر کا اور راجیش پائلٹ کے یہاں کی تقریر کا ذکر کرتے اور تعریفی کلمات کہتے، لیکن میرے سامنے ہمیشہ مجھ کو تاکید ہی کرتے رہتے تھے۔ اور اب مجھے شدید احساس ہورہا ہے کہ اب وہ تاکید اور احتیاط کی تلقین کرنے والا شخص نہ رہا۔

۲۶/ جنوری ۲۰۰۱ء کو میں والدین کے پاس امروہہ گیا ہوا تھا قاضی صاحب کا موبائل پر فون آیا کہ کہاں ہو۔ مجھ سے پوچھے بنا کہ میں کہاں ہوں؟ حکم دیا کہ فوراً میرے پاس آؤ۔ ۳ گھنٹے کے سفر کے بعد جب میں قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوا تو کمر پر بیلٹ لگائے ہوئے میرے انتظار میں بے چین تھے اور ڈاکٹرس کی ایک ٹیم بیٹھا رکھی تھی اور احمد آباد سے برابر ٹیلی فون پر گفتگو کر رہے تھے، یہ گجرات کے زلزلہ کا معاملہ تھا اور قاضی صاحب نے دوائیوں، کمبلوں کے ساتھ ایک ٹیم بھیجنے کا ارادہ بتایا اور یہ حکم دیا کہ ہماری ٹیم پہونچنے والی سب سے پہلی ٹیموں میں سے ایک ہونی چاہیے۔ اگلے ۴۸ گھنٹے تک میں قاضی صاحب کے اردگرد اور ربط میں رہا اور ۸ کارکنان کو دو الگ الگ ٹیم کے ساتھ بڑی تعداد میں ریلیف کا سامان اور دوائیوں وکمبلوں سے لدا ہوا ہوائی جہاز احمد آباد کے لئے روانہ کیا۔ قاضی صاحب کی خواہش کے مطابق ملی کونسل کی ریلیف ٹیم بھیج پہونچنے والی اولین ٹیموں میں سے تھی۔

افسوس کہ ملت کے لئے ہرلحہ ہر آن سوچنے والا، ملت کے وقار واختیار کے لئے جدوجہد کرنیوالا اور بے پناہ صلاحیتوں کا مالک عظیم انسان ہم سے جدا ہوگیا۔ ان کے کارنامے، ان کا اقدامی وانفرادی کردار اور مختلف الجہات خدمات کو ہم ہرگز نہ بھول پائیں گے۔



زوجین کے درمیان متناسب زندگی

شادی کا رشته نظریات پر نهیں چلتا بلکه عملی حقیقتوں پر چلتا هے ۔ فقهاء کا نظریه اس بات پر هے که زوجین کے درمیان متناسب زندگی قائم هو ، ایك تو قانون شرع هے اور ایك وه بے اعتدالی هے جو مغربی تهذیب سے پیدا هورهی هے ، اور ایك بے اعتدالی اور ظلم وه هے جو همارے شریعت پر عمل نهیں کرنے سے پیدا هوتا هے ، باهر کے طوفان کو روکناضروری هے ، لیکن ساتھ هی اپنے درمیان هونے والے ظلم کو بهی سند جواز عطا کردینا غلط هے۔

قاضی مجاهد الاسلام قاسمیؒ

میرے رفیق وہم درس

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مولانا سعید الرحمان صاحب

معاون قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

مولانا مجاہد الاسلام صاحب ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند پہونچے۔ اس سے قبل مولانا موصوفؒ نے ایک سال دارالعلوم مئو میں تعلیم حاصل کی۔ میرے کچھ درسی احباب دارالعلوم مئو میں رہ گئے تھے۔ ان احباب نے حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب سے میرا غائبانہ تعارف کرایا۔ مولانا جب ایک سال کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے تو انہوں نے مجھے تلاش کیا۔ مولانا نے بھاگلپوری طلبہ سے کہا کہ مجھے مولوی سعید احمد بھاگل پوری سے ملاقات کرادیں۔ چنانچہ ان کو ہم سے ملایا۔ مصافحہ کیا اور ہم سے بغل گیر ہوئے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کب کی پرانی دوستی ہے۔ اخلاص ظاہر ہورہا تھا۔ مولانا کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ نہایت پتلے دبلے چھریرے بدن، جسم کے اعتبار سے بہت نحیف وناتواں، مگر ان کی پیشانی سے ذہانت، ذکاوت اور فطانت ظاہر ہورہی تھی۔ دارالعلوم مئو کا علمی تذکرہ خوب خوب کیا۔ انہوں نے کہا کہ تم سے غائبانہ تعارف دارالعلوم مئو میں ہو چکا ہے۔ آج روبرو مکمل تعارف ہوا۔ میں کمرہ ۲ احاطہ دفتر میں رہتا تھا۔ مولانا کو کمرہ ۱۰۷ دارجدید میں جگہ ملی۔

مولانا نے مجھے اپنے کمرہ میں ملاقات کی دعوت دی:

میں حسب وعدہ دوسرے دن مولانا کے کمرہ میں ملا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنی چارپائی پر بٹھایا۔ بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ دارالعلوم مئو کا تذکرہ ہوتا رہا۔ مولانا نے ہم سے کہا کہ ہم لوگ ایک ساتھ رہیں گے۔ دوسروں سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ ہم دونوں نے معاہدہ کیا کہ جب تک دارالعلوم میں رہیں گے ایک ساتھ مل کر رہیں گے۔ چنانچہ چار سال تک ہم دونوں میں ہم نشینی رہی۔ اس چار سال کی مدت میں کبھی بھی آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

نظام الاوقات:

ہم دونوں ایک ساتھ کھانا ناشتہ کھاتے۔ اسباق میں حاضر ہوتے اور اساتذہ کی باتوں کو غور سے سنتے۔ دن کے کھانے کے بعد ہم دونوں کتابوں کے تکرار کرنے نودرہ یا کسی درسگاہ میں بیٹھ جاتے۔ مولانا کی ذہانت ذکاوت اور قوت حافظہ غضب کا تھا۔ استاد کی باتوں کو من وعن بتلاتے بلکہ مزید باتیں بتلاتے۔ چند ہی دنوں میں مولانا کی تکرار میں دوسرے ہم سبق حضرات بھی شریک ہونے لگے۔ شدہ شدہ مولانا کی تکرار کی شہرت ہوگئی۔ طلبہ کثیر تعداد میں شریک ہونے لگے۔ اب نماز مغرب کے بعد بھی طلبہ کے اصرار پر تکرار ہونے لگا۔ تمام ہم درس طلبہ ان کی ذہانت اور ذکاوت اور قوت حافظہ کے قائل ہوگئے۔ دارالعلوم میں علم کی

شہرت پھیل گئی یہاں تک کہ اساتذہ کرام کو بھی ان کے علم کی خبر ہوگئی اس کے بعد تمام اساتذہ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

جناب مولانا شفیق عالم پورنوی نے ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اتفاق سے ان کو میرے کمرہ میں جگہ ملی۔ حسب معمول مولانا مجاہد الاسلام نماز عصر کے بعد میرے کمرہ کی کھڑکی سے مجھے اشارہ کرتے۔ میں کمرہ سے نکل کر مولانا کے ساتھ ہولیتا اور دونوں تفریح کے لئے نکل جاتے۔ ایک روز مولانا شفیق عالم نے کہا کہ یہ کون چھوٹا سا لڑکا ہے۔ جو اشارہ کرکے تیزی سے نکل جاتا ہے۔ حسب معمول مولانا مجھے تفریح کے لئے بلانے آئے مولانا شفیق عالم نے کمرہ سے نکل کر پکڑنا چاہا مولانا ہلکے پھلکے تیزی سے نکل گئے۔ میں نے کہا کہ بھئی وہ میرے دوست ہیں وہ تفریح کرنے کے لئے بلانے آئے ہیں۔ میں نے دوسرے روز مولانا شفیق عالم کو مولانا مجاہد الاسلام سے ملاقات کرائی اور مکمل تعارف کرایا۔ مولانا شفیق عالم ان کی گفتگو اور ان کی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے۔ ہمیشہ کے لئے ان کے رسیہ ہوگئے۔ پھر کیا کہنا تھا ہم تینوں ایک ساتھ نشست و برخواست کرنے لگے اور کھانا ناشتہ بھی ایک ساتھ کرنے لگے۔

ہم تینوں نے مل کر ایک نظام الاوقات بنایا کہ بعد نماز عشاء مطالعہ اور اسباق یاد کریں۔ اور یہ طے ہوا کہ دو آدمی عشاء کی نماز پڑھکر سو جائیں۔ اور ایک آدمی پڑھنے کے لئے نودرہ چلے جائیں۔ ایک بجے رات میں پڑھ کر کمرہ میں آئیں اور چائے بنائیں۔ سونے والوں کو بیدار کریں۔ اور چائے پلائیں۔ اور نودرہ پڑھنے کے لئے جائیں اور وہ سو جائیں اس نظام پر ہم لوگوں نے مکمل طور پر عمل کیا نماز فجر کے بعد کمرہ آتے اور ناشتہ چائے پی کر درسگاہ چلے جاتے۔ اسباق میں کبھی غیر حاضری نہیں کرتے محنت اور توجہ سے اساتذہ کی باتوں کو سنتے۔

حسب معمول مولانا مجاہد الاسلام ایک بجے رات میں پڑھکر کمرہ آئے چائے بنائی اور ہم دونوں کو اٹھا کر چائے پلائی اور خود بھی پی۔ ہم دونوں نودرہ پڑھنے چلے گئے نماز فجر کے بعد جب کمرہ آئے اور ناشتہ چائے بنانے کے لئے چائے دانی اور ٹی پورٹ دھونے کے لئے اٹھایا تو چائے ٹی پورٹ اور پیالیوں کو رنگین دیکھا۔ میں نے مجاہد الاسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ کیا ماجرا ہے۔ اس زمانہ میں طلبہ کے کمروں میں بجلی کا نظم نہیں تھا طلبہ اپنے اپنے کمروں میں لمپ جلایا کرتے تھے۔ ہم لوگ کھڑکی کے اوپر مرچائی کی پڑیا اور ہلدی کی پڑیا رکھ دیتے تھے۔ حسب ضرورت استعمال کرتے تھے۔ مولانا مجاہد الاسلام نے ہلدی کی پڑیا چائے دانی میں ڈالدی اور چائے کی پڑیا کھڑکی پر رہ گئی۔ ہم تینوں مل کر خوب ہنسے۔ ہم لوگوں کو احساس بھی نہیں ہوا کہ ہلدی کی چائے پی رہے ہیں۔

مولانا مجاہد الاسلام کو مطالعہ اور کتابوں کے پڑھنے کا استغراق تھا:

مولانا مجاہد الاسلام کو درسی کتابوں کے علاوہ خارجی کتابوں کے پڑھنے کا بھی بہت ذوق تھا۔ پوری لگن کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مولانا نے دارالعلوم کے دور طالب علمی میں ادیب کامل کا امتحان دیا۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ دونوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ مولانا جس کتاب کو ہاتھ لگاتے اس کو ختم کرکے چھوڑتے۔ مولانا رقیق القلب بھی بہت تھے۔ ایک روز اردو کا ایک رسالہ پڑھ رہے تھے آنکھوں سے آنسو جاری تھا۔ مولانا کو درسی کتابوں میں بار بار محنت کرنے کی عادت نہیں تھی البتہ گہری نگاہ سے ایک بار پڑھ کر چھوڑ دیتے اپنی ذہانت اور قوت حافظہ کی وجہ سے مضامین ذہن نشین کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ذہانت و ذکاوت سے خوب خوب نوازا تھا۔ مولانا کے اندر تمام صفات کے علاوہ تحمل کی صفت بدرجہ اتم تھی۔ کسی معاملہ میں ابھرتے اور الجھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مولانا دارالعلوم دیوبند میں ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ وہ اپنے درجہ

میں ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے۔

تفریحی پروگرام:

نماز عصر کے بعد نوشت و خواند کا پروگرام کبھی نہیں دیکھا۔ آپ کہتے کہ اپنی اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے یہی وجہ تھی کہ ہم تینوں عصر کی نماز پڑھ کر تفریح کے لئے نکل جاتے۔ کبھی عیدگاہ ہوتے ہوئے ریلوے لائن کی طرف کبھی دیوی کنڈ کی طرف مولانا قدیم شعراء کا کلام سناتے میں بھی سناتا۔ دونوں خوب لطف لیتے۔ جب دیوی کنڈ کی طرف جاتے تو مولانا کہتے کہ جی ٹی روڈ پر دوڑا جائے کہ کون سبقت لے جاتا ہے۔ مولانا مجاہدالاسلام دبلے پتلے ہلکے انتہائی سبک رفتاری سے آگے نکل جاتے، میں ان کے پیچھے اور مولانا محمد شفیق عالم پورنوی اور پیچھے مولانا اس میں بھی سبقت لے جاتے، گنا کے موسم میں گنا چوسنے اور آم کے موسم میں باغ کا رخ کرتے باغ والوں سے آم خریدتے اور بالٹی میں ڈال کر پانی سے بھر دیتے تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں آم چوسنے بیٹھ جاتے جب چوسکر آسودہ ہوجاتے تو مولانا چپکے سے آم کی گٹھلی اور چھلکا دوسرے کے جسم پر پھینک دیتے انتقاماً ہم لوگ بھی ایک دوسرے پر ڈال دیتے تینوں کا کپڑا داغدار ہو جاتا۔ مولانا فرماتے کہ اجی مولوی صاحب، مزہ آگیا۔ ہم تینوں کی اس حرکت سے باغ والے خوب ہنستے اور مزہ لیتے۔ تفریح سے لوٹ کر مغرب دارالعلوم کی مسجد میں پڑھتے تھوڑی دیر کے بعد اسباق اور تکرار میں مشغول ہو جاتے۔

مولانا مجاہدالاسلام کی ظرافتیں:

مولانا مجاہدالاسلام کی مجلس کبھی پھیکی اور خشک نہیں ہوتی تھی۔ باغ و بہار کی زندگی تھی وہ مجلس میں ظریفانہ گفتگو کرتے جس سے سننے والوں کے ذہن میں تازگی پیدا ہوتی اور اہل مجلس مسکراتے۔ سفر وحضر میں ظریفانہ کلام کرتے۔ میں جب ان کی مجلس میں پہونچتا تو مجھے دیکھ کر مسکراتے اور کہتے کہ تمہارے آنے سے میری سنجیدگی ختم ہوجاتی ہے۔ کبھی کہتے کہ اگر ملک الموت میری روح نکالنے آئیگا۔ اور تم موجود رہوگے تو اس وقت بھی مسکراؤنگا۔ ایک مرتبہ مقدمہ کی سماعت کے سلسلہ میں مدرسہ رشیدالعلوم چترا گئے میں بھی ساتھ تھا۔ وہ دن کا کھانا کھا کر قیلولہ کرنے کے لئے مدرسہ میں لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں ہم سے کہتے ہیں کہ میری پیٹھ میں درد ہو رہا ہے۔ میں نے کہا کہ دبادوں تاکہ افاقہ ہوجائے۔ مولانا نے کہا کہ تم اپنی پیٹھ میری طرف کرو بتلاتا ہوں کہ کہاں درد ہو رہا ہے۔ میں نے ان کی طرف اپنی پیٹھ کردی مولانا نے میری پیٹھ دباتے ہوئے کہا کہ یہیں پر درد ہو رہا ہے۔ ان کو ہاتھ سے رکھتے ہوئے کچھ دیکھا اور مسکرانے لگے۔ مجھے شبہ ہوا کہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کی ہے۔ میں نے اپنے کرتے کو دیکھا تو مدرسہ رشیدالعلوم چترا کی مہر لگادی ہے۔ میں نے کہا کہ یہی درد تھا۔ مسکراتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھئی مزہ آگیا۔ چھ سات سال قبل کی بات ہے۔ گرمی کا موسم تھا مالی نے پھول کی سینچائی کے لئے پائپ کا پانی چھوڑ رکھا تھا۔ مولانا آئے میں بھی ساتھ تھا۔ مولانا پھولوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

گلوں کو دیکھ لے جی بھر کے بلبل
چمن میں پھر بہار آئے کہ نہ آئے

مولانا نے اپنے ہاتھ میں پائپ لیا میں نے سمجھا کہ پھول میں پانی ڈالیں گے۔ مولانا نے پائپ میری طرف کردیا اور جسم پر پانی ڈالدیا میں نے بھی ان کے ہاتھ سے پائپ چھینا اور مولانا کو نہلادیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اجی مزہ آگیا۔ طالب علمی کا دور یاد آگیا۔

ایک مرتبہ مولانا نماز فجر کے بعد ٹہلتے ہوئے میرے کمرہ کی طرف آئے۔ پھول کی کیاری کے قریب فولڈنگ بچھادیا مولانا اس پر بیٹھ گئے۔ دوسرے احباب بھی جمع ہوگئے۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے مجھ سے جلیبی کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا کہ آپ کی

طبیعت علیل رہتی ہے۔ جلیبی آپ کے لئے مضر ہے۔ ان کا اصرار بڑھتا گیا۔ میں نے جلیبی منگوائی مولانا نے جلیبی کی رکابی اپنے ہاتھ میں لی اور جلیبی تقسیم کرتے رہے۔ میری طرف ہاتھ نہیں بڑھا میں منتظر رہا کہ مجھے جلیبی دیں گے۔ قاضی صاحب مسکرارہے ہیں۔ آخر میں نے ضبط کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ میں نے کیا جرم کیا ہے۔ کہ جلیبی سے محروم ہوں۔ مولانا نے کہا کہ تم کو جلیبی نہیں ملے گی۔ میں نے کہا کہ مجھے غالب کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو اسے پڑھکر سناؤں۔ مولانا نے کہا کہ ضرور سناؤ میں نے شعر پڑھا:

ہم کو ان سے ہے وفاء کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

مولانا مسکراتے ہوئے جلیبی میری طرف بڑھائی۔

مولانا مجھے بہت یاد آتے ہیں اور ان کو تنہائی میں یاد کر کے آنسو بہاتا ہوں:

آئی جو یاد ان کی تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

مولانا نے اپنی حیات میں آج سے پانچ سال قبل مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری موت پر تم کیا پڑھو گے۔ میں نے کہا کہ قرآن شریف پڑھکر ایصال ثواب کردونگا۔ فرمایا کہ کیا کیا شعر پڑھو گے۔ بہت اصرار سے پڑھنے کو کہا۔ میں نے چند شعر پڑھکر سنایا سنکر مسکرانے لگے۔ میں نے یہ اشعار سنایا:

جان کر منجملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

جناب مولانا مجاہدالاسلام صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں متوسطات اور درجہ علیا کی تمام کتابیں علم وفضل کے ماہر اساتذہ سے پڑھیں۔ اور دورہ حدیث شریف ۵۵ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی علیہ الرحمۃ جیسے آسمان علم وفضل سے پڑھا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید فخرالحسنؒ، حضرت مولانا معراج الحسنؒ، حضرت مولانا سیّد اختر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب، نائب مہتمم وصدرالمدرسین شیخ الحدیث دارالعلوم ماہر معقول ومنقول حضرت مولانا علامہ محمد حسین بہاری علیہ الرحمۃ جیسے ارباب فضل وکمال تھے۔ آپ دارالعلوم میں اعلی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے اور دورہ حدیث میں بھی اول نمبر سے کامیاب ہوئے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا مجاہد الاسلام کو حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت رابع نے جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر بحیثیت استاد بلایا۔ مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے ۵۵ء تا ۶۲ء ابتدائی کتابوں سے لے کر درجہ علیا تک کامیاب درس دیا اور ماہرفن استاذ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ حضرت امیر شریعت رابع علیہ الرحمۃ نے مولانا کی خداداد صلاحیت کو دیکھ کر ایسے وقت میں شعبہ قضا کو اوراس کے نظم نسق کو آپ کے حوالہ کیا۔ جبکہ امارت شرعیہ کا سارا نظام مفلوج ہو چکا تھا۔ قاضی شریعت نے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے شب وروز محنت کر کے امارت کے کاموں کو مستحکم ومضبوط کیا۔ آپ کی کوشش سے موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سیّد نظام الدین صاحب دامت برکاتہم امارت شرعیہ تشریف لائے اور عہدہ نظامت آپ کے سپرد ہوا۔ حضرت قاضی صاحب اور حضرت

مولانا سید نظام الدین صاحب موجودہ امیر شریعت نے امارت شرعیہ کی مالی حالت کو دیکھتے ہوئے صوبہ بہار کے اضلاع میں دورۂ وفد کا پروگرام مرتب کیا۔ اس پروگرام میں حضرت امیر شریعت رابع مولانا سیّد منت اللہ رحمانیؒ بھی شریک ہوتے تھے۔ جہاں جہاں بھی وفد کا دورہ ہوتا تھا عوام نے پورا پورا ساتھ دیا اور مالی تعاون بھی کیا۔ حضرت قاضی صاحب کی تقریر سے لوگوں میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اور حضرت قاضی صاحب کے گرویدہ ہو گئے۔ اس دورہ میں مبلغین حضرات بھی شریک ہوتے تھے۔ پیدل اور بیل گاڑیوں میں دیہاتوں کا دورہ کرتے۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ سفر کی صعوبتوں اور پریشانیوں سے کبھی بھی نہیں گھبراتے تھے۔ جو بھی کام شروع کرتے انتہائی لگن اور جذبہ سے کرتے اور اس کو انجام تک پہونچاتے تھے روز بروز معاونین ومخلصین کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تقریباً ہر سال وفد کا پروگرام ہونے لگا۔ اس سے تمام شعبوں میں جان آگئی اور دارالقضاء کے قیام کے لئے شب وروز کوشش کی اور اس اہم کام کے لئے افراد تیار کئے اور وفد کا دورہ کر کے گاؤں گاؤں پہونچے اور ان کو امارت شرعیہ سے جوڑا۔ مکاتب قائم کئے۔ لوگوں کے باہمی نزاعات کا تصفیہ کیا اور مدتوں کی مقدمہ بازیاں چند گھنٹوں کی کوشش سے ختم ہوئیں۔ اس سے امارت شرعیہ کو استحکام حاصل ہوا۔ حضرت قاضی صاحب نے امارت شرعیہ کا تعارف صرف صوبہ بہار میں ہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی کرایا۔ چنانچہ آپ نے ۶۲ء سے ۲۰۰۲ء تک مسلسل امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ اور اس کے علاوہ نائب امیر شریعت کے ذمہ دارانہ عہدہ پر بھی فائز رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء کرے اور آپ کے درجات کو بلند کرے۔

مسلمانوں کو صرف کلمہ واحدہ کی بنیاد پر جوڑا جائے:

قاضی صاحب نے کسی ایک ہی میدان کو منتخب نہیں کیا بلکہ جب جب اور جن جن میدانوں میں ملت کی ضرورتیں سامنے آئیں اس میدان میں اترنا اپنا فرض سمجھا اور ہر میدان میں کام کرنے والے افراد کو ہمیشہ یاد رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میدانوں میں تربیت یافتہ افراد کی پوری ٹیم قاضی صاحب کھڑی کر کے سفر آخرت کے لئے روانہ ہو گئے۔

امارت شرعیہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، اور آل انڈیا ملی کونسل ان چار اداروں سے قاضی صاحب کا ذمہ دارانہ اور قائدانہ تعلق رہا ہے۔ اور تقسیم کار کی بنیاد پر سارے نظام کو سنبھالے رہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، ملی کونسل کے سکریٹری جنرل، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ اور نائب امیر شریعت، متعدد دینی و عصری تعلیمی ادارہ کے بانی وسرپرست رہے۔ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جس نے مختلف میدانوں میں اپنا ایسا نقش ثبت کیا ہے جسے آسانی سے مٹایا نہیں جاسکتا، علمی، فقہی، تعلیمی ملی وسیاسی سرگرمیوں اور قضاء کی ذمہ داریوں کے پہلو بہ پہلو خدمت خلق کے میدان میں قاضی صاحب نے اپنے متبعین کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ وہ اتحاد ملت کے زبردست داعی تھے۔ ملت کے انتشار وافتراق سے تڑپ اٹھتے تھے۔ اتحاد ملت کے لئے قاضی صاحب نے ایک انتہائی موثر قابل تقلید عمل اور نہایت ہی آسان نسخہ تجویز کیا تھا کہ مسلمانوں کو صرف کلمہ واحدہ کی بنیاد پر جوڑا جائے۔ وہ کسی مکتب فکر اور جماعت کے مخالف نہیں تھے لیکن دین وملت کے مفاد کو سب پر مقدم سمجھتے تھے۔ یہ تھے مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی علیہ الرحمۃ قاضی القضاۃ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا۔

☆☆☆

قدیم صالح اور جدید نافع کے عظیم سنگم

(قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ)

مفتی عبداللہ مظاہری
مہتمم جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات

''کل نفس ذائقة الموت'' ایک اٹل حقیقت اور فیصلہ خداوندی ہے۔ دنیا میں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا باقی رہنے والا وہ صرف رب ذوالجلال ہے جو موت وحیات کا خالق اور قادر ومختار ہے لیکن کچھ جانے والے اپنے کارنامے، اولوالعزمیوں اور یادوں کے ایسے نقوش ثبت کر جاتے ہیں کہ وہ مرکر بھی زندہ رہتے ہیں اور ان کی تعلیمات وارشادات اور تفردات اور تحقیقات لوگوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہیں۔ انہیں مردانِ باصفا میں حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب بھی تھے جنھیں اب مرحوم ومغفور لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی صاحب ایک شخص ہی نہیں بلکہ مستقل ایک تحریک تھے۔ آپ نے فقہ وفتاویٰ کے حوالے سے جو عظیم تجدیدی کارنامے انجام دیئے اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذریعہ علماء عظام بالخصوص نوجوان مفتیان کرام میں بصیرت وتفقہ کی جو روح پھونکی ہے اور علم وتحقیق کی جو نئی راہ دکھلائی ہے وہ آپ کی عظمت کے لئے کافی ہیں۔ علم ودرایت اور خداداد فقہی بصیرت جو آپ کو عطا ہوئی تھی اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ہمارا اپنا احساس ہے کہ اگر قاضی صاحب چند صدیوں قبل پیدا ہوئے ہوتے تو جن محقق علماء اور مجتہدانہ شان رکھنے والے فقہاء کے اقوال آج ہم عظمت وعقیدت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ان میں ایک نمایاں نام قاضی صاحب کا بھی ہوتا۔

قاضی صاحب جیسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور اپنے لازوال کارنامے بے پناہ بصیرت اور عظیم قائدانہ صلاحیت کی بنا پر ایسے نقوش ثبت کر جاتی ہیں جو انھیں زندہ جاوید بنا دیتی ہیں سچ ہے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

قاضی صاحب کا نام اور ان کے علم وفضل کا شہرہ تو ایک مدت سے سنتا آرہا تھا اور زیارت کا شرف بھی حاصل کر چکا تاہم دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ میں منعقد ساتویں فقہی سیمینار کے موقع پر آپ کو قریب سے دیکھنے اور آپ کے علوم سے براہ راست استفادہ کے مواقع نصیب ہوئے۔ سیمینار سے فارغ ہوکر احقر کی دعوت پر آپ اپنے رفقاء کی ٹیم کے ساتھ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ تشریف لائے اور یہاں کے تعلیمی وتربیتی نظام کو دیکھ کر کافی مسرور ہوئے اور خوب دعائیں دیں۔ حوصلہ افزائی کے طور پر فرمانے لگے ''آپ اب تک کہاں چھپے ہوئے تھے'' بلکہ آپ نے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے تأثراتی تقریر میں یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر ٹھوس تعلیم کے تعلق سے ملک میں جامعہ مظہر سعادت جیسے پانچ چھ ادارے بھی قائم ہوجائیں تو تعلیم کے گرتے اور گھٹتے معیار کو اونچا اٹھانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ پھر آپ نے احقر کو باصرار تمام اسلامک فقہ اکیڈمی کی علمی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب قاضی صاحب کی نوازشیں اور عنایتیں تھیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔

جامعہ کے کتب خانہ اور اس کے انتظام وانصرام کو قاضی صاحب نے کافی سراہا اور الحمدللہ کتب خانہ کے پرانے رجسٹروں

میں قاضی صاحب کے نام پر نکلی ہوئی کتابوں کا اندراج آج بھی موجود ہے۔

دسواں فقہی سیمینار بمبئی کے حج ہاؤس میں منعقد ہوا تھا جس میں بیرون ملک بالخصوص بلادعرب سے تشریف لانے والے علماء اور فقہاء کی مہمان نوازی جامعہ کی خواہش اور قاضی صاحب کے ایماء پر جامعہ کے حصے میں آئی۔ اس طرح جامعہ کا حضرت قاضی صاحب سے تعلق مستحکم ہوتا گیا۔

خرد نوازی، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور خوبیوں کا اعتراف قاضی صاحب کی خاص صفت تھی۔ مردم سازی کا جوجوہر خاص آپ کو عطا ہوا تھا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ جس سادگی اور تواضع کے ساتھ دوران طالب علمی اساتذہ کرام کی خدمت کرتے تھے آپ کی وہی سادگی اور تواضع اس وقت بھی باقی رہی جب آپ ملت کے مخدوم بن گئے۔ بڑے باوقار عہدے اور مناصب بھی آپ کو اپنے اسلاف واکابر کی روش سے ہٹا نہ سکے۔

قاضی صاحب میں ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ نے منفی پہلو اپنانے کے بجائے ہمیشہ مثبت پہلو اختیار کیا۔ جس کے بہت دور رس فوائد سامنے آئے۔ آپ ملک کے بگڑتے حالات کے تناظر میں کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد امت کے نہ صرف قائل بلکہ اس کے زبردست داعی ونقیب بھی تھے۔

قاضی صاحب قدیم صالح اور جدید نافع کے عظیم سنگم تھے ملت کی فلاح وبہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے اور اس کی زبوں حالی وخستہ حالی پر بے بسی کے آنسو بہانے کے بجائے آپ نے ہمہ جہتی اقدامات کئے۔ قاضی صاحب کئی اداروں، تحریکوں، مراکز، جامعات اور تنظیموں کے روح رواں، ملت کی امیدوں کے مرکز، ہر نازک موڑ پر امت کے مسیحا ومرجع، حق وصداقت کی علامت اور ایک عظیم انسان بلکہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جن سے متصف ہونا ایک میر کارواں کے لئے ضروری ہے۔

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

خدا کے مقرب بندے اور عظیم انقلابی مصلحین کی طرح قاضی صاحب بھی محسود الاقران رہے بلکہ اباحیت وفقہ قدیم کی جدید کاری کے سنگین الزامات بھی عائد کئے گئے۔ لیکن قاضی صاحب نے ہمیشہ معترضین کے اعتراضات پر چراغ پا ہونے اور ان کے خلاف محاذ آرائی کے بجائے سکوت اور بصیرت وتدبر سے کام لیا۔ اس لئے لوگوں کی تنقیدیں اور مخالفین کے پروپیگنڈے آپ کے پائے استقامت کو کبھی متزلزل نہ کرسکے۔ آپ کی وسعت ظرفی اور وسیع القلبی مثالی تھی۔ آپ نے کبھی اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ دوسروں کی آراء کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ اپنی موقف پر جم جاتے اور دلائل کے انبار لگادیتے۔ بسااوقات آپ کے دو جملے حاضرین کے شکوک وشبہات دور کرنے میں صیقل کا کام کرجاتے۔ اور علم وفکر کی نئی راہیں کھل جاتیں۔ غرضیکہ قاضی صاحب جامع الکمالات مجمع الصفات شخص تھے جنھوں نے بحث وتحقیق کے میخانے میں ہلچل مچادی اور علم ودرایت کی شمع روشن کی۔

بڑی مدت میں بھیجتا ہے ساقی ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

ملت اسلامیہ یوں بھی داخلی وخارجی سطح پر لاتعداد مسائل سے دوچار ہے ان نازک حالات میں قاضی صاحب کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا بہ ظاہر مشکل نظر آرہا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قاضی صاحب کی تحریک کو نہ صرف زندہ رکھا جائے بلکہ اسے آگے بڑھایا جائے اور وہ علمی وتحقیقی کام جو ہنوز تشنہ تکمیل ہیں انھیں مکمل کیا جائے۔ حقیقت میں یہی قاضی صاحب کے لئے ہماری طرف سے بہترین تحفہ اور خراج عقیدت ہے۔

اللہ پاک قاضی صاحب کے درجات کو بلند کریں، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔ کروٹ کروٹ سکون نصیب ہو اور قبر پر انوار کی بارش ہو۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

بیماری میں قاضی صاحب کی بے مثال عزیمت

مولانا بدر الحسن قاسمی

صدر المعهد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف پٹنہ

''بیماری'' ایک طرح کی آزمائش ہے اور ''شفا'' دینا اللہ کے اختیار میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا وإذا مرضت فهو يشفين (اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے)

''بیمار'' ہوکر کچھ لوگ تو چیخ وپکار اور واویلا شروع کردیتے ہیں اور کچھ لوگ شفایاب ہونے کی کوشش اور علاج کا اہتمام تو کرتے ہیں لیکن ہمت نہیں ہارتے اور ''موت'' کو برحق سمجھ کر اور بیماری کو ایک طرح کا الارم جان کر زندگی کی جدوجہد مزید تیز کردیتے ہیں کہ باقیماندہ عمر ضائع نہ ہونے پائے اور خیر وفلاح کا جو کام جاری ہے وہ دم واپسیں تک برقرار رہے۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کا شمار دوسرے گروہ میں ہے چنانچہ ان کی زندگی کے بیشتر اہم اور پائیدار کام وہی ہیں جو انھوں نے اپنی عین بیماری کے دنوں میں انجام دیئے ہیں اور مرض کی شدت جوں جوں بڑھتی گئی ان کے عزم وحوصلہ میں مزید تازگی اور جوانی آتی گئی اور وہ زبان حال سے متنبی کی طرح یہ کہتے رہے کہ:

فإن أحمم فما حم إعتزامی
وإن امرض فما مرض إصطباری

وہ بیمار ضرور رہے لیکن نہ تو ان کے عزم وحوصلہ پر کوئی اثر ہوا اور نہ صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹا۔ ان کی بیماری نہ تو معمولی تھی اور نہ ایسی تھی جس سے بظاہر اسباب شفایابی کی امید کی جاسکتی ہو سوائے لطیفہ غیبی اور قدرتی کرشمہ کے، ان کی شفایابی کے معاملہ میں ان کے ڈاکٹر اور تیمار دار بھی ناامید تھے لیکن انھیں آخر آخر وقت تک عزم وحوصلہ سے کوئی محروم نہیں کرسکا۔

ان کی بیماری کے دوران چند سال قبل ایسا مرحلہ بھی آگیا تھا کہ انھوں نے جائے تدفین تک کی تحدید کردی اور سارے عیادت کرنے والوں سے انھوں نے رخصت بھی لے لی تھی۔ خود مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر اکابر واعیان ان کی عیادت کے لئے آئے لیکن تمام لوگوں کی توقعات کے برخلاف حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور مولانا ان کے بعد بھی عرصہ تک زندہ رہے اور بجائے اس کے کہ مولانا علی میاں صاحب ان کی تعزیت کے کلمات کہیں انھوں نے ہی دہلی سے لے کر لندن تک مولانا کی وفات پر مرثیہ خوانی کی، اور ان پر قاآنی کا شعر خاقانی کے بارے میں صادق آیا:

ہمیں گفتم کہ خاقانی دریغا گوئے من باشد
دریغا من شدم آخر دریغا گوئے خاقانی

یعنی امید تو یہ تھی کہ خاقانی میری موت پر مرثیہ کہیں گے لیکن افسوس کہ مجھے ہی خاقانی کی موت پر مرثیہ کہنا پڑ رہا ہے۔

مولانا کو کینسر جیسی مہلک اور جانگسل بیماری لاحق تھی لیکن ان کے اس عزم وہمت پر قربان جائیے کہ اپنی بیماری اور دواؤں کے پشتارہ کے ساتھ انھوں نے دسیوں بار کویت، دبئی، قطر، سعودی عرب، امریکہ، ساؤتھ افریقہ، لندن اور نہ جانے کہاں کہاں کے سفر کئے۔ متعدد بار جان ہار کے پھر تازہ دم ہوگئے خود اندرون ہند بھی لکھنؤ، دہلی، پٹنہ، حیدرآباد، ممبئی، جے پور، مدراس، بنگلور، میسور ہر جگہ کی خاک چھانی، بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کئے، کانفرنسیں اور سیمینار کئے اور انتہائی مجبور ہوجانے کی ناگہانی صورت حال کے علاوہ ہمیشہ شگفتہ وشاداب اور ہر مجلس میں باغ وبہار رہے اور ان کا عبقری دماغ ہر جگہ اپنی پوری اور غیر معمولی توانائی کے ساتھ کام کرتا رہا اور ہر جگہ

''میر مجلس'' ہونے میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہ ہوسکا۔

دہلی کے اپولو ہاسپٹل کی تاریخ میں غالباً وہ پہلے مریض تھے جو اپنی نہ ختم ہونے والی بیماری کی وجہ سے ایک طرح سے اس کے فیملی ممبر سے بن گئے تھے اور وہ واحد مریض تھے جن کے روم میں ''فقہ وفتاویٰ'' کی ضخیم جلدیں رکھی رہتی تھیں اور نرسوں کو اپنے بیمار کی تیمارداری کے ساتھ عربی کی ضخیم کتابوں سے بھی واسطہ پڑتا تھا۔ اوران کا یہ انوکھے طرز کا بیمار جب ہوش میں ہوتو اسپتال کا روم ہی کبھی ''اسلامی فقہ اکیڈمی'' کا دفتر بن جاتا تو کبھی ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' اور ''ملی کونسل'' کا کانفرنس ہال۔

مولانا مجاہد صاحبؒ کی بیماری کے اور کئی پہلو ہیں جو قابل ذکر ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کو اس کے باوجود کہ اللہ نے نہ کوئی اولاد دی تھی اور نہ ان کے قرابت داروں میں ایسے لوگ تھے کہ جوان کی اس طویل اور نہ ختم ہونے والی بیماری میں ان کی تیمارداری کا حق ادا کرسکیں یا اپنے آپ کو اپنی ملازمتوں اور دوسری ذمہ داریوں سے لمبے عرصہ تک کے لئے فارغ کرسکیں اور ایک طویل عرصہ سے مولانا کسی روایتی مدرسہ کے باقاعدہ معلم ومدرس بھی نہیں رہ گئے تھے کہ شاگردوں میں سے خدمت گزاروں کی ٹیم ان کے سامنے صف بستہ کھڑی رہے اس کے باوجود اللہ نے ان کو ایسے تیمارداروں کی ٹیم عطا کی تھی جنھوں نے شب وروز اور سفر وحضر میں مولانا کی خدمت گزاری میں کسی طرح کی کسر نہیں چھوڑی۔ خاص طور پر تسکین اور وسیم تو ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہے۔ اور ان کی تیمارداری سے روحانی فیض وبرکت کے حصول کے علاوہ وہ یہ دونوں اچھے خاصے کمپونڈر تو کم از کم بن ہی گئے۔

ٹھیک اسی طرح علمی کاموں میں معاونت کے لئے اطاعت گزار اور باصلاحیت نوجوانوں کی بھی ایک ٹیم اللہ نے انہیں دے دی تھی جس نے بیماری کی وجہ سے ان کے بے دست وپائی کی بڑی حد تک تلافی کردی تھی جس سے ایک طرف مولانا کو اپنی علمی جولانیوں اور فکری وفقہی کوہ پیمائیوں میں مدد ملی تو دوسری طرف ان نوجوانوں کی بھی اچھی علمی تربیت اور فقہی رہنمائی ہوگئی۔

اس معاملہ میں بھی مولانا شاید اپنی نوعیت کے منفرد مریض تھے کہ اپنی بیماری کے بارے میں واقفیت، دواؤں کے اثرات، اور بیماری کے اتار چڑھاؤ کے اسباب اور بیماری کے تمام مراحل کے بارے میں تفصیلات کا استحضار انھیں شاید اپنے معالجوں سے بھی کچھ زیادہ رہا کرتا تھا۔ روزمرہ کی جسم کی نس نس کی ٹیسٹ رپورٹ اوران میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر اتنی باریکی سے نظر رکھنے والا میں نے تو کم از کم دوسرا مریض نہیں دیکھا ہے۔ اور اس میں بھی اُن کی غیر معمولی ذہانت اور ہر مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی عادت نمایاں طور پر نظر آیا کرتی تھی۔ جس کا اثر یہ تھا کہ ان کے تن ہمہ داغ داغ جسم سے وحشت کے بجائے ان کے تیماردار، عیادت کنندگان اور معالج سبھوں کو گرویدگی ہوجایا کرتی تھی۔ اوران کی باغ وبہار طبیعت، سادہ وپرکار مزاج، سچائی وحق گوئی کی خو اور جرأت وبیباکی کی ادا اور بیماری میں بھی دوسروں کی تیمارداری اور غم والم میں شرکت کے جذبہ اور اپنا رنج وغم بھول کرامت کی پریشانیوں کو دور کرنے اور مظلوموں کی مظلومیت کو رفع کرنے کے حوصلہ نے ہزاروں افراد کو بیماری کے زمانہ میں بھی ان کا اس طرح عقیدت مند بنادیا تھا کہ کسی طرح کے ظاہری ٹیپ ٹاپ کے بغیر ہی لوگوں کے دلوں پر ان کی حکومت چلنے لگی تھی۔

مولانا ہماری ہی طرح ایک گاؤں سے رونما ہوئے تھے اور کسی بڑی زمینداری یا خوش حالی کے ماحول میں ان کی پرورش نہیں ہوئی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بھی بالانشینی کے خواب کو انھوں نے جامعہ رحمانی اور پھر امارت شرعیہ کی قربان گاہ پر چکنا چور کردیا تھا اور جامعہ ازہر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جانے کا وسوسہ بھی امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ان کے دل سے نکال دیا تھا اور مولانا محمد سجاد جن کی زندگی:

پھونک کر اپنے آشیانہ کو
بخش دی روشنی زمانہ کو

کا نمونہ تھی۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کے لئے انھیں خاردار وادی میں اوائل عمر میں ہی ڈال دیا تھا اس طرح وہ کہہ سکتے تھے کہ:

میں نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

جس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ مولانا باکمال وخوش خصال خواہ کتنے ہی رہے ہوں مالی حیثیت سے کشادہ اور خوش حال کبھی نہیں رہے۔ اس کے باوجود یہ بھی قدرت کا عجیب نظام اور مولانا کی زندہ کرامتوں میں سے ہے کہ ایک ایسا مولوی عام حالات میں جس کے پاس ایک ہفتہ کی دوا اور علاج کے لئے بھی ضروری وسائل فراہم نہ ہوں اللہ نے غیب سے اس کے لئے اسباب پیدا کردیئے کہ کئی سال تک نہایت اعلیٰ معیار کا اور انتہائی گراں علاج بغیر کسی تنگی کے جاری رہ سکے اور اس کے دوران اپنے کسی زیر سرپرستی ادارے کا احسان مند نہ ہونا پڑے یہ محض اللہ کا فضل وکرم تھا اور خالص غیبی نظم تھا جو اللہ نے اپنے دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے والے ایک بندے کے لئے کردیا تھا جس کا پہلے سے خود مولانا کو بھی تصور نہیں ہوسکتا تھا ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب کا مطلب بھی تو یہی ہے۔

عرب والے ایک محاورہ میں جو پامال شدہ ہے کہا کرتے ہیں کہ رب اخ لم تلده امک (بعض بھائی تمہارے ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن کو تمہاری ماں نے پیدا نہ کیا ہو) مولانا کے لئے قدرت نے ایسے بہت سے بھائی پیدا کردیئے تھے جن کو مولانا کی صحت وعافیت کی فکر خود مولانا سے بھی زیادہ رہا کرتی تھی۔ اور جو مولانا کے وجود کو امت کے لئے ایک گراں قدر امانت سمجھا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً انھیں صحت کا خیال رکھنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ان غیر حقیقی بھائیوں میں بعض عرب شخصیتیں بھی شامل ہوگئی تھیں جو شب وروز مولانا کے بارے میں انتہائی فکرمندی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

☆☆☆

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان!

آج تعلیم یافتہ اور بے روزگار افراد کا شمار کیجئے تو سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کے درمیان ملے گی، اس بے روزگاری اور تعلیم سے محرومی نے ان کو سیاسی میدان اور ملک کی اجتماعی زندگی میں بھی بے وقار بنادیا ھے اور ان کے ووٹوں کی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رھی ھے۔

ان حالات کا اولین تقاضا ھے کہ ھم اپنی اجتماعی آواز ھر ظلم وفساد کے خلاف بلند کریں اور اپنے اندر ایسی غیرت پیدا کریں کہ ملک کے ھر مظلوم کا سہارا بن سکیں اور ھر بگاڑ و فساد کے سرچشمہ کا منہ بند کرسکیں۔ تاریخ کے اس مرحلہ میں یہ کام ھمارے لئے دشوار نہیں۔ خدا کا شکر ھے کہ ھماری نوجوان نسلوں کے دلوں میں اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کی تمنا کروٹیں لے رھی ھے اور وہ گردو پیش کے احوال سے باخبر اور انہیں تبدیل کرنے کی ھر جدو جہد میں حصہ لینے کے لئے تیار نظر آتی ھیں۔ اگرچہ موجودہ نظام تعلیم نے اسلامی شعائر سے انہیں قطعاً بیگانہ بنادیا ھے۔ مگر ان کے اندر اپنے دین سے لگاؤ ھے اور وہ اس احساس پر قائم رھنے کے لئے بیحد آرزو مند ھیں، ان نسلوں کے دینی شعور کو بالیدہ بنانے اور ان کی صلاحیتوں کو تعمیری کاموں میں لگانے کے لئے زبردست منصوبہ بندی اورمربوط جدو جہد کی ضرورت ھے۔

قاضی مجاھد الاسلام قاسمی

(ماخوذ از خطبہ اتحاد امت کانفرنس، بمبئی)

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ

بحیثیت قاضی القضاۃ

مفتی نسیم احمد قاسمی
نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

مفکر اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی ذات گرامی جامع صفات وکمالات تھی، علوم دینیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جدید علوم، عرف وعادات اور حالات زمانہ پر ان کی گہری اور عمیق نظر تھی، وہ اپنے وقت کے بلند پایہ فقیہ، امور قضاء کے ماہر، فہم وتدبر، سیاسی بصیرت اور غیر معمولی ذہانت کی دولت سے مالا مال، فکر رسا اور ذہن ثاقب کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی محنت، جدوجہد، شبانہ روز کی کاوش اور سعی پیہم سے علمی دنیا اور فقہ وقضاء کے میدان میں منفرد اور ممتاز مقام بنایا امارت شرعیہ کی مسند قضاء پر بیٹھ کر ہندوپاک اور پورے عالم میں بہ حیثیت قاضی شریعت شہرت پائی، ان کے قلم سے سینکڑوں مقدمات کے فیصلے ہوئے اور ہزاروں آپسی تنازعات حل ہوئے۔

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کا اصل امتیاز امور قضاء میں ان کی مہارت ہے، اسلامی قضاۃ اور ائمہ سلف کے فیصلوں اور قضایا پر حضرت قاضیؒ کی گہری نظر تھی، کارقضاء کی نزاکت وباریکیوں سے وہ بہ خوبی واقف تھے، اور معاملات قضاء میں اجتہادی اور عبقری شان رکھتے تھے، انھوں نے نہایت ہی پیچیدہ اور مشکل مقدمات کے فیصلے کئے۔ جو اسلامی عدالتوں کے لئے نظیر کا کام کریں گے۔ انھوں نے سینکڑوں علماء اور اصحاب فقہ وافتاء کو کار قضاء کی تربیت دے کر ''قضاء'' کے منصب کا اہل بنایا۔ اس وقت بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ اور ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں جہاں بھی نظام قضاء قائم ہے اور قضاۃ حضرات امور قضاء انجام دے رہے ہیں۔ ان میں اکثریت ان حضرات کی ہے، جنھوں نے حضرت علیہ الرحمہ سے براہ راست تربیت قضاء حاصل کی ہیں اور آپ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ اور مغربی بنگال کے علاوہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بھی دارالقضاء کے قیام اور توسیع نظام قضاء کی کوشش فرمائیں۔ ہندوستان کے باہر ساؤتھ افریقہ اور مورشش جیسے ممالک جہاں نظام حکومت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وہاں کے مسلمان غیر اسلامی نظام حکومت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ نے ان ممالک میں بھی نظام امارت اور قیام دارالقضاء کی تحریک کی اور وہاں کے علماء ومشائخ کو اس سنت متوارثہ کے احیاء کی طرف متوجہ فرمایا۔ ساؤتھ افریقہ کے کئی اصحاب علم نے آپ سے تربیت قضاء بھی حاصل کیں۔ آپ نے ''اسلامی عدالت'' لکھ کر قضاۃ اور کارقضاء انجام دینے والوں کے لئے آسانی پیدا فرمادی۔ اردو زبان میں ''آداب قضاء'' کے موضوع پر نہایت ہی منفرد اور علمی شاہکار ہے، جسے علمی حلقوں میں قدر واستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت امیر شریعت رابع کا انتخاب اور نظام قضاء کی توسیع:

حضرت امیر شریعت ثالث مولانا قمرالدین علیہ الرحمہ کا وصال ۳۰ رجب ۱۳۸۶ھ کو ہوگیا۔ آپ کے وصال کے بعد انتخاب امیر کے لئے ۲۱ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۴ مارچ

۱۹۵۷ء کو ضلع دربھنگہ کے سوپول میں خصوصی اجلاس ہوا جس میں حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کو امیر شریعت رابع کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔

حضرت امیر شریعت رابعؒ نے امیر شریعت منتخب ہونے کے چوتھے دن یعنی ۲۷/مارچ ۱۹۵۷ء ۲۴/شعبان ۱۳۷۶ھ کو گیارہ منتخب ارکان مجلس شوریٰ کے معیت میں دفتر امارت شرعیہ کا پہلا معائنہ کیا اور سب سے پہلا فرمان جو درج کتاب الاحکام ہوا اس میں سب سے پہلے اس پر زور دیا گیا کہ:

''امارت شرعیہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے، جس کا مقصد بنیادی عقیدہ کی وحدت پر مسلمانوں کی شرعی تنظیم ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ مسلمانوں میں ممکن حد تک اسلامی احکام جاری ہوں اور مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گزار سکیں۔ امارت شرعیہ کی ترقی اور استحکام میں اس فکر اور طریقہ کار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس لئے امارت کے ہر کارکن پر اس کی پابندی لازم ہوگی''۔

دوسری چیز جس کو حضرت امیر شریعت رابعؒ نے پوری اہمیت اور تفصیل کے ساتھ درج فرمایا وہ یہ ہے:

محکمہ قضاء جو امارت کا سب سے اہم شعبہ ہے اس کے نظام کو پورے صوبہ میں پھیلانا ضروری ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچ سکے۔ اور مقدمات کے فیصلے جلد سے جلد ہوسکیں اور انھیں اسلامی زندگی گزارنے میں سہولت ہو۔ اس کی ضرورت ہے کہ:

(الف) جن اضلاع یا کمشنری میں ممکن ہو قاضی مقرر کئے جائیں۔ اور اس حلقہ کے مقدمات وہیں دائر ہو کر فیصلہ پائیں۔

(ب) مقرر کئے جانے والے قاضیوں کی تربیت کا نظم مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف میں کیا جائے کہ وہ مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

(ج) قاضیوں کی سہولت کے لئے اردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر قاضیوں کے اختیارات و فرائض و معاملات میں شہادت کے شرعی اصول اور ضابطے، فسخ نکاح اور خلع کی وجوہ اور طریقے اور اس سے متعلق مسائل درج کئے جایں اور بطور مثال و نظیر عہد رسالت و صحابہ اور مشہور قضاۃ اسلام کے فیصلے لکھے جائیں —— مقرر کئے جانے والے قاضی باضابطہ اس رسالہ کا مطالعہ کریں۔ تا کہ اس کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کرسکیں''۔ (کتاب الاحکام ۱۹۵۷ء)

توسیع قضاء کے پروگرام کے تحت حضرت امیر شریعت رابعؒ نے جامعہ رحمانی مونگیر میں تربیت قضاء کے دو ہفتے مقرر فرمائے اور بہار واڑیسہ اور ملک کے نامور علماء اور مفتیان کرام کو تربیت قضاء کے اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی پہلا ہفت روزہ تربیتی کیمپ کا آغاز جامعہ رحمانی مونگیر میں مورخہ ۱۶/ ۱۱ تا ۲۱/۱۱/ ۱۹۵۸ء مطابق ۲۹/محرم ۱۳۷۸ھ کو ہوا۔ جو ایک ہفتہ تک چلتا رہا۔ اس کیمپ کا افتتاح حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے کیا پھر حضرت کا مقالہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نے پڑھ کر سنایا۔ اس اہم تحقیقی اور تاریخی مقالہ میں ابتداء اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرہ اور حیات میں اس کی ضرورت اور پھر عمل اور قیام قضاء کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی گئی۔

اس مقالہ کے بعد حضرت مولانا شاہ عون قادری قاضی شریعت کی ایک تحریر پیش کی گئی جس میں دارالقضاء کے طریقہ کار دعویٰ سے لے کر فیصلہ تک کی عبوری کارروائیاں اور فصل مقدمات سے متعلق اجمالی خاکہ پیش کیا گیا تھا، اس ہفت روزہ تربیت قضاء کیمپ میں ۲۶ مشاہیر علماء کرام شریک ہوئے، جن میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ بھی شامل ہیں۔ نائب امیر شریعت اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے تربیت یافتہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ نے تربیت کے فرائض انجام دیئے، اور شرکا حضرات کو قضاء کی عملی تربیت دی گئی۔

دوسرا ہفت روزہ تربیتی کیمپ ۳۰/اگست تا ۴/ستمبر ۵۸ء کو ہوا جس میں ۱۳- علماء کرام شریک ہوئے اس کیمپ میں بھی حضرت

مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ جوان دنوں جامعہ رحمانی میں استاذ تھے شریک رہے، اور حضرت نائب امیر شریعت اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ سے قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

عہدۂ قضاء ومنصب نظامت پر تقرری:

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الاسلام کے ایماء پر جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے۔۔۔ جہاں آپ نے ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۲ء تک عربی کی ابتدائی درجات سے لے کر منتہی درجات کی کتابوں کا درس دیا، اس سات سال کے عرصہ میں سینکڑوں علماء نے آپ سے کسب فیض کیا اور آپ کی تربیت میں رہ کر علوم دینیہ میں کمال حاصل کیا۔

حضرت امیر شریعت رابعؒ مولانا سید منت اللہ رحمانی آپ کی علمی صلاحیت، ذہانت وذکاوت سے بہت متاثر تھے اور اس جوہر قابل کی قدر و پذیرائی کرتے، چنانچہ ایک ایسے وقت جبکہ امارت شرعیہ کا سارا نظام عملاً مفلوج ہوکر رہ گیا تھا۔ عہدۂ نظامت خالی ہوگیا تھا اور عرصہ دراز سے عہدۂ قضاء کسی ایسے بالغ نظر فقیہ سے خالی تھا جو اس اہم عہدہ کے تقاضوں کو پورا کرتا۔ حضرت امیر شریعت رابعؒ کی دوررس نگاہ اور جوہر شناس طبیعت نے بھانپ لیا کہ امارت شرعیہ کی نشأۃ ثانیہ اور اس میں نئی روح ڈالنے کے لئے مولانا مجاہدالاسلام قاسمی سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس وقت امارت شرعیہ کا دامن مادی اسباب ووسائل سے بالکل خالی تھا۔ اور کل اثاثہ چند کمروں پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب جامعہ رحمانی مونگیر میں درجہ علیا کے کامیاب اور منظور نظر مدرس تھے۔ دور دور تک ان کا علمی شہرہ تھا۔ مسند تدریس کو چھوڑ کر امارت شرعیہ کی ذمہ داری کو قبول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر آپ نے حضرت امیر شریعتؒ کے ایماء پر امارت شرعیہ کی ذمہ داری قبول کرلی اور ۱۹۶۲ء مطابق یکم شوال ۱۳۸۱ھ کو عہدہ قضاء ومنصب نظامت کو سنبھال لیا اور کئی سالوں تک دونوں نازک عہدوں کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ امارت شرعیہ کے لیے مالی فراہمی کرتے، مقدمات کے فیصلے کرتے اور امور نظامت انجام دیتے رہے۔ پھر ۵؍شوال ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ اور مولانا علی قاسمی صاحب ناظم بیت المال کی حیثیت سے مقرر کئے گئے اور آپ فرائض قضاء انجام دیتے رہے۔

آپ جس وقت امارت شرعیہ تشریف لائے، امارت شرعیہ دارالقضاء کے انچارج کی حیثیت سے جناب محمد شفیع صاحب کام کررہے تھے، موصوف حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور فیض یافتہ تھے، امور قضاء پر گہری نگاہ تھی، اگرچہ باضابطہ عالم نہیں تھے مگر مولانا سجادؒ کی صحبت کی برکت سے قضاء کے کاموں میں کمال اور مہارت رکھتے تھے، اور قضاء کا کوئی مسئلہ ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں تھا۔ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے امور قضاء میں ان سے رہنمائی حاصل کی، اور ان کی خداداد صلاحیت سے فیض یاب ہوئے۔

توسیع نظام قضاء:

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے امارت شرعیہ تشریف لانے کے بعد شعبہ قضاء کو اپنی خصوصی توجہات وعنایات کا مرکز بنایا۔ امارت شرعیہ کے دورۂ وفود کے پروگراموں میں عوام وخواص کو دارالقضاء کی اہمیت وضرورت اور اس کے فوائد سے روشناس کرایا۔ غیر اسلامی عدالتوں میں مقدمات لے جانے کے نقصانات اور اس کے دینی ودنیوی مفاسد سے آگاہ فرمایا۔ اور لوگوں کی سہولت وآسانی کے لئے بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے مختلف مقامات میں دارالقضاء قائم کردیئے آپ کے چالس سالہ عہدہ امارت میں مختلف مقامات میں دارالقضاء قائم ہوئے اور باصلاحیت قضاۃ کی تقرری عمل میں آئی۔ آپ جس وقت امارت شرعیہ تشریف لائے تھے، اس وقت مرکزی دارالقضاء کے علاوہ صرف حسب ذیل

مقامات پر ذیلی دارالقضاء قائم تھے۔

۱-	مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ	۱۳۷۸ھ
۲-	مدرسہ انجمن اسلامیہ کشن گنج	۱۳۷۹ھ
۳-	جامع مسجد اورنگ آباد	۱۳۷۹ھ
۴-	جامعہ اشرفیہ نیا بھوجپور	۱۳۷۹ھ
۵-	مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ پورنیہ	۱۳۷۹ھ
۶-	مدرسہ امدادیہ لہریاسرائے دربھنگہ	۱۳۷۹ھ
۷-	ڈلامغربی چمپارن	۱۳۸۱ھ
۸	مدرسہ رشیدالعلوم چترا	۱۳۸۱ھ
۹	مدرسہ رشیدیہ کواتھ رہتاس	۱۳۸۱ھ

مگر رفتہ رفتہ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مختلف اضلاع اور سب ڈویژن میں دارالقضاء قائم ہوئے۔ اور اس کا دائرۂ اثر پورے ہندوستان میں پھیلا۔ اس وقت صرف ان تینوں ریاستوں میں چھتیس دارالقضاء قائم ہیں۔ ان ریاستوں کے علاوہ آپ کی کوششوں سے ہندوستان کی کئی اہم ریاستوں میں نظام قضاء قائم ہوا۔ جن میں آسام، کرناٹک، تمل ناڈو، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، دہلی، یوپی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے قیام دارالقضاء کے ساتھ ساتھ قضاۃ کے تربیت کی خصوصی مہم شروع فرمائی۔ اور تربیت قضاء کے نقشے اور خاکے مرتب کئے۔

تربیت قضاء:

قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ امور قضاء کے ماہر، مسائل قضاء کے بہت بڑے عالم تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین، حضرات صحابہ کرام اور ائمہ تابعین وتبع تابعین اور قضاۃ اسلام کے فیصلوں پر ان کی گہری نظر تھی، اصول قضاء اور جزئیات قضاء پر انہیں پورا عبور حاصل تھا، ان کا امتیازی میدان اور ان کی فکر وسعی کا اصل محور ومرکز ''قضاء'' تھا وہ بلاشبہ اپنے علم وفضل اور کار قضاء میں مہارت واختصاص کی وجہ سے ائمہ سلف اور قضاۃ اسلامی کے صحیح وارث اور ان کے علوم وافکار کے سچے جانشین تھے، ان کے فیصلوں میں قاضی شریح، قاضی ابویوسف اور وکیع بن الجراح کے فیصلوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر تربیت قضاء میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اور قدرت کی طرف سے کار قضاء کے لئے افراد سازی کا خصوصی ملکہ ان کو حاصل تھا جس سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور قضاء کے میدان میں علماء کی ایک بڑی جماعت کو تربیت دے کر انھیں اس نازک ذمہ داری کا اہل بنادیا۔

توسیع نظام قضاء کے لئے امارت شرعیہ کی طرف سے ۲۸ر جولائی ۱۹۸۶ء سے پندرہ روزہ تربیت قضاء کا کل ہند کیمپ لگایا گیا۔ جس کا نگراں آپ کو مقرر کیا گیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللہ عباس ندوی کی شرکت نے کیمپ کی اہمیت وافادیت میں چار چاند لگادیا۔ اس کیمپ میں ہندوستان کی کئی اہم ریاستوں آندھرا پردیش، کرناٹک، اڑیسہ، اترپردیش، جموں کشمیر اور بہار سے مشاہیر علماء کرام اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔ اور قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''یہ ایک مبارک سفر کا آغاز ہے جو پوری ملت اسلامیہ کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔''

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ:

''مظلوم کی پکار سننا اور لوگوں کو انصاف دینا بھی بہت بڑی عبادت ہے۔ درالقضاء امارت کی ریڑھ کی ہڈی ہے مسلمانوں کی تنظیم کے بعد جس کام پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے وہ دارالقضاء ہی ہے''۔

تربیتی کیمپ کے کنوینز حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے شرکاء کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمانوں پر شریعت نافذ کرنا ایک اہم فریضہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ: قضاء کی تربیت کے لئے پندرہ دنوں کی یہ مدت بہت کم ہے۔ تاہم اس کا مقصد یہ ہے کہ انھیں اپنے کام سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ اور اس کا مزاج معلوم ہو جائے، پھر آپ نے مختلف مجلسوں میں دفتری کارروائی اور سماعت کا طریقہ اور مختلف مقدمات کی سماعت کر کے شرکاء کو قضاء کی عملی تربیت دی، اس کیمپ کے اہم شرکاء میں حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مفتی محمد سمیع الدین صاحب، میدک، مولانا محمد اقبال ندوی صاحب دارالعلوم بھٹکل، مفتی عبیداللہ اسعدی، مولانا عتیق احمد بستوی وغیرہ ہیں۔

اس پندرہ روزہ تربیتی کیمپ سے پورے ملک میں قیام دارالقضاء کے لئے فضاء ہموار ہوئی اصحاب علم نے اس کی ضرورت کا احساس کیا اور مختلف مقامات میں دارالقضاء قائم ہوئے۔

وانم باڑی میں تربیت قضاء کا پروگرام:

۲۲ر نومبر ۱۹۹۴ء تا ۲۷ر نومبر ۱۹۹۴ء مجلس علماء وانم باڑی کے زیر انتظام وانم باڑی میں تربیت قضاء کیمپ رکھا گیا جس میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ اپنے رفقاء حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کے ساتھ شریک ہوئے، اور ایک ہفتہ قیام کر کے شرکاء کیمپ کو قضاء کی عملی تربیت دی۔ اور مسائل قضاء پر محاضرات دیئے۔ اس کیمپ میں تمل ناڈو، کرناٹک اور آندھرا پردیش سے بڑی تعداد میں اہل علم اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔ اور ایک ہفتہ تک حضرت علیہ الرحمہ کے علوم و معارف سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اس کیمپ کے مفید اور دوررس نتائج ظاہر ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت آسام مولانا طیب الرحمٰن کی دعوت پر آسام میں تربیت قضاء کا کیپ لگایا گیا۔ مگر حضرت علیہ الرحمہ اپنی شدید علالت کی وجہ سے اس کیمپ میں شریک نہیں ہو سکے اور آپ کی ہدایت پر حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا انظار کارکن دارالقضاء نے اس کیمپ میں شرکت کی اور شرکاء کیمپ کو عملی تربیت دی اور قضاء کے ضروری مسائل بتائے۔ اس کیمپ میں آسام کے مختلف اضلاع سے سینکڑوں علماء، ائمہ اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔ اور قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

تربیت قضاء کا ایک سالہ کورس:

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ کی جدوجہد اور مساعی جمیلہ کے ذریعہ پورے ملک میں امارت شرعیہ کے دارالقضاء کا تعارف ہوا علماء اور خواص کو قضاء کی اہمیت اور قیام دارالقضاء کی ضرورت کا احساس ہوا۔ اور مختلف مقامات میں لوگوں نے دارالقضاء کے قیام کا فیصلہ کیا، اور امارت شرعیہ کو پھر سے تربیت یافتہ قضاۃ کا مطالبہ ہونے لگا۔ پورے ملک میں صرف امارت شرعیہ ہی ایسا مرکز ہے جہاں اسی سالوں سے نظام قضاء قائم ہے، اور قضاۃ کی تربیت کا انتظام ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اس ضرورت کے پیش نظر تربیت قضاء کا ایک سالہ کورس قائم فرمایا، جس میں قضاء کی عملی تربیت کے علاوہ آداب قضاء اور اصول قضاء سے متعلق کتابوں کی تدریس کو بھی شامل نصاب کیا گیا۔ جس میں معین الحکام کی تدریس شامل ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے فارغین اور فضلا کرام نے اس کورس میں داخلہ لیا اور ایک سال یہاں رہ کر نظام قضاء کو پوری طرح سمجھا اور اس کی تربیت حاصل کی، امارت شرعیہ کی طرف سے ان حضرات کے لئے قیام و طعام کی سہولت کے علاوہ وظائف کا بھی نظم کیا گیا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے ہندوستان میں قیام دارالقضاء کیلئے بہ حیثیت کنوینر نامزدگی:

مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے گیارہویں اجلاس منعقدہ ۹/۱۰/۱۱ر اکتوبر ۱۹۹۳ء جے پور میں امارت شرعیہ کے نظام قضاء کی تحسین کرتے ہوئے پورے ملک میں شرعی عدالت (دارالقضاء) کے قیام کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ یہ تجویز پاس کی گئی کہ:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کی عائلی اور سماجی زندگی کو شریعت اسلامی پر کاربند رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی نزاعات کا تصفیہ اسلامی نظام عدل یعنی نظام قضاء کے ذریعہ طے ہو۔ اس

احساس کے تحت یہ بورڈ اپنے قیام کے دن ہی سے دارالقضاء (اسلامی عدالت) کے قیام پر زور دیتا رہا ہے — یہاں اس بات کا ذکر بھی بے محل نہیں کہ ریاست بہار واڑیسہ میں امارت شرعیہ کے تحت دارالقضاء پچھلے ستر برسوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ کام انجام دے رہا ہے — ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ ملک کے طول وعرض میں قضاء کا اسلامی نظام قائم کیا جائے۔ اس غرض کے لئے صدر بورڈ ان ریاستوں جہاں دارالقضاء قائم نہیں ہے موزوں اصحاب کا انتخاب کریں۔ جو جماعۃ المسلمین کے اصول پر نظام قضاء کو جاری کرے، یا جہاں موزوں اور درکار صلاحیت کے عالم موجود ہوں وہاں کے علماء وعمائدین کے مشورہ سے عالم کو بہ حیثیت قاضی مامور کریں۔

پھر بورڈ کی مجلس عاملہ نے حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کو پورے ملک میں قیام دارالقضاء کے لئے کنوینر مقرر کیا اور قضاۃ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی آپ نے اس کی ضرورت کے پیش نظر اس اہم اور نازک ذمہ داری کو قبول فرمایا۔ اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ قیام دارالقضاء کے لئے ملک گیر مہم کا آغاز فرمایا۔ اور وسیع پیمانے پر تربیت قضاء کا عملی نظام قائم فرمایا۔ آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں جنوبی ومشرقی دہلی، تھانہ، ممبئی، دھولیہ، اکولہ، میسور، اندور وغیرہ میں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا۔ اور تربیت یافتہ قضاۃ مقرر کئے گئے۔

المعهد العالی للتدريب في القضاء والافتاء کا قیام:

حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ "المعهد العالی للتدريب فی القضاء والافتاء" کا قیام ہے۔ جو اس وقت پورے ملک میں افتاء اور قضاء کے لئے مرکزی ادارہ ہے۔ اور ملک وبیرون ملک میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ المعهد العالی کا دو سالہ کورس ہے جس میں پچاس فضلاء مدارس اسلامیہ کا داخلہ ہوتا ہے ہر سال پچیس علماء بیک وقت مفتی اور قاضی بن کر نکلتے ہیں۔

المعهد العالی کے اغراض ومقاصد:

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے المعهد العالی کے حسب ذیل اغراض ومقاصد مقرر فرمائے:

- المعهد العالی کے قیام کا مقصد فقہ اسلامی کے قواعد وضوابط، احکام شرعیہ کی تطبیق اور قوانین اسلامی وجدید نظامہائے قانون کا تقابلی مطالعہ ہے۔
- اس کے ذریعہ شریعت اسلامی کی حفاظت وترویج کے لئے ایسے رجال کار کی تیاری مقصود ہے جو علم وعمل اور فکر ونظر میں اسلاف کے صحیح جانشیں اور وارث ہوں۔
- مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو افتاء کی ایسی نظری وعملی تدریب کہ ان میں جدید مسائل کے حل کی صلاحیت پیدا ہو اور جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی تطبیق کے اہل ہو سکیں۔
- مختلف فقہی وعلمی موضوعات پر تحقیقات کرانا۔

نصاب:

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے المعهد کا دوسالہ کورس مرتب کیا گیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اس نصاب میں افتاء اور قضاء کی عملی تربیت اور مشق کے علاوہ اصول فقہ، قواعد فقہ، اور اصول افتاء وقضاء کو فن کی حیثیت سے داخل کیا گیا ہے۔ مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ اور جدید قانون اور سرکاری عدالتوں کے نظام وقانون کے تقابلی مطالعہ پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ پہلے سال میں طلبہ کو اصول فقہ میں اصول بزدوی، تاریخ فقہ میں تاریخ التشریع الاسلامی (خضری بک) المدخل الفقهي العام للزرقاء (تاریخ فقہ) قواعد فقہ میں الاشباہ والنظائر لابن نجیم، اصول الکرخی تاسیس النظر للدبوسی، فقہ حنفی میں الدر المختار (منتخب ابواب) اصول افتاء میں ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح، شرح عقود رسم المفتی، فرائض میں سراجی ادب القضاء میں معین الحکام کا درس اور اسلامی عدالت کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ مذاہب اربعہ کے تقابلی مطالعہ کے تحت مختصر

طحاوی، الثمر البدانی، (مالکی) متن ابن الشجاع (شافعی) الروض المربع حنبلی) کا اجتماعی مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ فقہ القرآن کے تحت ۵۰ آیات احکام کا درس دیا جاتا ہے۔ فقہ الحدیث میں نصب الرایہ (منتخب ابواب) اس کے علاوہ انگریزی اور کمپیوٹر کی بھی تعلیم دی جاتی ہے جبکہ ایک سال میں کئی بار اصحاب افتاء اور دانشوروں کے محاضرات کرائے جاتے ہیں۔ ایک سوسوالات کے جوابات اور پچاس مقدمات کی سماعت اور پچاس مقدمات کے جوابات لکھوائے جاتے ہیں۔ سال دوم میں اصول فقہ میں اصول الفقہ لابی زہرہ، قواعد الفقہ میں کتاب الفروق للقرافی منتخبات قواعد الاحکام معز الدین بن عبدالسلام، منتخباب الفوائد البہیہ للعمزادی اور مقاصد الشرع کے تحت حجۃ اللہ البالغہ الموافقات للشاطبی کے منتخباب کا درس دیا جاتا ہے۔ اور نظریۃ المقاصد کا درس دیا جاتا ہے۔ مذاہب فقہیہ کے مطالعہ کے تحت الافصاح لابن ہبیرہ اور ادب قضاء میں کتاب ادب القاضی للماوردی، مبحث الشروط از فتاویٰ ہندیہ کا مطالعہ کرایا جاتا ہے جبکہ احوال شخصیہ میں امام ابوزہرہ کی ''الاحوال الشخصية'' اور دراسة القوانين الجديدة کے تحت مصادر الحق کا درس دیا جاتا ہے قضایا فقہیہ محاضرہ کے تحت مجلات مجمع الفقہ الاسلامی کا خارج میں مطالعہ کرایا جاتا ہے۔

افتاء کی عملی تربیت کے طور پر ڈیڑھ سوسوالات کے جوابات لکھائے جاتے ہیں جبکہ قضاء کی عملی تربیت کے طور پر فیصل شدہ مسئلوں کا مطالعہ اور اس کا خلاصہ تیار کرایا جاتا ہے۔ پچاس مقدمات کی سماعت اور پچاس مقدمات کے فیصلے لکھوائے جاتے ہیں۔

المعہد العالی میں ہندوستان کی مرکزی درسگاہوں کے ممتاز فارغین اور فضلا داخلہ کے لئے آتے ہیں جن کا تحریری وتقریری امتحان کے ذریعہ داخلہ لیا جاتا ہے۔ ان کو قیام وطعام اور بستر وغیرہ کی سہولت کے ساتھ ساتھ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ تا کہ وہ پوری محنت و یکسوئی کے ساتھ تربیت کی تکمیل کر سکیں۔ ان کی اعلیٰ تربیت، ذہنی وفکری اور اخلاقی تربیت اور کردار سازی پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ہر سال المعہد العالی سے ۲۵ علماء فارغ ہوتے ہیں جنھیں مختلف مقامات پر قضاء کی ذمہ داری دی جاتی ہے یا پھر درس وتدریس اور دعوتی کاموں کے لئے مامور کیا جاتا ہے۔ چند سالوں کی جدوجہد سے بڑی تعداد میں باصلاحیت اور باشعور اصحاب افتاء وقضاء تیار ہوئے، جو اس وقت ہندوستان کے مرکزی مقامات پر افتاء قضا درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اسباب فسخ وتفریق:

چودہ اسباب فسخ ہیں جن کی بنیاد پر کسی عورت کا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔ اور عورت کی اس کے شوہر سے تفریق کی جاسکتی ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں۔

۱- شوہر کا مفقود الخبر ہونا۔
۲- شوہر کا غائب غیر مفقود ہونا۔
۳- شوہر کا ادائیگی نفقہ سے عاجز ہونا۔
۴- شوہر کا استطاعت کے باوجود نفقہ نہیں دینا۔
۵- شوہر کا حقوق زوجیت ادا نہ کرنا۔
۶- شوہر کا مجبوب ہونا۔
۷- شوہر کا عنین ہونا۔
۸- شوہر کا مجنوں ہونا۔
۹- شوہر کا مجذوم، بروص یا ایسے مرض میں مبتلا ہونا جس کے باعث بغیر ضرر عورت کا ساتھ رہنا ناممکن ہو۔
۱۰- نکاح کا غیر کفو میں ہونا یا غبن فاحش کے ساتھ ہونا۔
۱۱- نابالغ کا خیار بلوغ کے حق کو اختیار کرنا۔
۱۲- عورت کا حرمت مصاہرت سے دوچار ہونا۔
۱۳- شوہر کا تکلیف دہ مار پیٹ کرنا۔
۱۴- زن وشوہر میں شقاق کا ہونا۔

مذکورہ بالاصورتوں میں سے چند صورتوں میں فسخ وتفریق کے باب میں دارالقضاء امارت شرعیہ کا دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کے مسلک پر عمل ہے۔ جس کی تفصیل اور دلائل دو جوہ نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کی بے نظیر تصنیف ''کتاب الفسخ والتفریق'' میں ملاحظہ کی جائیں۔

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا بھی اسی کے مطابق عمل تھا۔ اور آپ انھیں اسباب ووجوہ کی بنا پر میاں بیوی کے مابین تفریق کراتے تھے ان مذکورہ بالا اسباب کے علاوہ دور حاضر میں جہیز وتلک کی حتی ہوئی لعنت کے پیش نظر شوہر کی طرف سے نقدی اور جہیز وغیرہ کے مطالبہ کی بنا پر بھی آپ تفریق کے قائل تھے۔ چنانچہ ایک مقدمہ میں آپ نے اسی بنا پر عورت کے مطالبہ پر نکاح فسخ کردیا۔ اسی طرح بلیایوپی کے مقدمہ میں شوہر کا بھائی اپنی بھاوج کے بھائی کے قتل میں گرفتار کیا گیا تھا اور مدعیہ اور اس کے گھر والوں کی طرف سے دارالقضاء امارت شرعیہ میں مقدمہ دائر کیا گیا اور عورت نے عرضی دعویٰ میں مطالبہ کیا کہ اسے شوہر کے گھر والوں کی طرف سے جان کی ہلاکت کا خطرہ ہے اس لئے اس کا نکاح ، ماعلیہ سے فسخ کردیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ نے جان کی ہلاکت کے پیش نظر مدعیہ کا نکاح فسخ کردیا۔ اسی طرح لعان کے ایک مقدمہ میں آپ نے لعان کرائے بغیر تفریق کردی تھی۔

نوعیت مقدمات:

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کے پاس حسب ذیل نوعیت کے مقدمات پیش ہوتے تھے۔ جن کے فیصلے آپ کتاب وسنت، اسلامی قضاۃ کے فیصلوں اور فقہاء کی نظریات کے مطابق کرتے تھے، فسخ نکاح کی تمام نوعیت کے مقدمات جن کا ذکر اسباب فسخ کے تحت ہو چکا ہے۔ حقیقت ، وقف، شرکت، ہبہ، وصیت، وراثت (تقسیم جائداد) لیکن زیادہ تر مقدمات فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا فیصلہ نسبتاً آسان ہوتا ہے حقیقت، شرکت، ہبہ، تقسیم جائداد وغیرہ کے مقدمات کے فیصلوں کو دیکھنے کے بعد آپ کے تبحر علمی کارقضاء میں مہارت وکمال اور حذاقت وذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے مقدمات کے فیصلوں کو علیحدہ سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ عدالتوں میں ان سے ریفرنس اور مرجع کا کام لیا جاسکے۔

کارقضاء میں مہارت، ذہانت وذکاوت اور فیصلوں کے نمونے

آپ امور قضاء میں شریح ثانی تھے= مسائل قضاء پر بے پناہ عبور، وسیع نظر، کمال درجہ کی مہارت اور خداداد ذہانت وذکاوت کے مالک تھے۔ آپ کے سینکڑوں فیصلے ایسے ہیں جن سے کارقضاء میں آپ کی مہارت، غیر معمولی قوت حافظہ اور ذہانت وذکاوت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہت سے ایسے مقدمات جو سالہا سال عدالتوں میں زیر التوا رہے۔ پھر آپ کے پاس وہ مقدمات پیش کئے گئے اور آپ نے چند ماہ کے اندر ان کے فیصلے کردیئے۔ چھتر پر ضلع کوڈرما میں ایک مقدمہ چالس سالوں تک عدالت میں چلتا رہا مگر اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ فریقین تھک ہار کر آپ کے پاس آئے اور پھر آپ نے اس مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، اسی طرح جناب کفایت اللہ چمپارنی کا ایک مقدمہ حقیقت سے متعلق ہائی کورٹ سے ریفر ہوکر آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا۔ اسی طرح حاجی اسرائیل صاحب و برادران دھنباد، وارثان علی حسین کی شرکت اور جناب محمود عالم صاحب کے ہبہ کے مقدمات کے فیصلے فرمائے جو نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں، ان فیصلوں سے کارقضاء میں آپ کی مہارت اور ذہانت وذکاوت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بطور نمونہ آپ کے چند فیصلوں کے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔

مقدمہ ۲/۲۶۸۶-۱۳۸۶ھ میں حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے جو فیصلہ فرمایا اس سے آپ کی فقہی بصیرت قضاء میں مہارت اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت قاضی

صاحب نے فیصلہ میں لکھا ہے مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ سے ہوا۔ اور مدعیہ کی اپنی سسرال آمد ورفت ہوتی رہی برادر مدعا علیہ کلکتہ رہتے تھے مدعیہ کے والد اور بھائی کاروبار کے سلسلہ میں کلکتہ میں مقیم تھے ۲۵/ اپریل ۶۴ء کو پدر مدعیہ اپنے وطن بلیا میں تھے اچانک برادر مدعیہ انتہائی دردناک طریقہ پر قتل کردیئے گئے پولس نے جاسوس کتوں کی رہنمائی پر برادر مدعا علیہ مسمی امان اللہ کو گرفتار کرلیا۔ اس طرح ڈیرھ سال تک عدالت میں مقدمہ چلتا رہا اور ہائی کورٹ سیشن سپرد ہوا جہاں سے مسمی امان اللہ برادر مدعا علیہ کو رہائی ملی۔ حادثہ قتل کی اطلاع جیسے بلیا پہونچی مادر مدعیہ نے حشمت نامی ایک عورت کو بھیج کر مدعیہ کی رخصتی کرالی۔ مدعا علیہ کے لوگوں نے بہ رضا ورغبت مدعیہ کو رخصت کردیا۔ مدعیہ جب میکہ پہنچی تو اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسمی امان اللہ برادر مدعا علیہ مقدمہ قتل میں ماخوذ ہے۔

فطری طور پر مدعیہ کے دل میں مدعا علیہ کی طرف سے توحش ہوا۔ دوسری طرف مدعا علیہ نے اپنے بھائی امان اللہ کی گرفتاری کا دوسرا اثر لیا اور اس نے مدعیہ یا اس کے لوگوں کے ساتھ ہمدردی یا تسکین خاطر کا کوئی سامان نہیں کیا۔ اس طرح یہ دوری مزید بڑھی، پھر یہ کہ فوری طور پر نہ سہی زخم کے کچھ مندمل ہوجانے کے بعد ہی مدعا علیہ اصلاح حال کی طرف کچھ دھیان دیتے ایسا نہیں ہوا، حالانکہ قطع نظر اس بحث کے کہ برادر مدعا علیہ قتل میں واقعۃً شریک تھے یا نہیں بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ پولس کا ان کو اس الزام میں ماخوذ کرنا پدر مدعا علیہ کے علم واطلاع کے بغیر ہوا، مدعیہ جوان کی شرعی بیوی تھی، اور ان لوگوں کی اجازت سے ایک دردناک حادثہ کی خبر سن کر اپنے میکہ آئی تھی، وہ شرعاً اور اخلاقاً اس کی بہت زیادہ مستحق تھی کہ اس کے ساتھ اچھا سے اچھا برتاؤ کیا جاتا نہ یہ کہ اس کے ساتھ ہر طرح ترک تعلق اختیار کرکے اس کی زندگی کو جہنم بنادیا جائے، کہا جاسکتا ہے مدعا علیہ کو اپنے بھائی کی بے قصور گرفتاری کا فکر تھا، لیکن ظاہر ہے کہ امان اللہ کی گرفتاری اور برادر مدعیہ کے قتل جیسے دردناک واقعہ کو ایک حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، احکام فقہ اسلامی کی رو سے عورت جو ناشزہ نہ ہو استحقاق نفقہ کا رکھتی ہے۔ دلائل شرعی کی روشنی میں معمول دار القضاء امارت شرعیہ یہ ہے کہ عدم انفاق موجب فسخ نکاح ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالی نے شوہر کو "امساک بالمعروف" کا حکم دیا ہے، اگر وہ کسی بھی ناگزیر واقعہ کی وجہ سے اچھی طرح اپنی بیوی کے ساتھ نباہ نہ کرسکے تو اس کے لئے "تسریح باحسان" ضروری ہے۔

معاملہ زیر بحث میں مدعا علیہ نے شریعت کی ان دو مقرر کردہ راہوں میں سے کسی ایک راہ کو اختیار نہ کرکے مدعیہ کو معلق بنا کر رکھ دیا ہے، حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "**ولا تذروھا کالمعلقة**" عام طور پر یہ تصور کہ مرد اگر چاہے تو عورت کو طلاق دیدے اور نہیں چاہے زندگی بھر اسے معلق رکھ کر پریشان کرے۔ یہ خیال کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں درست نہیں ہے، بلکہ فقہ اسلامی نے اگر مرد کو طلاق کا حق تفویض کیا ہے تو ناگزیر حالات میں عورتوں کی نجات کے لئے قاضی کو حق تفریق دیا ہے، اور یہی اصول ہے جس کی روشنی میں حکمت اور انصاف کے ساتھ فریقین کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔

یہ فیصلہ حضرت قاضی صاحبؒ کے ابتدائی زمانہ کا ہے، مگر فیصلہ سے پختگی اور کار قضاء میں مہارت صاف واضح ہے۔

شرکت سے متعلق مقدمہ ۸۷۲/۳۳۵-۱۳۹۶ھ

یہ مقدمہ مشترک کاروبار سے متعلق بڑا الجھا ہوا اور پیچیدہ تھا، جس کا فیصلہ حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے کیا —— اس مقدمہ کی نوعیت کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

مسل دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ بڑے بھائی نے ڈھائی سو روپے پونجی سے کاروبار کا آغاز کیا اور اپنے دو چھوٹے بھائی کو بحیثیت سرپرست ساتھ رکھا، اس طرح یہ کاروبار تینوں بھائیوں کی محنت اور اتفاق سے ترقی کرتا رہا۔ لیکن ان کے درمیان کوئی باضابطہ معاہدہ نامہ شرکت کا نہیں ہوا مگر عملاً تینوں شریک

تھے۔ اور تینوں کبھی مفادات میں بھی مشترک تھے، اس لئے یہ صورت عقد شرکت ہی کی تھی اور عرفاً بیدار ہوگئی۔ اس لئے کہ شرکت کبھی اختیاری بھی ہوتی ہے اور کبھی اضطراری، یہاں من وجہ اختیاری ہی ہے کہ تینوں اپنے اختیار سے کام شروع کیا اگر چہ باضابطہ شرکت کی کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ اس حیثیت سے جو کچھ تینوں کی مشترک محنت سے پیدا ہوا اس میں شرکت تینوں کی ہوگئی۔ اور مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

اب رہا یہ سوال کہ عقد شرکت کن حالات میں ختم ہو جاتی ہے تو یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مدعی ۲ نے یہ کہہ کر کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کروں گا، علیحدہ ہو گیا۔ ایسی صورت میں شرکاء میں سے کوئی ایک یہ کہدے کہ میں تمہارے ساتھ کام نہیں کروں گا، عقد شرکت فسخ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ شرکت ان عقود میں سے ہے جسے متاقدین میں سے کوئی بھی توڑ سکتا ہے۔ (دیکھئے درمختار ج:۳ص:۴۸۵ کتاب الشرکۃ)

پس مدعی ۲ کا یہ کہہ کر علیحدہ ہو جانا کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کروں گا، اس کاروباری شرکت کو ختم کرنے کے مرادف ہوا جو شروع سے چلی آرہی تھی..... اب اس مشترک پونجی کو جو علیحدگی کے دن موجود تھی فروخ کر کے اگر باقی شرکاء نے نفع کمایا تو اس نفع میں علیحدہ ہو جانے والا شریک حصہ دار ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں صاحب بحر نے جو صورت لکھی ہے وہ مقدمہ ہذا پر پوری طرح منطبق ہو جاتی ہے۔

وصورته اشتركا واشتريا امتعة ثم قال احدهما لا اعمل معك بالشركة وغاب فباع الحاضر الامتعة فالحاصل للبائع وعليه قيمة المتاع لأن قوله لا اعمل معك فسخ للشركة معه'' (البحر ج:۵ص:۱۹۹)

یعنی ایک شریک کے یہ کہدینے کے بعد کہ میں تمہارے ساتھ شرکت میں کام کروں گا، اگر دوسرا شریک اس پونجی کو فروخت کر کے نفع حاصل کرے تو وہ منافع دوسرے شریک کا ہوگا البتہ علیحدہ ہونے والا شریک اپنے حصہ کی اصل پونجی کا حقدار رہے گا، جو دوسرے شریک کے ذمہ عائد ہوگی۔ (ترکہ:۱۲)

اسی طرح مقدمہ ۱۸/۱۱/۹۴۳۱۱ھ (کٹیہار) میں آپ نے شرعی پنچایت کے فیصلہ کو شرعاً غیر معتبر قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے اس مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

مقدمہ ہذا میں مدعی محمد شفیق نے اپنے بیٹے کی بہو کی رخصتی کا مطالبہ کیا ہے اور مدعا علیہ عبدالحکیم کو قرار دیا ہے جو مدعی کی بہو کا باپ ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ مقدمہ لڑکی نے اسلام پور ضلع پورنیہ کی شرعی پنچایت میں دائر کیا جس نے فسخ کا فیصلہ کر دیا، جہاں نظام قضاء قائم ہو وہاں شرعی پنچایت کا قیام بے معنی ہے اور خود تحکیم کا اصول یہ ہے کہ حکم کو فریقین کا تسلیم کردہ ہونا چاہیے۔ مداخلہ فیصلہ مظہر ہے کہ ان کی تحکیم کو مدعا علیہ نے تسلیم نہیں کیا، ایسی صورت میں ان کا فیصلہ شرعاً قابل اعتبار نہیں اور بی بی مجسینہ دختر عبدالحکیم، محمد طاہر پسر محمد شفیق کی زوجہ ہے، اس کا نکاح دوسرے مرد سے جائز درست نہیں ہوگا۔ رہا یہ مسئلہ کہ بی بی مجسینہ کو رخصت ہونے کا حکم دیا جائے تو اس مقدمہ میں نقص یہ ہے کہ دعوی زوج کے والد نے کیا ہے، جبکہ زوج محمد طاہر خود عاقل و بالغ ہے، اور اصطلاح فقہ میں مدعی کی تعریف ''المدعی من اذا ترک ترک'' کی گئی ہے یعنی مدعی وہی شخص ہوسکتا ہے جو اگر دعوی سے باز آجائے تو دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ پدر زوج کے ترک دعویٰ سے دعویٰ ختم نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ حق زوج کا ہے پدر زوج کا نہیں، اس لئے پدر زوج اس مقدمہ میں مدعی نہیں ہوسکا۔ اسی طرح پدر زوجہ مدعا علیہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ رخصت ہو کر جانے اور فرائض وحقوق زوجیت کی ادائیگی زوجہ کی ذمہ داری ہے، پدر زوجہ کی نہیں۔ لہٰذا یہ مقدمہ اس لائق نہیں کہ اس میں کوئی حکم دیا جا سکے۔ اسے خارج کرتا ہوں۔

یہ نہایت ہی اہم اور بے نظیر فیصلہ ہے، بہار، اڑیسہ

وجھارکھنڈ میں اسی سالوں سے امارت شرعیہ کے تحت قضاء کا مستحکم نظام قائم ہے اور اسے ہر طبقہ کے باشعور علماء اور اصحاب افتاء کا اعتماد حاصل ہے، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا یہ فیصلہ کہ جہاں دارالقضاء قائم ہو وہاں شرعی پنچایت کا قیام بے معنی ہے، کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات سے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ اصلاً قضاۃ کی تقرری کا حق حضرت امیر شریعت کو حاصل ہے۔

علمی نقوش:

حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ چالیس سال تک امارت شرعیہ میں قاضی کے منصب پر فائز رہے، جس میں چھتیس سال کا وہ عرصہ ہے جس میں زیادہ تر آپ کا قیام مرکزی دفتر میں رہا، آپ نے مقدمات کا فیصلوں، قضاۃ کے کاموں کی نگرانی، تربیت قضاۃ کے نام پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ مقاصد امارت شرعیہ کی نشر واشاعت کی خاطر ریاست، ملک اور بیرون کے اسفار کئے، اخیر کے چار سال علالت اور بیماری کی وجہ سے آپ کا قیام زیادہ تر دہلی میں بغرض علاج رہا، اس دوران بھی جبکہ آپ مہلک مرض میں مبتلا تھے، اطباء حضرات آپ کو برابر آرام کا مشورہ دیتے رہے، مگر آپ نے علمی انہماک اور تشنہ کاموں کی تکمیل میں اپنے کو مشغول رکھا اور اس دوران بہت سی علمی اور تحقیقی کتابیں آپ کے قلم سے منظر عام پر آئیں، آپ نے ہزاروں مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہم اور قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں جو اس عہد کے قضاۃ کے لئے تراث علمی اور مشعل راہ ہیں۔

رہنمائے دارالقضاء پر نظر ثانی:

حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے ایماء پر آپ نے رسالہ رہنمائے دارالقضاء پر نظر ثانی فرمائی اور بہت سے اہم عنوانات ومضامین کا اضافہ کر کے رسالہ کو جامع اور مفید تر بنا دیا۔

ترمیم شدہ رسالہ کے عنوانات درج ذیل ہیں:

(۱) درخواست دائر کرنے کا طریقہ۔

(۲) مدعا علیہ کے یاد رکھنے کی باتیں۔

(۳) میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کی درخواستیں۔

(۴) علیحدگی کی تین شرعی صورتیں۔

(الف) خلع اور اس ضروری تشریح۔

(ب) تفریق اور اس کی تفصیل۔

(ج) طلاق۔

۲-قضاء اور اس کی شرعی بنیاد

یہ مختصر رسالہ ہے جو قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہمیت وافادیت کا حامل ہے، سادہ اور عام فہم اسلوب میں قرآن وسنت اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں قضاء کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر اکابر ہند کے رجحان پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے فتویٰ کے بعد ہر دور میں اکابر ہند نے ہندوستان میں قیام دارالقضاء کو ضروری قرار دیا ہے، اپنے موضوع پر رسالہ جامع اور مفید ہے۔ ۱۹۷۴ء میں دارالاشاعت امارت شرعیہ کی طرف سے اشاعت ہوئی۔

۳-کتاب الفسخ والتفریق پر نظر ثانی اور ترتیب وتحقیق:

نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ بانی امارت شرعیہ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ تھے، انھوں نے فکر امارت اور نظام امارت وقضاء کو کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں مدلل اور منضبط کیا، کتاب الفسخ والتفریق مسائل قضاء اور اسباب فسخ وتفریق اور اس بارے میں امارت شرعیہ کے دارالقضاء کے طریقۂ کار کی دلنشیں تشریح ہے۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی بیماری کے زمانہ میں اس کتاب پر ضروری حواشی لگائے، عربی عبارات کا ترجمہ کرایا اور قیمتی مقدمہ لکھ کر اپنی نگرانی میں اس کی جدید طباعت کرائی اور ترتیب وتحقیق کی خدمت انجام دی، جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔

۴-اسلامی عدالت:

یہ کتاب اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ ہے اور آداب

قضاء سے متعلق اردو زبان میں پہلی کتاب ہے، یہ کتاب حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کے چھتیس سالہ قضاء کے تجربات ارومطالعہ کا نچوڑ ہےاوراجتہادی شان کی حامل ہے۔

قضاء کیا ہے؟ قاضی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟اور اسلامی عدالت میں کیا طریقہ کار ہونا چاہئے؟اس موضوع پر اسلام عدالت اردو زبان میں دفعات پر مشتمل فقہ اسلامی اور قضاء اسلامی کی پہلی کتاب ہے، جونہایت ہی جامع اور مستند ہے، اس کتاب کی ترتیب میں تمام ائمہ فقہ کی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے، اور تمام ہی مذاہب فقہ کی اصل کتابوں اور ماخذوں سے حوالے دیئے گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مصنفؒ کے قلم سے نہایت ہی قیمتی مقدمہ ہے جو ۱۳۴ر صفحات پر مشتمل ہے، جس میں حسب ذیل عنوانات پر مصنف نے تفصیل سے محققانہ کلام کیا ہے۔

فقہ کا تعارف، علم ادب القاضی اوراس کی تاریخ، قضاء کی تاریخ اور چند مشہور قضاۃ کا تعارف امارت شرعیہ اور نظام قضاء، اور اجتہاد، مصادر شرع اسلامی، استحسان، استصلاح، استصحاب، قول صحابہ، سدذرائع، کتاب کا تعارف —— مقدمہ کے بعد ابتدائیہ ہے، جس میں مصنف علیہ الرحمہ نے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے ان خطوط کو واضح نقل کئے ہیں جن میں حسب ذیل خطوط شامل ہیں۔

۱- کتاب سیاسۃ القضاء- مکتب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ بنام سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ

۲- مکتوب سیدنا عمر فاروق بنام سیدنا معاویہؓ

۳- ہدایات سیدنا عمر فاروقؓ بنام قاضی شریحؒ

یہ کتاب ۴۰ ۷ر دفعات پر مشتمل ہے، جس میں قاضی کی ضرورت واہمیت، قضاء کی حقیقت، ولایت قضاء سے متعلق چند ضروری مسائل، تفویض، قضاء کا اختیار، قاضی کے لئے ضروری صفات قاضی کا دائرہ عمل، تفویض قضاء کی صورت، عزل قاضی کی بحث، حلقہ قاضی، قاضی کے فرائض اوراس کے اختیارات، قاضی سے متعلق آداب، قاضی کی ذات سے متعلق آداب، فریقین کے ساتھ برتاؤ کے آداب، گواہوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب، نیابت قضاء کی بحث، ثالثی کے متعلق قوانین اوراس جیسے دیگر اہم مسائل قضاء پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب پہلی بار عمدہ کتابت اور روشن طباعت اور اعلیٰ گیٹ اپ کے ساتھ قاضی پبلیشرنئی دہلی سے شائع ہوئی۔ اہل علم وشائقین حضرات نے اسے شوق کے ہاتھوں لیا، پھر اس کا دوسرا شاندار تصحیح شدہ ایڈیشن ادارۃ العلوم الاسلامیہ کراچی سے شائع ہوا۔ راقم الحروف نے حضرت علیہ الرحمہ کی ہدایت پر اس کی تصحیح کا کام انجام دیا، جس کے اخیر میں دارالقضاء امارت شرعیہ کی عدالتی کارروائی کے جملہ فارم شامل ہیں۔

اس کا عربی ترجمہ مولانا نورالحق رحمانی صاحب استاذ المعہد العالی نے کیا جس کا نام ''نظام القضاء الاسلامی'' ہے، جسے المعہد العالی پھلواری شریف نے شائع کیا، اس کا دوسرا ایڈیشن جناب امین عثمانی کی کوششوں سے بیروت سے شائع ہوا۔

یہ اسلامی عدالت کی پہلی جلد ہے، دوسری جلد کی ترتیب کا کام آپ نے شروع کردیا تھا اور شہادت کا حصہ لکھ بھی چکے تھے مگر اپنی شدید علالت کی وجہ سے اس کی تکمیل نہیں کرسکے جس کا اہل علم کو شدت سے انتظار تھا۔

فیصلوں کی تعداد:

حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی علیہ الرحمہ چالیس سالوں تک قاضی کے منصب جلیل پر فائز رہے چھتیس سالوں تک مقدمات کے فیصلے فرماتے رہے، اخیر کے چار سال شدید علالت کی وجہ سے بغرض علاج دہلی میں قیام رہا، مگر جب پھلواری شریف آتے اہم مقدمات کے فیصلے فرماتے اور بعض مقدمات میں رہنمائی اور بعض مسئلوں کو دہلی منگوا کران کے فیصلے قلمبند کروائے، چھتیس سالہ عہد قضاء میں آپ کے قلم سے تقریباً بارہ ہزار چار سو ستر (۱۲۴۷۰) مقدمات کے فیصلے ہوئے، جن میں ہرنوعیت کے مقدمات شامل ہیں۔

☆☆☆

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ اور آپ کے فتاوے

مولانا مفتی جنید احمد ندوی قاسمی
مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

ذہانت وفطانت میں ممتاز، سیاسی شعور، اجتماعی بیدار مغزی، امت کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار، علم وتقوی میں فائق، رشد وہدایت کے پیکر، کتاب اللہ، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ پر گہری نظر، شریعت کے مزاج سے پورے طور سے واقف، غیر معمولی تدبر وتدبیر، افراد سازی اور معاشرہ میں شرعی احکام کی تنفیذ میں ید طولی رکھنے والا، للّٰہیت کے ساتھ عشق خداوندی، فراست ایمانی، امت مسلمہ کی فکر وغم اور درد والم میں ڈوبا ہوا شخص، آسمان فقہ وفتاوی کا روشن ستارہ، فقہی ذخائر کے سمندر میں غوطہ لگا کر انمول موتی چننے والا، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ ونائب امیر شریعت، مسلم پرسنل لا بورڈ، المعہد المعالی، دارالعلوم الاسلامیہ زیر نگرانی امارت شرعیہ اور جامعہ اسلامیہ قرآنیہ مغربی چمپارن کے صدر، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ملی کونسل کے بانی وجنرل سکریٹری اور بے شمار دینی درسگاہوں اور قومی وملی تنظیموں کے سربراہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ مورخہ ۲۰ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب بوقت ۷ر بجے رات بمقام اپولو ہسپتال نئی دہلی اپنی جان جاں آفریں کو سپرد کردی اور پوری امت مسلمہ کو یتیم چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ بے پناہ صلاحیتوں اور بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، ایسا شخص جو ہر طبقہ، ہر جماعت پر یکساں اثر انداز ہو اور ہر میدان اور ہر مجمع پر چھا جائے اور حاضرین کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے معیار کے مطابق بات کرکے اپنی بات حاضرین کو سمجھا دے، ایسی شخصیت میری آنکھو نے نہیں دیکھی، اور سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں میں نمایاں خوبی صلاحیت تفقہ کی تھی، جدید مسائل کو کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں مستنبط کرنے کی غیر معمولی صلاحیت اللہ تعالی نے عطا فرمائی تھی، آپ نے اس صلاحیت کا صحیح استعمال کیا، بے شمار جدید مسائل حل کرکے امت کی ضرورتیں پوری فرمائیں اور اس میدان میں بہت سے رجال کار بھی تیار کئے، اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کرکے اس کے ذریعہ درجنوں فقہی سیمینار منعقد فرمایا اور علماء ومفتیان کرام خاص طور سے نوجوان فضلاء کو فقہی موضوعات پر لکھنے اور حالات کے پیش نظر پیدا ہونے والے مسائل کو کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں حل کرنے کی سوجھ بوجھ عطا فرمائی۔

آپ کا ذہنی خاکہ فقہی سانچے میں مکمل طور پر ڈھل چکا تھا، اہم سے اہم مسئلہ سامنے آتا جس کو ہم آگ ڈھونڈنے کے

لئے ،جس طرح عمل ہورہا ہے ہونے دیا جائے اوراس مسئلہ کو باہمی اختلاف وانتشاراورشقاق ونفاق کاذریعہ نہ بنایا جائے۔

۲- بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں فقہاء متاخرین نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر عرف وعادت کو سامنے رکھتے ہوئے روایت غیر مشہورہ پر فتوی دیا ہے۔ حضرت قاضی علیہ الرحمہ نے بھی بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اصول افتاء کو سامنے رکھتے ہوئے روایت غیر مشہورہ پر فتویٰ دیا اور پورے وثوق ، طمانیت قلب کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار فرمایا، مثلاً سید کوزکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حنفیہ کا مفتی بہ اور راجح قول یہی ہے کہ سید کوزکوۃ دینا جائز نہیں، اس کے بلا خلاف امام ابوحنیفہؒ سے ابوعصمہؒ کی روایت یہ ہے کہ: سادات کوزکوۃ دینا جائز ہے، اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے، علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے تھی، حضرت قاضی صاحبؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بہرحال قول امام مختلف ہے، امام طحاویؒ اور بعض دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اختلاف دلیل وبراہین کا نہیں، بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ کا ہے، اس لئے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے اس روایت غیر مشہورہ پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، موجودہ حالات یہی ہیں کہ خمس الخمس سادات کو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عطایا اور ہدایا کے ذریعہ سادات کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، لہٰذا میں پوری طمانیت قلب کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ضرورت مند سادات کوزکوۃ شرعاً دی جاسکتی ہے''۔

۳- حضرت علیہ الرحمہ فتوی دینے میں بہت ہی محتاط تھے اوراسلاف کی رائے سے بالکلیہ الگ ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اگر کسی مسئلہ میں کسی مفتی سے رائے کا اختلاف ہوتا تو سب سے پہلے یہ معلوم کرتے کہ ہمارے اسلاف نے اس مسئلہ میں کیا فتوی دیا ہے، میری رائے اسلاف کی رائے سے بالکل مخالف ہے یا اسلاف کی رائے کے ساتھ ہے، جیسا کہ آپ کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ، نیچے مصالح مسجد کے لئے دوکان وتہہ خانہ بنانا یا امام ومؤذن کے لئے کمرہ بنانا اور اوپر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی مسجد مسجد شرعی ہوگی یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ:

''مسجد کی تعمیر اور بناتے وقت اگر بانیان مسجد نے یہ طے کرلیا کہ منصوبہ کے مطابق نیچے کی منزل ضروریات مسجد بیت الخلاء، وضو خانہ، امام ومؤذن کی رہائش گاہ یا مسجد کے انتظامی اخراجات کے لئے دوکانیں جوذریعہ آمدنی ہوں، بنائی جائیں گے اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی، تو ایسا کرنا جائز ہوگا''۔

اسی سوال کا جواب مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند نے دیا جس میں نیچے مصالح مسجد کے لئے دوکان بناکر کرایہ پر دینے کو جائز قرار نہیں دیا۔

مستفتی نے دونوں جواب حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا اور تفصیلی جواب کا طالب ہوا۔ اور دونوں جواب کے تعارض سے جو پیچیدگی پیدا ہوئی اس کو دور کرنے کی درخواست کی۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے اس کا جواب مدلل ومفصل لکھا، سب سے پہلے اکابر علماء اور اصحاب افتاء کے فتاوے نقل کئے جن میں ابتداً نیچے دوکان وغیرہ اور اوپر مسجد بنانے کو جائز قرار دیا ہے، ان کے فتاوے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''جملہ حضرات اصحاب افتاء کی ان آراء کے اظہار کا مقصد صرف اتنا ہے کہ یہ حقیر اپنی رائے میں منفرد نہیں ہے بلکہ اکابر علماء واصحاب افتاء حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ جیسے بزرگوں کا متبع ہے''۔

۴- آپ نے ضرورت کے مطابق کسی خاص مسئلے میں راجح اور مفتی بہ قول سے عدول کر کے روایت غیر مشہورہ کو ضرور اختیار کیا، لیکن اپنے فتوی میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ غیر مجتہد فیہ مسائل میں عدول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح کے سوالا کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:

''وہ مسائل جو غیر مجتہد فیہ ہیں ان میں عدول کی کوئی گنجائش نہیں، مسائل مجتہد فیہ میں اگر علماء نے کسی خاص مصلحت شرعی یا ازالہ مفاسد کی وجہ سے ایک مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف عدول کی اجازت دی ہو تو دوسرے مسلک کی طرف عدول درست ہوگا، بشرطیکہ تلفیق کی صورت فاسدہ نہ پیدا ہو''۔

۵- حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ اپنی رائے کے خلاف دوسروں کی بات کو بغور سنتے اور دوسروں کی رائے پر سنجیدگی سے غور کرتے، اگر کوئی شخص آپ کی رائے کے خلاف اپنی رائے رکھتا اور براہ راست آپ سے استفسار کرتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب تحریر فرماتے۔ چنانچہ طلاق سکران کے عدم وقوع کے سلسلے میں حضرت قاضی صاحب اور ۲۴ مفتیان کرام کی رائے ترجمان دیوبند میں چھپی تو جناب مفتی عین الحق قاسمی صاحب بستوی کا خط حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں آیا جس میں انھوں نے لکھا کہ راقم اب تک تو یہی پڑھتا اور دیکھتا سنتا اور سناتا آرہا ہے کہ ''نشہ آور کی طلاق کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں اس پر قدماء ومتاخرین علماء امت کا اجماع ہے، لیکن حضرت والا اور ۲۴ مفتیان کرام کی رائے دیکھ پڑھ کر کہ طلاق واقع نہیں ہوگی خرق اجماع کا ارتکاب کرنا لازم آرہا ہے، جس کی وجہ سے راقم کو سخت تشویش ہے''۔

''آپ کا خط پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے براہ راست مجھ سے پوچھ لیا، محض کہنے، سننے پر رائے قائم نہیں کی۔ آپ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ ''طلاق سکران'' کا وقوع اجماعی قول ہے، اس کے خلاف کوئی رائے دینا خرق اجماع ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ ''مجمع علیہ ہے یا مجتہد فیہ''؟ اگر تمام فقہاء کے قول کا احصار کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ''مسئلہ وقوع طلاق سکران کے مجتہد فیہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خود ائمہ احناف میں امام طحاوی، امام کرخی اور ابن سلمہ جیسے جلیل القدر اصحاب کا قول بھی یہی ہے کہ ''سکران کی طلاق واقع نہ ہوگی'' دیگر ائمہ کے یہاں بھی اس طرح کے اقوال ملتے ہیں، لہٰذا مسئلہ کے اجماعی ہونے کا دعوی اور عدم وقوع طلاق سکران کے قول کو خرق اجماع قرار دینا خطاء فاحش اور قصور ومطالعہ کی دلیل ہے''۔

۶- اگر مستفتی کم علمی کی بنیاد پر مقصد سوال واضح نہیں کر پاتا تو ایسی صورت میں قاضی صاحب علیہ الرحمہ پورے سوال کو بغور پڑھ کر مقصد سوال متعین فرماتے اور اپنے جواب میں اس کی وضاحت کر کے یہ فرماتے کہ: اگر مستفتی کا مقصد وہی ہے جو میں نے سمجھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ آپ کے سامنے مضاربت کا ایک سوال آیا، مقصد سوال مستفتی کے سوال سے پورے طور پر واضح نہیں تھا، اس سوال کا جواب آپ نے یوں تحریر فرمایا: آپ کے سوال کی عبارت سے ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ:

ڈیٹا بیس کمپیوٹر سسٹمس نامی فرم قائم کرتے وقت آپ کے اور عبدالاحد صاحب کے درمیان یہ طے پایا کہ اس فرم کے لئے کمپیوٹرس اور اسٹیشنری پر تئیس ہزار سات سو روپئے خرچ ہوں گے جو آپ کو دینا ہوگا اور اس فرم کو چلانے کا کام عبدالاحد صاحب کریں گے۔ بنیادی سرمایہ 23700 روپئے آپ نے دیئے جس سے کمپیوٹر وغیرہ دیگر ضروری سامان خریدے گئے اور عبدالاحد صاحب نے اس کو چلایا، اس کے نتیجہ میں ستائیس ہزار روپئے کی آمدنی ہوئی۔ یہ فرم قائم کرتے وقت یہ معاہدہ ہوا تھا کہ منافع آدھا آدھا ہوگا، اگر کوئی نقصان ہوا تو وہ آپ کو برداشت کرنا پڑے گا، اگر معاملہ کی یہی صورت ہے جو ہم نے سمجھی ہے تو یہ مضاربت ہے،

آپ ''رب المال'' ہیں، عبدالاحد صاحب ''مضارب'' ہیں 23700 کا سرمایہ نقد مال مضاربت ہے اور 27000 روپے منافع ہوا۔

اصول مضاربت کے مطابق مضارب شروع میں امین ہوتا ہے اور بعد کو شریک ہوتا ہے اب جبکہ یہ معاہدہ ختم ہوتا ہے تو کمپیوٹر اور فرم کے دیگر سامانوں کی قیمت لگائی جائے اور اس کو 27000 منافع کے ساتھ جوڑ دیا جائے، اس میں سے 23700 روپے اصل پونجی آپ کو بحیثیت رب المال واپس کیا جائے باقی جو بچ جائے وہ منافع قرار پائے گا، اس میں دونوں آدھے آدھے حصہ دار قرار پائیں گے۔

۷- حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے فتویٰ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر مسئلہ جائز، ناجائز کا ہوتا تو صرف اتنی بات پر اکتفا نہیں فرماتے کہ یہ عمل ناجائز اور ممنوع ہے بلکہ کچھ اس طرح کے ترغیبی جملے بھی تحریر فرماتے جن کی وجہ سے مستفتی کے لئے عمل ممنوع سے باز رہنے اور رک جانے میں کافی سہولت ہوتی اور فتویٰ کے مطابق عمل کرنا آسان ہوتا، اور یہی درحقیقت قرآنی اصول بھی ہے ـــــ چنانچہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ حمل میں جان پڑنے کے بعد اس کا اسقاط جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے اس سوال کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

''ان حالات میں ہماری رائے میں اسقاط حمل سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے اور کسی نئی جانچ کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اس کے مکلف نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سارے اندازوں کو غلط کردیں اور اگر خدانخواستہ بچہ مریض ہی پیدا ہوتا ہے تو اس کی تیمارداری کا اجر والدین کو ملے گا اور اگر موت ہوگئی تو یہ بچہ والدین کے لئے اجر، ذخیرۂ آخرت اور شفاعت کرنے والا ثابت ہوگا، جو دعاء ہم بچہ کے جنازہ پر پڑھتے ہیں، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ ''اے اللہ اس بچہ کو ہمارے لئے اجر بنا و ذخیرہ بنا و اس کو ہمارے لئے شفاعت کرنے والا اور اس کی سفارش کو میرے حق میں قبول فرما''۔

۸- آپ کے فتویٰ کی زبان سلیس، واضح اور دو ٹوک ہوا کرتی تھی، حتیٰ کہ اختلافی مسائل میں بھی ایسا واضح اور دو ٹوک جواب تحریر فرماتے تھے کہ عمل میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب آپ سے دوسری جگہ عیدگاہ بنانے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب یوں تحریر فرمایا کہ:

''آپ لوگ ہرگز دوسری جگہ عیدگاہ نہ بنائیں، جہاں پہلے نماز ہورہی تھی وہیں نماز ادا کریں، نفسانیت کی بنیاد پر امت میں افتراق پیدا کرنا بڑا گناہ ہے، جیسے پورب محلّہ کے امام صاحب نماز پڑھتے تھے ویسے ہی پڑھاتے رہیں، آپ سب مل کر اسلامی اتحاد اور مسلمانوں کی شوکت کا مظاہرہ کریں، پیسے جس کو جو مناسب ہو دیں، لیکن امام صاحب کو بھی اس کے لئے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے''۔

۹- آپ نے فتویٰ میں ایسی راہ اختیار کی کہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ متفق علیہ بن جائے اور امت اختلاف وانتشار سے محفوظ ہوجائے اور حکم شرعی پر عمل کرنے میں کسی طرح کا شبہ باقی نہ رہے، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے، لیکن اگر چھوٹی بستی بڑی بستی میں تبدیل ہوجائے یا امیر شریعت یا قاضی شریعت کا حکم ہوجائے تو جمعہ کی نماز درست ہے، اس لئے کہ چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز کی صحت کے سلسلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے اور مختلف فقہیہ مسائل میں قضائے قاضی رافع اختلاف ہے۔ جب آپ سے ضلع سیتامڑھی کی بستی گرہول شریف میں نماز جمعہ کے قیام کے سلسلے میں سوال کیا گیا تو آپ نے یوں جواب تحریر فرمایا کہ:

''گرہول زمانہ قدیم میں ایک چھوٹا گاؤں تھا اور خالص دیہات، چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے بھی لوگوں کو باہر جانا پڑتا

تھا، اب صورت حال مختلف ہے، پانچ ہزار آبادی کی یہ بستی جہاں ضروریات کی تقریباً سارے سامان ملتے ہیں بلکہ آس پاس کی بستی کے لوگ بھی اپنی ضروریات کی خرید کے لئے یہاں آتے ہیں، یونانی اسپتال بھی ہے، بسوں کی آمدورفت بھی ہے، سرکاری ہیلتھ سنٹر بھی ہے، اس طرح اسے ایک نوع کی مرکزیت اور مرجعیت حاصل ہے اور اب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قریہ کبیرہ ہے جس کے گرد بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ ان حالات میں میں بحیثیت قاضی شریعت حکم دیتا ہوں کہ گرہول شریف میں جمعہ قائم کیا جائے اور بلا اختلاف سبھی کلمہ گو اتفاق کے ساتھ نماز جمعہ ادا کریں اور قیام جمعہ کے بعد ظہر کی نماز کا وجوب نہیں رہتا''۔

وتقع فرضا فی القصبات والقوی الکبیرۃ التی فیھا اسواق قال ابوالقاسم: ھذا الاختلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعۃ لأن ھذا مجتھد فیہ فاذا اتصل بہ الحکم صار مجمعا علیہ". (ردالمحتار ص: ۵۳۷)

۱۰- آپ کے فتوی میں اقتضاء کا پہلو بھی نظر آتا ہے اور تفصیل کا بھی، جہاں جس طرح کی ضرورت ہوتی اس کے مطابق فتوی تحریر فرماتے۔ اگر سوال آسان اور واضح ہوتا اور مستفتی کوئی عامی آدمی ہوتا تو اس کا جواب اقتضاء سے تحریر فرماتے۔ اور اگر سوال پیچیدہ اور مشکل ہوتا اور مستفتی کوئی عالم ہوتا اور تحقیقی جواب کا طالب ہوتا تو اس کا جواب مدلل مفصل اور تحقیقی تحریر فرماتے، چونکہ آپ سے سوالات کرنے والے زیادہ تر اہل علم ہوتے اور پیچیدہ سوالات آپ کی خدمت میں پیش کرتے، اس لئے آپ کے بیشتر جوابات تفصیلی ہیں۔

ضلع چمپارن علاقہ ساٹھی کی دھوبی بستی میں قیام جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ رمضان کے مہینہ میں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ قبرستان کی غیر آباد اراضی کا مصرف کیا ہے؟ سید کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیچے ضروریات مسجد کے لئے دوکان بنانا اور اوپر مسجد بنانا صحیح ہے یا نہیں؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کے تفصیلی جوابات رجسٹر نقل فتاوی امارت شرعیہ اور بحث ونظر کے مختلف شماروں میں محفوظ ہیں ـــــ بہرحال آپ کے جوابات خواہ مختصر ہوں یا تفصیلی بالکل واضح اور تشفی بخش ہوا کرتے تھے، جس سے مستفتی کو پورا اطمینان حاصل ہوتا۔

یہ چند خصوصیات حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی ذکر کی گئیں، ان کے علاوہ بھی دیگر خصوصیات ہیں جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوے کا مجموعہ کتابی شکل میں جلد از جلد منظر عام پر آجائے تاکہ عوام وخواص استفادہ کرسکیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی قبر کو نور سے بھردے، ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم سبھوں کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

نوٹ: اس مقالہ میں آپ علیہ الرحمہ کے جو فتاوے نقل کئے گئے ہیں وہ سبھی فتاوے رجسٹر نقل فتاوی امارت شرعیہ اور بحث ونظر کے مختلف شماروں میں محفوظ ہیں۔



بے ہنر انسان ملک وملت پر بوجھ ہے

"ہنر مند انسان ملک وملت اور اپنے اہل و عیال کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔ اور بے ہنر انسان ملک و ملت پر بوجھ ہے" جس طرح ردی اور خراب مال کو انسان کی محنت سے اچھا اور مفید سامان کی شکل میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کو بھی تعلیم و تربیت کے ذریعہ ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرکے ان کو ملک و ملت کے لئے کار آمد بنایا جاتا ہے"۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

بموقع اجلاس تقسیم اسناد امارت ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ

۳۰/ جنوری ۱۹۹۶ء

ایک باکمال استاذ ایک بے مثال مربی

مولانا نورالحق رحمانی

استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، امارت شرعیہ

استاذ محترم قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی شخصیت واقعی طور پر اپنی ذات میں ایک انجمن تھی۔ قسام ازل نے انہیں ایسی ہمہ جہت صلاحیت دی تھی اور ایسی متنوع اور متضاد صفات و کمالات کا حامل بنایا تھا جو کسی ایک شخصیت میں بیک وقت بہت کم جمع ہو پاتی ہیں۔ وہ ایک فقیہ النفس اور متبحر عالم دین، مثالی مدرس، مشفق مربی، دین کے مخلص داعی و مبلغ، بے مثال اور قادر الکلام خطیب و واعظ، بلند پایہ مصنف و محقق، بیدار مغز اور بابصیرت قائد و رہنما، ذکی و فطین اور معاملہ فہم قاضی و منصف اور ملک وملت کے سچے وفادار اور بے لوث خادم تھے۔ انہوں نے پوری زندگی دین وعلم کی خدمت، نئی نسل کی تعلیم و تربیت، احکام شریعت اور نظام قضاء کے عملی نفاذ کی جدوجہد، مسلم پرسنل لاء کو درپیش خطرات اور چیلنجز کا مقابلہ کرنے، ملت اسلامیہ ہند کو دینی، تعلیمی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی ہر محاذ پر آگے بڑھانے اور خیر امت کی حیثیت سے اس عظیم ملک میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنانے کی فکر و محنت اور تگ و دو میں گزار دی۔ اللہ رب العزت نے انہیں جس عبقریت، ذہانت و فطانت، ایمانی فراست، دینی غیرت و حمیت، تبحر علمی، موجودہ حالات اور جدید عصری تقاضوں سے واقفیت، ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر گہری نظر اور نظم و نسق اور قیادت کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے ان کا پوری طرح اور برمحل استعمال کیا اور عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ اللہ کے دین کی سربلندی، دعوت اسلامی کے فروغ، قوانین شریعت کی تطبیق و تنفیذ، انسانیت کی خدمت، ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو متحد کرنے اور خدمت دین کے مختلف میدانوں کے لئے رجال کار تیار کرنے میں صرف کر دیا۔

ماضی قریب میں ہم نے بہت سے اکابر علماء، فضلاء اور مسلم دانشوران و قائدین کو دیکھا ہے اور ان کی مخلصانہ اور بے لوث دینی، دعوتی، ملی، سماجی اور سیاسی خدمات سے قدرے متعارف ہیں لیکن حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ سے اللہ تعالیٰ نے جو عظیم خدمت لی، ان کے وقت اور کاموں میں جو برکت عطا کی اور خدمت دین کے مختلف محاذ پر انہیں جو غیر معمولی کامیابی ملی، بالخصوص اخیر کے دس پندرہ برسوں میں جس تیزی کے ساتھ کام ہوا اور جو علمی، فقہی، تحقیقی، تعلیمی و تربیتی اور ملی و سماجی خدمات انجام پائیں وہ کم علماء و قائدین کے حصے میں آئی ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں حضرت مولانا علی میاں ندوی کے اس مشہور جملے کا مصداق تھے کہ ''ایک آدمی نے اکاڈمی کا کام کیا''۔

کسی بھی عظیم انسان کی شخصیت کی تعمیر و ترقی میں اس کے والدین، خاندان، ماحول، تعلیمی اداروں، اساتذہ، مربی و سرپرست اور مجوزہ خدمات اور میدان کار کا بڑا دخل ہوتا ہے، اس لحاظ سے قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت کی تعمیر میں کارفرما عناصر مستقل بحث و تحقیق کا موضوع ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ اہل قلم حضرات اس پہلو پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے، تاہم جو موضوع ہمارے پیش نظر ہے اس میں داخل ہونے سے قبل تمہید کے طور پر اس کی طرف ایک اجمالی اشارہ ضرور کرنا چاہیں گے تاکہ اس امر کی وضاحت ہو سکے کہ ایک کامیاب مدرس اور باکمال استاذ ایک مشفق اور مثالی مربی کس طرح تیار ہوتا ہے اور اس کی شخصیت کی تعمیر میں کن عناصر کا دخل ہوتا

ہے۔ تاکہ تعلیم وتربیت کے میدان میں کام کرنے والے حضرات اور تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے رجال کار تیار کرنے والے افراد اور ادارے انہیں خاص طور پر ملحوظ رکھیں اور تعلیم وتربیت میں ممکن حد تک ان کی رعایت کی جائے۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی پیدائش دربھنگہ ضلع کے مشہور گاؤں جالے میں ایک مشہور علمی ودینی خانوادہ میں ہوئی، ان کے والد بزرگوار مولانا عبدالاحد صاحبؒ اپنے علاقہ کے ایک بڑے عالم، مشہور استاذ اور حضرت شیخ الہند کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، ان تمام فضل وکمال کے ساتھ دوسری طرف ان کا اصلاحی تعلق قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ سے تھا، حضرت قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کے پاس ہوئی، پھر دربھنگہ ضلع کے دو مشہور مدارس مدرسہ محمود العلوم دملہ، (اب ضلع مدھوبنی واقع ہے) اور مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں داخل ہوئے اور جید علماء و اساتذہ سے کسب فیض کیا، آگے کی تعلیم کے لئے صوبہ سے باہر سفر کیا تو اعظم گڑھ کی مشہور ومرکزی درس گاہ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لیا، ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش میں اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ اور دینی تعلیم وتربیت کا سب سے بڑا مرکز اور مسلمانوں کے ملی تشخص اور دینی، دعوتی اور ثقافتی وجود کی سب سے بڑی علامت ہے، وہاں وہ ۱۹۵۱ء میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام محدث جلیل مولانا حسین احمد مدنیؒ، جامع معقول ومنقول علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی اور دیگر اکابر علماء اور نابغۂ روزگار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور مکمل چار سال تک ان سے تعلیم وتربیت پاکر اور دارالعلوم کے علمی وروحانی ماحول سے استفادہ کرکے اعلیٰ صلاحیت کے حامل اور جید عالم بن کر نکلے، ۱۹۵۵ء میں فضیلت کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کیا اور پورے دورۂ حدیث میں اول آئے۔ تعلیم کا مرحلہ بیس سال کی عمر میں مکمل ہوا۔

آپ کی زندگی کا دوسرا اہم دور ریاست کی مشہور اور مرکزی دینی درسگاہ جامعہ رحمانی مونگیر کی تدریس سے شروع ہوتا ہے اور سات سال تک جاری رہتا ہے۔ اس مرحلہ میں پڑھتے ہوئے مختلف علوم وفنون کو پڑھانے اور ان میں درک وبصیرت اور کمال ومہارت حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان سب سے بڑھ کر ایک عظیم اور عبقری شخصیت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی تربیت، نگرانی اور سرپرستی نصیب ہوتی ہے جنھیں قطب عالم مولانا محمد علی مونگیری علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند اور ان کے خلف رشید ہونے کا شرف حاصل ہے، جو ملک کے مشہور اور مرکزی مدارس دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کے ممتاز فاضل اور بطل حریت عالم جلیل، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور مفکر اسلام، فقیہ العصر مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمہما اللہ کے شاگرد رشید ہیں، اور ملک کے صف اول کے ان چیدہ اور برگزیدہ علماء میں سے ہیں جو تند ہواؤں اور طوفانی موجوں میں ملت اسلامیہ ہند کی کشتی کی ملاحی و ناخدائی اور ان کی صحیح قیادت ورہنمائی کا اہم اور نازک فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اور مکمل تین دہائیوں تک اس بطل جلیل، ولی کامل اور بیدار مغز قائد کے زیر سایہ عملی زندگی اور قیادت کا تجربہ حاصل کرتے رہے، اور ان کی زندگی ہی میں پروقار مقام حاصل کرکے ان کے دست راست بن گئے۔

جامعہ رحمانی میں تدریس کے علاوہ تقریر وخطابت میں بھی آگے بڑھے وہ حضرت امیر شریعت کے تبلیغی اور دعوتی اسفار میں ساتھ رہتے اور عوام سے خطاب کرنے کا موقع ملتا۔ پھر حضرت امیر شریعت نے صوبہ کے دینی مدارس کو ایک وفاق سے جوڑنے، ان کے معیار تعلیم کو بلند کرنے، امتحانات کے نظم کو درست اور مؤثر بنانے اور نصاب تعلیم میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے آزاد مدارس کا بورڈ قائم کیا تو حضرت قاضی صاحب کو اس کا ناظم مقرر کیا، اور آپ نے مدارس کے درمیان ربط وہم آہنگی پیدا کرنے، ان کے نظام تعلیم کو بہتر بنانے اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

آپ کی زندگی کا تیسرا دور امارت شرعیہ کی نظامت اور قاضی القضاۃ کے منصب جلیل پر فائز ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ اور اخیر دم تک قائم رہتا ہے، آپ کی زندگی کا یہ تیسرا مرحلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، جامعہ رحمانی اپنی شہرت اور مقبولیت کے باوجود ایک مدرسہ ہی تھا جس کا میدان محدود ہوا کرتا ہے۔ امارت

شرعیہ میں تشریف آوری سے کام کا ایک وسیع میدان ہاتھ آیا۔ مدرسہ کے ماحول اور تعلیم وتدریس کے میدان میں تقریباً تین دہائی گزارنے کے بعد آپ کی زندگی کا تیسرا اہم دور امارت شرعیہ کی نظامت اور چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز ہونے سے شروع ہوا۔ اس وقت امارت شرعیہ کی حالت انتظامی اور مالی لحاظ سے نہایت خستہ تھی، اس ابتدائی دور عسرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ انہوں نے ایک واقعہ سنایا کہ کئی کئی ماہ گزر جاتے ہم کارکنان کو تنخواہ نہیں ملتی کبھی امارت میں کوئی مہمان آجائے اور میں چپراسی کو کیتلی لے کر چائے لانے بھیجتا تو دوکاندار یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ پچھلا بقایا بہت زیادہ ہوگیا۔ اسے وصول کئے بغیر ہم آگے چائے نہیں دے سکتے۔ خیر آپ نے اپنی خداداد صلاحیت وبصیرت سے اس کے گیسوئے برہم کو سنوارا پھر آپ کی کوششوں سے دو تین سال کے بعد موجودہ امیر شریعت تشریف لائے تو نظامت کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی، اور آپ دونوں نے باہمی اتفاق سے حضرت امیر شریعت کی رہنمائی میں اسے ترقی کے بام عروج تک پہنچایا، اس کی تعمیر وترقی میں اپنی پوری قوت وصلاحیت صرف کردی، حضرت امیر شریعت کے ہمراہ دونوں صوبوں کے شہر شہر اور گاؤں گاؤں کا دورہ کیا عوامی فیلڈ میں اتر کر اپنے علم وفہم اور زور خطابت سے امارت شرعیہ کے فکر وپیغام اور بلند مقاصد سے مسلمانوں کو متعارف کرایا، جگہ جگہ تنظیم امارت قائم کی۔ لوگوں میں دینی مزاج، قانون شریعت کی پابندی اور اپنے معاملات ومقدمات کو دارالقضاء سے فیصل کرانے کا مزاج بنایا، معاشرے کو غیر اسلامی رسوم ورواج سے پاک کرنے پر زور دیا۔

دارالقضاء کا نظام تو امارت شرعیہ میں پہلے ہی سے مستحکم تھا۔ پہلے قاضی شریعت حضرت مولانا نورالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بانی امارت کے رفقاء میں تھے انہوں نے اس کی کارکردگی اور نظام کو نہایت مضبوط ومستحکم کردیا تھا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد صلاحیت سے اس کے معیار کو برقرار رکھا اور آگے بڑھایا۔ حضرت امیر شریعت رابعؒ کے ابتدائی دور میں بھی وہی قاضی رہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب وہ اس عہدہ سے مستعفی ہوگئے تو ایک بڑا خلا پیدا ہوا۔ اس خلاء کو پر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، حضرت قاضی صاحب نے بھی مونگیر ہی کے زمانہ قیام میں اس تربیتی کیمپ میں شرکت اور قضاء کی تربیت حاصل کی تھی جو حضرت امیر شریعت کے امیر منتخب ہونے کے بعد قضاۃ کی تربیت کے لئے خانقاہ رحمانی مونگیر میں منعقد ہوا تھا۔ حضرت امیر شریعت کو اس منصب کے لئے قاضی صاحبؒ سے زیادہ موزوں کوئی اور شخصیت نہیں مل سکتی تھی۔ ایک طرف ان کے سامنے اپنے مدرسے کا مسئلہ تھا، ظاہر ہے کہ ایک کہنہ مشق، باکمال اور ہر فن میں اولی استاذ آسانی سے نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن امارت شرعیہ کی ضرورت مقدم تھی۔ یہ دونوں صوبوں کے ایک بے مثال دینی مرکز اور نفاذ شریعت کی منفرد تجربہ گاہ میں ایک عظیم منصب پر کسی لائق فرد کو فائز کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس لئے ملت کے وسیع تر مفاد کی خاطر انہوں نے اپنے مدرسہ کی ضرورت پر امارت کی ضرورت کو ترجیح دیا۔ اور حضرت قاضی صاحبؒ نے یہاں پہونچ کر ان کی توقعات سے آگے بڑھکر اس ادارے کو چار چاند لگایا، نظام قضاء کو از سر نو مستحکم کیا اور آگے بڑھایا۔ حضرت امیر شریعت نے نظام قضاء کو وسعت دی تو قضاۃ کی تربیت کا کام بھی اعلی پیمانے پر انجام دیا۔ اس وقت مرکزی دارالقضاء میں جو افراد کام کر رہے ہیں اور تینوں صوبوں میں جو قضاۃ قضاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں ان میں سے اکثر آپ کے تربیت یافتہ ہیں، بہر حال امارت شرعیہ میں تشریف آوری کے بعد دینی خدمت، نفاذ شریعت، اصلاح معاشرہ اور دعوت وتبلیغ کا کام کرنے کے لئے وسیع میدان ہاتھ آیا، مسلمانوں کے مسائل اور ان کی ضرورتوں کو سمجھنے اور نظام قضاء کو تینوں صوبوں میں پوری قوت کے ساتھ جاری کرنے کا موقع ملا۔ اس سے ایک طرف عوام اور امت کے مختلف طبقات سے ربط وتعلق قائم ہوا۔

امارت کے فکر وفلسفہ اور اس کے وسیع اغراض ومقاصد کو اچھی طرح سمجھنے اور لوگوں میں اس کا تعارف کرانے کا موقع ملا۔

امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے تو وہ اپنی مجاہدانہ خدمات کی بدولت دونوں صوبوں کے علمی ودینی اور سماجی وسیاسی حلقوں میں متعارف تھے پھر ۱۹۷۲ء میں جب تحفظ شریعت کی خاطر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل ہوئی اور حکیم الاسلام حضرت

مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اس کے صدر اور امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے کہ دراصل انہیں دونوں بزرگوں کے فکر وتحریک پر اس اہم ادارے کا قیام عمل میں آیا تھا تو حضرت قاضی صاحب روز اول سے اس کی تاسیس میں شریک اور مجلس تاسیسی کے اہم رکن تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے معتمد علیہ اور دست راست کی حیثیت سے ملت اسلامیہ ہند کے اس مشترک اور باوقار پلیٹ فارم سے پورے ملک کا دورہ کرنے، ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے، امت کے مسائل ومشکلات کو سمجھنے اور بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کرنے کا موقع ملا۔ اس طرح ان کی شخصیت ملک گیر پیمانے پر متعارف ہوگئی۔ بورڈ کا سالانہ اجلاس کسی بڑے اور مرکزی شہر میں ہوتا تو حضرت امیر شریعت و جنرل سکریٹری کی طرف سے اس کی تیاری کے لئے عام طور پر ایک ماہ قبل وہاں پہنچتے، اجلاس کے لئے میدان ہموار کرتے، وہاں کے علماء، ارباب علم، دانشوران اور اہل سیاست سے ملتے اور مسلم پرسنل لاء کے مسائل سے انہیں روشناس کراتے، وحدت کلمہ کی بنیاد پر اتحاد امت کی دعوت دیتے، مستقبل میں امت کو درپیش خطرات سے آگاہ کرتے اور اتفاق واتحاد کی ضرورت سمجھاتے، مختلف فیہ مسائل سے صرف نظر کرنے کی تلقین کرتے، سچی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کو پوری ملت اسلامیہ ہند کا متحدہ پلیٹ فارم بنانے، علمی وفکری اور انتظامی لحاظ سے اس کی باگ ڈور سنبھالنے، مسلم پرسنل لاء کے مسائل کو مسلمانوں کے درمیان پورے ملک میں متعارف کرانے، اس حساس مسئلے کے تعلق سے ان کے شعور کو بیدار کرنے، اور اس ادارہ کو ملک کی سب سے زیادہ مؤثر، طاقتور، فعال اور سرگرم تحریک کی حیثیت سے باقی رکھنے میں حضرت قاضی صاحب کی جدوجہد کو بہت بڑا دخل ہے، اور اس سلسلے میں ان کی خدمات کسی دوسری اہم شخصیت سے کم نہیں، مجھے خود اس کے بعض اہم اجتماعات میں شرکت کا موقع ملا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ کس طرح اس کے پورے نظام پر چھائے رہتے تھے، تمام پروگراموں کو خود سے ڈیل کرتے، مختلف اہل علم کے سوالات کا برجستہ اور اطمینان بخش جواب دیتے اسی بنا پر تمام حضرات اکابر ان پر پورا اعتماد کرتے اور اسی لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تمام مسلم جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہوں نے بہ اتفاق رائے انہیں بورڈ کا صدر منتخب کیا۔

آپ کی زندگی کا آخری پندرہ سالہ دور بڑا طوفانی اور بڑی سرگرمی کا دور ہے، متعدد اہم تحریکوں، ملی تنظیموں، علمی وفقہی، دینی وعصری اور ٹکنیکل تعلیمی اداروں کے قائم کرنے، اور انہیں مستحکم کرنے کا دور ہے، اس دور میں آپ نے ایک طرف امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے بہت سے دینی مدارس ومکاتب قائم کئے، متعدد اہم عصری اور صنعتی تعلیمی ادارے قائم کئے۔ اور ایسے مشکل مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کے لئے جو اس دور کی پیداوار ہیں اور جن کا واضح اور صریح حکم براہ راست کتاب وسنت اور ائمہ وفقہاء کی تصریحات اور فقہ وفتاویٰ کے قدیم ذخیروں میں نہیں ہے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی قائم فرمایا، تاکہ پورے ملک کے علماء، وفقہاء اور ارباب افتاء شریعت کے بنیادی مآخذ، اصول وکلیات اور شریعت کی روح اور مزاج کو سامنے رکھ کر نئے دور کے پیچیدہ مسائل کا مناسب شرعی حل اجتماعی اجتہاد اور غور وفکر اور اتفاق رائے سے تلاش کریں، الحمد للہ یہ اکیڈمی تیرہ برسوں سے جدید مسائل کے شرعی حل کے لئے مسلسل کوشاں ہے اور اب تک تقریباً چالیس اہم مسائل پر ریسرچ وتحقیق کا کام ہو چکا ہے اور اجتماعی فتاویٰ صادر ہو چکے ہیں۔

اسی طرح ملت اسلامیہ کو مختلف محاذ پر اوپر اٹھانے، ملی سماجی اور سیاسی سطح پر ان کے مسائل کو حل کرنے، ان کی صحیح قیادت کرنے اور ان کے مختلف شعبہائے زندگی کو مستحکم کرنے اور ترقی دینے کی خاطر ملک کے اکابر علماء ودانشوران کے تعاون سے ۱۹۹۲ء میں ملی کونسل قائم فرمایا، جس نے اپنی مختصر سی مدت میں بہت سے اہم کارنامے انجام دیئے۔

جامعہ رحمانی مونگیر میں بحیثیت مدرس بحالی

پچھلے صفحات میں تمہید کے طور پر حضرت قاضی صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں کارفرما عناصر، ان کی زندگی کے چار اہم مراحل

اور ان کی خدمات کی طرف اجمالی اشارہ کرنے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں اور ان کی تدریسی خدمات پر تھوڑی روشنی ڈالتے ہیں۔

جامعہ رحمانی مونگیر کا شمار ملک کے مشہور دینی مدارس میں ہوتا ہے جو بانی ندوۃ حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی یادگار ہے ۱۹۳۴ء کے ہولناک زلزلہ کے بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب حضرت مونگیری کے چھوٹے صاحب زادے حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۲ء میں خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں منتخب ہوئے تو اسی سال انہوں نے اسے دوبارہ زندہ کیا اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے اپنی پوری قوت و صلاحیت صرف کردی یہاں تک کہ اپنے بلند معیار تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ملک کے ممتاز مدارس میں اس کا شمار ہونے لگا، شروع میں وہ خود باضابطہ پڑھاتے تھے، اور اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ جوہر قابل کی تلاش میں رہتے اور جب کوئی باصلاحیت عالم مل جاتا تو اسے مدرس بحال کر لیتے، حضرت امیر شریعت دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن اور حضرت مدنیؒ کے چہیتے شاگرد تھے، انہوں نے مدرس کے لئے اپنے استاذ کے سامنے تذکرہ کیا تو انہوں نے حضرت قاضی صاحب کی نشاندہی فرمائی جو اسی سال فارغ ہوئے تھے، اس طرح حضرت امیر شریعت کی طلب اور حضرت مدنی کے ایماء پر وہ جامعہ رحمانی تشریف لے آئے، جامعہ رحمانی میں ان کی بحالی کا قصہ خود انہیں کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:

۲۸ر شعبان ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) کو حضرت مدنی نے ہم لوگوں کو بخاری شریف ختم کرائی اور ہم سبھی رفقاء اپنے اپنے وطن واپس ہوئے، شوال ۱۳۷۴ھ کی ۱۵ر تاریخ تھی اور میں مزید تعلیم کے لئے دیوبند جانے کو تیار تھا کہ اچانک دو خطوط ملے ایک خط میں دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات کے دستخط سے میرا نتیجہ امتحان تھا جس میں یہ خوشخبری تھی کہ تم دورۂ حدیث میں اول آئے ہو اور دوسرا خط ناظم جامعہ رحمانی مونگیر مولانا محمد عارف صاحب کا تھا جس میں انہوں نے حضرت مدنی کے مشورہ اور حضرت مولانا کے حکم سے جامعہ رحمانی میں اس حقیر کے بحیثیت استاذ پچاس روپئے ماہوار پر تقرر کی اطلاع دی تھی اور مجھے جلد از جلد طلب کیا تھا، یہی خط میری زندگی کا ایک خاص رخ متعین کرنے اور اس عظیم شخصیت کی قربت، تربیت اور رہنمائی سے استفادہ کے مواقع پیدا کرنے کا ذریعہ بنا (امیر شریعت رابع... کی حیات و خدمات ص ۱۷)

۲۱ر شوال ۱۳۷۴ھ کو اپنے بھانجے مولانا شعیب احمد رحمانی (فاضل دیوبند، ایم اے، پی ایچ ڈی) کو ساتھ لے کر مونگیر پہنچا، آم کے درخت کے نیچے رکشہ رکا... دائیں جانب ایک درس گاہ میں ایک استاذ بچوں کو حساب اور ہندی پڑھا رہے تھے، حاضر ہوا تو دیکھتے ہی ناراض ہوئے کہ یہاں اب داخلہ بند ہو چکا ہے، پہلے سے منظوری لئے بغیر آپ کیوں چلے آئے؟ انہوں نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی طالب علم ہے اور واقعۃً تھا بھی میں طالب علم ہی، یہ تھے ہمارے کرم فرما، ماسٹر فضل الرحمٰن نور پوری مرحوم، پھر میں نے اپنی طلبی کا خط پیش کردیا تو وہ حیران رہ گئے اور طلبہ سے کہا کہ یہی تمہارے لئے نئے استاذ مقرر ہو کر آئے ہیں۔ پھر مجھے حضرت کے کمرہ میں پہنچا دیا گیا اور میں نے پچھلے تجربہ کو دیکھتے ہوئے پہلے ہی خط پیش کردیا۔ یہ تھا اس انوٹ رشتہ کا آغاز جو ۲۱ر شوال ۱۳۷۴ھ سے شروع ہوا اور ۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ تک چھتیس سال دس ماہ کے طویل عرصہ پر محیط رہا (حوالہ سابق ص ۱۸)

پہلے مرحلہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کی تدریس کا زمانہ مکمل سات سال کا ہے، جس وقت ان کی بحالی ہوئی تھی اس کے دوبارہ قیام پر دس بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا، لیکن معیار تعلیم کے لحاظ سے زیادہ ترقی نہیں ہوئی تھی، دوم سوم عربی تک کی تعلیم تھی، جامعہ کی چار منزلہ خوبصورت مرکزی عمارت نہیں بنی تھی، موجودہ نئی مسجد بھی تعمیر نہیں ہوئی تھی، پرانی مسجد درس گاہ تھی، اسی کے قرب و جوار میں چند حجرے اساتذہ کے قیام کے لئے تھے، ان سے قبل صرف چار اساتذہ کام کر رہے تھے، پانچویں یہ بحال ہوئے تھے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

پھر حضرت نے مجھے قاری سلیم الدین صاحب کو (جو نئے استاذ مقرر ہو کر آئے تھے) حوالہ کیا، فلاں کمرے میں ٹھہرائیے،

اگلے دن سے کتابیں ملیں اور اس حقیر نے پڑھانا شروع کردیا، پرانی مسجد ہم لوگوں کے لئے درس گاہ تھی، چند چھوٹے چھوٹے کمرے خانقاہ کے مردانہ مہمان خانہ والے حصہ میں مسجد کے دائیں بازو میں حضرت نے تعمیر کرائے تھے، وہاں ہم لوگوں کا قیام تھا، مولانا محمد عارف ناظم جامعہ تھے، مولانا عبدالحفیظ صاحب مرحوم عربی و فارسی کے استاذ تھے، تیسرا میں آیا تھا اور چوتھے قاری سلیم الدین صاحب کا تقرر درجہ حفظ میں ہوا تھا، پرائمری سیکشن میں ماسٹر فضل الرحمٰن صاحب مرحوم تھے، یہ تھی کل پونجی (حوالہ سابق ص ۲۶۔۲۷) جامعہ رحمانی میں آپ کو بالکل ابتدائی درجات سے پڑھانے کا موقع ملا، مدرسہ کا معیار تعلیم بھی بتدریج بلند ہوتا گیا، درجات میں بھی ترقی ہوتی گئی، جب درجہ آگے بڑھتا اور کسی نئے استاذ کی ضرورت ہوتی تو کسی جوہر قابل کو تلاش کیا جاتا، حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف بہار، بلکہ یوپی سے بھی مختلف ماہر فن اور جید اساتذہ کو بلاکر انہیں تدریسی خدمت پر مامور فرمایا حضرت مولانا اسماعیل صاحب شیخ الحدیث مرادآبادی، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا محمد باقر صاحب مدظلہ (موجودہ مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی) اور بھی یوپی کے متعدد اساتذہ ہیں جن سے انہوں نے وہاں تدریسی خدمت لی۔

بہرحال پہلے مرحلہ میں حضرت قاضی صاحب جامعہ میں سات برس مقیم رہے اور ابتدائی درجات سے لے کر ہدایہ اخیرین تک کا درس دیا، جس سال آپ وہاں سے امارت شرعیہ تشریف لائے تو ہفتم عربی (موقوف علیہ) تک کی تعلیم ہوچکی تھی، صرف دورۂ حدیث باقی تھا، تین برسوں کے بعد ۱۹۶۵ء میں وہاں دورۂ حدیث کا افتتاح حضرت مولانا سید فخر الدین احمد علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کے درس بخاری سے ہوا، اس طرح ابتداء سے فضیلت تک کی تعلیم مکمل ہوگئی، پہلے دور کے ان کے متعدد تلامذہ مونگیر میں ہم لوگوں کے زمانہ تعلیم میں استاذ تھے، مثلاً خانقاہ رحمانی کے موجودہ سجادہ نشیں و سرپرست جامعہ رحمانی مونگیر مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا صغیر احمد رحمانی، مولانا محمد تسلیم رحمانی، مولانا فضل الرحمٰن رحمانی اور حافظ رضی احمد وغیرہ، اس دور میں ان کی تدریسی خصوصیات پر وہی حضرات بہتر روشنی ڈال سکیں گے جنہوں نے ان سے اس دور میں پڑھا ہے۔

حضرت قاضی صاحب کی جامعہ رحمانی میں دوبارہ تشریف آوری

حضرت قاضی صاحب دوبارہ استاذ حدیث کی حیثیت سے ۱۳۸۸ھ اور ۱۳۸۹ھ کے مشترک سال میں تشریف لائے، سن عیسوی کے لحاظ سے وہ دسمبر ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء کا سال تھا، یہ عاجز اسی سال وسطانیہ چہارم کا امتحان پاس کر کے شوال میں جامعہ رحمانی میں داخل ہوا تھا، سال چہارم عربی میں داخلہ ہوا تھا، وہ سال اس لحاظ سے بھی یادگار ہے کہ اسی سال حضرت امیر شریعتؒ کی پہلی نواسی پیدا ہوئی تھی، استاذ محترم مولانا شفیق عالم قاسمی مدظلہ کا سابق نائب ناظم جامعہ رحمانی کے والد بزرگوار حاجی سعید صاحب جو حضرت مونگیری علیہ الرحمۃ کے مرید تھے وہ درمیانی سال میں مونگیر تشریف لائے تھے، عصر بعد حضرت کی مجلس میں جامعہ کے اساتذہ جمع ہوتے تھے، کبھی کبھی کچھ طلبہ بھی حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن کی مجلس میں یہ عاجز بھی حاضر تھا حاجی سعید صاحب مرحوم نے فرمایا کہ نواسی میں حضرت کو نواسی ہوئی ہے، حضرت قاضی صاحب نے اس جملہ پر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگوں کا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔

حضرت قاضی صاحب کے وہاں دوبارہ استاذ حدیث کی حیثیت سے تشریف لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ صوبہ ہی کے ایک بہت جید استاذ جو درجہ علیا کے مدرس تھے اور حدیث وفقہ کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے رمضان سے دو تین ماہ قبل وہاں سے علیحدہ ہوگئے، پھر رمضان کے بعد حضرت مولانا باقر صاحب مدظلہ جو وہاں علیا کے استاذ تھے وہ بھی تشریف نہیں لائے تو بیک وقت علیا کے دو اساتذہ کے چلے جانے کی وجہ سے استاذ کی فوری ضرورت پیش آئی، حضرت امیر شریعتؒ نے حضرت قاضی صاحب کو دوبارہ سال بھر کے لئے وہاں بلالیا۔ اس سے قبل یہ عاجز حضرت قاضی صاحب کو مدرسہ عثمانیہ پھلکا کٹیہار (جہاں یہ عاجز زیر درس تھا) کے جلسہ دستار بندی میں دیکھ چکا تھا اور ان کی بصیرت افروز تقریر سن چکا تھا، وہ مدرسہ حضرت امیر شریعت کی سرپرستی میں چل رہا تھا اور حضرت قاضی صاحب حضرت امیر شریعت کے ہمراہ اس کے جلسوں میں

شرکت کے لئے تشریف لاتے تھے، خیر جامعہ میں ان کی آمد سے خوشی کی لہر دوڑ گئی، منتہی درجات کے طلبہ کو زیادہ خوشی تھی کہ انہیں حضرت قاضی صاحب سے پڑھنے اور استفادہ کا موقع ملے گا، اس سے تین سال قبل وہاں دورۂ حدیث کا افتتاح ہوا تھا یہ چوتھا سال شروع ہوا تھا، اس سال دورۂ حدیث میں آٹھ طلبہ تھے، جن میں نمایاں مولانا قاضی جسیم الدین رحمانی تھے (جو مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ کے قاضی شریعت ہیں اور حضرت قاضی صاحب کے شاگرد خاص ہیں، امور قضاء میں مہارت رکھتے ہیں اور پچھلے بتیس برسوں سے قضاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں) ان حضرات کی دو کتابیں قاضی صاحب سے متعلق ہوئیں، ابوداؤد اور طحاوی، اس سے نیچے ہفتم عربی میں مولانا صغیر احمد رحمانی کے برادر خورد مولانا شعیب رحمانی اور مفتی عبدالقیوم سہرساوی تھے ان حضرات کی تفسیر بیضاوی کا درس قاضی صاحب سے متعلق ہوا، اس سے نیچے ششم عربی میں مولانا نیاز احمد رحمانی اور مولانا غیاث الاسلام راہی وغیرہ تھے، اس سے نیچے پنجم عربی میں مولوی نورالہدیٰ سہرساوی اور حافظ حبیب الرحمٰن پورنوی تھے، ان دونوں درجوں کی مختصر المعانی قاضی صاحب سے متعلق ہوئی۔

اصلاً تو مختصر المعانی پنجم عربی میں تھی، مگر نصاب کی جزوی ترمیم کی بنا پر ششم والے پنجم میں مختصر نہیں پڑھ سکتے تھے، اس لئے اس سال پنجم اور ششم دونوں درجات کے طلبہ مختصر کے درس میں شریک تھے، اس سے نیچے چہارم عربی میں ہم لوگ تھے، نیچے درجات کے طلبہ کو افسوس ہوا کہ ہمیں حضرت قاضی صاحب سے کچھ پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ شرح تہذیب کے استاذ بیمار ہوکر گھر چلے گئے، کئی ماہ کتاب کا درس بند رہا، اس وقت حضرت مولانا شمس الحق صاحب شیخ الحدیث مدظلہ ناظم تعلیمات بھی تھے، انہوں نے قاضی صاحب سے شرح تہذیب کے لئے کہا، یہ کتاب بعد نماز ظہر معاً پانچویں گھنٹہ میں تھی، قاضی صاحب کا پانچواں گھنٹہ خالی تھا، منطق کی کتابیں وہاں کے نصاب میں کم ہیں، سوم عربی میں کبریٰ مرقاۃ، چہارم عربی میں شرح تہذیب اور پنجم عربی میں قطبی اور بس، میں ملحقہ مدرسہ سے وسطانیہ چہارم پڑھ کے آیا تھا، کبریٰ مرقاۃ نہیں پڑھ سکا تھا۔ میرے لئے فن کی گویا پہلی کتاب تھی۔

خیر حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ہم لوگوں کو حضرت قاضی صاحب کے پاس پڑھنے بھیجا، اس خیال سے کہ سبق کا کافی ناغہ ہوا ہے، اور اس فن سے طلبہ کو عام طور پر مناسبت کم ہوتی ہے، اس طرح گزشتہ کمی کی تلافی ہوجائے گی اور طلبہ کو فن سے مناسبت ہوجائے گی، خیر ہم لوگ خوشی خوشی پڑھنے لگے، قاضی صاحب نے ایک طالب علم کے ہاتھ سے کتاب لے کر دریافت کیا کہ کہاں سے سبق ہے، طالب علم نے بتایا، آپ نے اگلے سبق پر ایک نظر ڈالی، پھر عبارت پڑھنے کو کہا، پھر سر اٹھا کر پورا مسئلہ زبانی سمجھا دیا سبق کی مکمل تشریح فرمادی، اب بھی کچھ یاد آرہا ہے کہ موجبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کی بحث تھی، تشریح کے بعد دریافت فرمایا کہ مسئلہ سمجھ میں آگیا؟ پھر انہوں نے خود محسوس کیا کہ سارے طلبہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکے ہیں تو دوبارہ مخاطب ہوکر فرمایا کہ غور کرو سمجھ جاؤ گے، پھر دوبارہ مسئلے کی زیادہ تفصیل سے وضاحت کی، اس مرتبہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا، سبق کے بعد کہنے لگے کہ بھائی یہ گھنٹہ تو میں نے طحاوی شریف کے مطالعہ کے لئے رکھا ہے۔ اس کے بعد چھٹے گھنٹے میں جو آخری گھنٹہ تھا ان کی طحاوی شریف تھی۔

پھر چند دنوں کے بعد ایک نئے استاذ مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی (موجودہ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد) بحال ہوئے، جو بہت کامیاب مدرس اور مختلف فنون پر گہری نظر رکھتے ہیں، پھر ہم لوگوں کی شرح تہذیب ان سے متعلق ہوئی تو انہوں نے بہت ہی عمدہ پڑھایا اور ہم لوگوں نے ایک ایک سبق سمجھ کر پڑھا اور تعریف کی بات یہ کہ اتنے دنوں کے ناغہ کے بعد بھی شعبان تک کتاب نصاب تک پہنچ گئی، بہر حال ۱۳۸۹ھ اور ۱۹۶۹ عیسوی میں حضرت قاضی صاحب سے شرح تہذیب کا ایک سبق پڑھنے کا موقع ملا۔ پھر جب تقریباً بارہ تیرہ سال قبل انہوں نے مجھے اپنے علمی معاون کی حیثیت سے پھلواری شریف پٹنہ بلایا تو دریافت فرمایا کہ تم نے مجھ سے کچھ پڑھا بھی ہے، اتنے دنوں قبل کی بات انہیں یاد نہیں تھی، میں نے تفصیل بتائی تو کہنے لگے کہ اچھا ایک سبق پڑھا دیا تھا نا؟ چلو تب تو شاگرد ہوگئے۔

جامعہ رحمانی مونگیر کے تعلیمی ماحول میں قاضی صاحب کی تشریف آوری کا اثر:

جامعہ رحمانی مونگیر کی نشاۃ ثانیہ اور اسے تعمیر و ترقی کے بلند معیار تک پہنچانے کا سہرا حضرت امیر شریعت رابع رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے، جنہوں نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا اور اپنی پوری قوت و توانائی صرف کر کے اسے نہ صرف صوبہ بہار کا معیاری مدرسہ بنایا بلکہ ملک کے ممتاز مدارس کی صف میں لا کھڑا کیا، حضرت امیر شریعت کے بعد اس کی علمی ترقی میں حضرت قاضی صاحب کا سب سے بڑا ہاتھ ہے اور تعمیری و انتظامی لحاظ سے اس کے سابق ناظم اعلیٰ استاذ محترم حضرت مولانا محمد عارف صاحب علیہ الرحمہ اور استاذ محترم حضرت مولانا شفیق عالم قاسمی مدظلہ سابق نائب ناظم کا سب سے بڑا دخل ہے، قاضی صاحب شروع میں جب وہاں تشریف لے گئے تو گرچہ اس کو دوبارہ قائم ہوئے دس بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا مگر تعلیمی لحاظ سے ابتدائی مرحلے میں تھا یعنی صرف دوم سوم عربی تک کی تعلیم تھی جیسا کہ میں نے حضرت قاضی صاحب کی تحریر کا اقتباس نقل کیا کہ اس سال پانچویں استاذ بحال ہوئے، ان پانچ میں سے ایک قاری سلیم الدین صاحب درجہ حفظ میں تھے، دوسرے ماسٹر فضل الرحمٰن صاحب مرحوم پرائمری سیکشن میں تھے اور عربی درجات میں ناظم جامعہ مولانا محمد عارف صاحب، مولانا عبدالحفیظ صاحب اور تیسرے حضرت قاضی صاحب تھے، ان میں پرائمری درجات اور درجہ ششم اردو کے دینیات وغیرہ کے اسباق بھی عربی کے اساتذہ سے متعلق تھے، اس لئے سوم عربی سے آگے کی تعلیم نہیں ہوگی، اس کے بعد پھر سال بہ سال ترقی ہوتی گئی حتیٰ کہ ساتویں سال جب آپ وہاں سے امارت شرعیہ تشریف لائے تو ہدایہ اخیرین تک تعلیم پہنچ چکی تھی پھر ۱۹۶۵ء میں دورۂ حدیث کا افتتاح ہوا تو فضیلت کی تکمیل ہوگئی۔

میں شوال ۱۳۸۸ھ میں وہاں داخل ہوا اور شعبان ۱۳۹۲ھ تک مکمل چار سال وہاں زیر تعلیم رہا، یہ جامعہ رحمانی کا دور شباب تھا، اساتذہ بھی باصلاحیت اور محنتی تھے اور طلبہ میں بھی محنت و مطالعہ، اور مذاکرہ کا اچھا ذوق تھا، جو طلبہ وہاں سے پڑھ کر یوپی کے بڑے مدارس میں جاتے تو وہاں بھی اکثر ممتاز رہتے، ایک مرتبہ استاذ محترم حضرت مولانا اکرام علی صاحب (موجودہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات) نے فرمایا کہ میں جتنے دنوں مفتاح العلوم مئو میں مدرس رہا۔ مونگیر سے جو طلبہ بھی پڑھکر وہاں آئے ممتاز رہے، اس وقت علیا کے اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق مولانا اکرام علی، مولانا حبیب الرحمٰن (موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد) وغیرہ تھے خود حضرت امیر شریعتؒ مؤطا امام مالک کا درس دیتے تھے، درجۂ وسطیٰ کے اساتذہ میں مولانا سید محمد ولی رحمانی، مولانا صغیر احمد رحمانی، مولانا فضل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد تسلیم رحمانی وغیرہ تھے، مولانا محمد فضل الرحمٰن رحمانی اسی سال استاذ بحال ہوئے تھے، یہ سارے ہی اساتذہ باصلاحیت تھے اور بہت اچھی تعلیم ہو رہی تھی۔ حضرت قاضی صاحب اس سال غالباً بقرعید کے بعد تشریف لائے تھے، شروع شوال سے نہیں تھے۔ لیکن ان کی تشریف آوری کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ یکا یک اس کا معیار تعلیم زیادہ بلند ہوگیا، کوئی عبقری شخصیت، امتیازی صلاحیتوں کا حامل استاد کسی ادارہ میں پہنچے تو دیگر اساتذہ و طلبہ میں بھی محنت اور مطالعہ کا ذوق پروان چڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ اساتذہ جو زیادہ محنت کے عادی نہ ہوں وہ بھی محنت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور پورا ماحول متاثر ہوتا ہے جیسے اگر پانی کے گلاس میں ایک قطرہ رنگ ڈال دیا جائے تو پورے گلاس کا پانی رنگین ہوجاتا ہے، حضرت قاضی صاحب کی آمد کے بعد یہ کیفیت ہوگئی کہ اساتذہ پہلے سے زیادہ محنت کرنے لگے، مغرب بعد فوراً اساتذہ اپنے اپنے کمروں میں مطالعہ کے لئے بند ہوجاتے اور عشاء کے بعد ہی دیر تک مطالعہ میں مستغرق رہتے، اسی طرح طلبہ میں بھی ان کے آنے کے بعد محنت کا رجحان بڑھا، وہاں کے اساتذہ میں متعدد حضرات ان کے شاگرد تھے، اس لئے وہ حضرات بھی بلاتکلف ان سے رجوع کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے۔

ایک مرتبہ دیکھا کہ وہ اپنے بے تکلف دوست مولانا شفیق عالم قاسمی سے ان کے کمرے میں دریافت فرمارہے ہیں کہ بتاؤ آج

کیا پڑھایا ہے اور وہ ان کے سامنے اپنے پڑھائے ہوئے سبق کا خلاصہ بیان فرمارہے ہیں۔ چونکہ اس ادارہ کی آبیاری میں ان کا بڑا حصہ ہے اس لئے ان کو اس کے پورے نظام کی فکر تھی۔ یہاں جب کبھی سنتے کہ کوئی باصلاحیت استاذ وہاں سے چلا گیا ہے تو افسوس کا اظہار کرتے، میری تدریس کے زمانہ میں جب بھی وہ وہاں تشریف لاتے تو اساتذہ سے مل کر واقفیت حاصل کرتے اور حضرت امیر شریعت سے اس کا تذکرہ کرتے، ایک مرتبہ شاید یہ ۱۹۸۴ء کا سال تھا کہ وہ مونگیر تشریف لائے اور حضرت امیر شریعت کی ایماء پر ایک ایک استاذ سے الگ الگ ملاقات کی اور ان کے مسائل اور وہاں کے نظم وانتظام کے سلسلے میں ان کا تاثر معلوم کیا اور شکایات دریافت کی، ایک استاذ جن سے بہت سے لوگوں کو شکایت تھی ان کو خاص طور پر انہوں نے تنبیہ کی اور کہا کہ دیکھئے اکثر لوگ آپ کی شکایت کررہے ہیں حقیقت کچھ ضرور ہے، ہم لوگوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس کو پروان چڑھایا اس لئے اس کو اچھے ماحول میں چلنے دیجئے بلاوجہ مسائل پیدا نہ کیجئے، لڑائی جھگڑے اور بلاوجہ ٹکراؤ کی پالیسی سے پرہیز کیجئے۔ بہرحال وہ وہاں کے زمانہ قیام میں تعلیمی امور کا جائزہ لیتے رہتے کہ کہاں کیسی تعلیم ہورہی ہے، کہاں کیا دشواری ہے اور نہ صرف کتابی تعلیم بلکہ طلبہ کی تربیت اور دیگر امور کے لئے بھی فکرمند رہتے۔ وہاں طلبہ کی ایک انجمن تھی، ''انجمن نادیۃ الادب'' جس کے تحت بعد نماز مغرب ہر جمعرات کو طلباء کا تقریری پروگرام ہوتا جس میں طلبہ تقریر وخطابت کی مشق کرتے، کبھی کبھی قاضی صاحب ہر درجہ کے منتخب طلبہ کو تقریر کے لئے جمع فرماتے اور ان کی تقریریں سن کر خامیوں کی اصلاح کرتے اور فنی رہنمائی فرماتے، طلبہ کو ان سے یہ اہم فائدہ بھی تھا۔ اور ان کا مجموعی طور پر تاثر سامنے آرہا تھا کہ قاضی صاحب انہیں تقریر کے میدان میں بھی آگے بڑھادیں گے اور نکھار دیں گے۔ میں نے بھی وہاں کی طالب علمی کے زمانے میں ان کی ایک طویل تقریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے لکھ کر محفوظ کرلی تھی، جس کا مجھے اب بھی یہ فائدہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے معیاری جملے، معیاری فکر اور شستہ زبان سے لکھنے اور بولنے میں مدد ملتی ہے۔

بہرحال طالب علمی کے زمانے میں مونگیر میں حضرت قاضی صاحب سے باقاعدہ کوئی کتاب پڑھنے اور زیادہ استفادہ کا موقع نہیں ملا، چونکہ نیچے درجے میں تھا اور پھر لاشعوری کا دور تھا، عمر تقریباً پندرہ سال تھی۔ لیکن ۱۹۸۹ء میں جب انہوں نے مجھے علمی معاون کی حیثیت سے پھلواری شریف بلایا تو اس وقت سے لے کر آج تک ان سے قریب رہنے اور استفادہ کا موقع ملا۔ تمام فقہی سیمیناروں میں شرکت ہوئی، بہت سے دعوتی اسفار میں ان کے ساتھ رہا، وقتاً فوقتاً ''بحث ونظر'' میں بھی لکھنے یا عربی مقالات کے ترجمہ کا موقع ملا، ان کی دو کتابوں ''اسلامی عدالت'' اور چند اہم فقہی مسائل'' اور بہت سے علمی وفقہی مقالات کے ترجمہ کا موقع ملا۔ جس کے دو مجموعے ''نظام القضاء الاسلامی'' اور فقہ المشکلات'' شائع ہوچکے ہیں، اس کے علاوہ بہت سے مقالات غیر مطبوعہ ہیں، پھر امارت شرعیہ کے شعبہ تربیت افتاء وقضاء میں تدریس کی ذمہ داری سپرد ہوئی تو یہاں اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو انجام دینے کے بعد جب کبھی وہ افتاء وقضاء کے طلبہ کو پڑھاتے تو یہ عاجز اس میں شرکت کی کوشش کرتا، کبھی ہدایہ کے منتخب ابواب، کبھی حجۃ اللہ البالغۃ، کبھی اصول فقہ اور قواعد الفقہ کے اسباق میں، کبھی محاضرات میں، بہرحال اس کوتاہ نظر کو مجموعی طور پر ان کے درس کی جو خصوصیات سمجھ میں آئیں وہ درج ذیل ہیں:

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے درس کی خصوصیات:

ان کے درس کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر فن میں اولی تھے، مدارس میں پڑھائے جانے والے متداول علوم وفنون میں سے ہر فن میں انہیں کمال حاصل تھا، جدید عصری علوم پر بھی ان کی نظر تھی اس لئے وہ درس میں حسب موقع مختلف فنون کے مسائل سے بحث کرتے، کہیں کوئی بحث ذیلی آجاتی تو اس کی اچھی تشریح فرمادیتے، وہ کہتے تھے کہ پڑھنے کے زمانے تک تو میرے لئے سارے فنون برابر تھے، یعنی علوم عالیہ وآلیہ، فقہ، حدیث، تفسیر، نحو وصرف، عربی ادب، معانی وبیان، فرائض، منطق وفلسفہ وغیرہ ہر ایک سے انہیں اچھی مناسبت تھی، اس لئے ایسا استاذ جو ہر فن پر حاوی ہو وہ اتنا ہی کامیاب مدرس ہوگا اور طلبہ کو اس سے اتنا ہی

زیادہ فائدہ پہونچے گا۔

فقہی ذوق اور فقہ میں خصوصی مناسبت کیسے پیدا ہوئی؟

فرماتے تھے کہ پڑھنے کے زمانے تک سارے علوم وفنون میرے لئے برابر تھے، ساری کتابیں محنت سے پڑھی تھیں، لیکن جامعہ رحمانی مونگیر میں جب تدریسی خدمت سپرد ہوئی اور "ہدایہ" کا درس مجھ سے متعلق ہوا تو اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور بڑی محنت سے پڑھایا، ہدایہ متعدد سال تک میرے فکر ونظر اور محنت کا میدان رہی ہے، اس کے تمام شروح وحواشی نظر سے گزرے ہیں، اس کتاب کے گہرے مطالعہ وتدریس سے فقہ سے مناسبت پیدا ہوئی، ہدایہ فقیہ بنانے والی کتاب ہے۔ اسی زمانے میں جب وہ ہدایہ پڑھارہے تھے حضرت امیر شریعت رابعؒ نے نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کو ان کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تاکہ اندازہ ہو کہ ہدایہ کیسی پڑھارہے ہیں، حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں:

ایک دن حضرت مولانا عبدالصمد صاحب علیہ الرحمہ نائب امیر شریعت نے مجھ سے فقہ سے متعلق چند سوالات کئے، سادہ سے سوالات، جو کچھ جانتا تھا، بتادیا، مگر میں سمجھا نہیں کہ قصہ کیا ہے، کچھ دنوں کے بعد فرمانے لگے کہ بھائی تم امتحان میں کامیاب ہوگئے، میں نے پوچھا کہ حضرت قصہ کیا ہے؟ فرمانے لگے نائب صاحب کو میں نے ہی کہا تھا کہ وہ جانچ لیں کہ تم ہدایہ کیسی پڑھارہے ہو (امیر شریعت رابع...ص۳۳)

یہ ہے وقت کے ایک بڑے فقیہ کی ان کے بارے میں شہادت، بہرحال فقہ کے عظیم اسکالر ہونے کی حیثیت سے فقہ اور اس کے دونوں پہلو افتاء وقضاء اور ان کے متعلقات پر ان کا درس غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔

پھر ان کا اسلوب، طرز بیان اور انداز درس اتنا مؤثر، دلکش اور واضح ہوتا کہ مخاطب کے دل ودماغ پر چھا جاتے اور اس کی پوری توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے کہ ادھر ادھر ذہن کے بھٹکنے اور دوران درس کوئی اور بات سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا، آواز میں بڑی حلاوت تھی افہام وتفہیم پر ایسی قدرت تھی کہ ایک بات کو دس طریقہ سے سمجھا سکتے تھے، مشکل سے مشکل مسائل کو آسان زبان وانداز میں بیان کرنے اور ہر مسئلے کی روح تک پہنچنے کا انہیں ملکہ حاصل تھا، اس لئے مسئلہ پوری طرح منقح ہوجاتا تھا اور موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہتا، ان کی تقریر کی بھی یہی خصوصیت تھی کہ پورے مجمع پر سناٹا چھا جاتا اور ہر شخص گوش برآواز ہوجاتا تھا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے درس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ گہرے مطالعہ کے ذریعہ درس کے پورے مضمون پر حاوی ہوجاتے، مثلاً اگر ایک صفحہ پڑھانا ہوتا تو وہ پہلے پورے صفحہ کے مضمون کو ذہن نشیں کر لیتے اور سر اٹھا کر پہلے مسئلہ کی تشریح فرمادیتے پھر اس کو عبارت سے منطبق کراتے، فرماتے کہ تدریس کا بہتر طریقہ یہی ہے۔ اس میں استاذ کو محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور اس کا فائدہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے دونوں کو زیادہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف کچھ لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی عبارت پڑھتے جاتے ہیں اور اس کی تشریح کرتے جاتے ہیں، اس صورت میں کم محنت سے بھی کام چل جاتا ہے لیکن افادیت کے لحاظ سے پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔

عبارت کی اصلاح اور ترکیب پرزور:

حضرت کے درس کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ عبارت کی اصلاح پر بہت زور دیتے، کسی طالب کو غلط عبارت پڑھ کر گزرنے نہیں دیتے، فرماتے تھے کہ ہمارے اساتذہ تو ہمیں عبارت میں چلنے ہی نہیں دیتے تھے، ایک ایک لفظ کی تحقیق کرتے، نحوی ترکیب صرفی قواعد، لغوی تحقیق، جملہ میں کون سا لفظ ترکیب میں کیا واقع ہے، اس کا کیا اعراب ہے، کلمہ کی کون سی قسم ہے، فعل ہے تو کون سا فعل ہے، صیغہ کیا ہے اپنی اصل حالت میں ہے یا اس میں تعلیل ہوئی ہے؟ تعلیل ہوئی ہے تو کس قاعدے کے تحت؟ اگر اسم ہے تو کون سا اسم ہے؟ معرب یا مبنی؟ معرب ہے تو اعراب کی کون سی قسم میں داخل ہے؟ یہاں پر کس حال میں ہے؟ ترکیب میں کیا واقع ہے؟ حرف ہے تو کون سا حرف ہے، عامل ہے یا غیر عامل؟ غرض یہ ہے پوری چھان بین کرنے کے بعد ہی آگے بڑھنے دیتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کا ایسا مزاج بن گیا ہے کہ عبارت کی غلطی ناقابل برداشت ہوجاتی ہے، اور غلط عبارت

پڑھنے والے کی صلاحیت مشتبہ ہو جاتی ہے۔

معہد میں شوال میں نئے داخلہ کے لئے طلبہ کا امتحان لیتے وقت عبارت میں کمزوری محسوس کرتے تو بہت غصہ ہوتے، تعجب کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ دیکھئے مرکزی اداروں کے فضلاء ہیں، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر العلوم سہارنپور سے پڑھکر آئے ہیں اور عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے، ایک امیدوار ندوہ سے پڑھکر آئے تھے عبارت پڑھنے میں غلطی ہوئی تو برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ اب حضرت مولانا محمد رابع صاحب سے ملاقات ہوگی تو ان سے پوچھوں گا کہ ادھر طلبہ اتنے کمزور کیوں نکل رہے ہیں؟ بسا اوقات یہ بھی ہوتا کہ طلبہ ان کے سامنے مرعوب ہو جاتے اور جاننے کے باوجود صحیح جواب نہیں دے پاتے اور جو طلبہ مستعد اور بہادر ہوتے اور ڈٹ کر جواب دیتے تو بہت خوش ہوتے اور تعریف کرتے۔

داخلہ مکمل ہو جانے کے بعد جب تدریس کا مرحلہ شروع ہوتا تو ہم اساتذۂ معہد سے کہتے کہ شروع میں کچھ عرصہ عبارت پر زور دیجئے اور دو چار سطریں روزانہ اس طرح حل کرایئے جیسا کہ ان کا طریقہ تھا جو اوپر مذکور ہوا تو انشاء اللہ جن لوگوں میں تھوڑی کمزوری ہے دور ہو جائے گی، زیادہ عرصہ محنت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ضرورت ہے کہ عربی مدارس کے اساتذہ اس پہلو پر توجہ دیں اور شروع سے طلبہ کی عبارت کی اصلاح کا خیال رکھیں۔

حضرت قاضی صاحب اپنی تدریس کے زمانہ میں کتنی محنت سے پڑھاتے تھے اور چھوٹی چھوٹی کتابوں کے مطالعہ میں کتنا وقت صرف کرتے تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے:

ڈھائی سال قبل یہ عاجز رمضان المبارک کے دس بارہ دن حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خانقاہ ہردوئی میں گزار کر آیا، وہ اس سال رمضان میں پھلواری ہی میں مقیم تھے، میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو مجھ سے وہاں کے معمولات دریافت کرنے لگے، میں نے بتلایا تو انہوں نے خوشی واطمینان کا اظہار کیا پھر فرمایا کہ میری بھی مولانا سے متعدد بار ملاقات ہے، حج کے لئے جاتا تھا تو وہاں ہر سال ملاقات ہوتی تھی، ادھر علالت کی وجہ سے حج کا سفر نہیں ہو رہا ہے اس لئے ملاقات سے بھی محروم ہوں۔ امارت شرعیہ کے متعدد علماء اور کارکن بھی مجلس میں حاضر تھے، اس کے بعد تصوف اور احسان وسلوک ہی کے موضوع پر بات چل پڑی، اور اس تعلق سے ایسی قیمتی باتیں بیان فرماتے رہے کہ مجمع محو حیرت تھا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وقت کا عظیم مصلح اور روحانی پیشوا راہ سلوک کی عقدہ کشائی کر رہا ہو اور اپنے مسترشدین ومتعلقین کو اصلاح نفس کے طریقے کی تلقین کر رہا ہو، فرمایا کہ تصوف کا بڑا مقصد اصلاح نفس ہے اور اصلاح نفس کے لئے موت اور مابعد الموت کا تصور اور مراقبہ بہت مؤثر اور مفید ہے۔ روزانہ کسی وقت موت کا تصور کرو کہ فرشتہ روح قبض کر رہا ہے، اب لوگ مجھے غسل دلا رہے ہیں، تجہیز وتکفین کر رہے ہیں، میری نماز جنازہ پڑھی جارہی ہے، اب لوگ مجھے دفن کر رہے ہیں، منکر نکیر آکر قبر میں سوالات کر رہے ہیں اس تصور اور مراقبہ سے خود دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی، آخرت کی فکر ہوگی، پھر اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے آخری دور میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گیا تھا، وہاں سخت سردی کے زمانے میں رات کو ذکر کرتا تو شیروانی پسینے سے تر ہو جاتی تھی، پھر جب میں تدریس کے لئے جامعہ رحمانی آیا تو کتابوں کے مطالعہ کے بعد ذکر کے لئے وقت ہی نہیں ملتا، صرف تیسیر القرآن کے مطالعہ میں اکثر چار گھنٹے لگ جاتے تھے (یہ مولانا عبد الصمد رحمانیؒ کی مرتب کردہ کتاب ہے، واقعی اسی لائق ہے کہ اسے مدارس کے نصاب میں داخل کیا جائے، اس کے پڑھنے سے جملہ الفاظ قرآنی اور مختلف النوع تراکیب، لغوی تحقیق اور نحوی و صرفی قواعد کی تطبیق کے ساتھ طالب علم کے ذہن میں آجاتے ہیں) یہ کتاب مونگیر میں دوم اور سوم عربی میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان درجات کی کتابیں بھی آپ اتنی محنت اور تیاری سے پڑھاتے تھے کہ اس کے مطالعہ میں چار چار گھنٹے صرف ہوتے تھے۔ پھر فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد دیوبند گیا تو حضرت مدنیؒ سے اس کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ کیا کروں مطالعہ کے بعد ذکر کے لئے وقت نہیں ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پڑھانا آپ کے فرائض میں داخل ہے اور اس کی تیاری مقدم ہے، اگر مطالعہ کی مصروفیت کی وجہ سے ذکر کے لئے وقت نہیں ملتا ہے تو ذکر چھوڑ دیجئے۔ اس واقعہ سے

پتہ چلتا ہے کہ آپ جہاں منتہی درجات کی کتابیں جس محنت اور تیاری سے پڑھاتے تھے اسی محنت، توجہ اور انہماک سے ابتدائی درجات کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔

چند سال قبل مولانا شعیب احمد رحمانی استاذ مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ اپنے مدرسہ کے کسی کام سے پھلواری شریف آئے تھے، حضرت قاضی صاحب کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے کہ تفسیر بیضاوی کے مسائل اب بھی مستحضر ہیں، قاضی صاحب اس طرح پڑھاتے تھے کہ مسائل دوران درس ہی محفوظ ہو جاتے تھے۔

حضرت قاضی صاحب کے وصال کے بعد مولوی فضل اللہ ہرسنگھ پوری امارت شرعیہ آئے وہ مونگیر میں ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا واقعہ بتایا کہ جامعہ رحمانی میں ہم لوگوں کو قدوری نائب ناظم صاحب پڑھاتے تھے۔ اور اچھی پڑھاتے تھے، لیکن اونٹ کی زکوۃ کا مسئلہ ذرا پیچیدہ ہے، استاذ نے کئی دن سمجھایا مگر ہم لوگ ٹھیک سے نہیں سمجھ سکے، قاضی صاحب اسی دن سفر سے واپس آئے تو دفتر نظامت میں ملنے تشریف لائے، استاذ نے بتایا کہ یہ لوگ یہ مسئلہ سمجھ نہیں پار ہے ہیں آپ ہی سمجھا دیجئے، چنانچہ انہوں نے کتاب لے کر عبارت پر ایک نظر ڈالی پھر سر اٹھا کر ایسے سلجھے انداز میں مسئلے کی تشریح کی کہ ہم لوگ ایک ہی دفعہ میں اچھی طرح سمجھ گئے۔ تو حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی یہ خصوصیت تھی کہ تفہیم اور بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی، مشکل سے مشکل مسئلہ کو مخاطب کے ذہن میں اتار دینے اور مخاطب کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے مثالیں ایسی پیش فرماتے جسے مخاطب کا ذہن فوراً قبول کر لے۔

قاضی صاحب اور امتحان:

امتحان کے معاملے میں آپ بہت سخت تھے، اس سلسلے میں نرمی برتنے کے بالکل قائل نہیں تھے نہ رعایۃً وہ کسی کو پاس کرنا جانتے تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ تعلیم کے معیار کو اگر بلند رکھنا ہے تو پھر امتحان کے نظم کو سخت رکھنا ہوگا، معہد کے قیام سے قبل تربیت افتاء وقضاء کے شعبے میں یہ عاجز مدرس تھا، مولوی انوار الحق چمپارنی، مولوی نوشاد، مولوی جمال اکبر، مولوی اشتیاق وغیرہ کا سال تھا۔ یہ سب اچھے طلبہ تھے، اس سال وہ اصول فقہ کے اسباق پابندی سے پڑھا رہے تھے، درمختار، الاشباہ والنظائر اور اصول کرخی وغیرہ کے اسباق اس عاجز سے متعلق تھے ششماہی امتحان میں اصول فقہ کا سوال انہوں نے خود بنایا، سوالات شق در شق تھے، کاپی جانچ کے واسطے میرے پاس آئی، سوالات پانچ تھے اور سب کا جواب لازمی تھا، عام طور پر طلبہ نے چار سوال حل کیا تھا، پانچویں کا جواب لکھنے کے لئے وقت ہی نہیں ملا، صرف ایک مہاراشٹری طالب علم مولوی اشفاق نے پانچوں سوال کا جواب لکھا تھا، مگر حالت یہ تھی کہ دو سوال کو نصف نصف حل کیا تھا، نتیجہ کے لحاظ سے چار ہی سوالات حل ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ طلبہ نے جواب بہت عمدہ تفصیل سے لکھا ہے، لیکن ایک ایک سوال سب کا چھوٹ رہا ہے، اس طرح ایک سوال کا مکمل نمبر کٹ رہا تھا، میں نے جا کر ان سے صورت حال عرض کی اور بتایا کہ وقت کی قلت کے باعث طلبہ ایک سوال کا جواب نہیں لکھ سکے، ویسے جتنا لکھا ہے وہ بہت عمدہ ہے، اگر ایک ایک سوال کا نمبر وضع کیا جائے تو کم لڑکے اول آسکیں گے جبکہ ان میں سے اکثر اول درجہ سے پاس کرنے کے لائق ہیں، تو کیا کمیت سے صرف نظر کر کے کیفیت کی بنیاد پر نمبر دیا جائے؟ لیکن انہوں نے سختی سے منع کیا کہ ایسی کسی رعایت کی قطعی ضرورت نہیں ہے، جتنا جواب لکھا ہے اسی لحاظ سے نمبر دیجئے، چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق نمبر دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ آخری نمبر ستر کے قریب تھا۔

جامعہ رحمانی مونگیر میں ۱۹۶۹ء میں ششماہی امتحان میں ہم لوگوں کی کافیہ کا سوال انہوں نے بنایا، کافیہ یوں بھی مغلق اور مشکل کتاب ہے اور سوال بھی قدرے سخت ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر طلبہ ٹھیک سے جواب نہیں لکھ پائے۔ دو کے سوا تمام طلبہ اس کتاب میں ناکام ہو گئے، میرا اکاسی نمبر آیا اور میرے ایک باصلاحیت ساتھی مولوی نظام الدین مونگیری (حال بیگوسرائے) کا پینسٹھ نمبر آیا باقی سب فیل، حتی کہ ہمارے ایک ذہین اور محنتی ساتھی مولوی مسعود عالم مظفر پوری (حال سیتامڑھی) بھی فیل ہو گئے، نمبر میں انہوں نے کسی کی رعایت نہیں کی، کافیہ کے استاذ مولانا فضل الرحمن قاسمی (موجودہ استاذ حدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد) پر اس کا اثر تھا اور وہ طلبہ سے شاکی تھے کہ انہوں نے اس کتاب میں ٹھیک

سے محنت نہیں کی اور اچھی طرح جواب نہیں لکھا، حالاں کہ انہوں نے محنت سے پڑھایا تھا، ان کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں تھی وہ تو اس وقت منتہی درجات کی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھا رہے تھے۔

پھر امتحان کے سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جون سا مضمون جس استاذ سے متعلق ہو وہ اس کا امتحان نہ لیں، اگر خود سے سوال بنانے کی نوبت آجائے تو خود کاپی چیک نہ کریں کہ اس صورت میں کمزوری ظاہر ہونے پر بدنامی سے بچنے کے لئے بے جا رعایت کا خطرہ ہے معہد کے اساتذہ کے سامنے انہوں نے اہمیت کے ساتھ اس کا تذکرہ فرمایا۔

نمبر بھی وہ بہت ناپ تول کر دیتے تھے، عام طور پر ساٹھ، پینسٹھ، ستر، پچھتر سے آگے نہیں بڑھتے تھے، دو سال قبل سالانہ امتحان میں احکام القرآن کی کاپی انہوں نے جانچ کرنے کے لئے منگوائی، مگر اپنی علالت اور بعض دیگر مصروفیات کے باعث صرف دو کاپی دیکھ سکے، بعض اساتذہ کے سامنے ایک طالب علم کی تعریف کی کہ بہت مرتب انداز میں لکھا ہے ایک کا نمبر پچھتر تھا اور دوسرے کا پینسٹھ، پھر ان کے برادر زادہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تشریف لائے تو انہوں نے وہ کاپی ان کے حوالہ کر دی اور تاکید فرمادی کہ بس آخری نمبر یہی پچھتر رکھنا، معہد کے داخلہ امتحان میں بھی اکثر وہ یہاں موجود رہتے اور خود سے امتحان لیتے، اختبار شفاہی میں اپنے ساتھ دوسرے اساتذہ کو بھی شریک فرماتے، اور ہر ایک کے ہاتھ میں نمبر کے لئے کاغذ تھما دیتے، جس میں عبارت خوانی، فقہ، تفسیر و حدیث کے نمبر کے لئے الگ الگ خانہ ہوتا، ہر استاذ اپنی صوابدید کے مطابق نمبر دیتا پھر سب کا اوسط نکال کر اور پھر تحریری امتحان کا نمبر ملا کر نتیجہ نکالتے۔

معہد کے سالانہ امتحان کے لئے انہوں نے یہ ضابطہ بنایا کہ سالانہ امتحان کے سوالات مرکزی مدارس کے ممتاز اساتذہ سے مرتب کرائے جائیں، چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد اور المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد وغیرہ سے سوالات منگوائے جاتے اور بہت سی کاپیاں بھی چیک کرنے کے لئے باہر بھیجی جاتیں اور امسال تو سال دوم کے طلبہ کی تمام کاپیاں سالانہ امتحان کے موقع پر انہوں نے دلی منگوائی اور متعدد اہل علم سے چیک کرایا، مگر اللہ کے فضل و کرم سے امسال کا نتیجہ گزشتہ سالوں کی بنسبت زیادہ بہتر رہا، نمبرات پہلے کے مقابلہ میں زیادہ اچھے آئے۔

ادھر چار برسوں سے جب وہ زیادہ علیل ہوئے تو پہلے کی طرح معہد میں ان کے پڑھانے کا سلسلہ جاری نہ رہا، مگر پھر بھی وہ یہاں کے زمانۂ قیام میں اپنی علالت اور دیگر مصروفیات کے باوجود کچھ نہ کچھ ضرور پڑھاتے، معہد کی تعلیم کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتے، طلبہ کو بلا کر ان کا جائزہ لیتے، تعلیم کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتے محض اساتذہ و منتظمین کی رپورٹ پر اکتفانہ کرتے بلکہ طلبہ سے تفصیل دریافت کرتے، کسی جہت سے کوئی خامی محسوس کرتے تو اساتذہ کو اس کی طرف توجہ دلاتے، کبھی تعلیم کے اوقات میں معہد بلڈنگ تشریف لاتے اور کسی سبق میں بیٹھ جاتے اور اساتذہ و طلبہ سب کی رہنمائی فرماتے، دلی کے زمانۂ قیام میں بھی وہ ٹیلیفون سے رابطہ قائم فرماتے، معہد کے اساتذہ و کارکنان سب سے علیحدہ علیحدہ گفتگو فرماتے اور مناسب ہدایات دیتے، خصوصاً طلبہ میں عربی نویسی کا ذوق پیدا کرنے کی ہدایت فرماتے تا کہ وہ بحث اور علمی و فقہی مقالات عربی میں تیار کر سکیں۔

سال گزشتہ اسلامک فقہ اکیڈمی کا تیرہواں فقہی سیمینار جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آبادی میں منعقد ہوا اس میں عرب علما، اچھی تعداد میں شریک ہوئے ان میں سے ڈاکٹر محمد محروس مدرس عراق، ڈاکٹر محمد رواس قلعجی کویت اور ڈاکٹر محمد مختار خادمی استاذ ریاض یونیورسٹی کو مدعو کر کے معہد لائے، پورے ایک ہفتہ ان حضرات کے علمی و فقہی محاضرات عربی میں ہوتے رہے جن سے معہد کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ دارالافتاء اور دارالقضاء کے مفتی و قاضی حضرات نے بھی بھرپور استفادہ کیا، اور مختلف مسائل پر باہم تبادلہ خیال کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

☆☆☆

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایک علمی انقلاب کے علمبردار

مولانا اختر امام عادل
استاذ دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد

۴؍اپریل ۲۰۰۲ء کو بعد نماز مغرب فقیہ العصر، قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے وصال کی خبر بجلی بن کر گری اور میرے وجود میں اترتی چلی گئی، ایسا لگا جیسے یہ قاضی صاحب کی نہیں میری موت ہو، ایک سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی، اردگرد تاریک ہوکر رہ گیا، اور ایسا محسوس ہوا جیسے آج دن کے سورج کے ساتھ ساتھ علم وکمال کا نیر تاباں بھی ڈوب گیا۔

قریب نصف صدی تک جس شخص نے اپنے فکروفن سے قوم وملت، اور دنیائے علمی کو مالا مال کیا، جس کے ایثار ووفا اور صدق واخلاص کی تاریخ کئی دہائیوں تک ثبت ہوتی رہی، جس کے عزم واستقلال نے ملک وقوم کو ایک خوشگوار علمی انقلاب دیا، جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ علم وعلماء اور ملت اسلامیہ کی خدمت کے لئے وقف کردیا، اور جس نے زندگی کے آخری لمحے تک اپنے کام اور کاز کو فراموش نہیں کیا، ایسی ہستی کا اچانک ہم سے رخصت ہوجانا کوئی معمولی حادثہ نہیں، تاریخ ایسے محسن کو کبھی فراموش نہیں کرسکے گی۔

لوگ جاتے ہیں اور اپنا بدل چھوڑ جاتے ہیں، نعم البدل نہ سہی، بگران کا کام کرنے والے متبادل افراد موجود ہوتے ہیں، ان کے جانے سے انجمن نہیں اجڑ جاتی اور ان کے نگاہ موڑ لینے سے چمن کی شادابی نہیں چلی جاتی، مگر کم لوگ ہوتے ہیں جو جاتے ہیں تو اپنا کوئی متبادل نہیں چھوڑتے، یعنی ان کے بعد کوئی ایسا نہیں ہوتا جو اس کے عظیم کاموں کا بار اٹھا سکے، اور ان کے بعد ان کی جگہ لے سکے، تاریخ میں ایسے افراد کی فہرست بنائی جائے تو گنتی کے چند لوگ ہوں گے جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ گئے اور اپنا بدل چھوڑ کر نہیں گئے۔

ہمارے قاضی صاحب انہی گنتی کے چند عبقری لوگوں میں تھے، جو دنیا میں تھے تو مجلسیں بھرپور، انجمن آباد اور لالہ وگل پر بہار لگتے تھے، اور احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ ان کے نہ ہونے سے کیا ہوجائے گا؟ لیکن اب جب وہ دنیا سے چلے گئے، تو دنیا ہی تاریک ہوگئی، چمن ہی اجڑ گئے، محفلیں ہی سونی پڑگئیں، کہاں ہزاروں قمریاں نغمہ سرا تھیں، اس ایک بلبل کے چلے جانے سے ساری قمریاں ہی اڑ گئیں، ان کے بعد محفل میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا، جو ان کے کام کو اسی شان کے ساتھ آگے بڑھا سکے، جو ان کی جگہ لے سکے اور جو ان کی جیسی جامعیت رکھے، انا للہ وانا الیہ راجعون.

یہی ہے عالمی موت، اور اسی کا نام ہے حسرت عالم، اور بقول میر تقی میر۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو آئے ہیں سبھی دنیا میں مرنے کے لئے

معصوم بچپن کی محبت:

میں قاضی صاحب کے نام سے پہلی بار اس وقت آشنا ہوا جب میں نے ہوش کی آنکھیں بھی نہیں کھولی تھیں، میں اس نام سے کافی محبت کرتا تھا اس لئے کہ اس نام کے ساتھ میری بعض خوشیاں وابستہ تھیں، عید کی خوشیاں کسے عزیز نہیں، مگر بچوں کے لئے ان کی نوعیت ہی الگ ہوتی ہے، عید کا جتنا انتظار بچوں کو ہوتا ہے شاید روزہ داروں کو بھی نہیں ہوتا، ہمارے علاقہ میں امارت شرعیہ کے بڑے

اچھے اثرات ہیں، رمضان اور عیدین کے موقعوں پر اگر چاند نظر نہیں آتا، تو لوگوں کو امارت شرعیہ کی طرف سے اعلان کا شدید انتظار ہوتا ہے، شام کو ساڑھے سات بجے لوگ ریڈیو لے کر بیٹھ جاتے تھے، شام کی ریاستی خبروں کے آخر میں امارت شرعیہ کے قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کے حوالے سے رویت ہلال کی خبر نشر کی جاتی تھی، لوگ اس کو بہت ہی شوق سے سنتے تھے۔ اس طرح حضرت قاضی صاحب ہمارا بچپن میں ''چاندوالے مولانا'' تھے۔

میری علمی زندگی کے لئے ہلال عید:

کیا خبر تھی کہ وہ میری علمی زندگی کے لئے بھی ہلال عید ثابت ہوں گے اور اس چاند کے ڈوب جانے پر مجھے عرصہ تک رونا پڑے گا۔

۱۴۰۹ھ میں جب میں دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس تھا، ایک دن ایک فقہی، تحقیقی، دستاویزی سہ ماہی مجلّہ ''بحث ونظر'' کا اعلانیہ پمفلٹ دارالعلوم کی دیواروں پر آویزاں نظر آیا، حیرت ہوئی علمی ادبی زوال کے اس دور میں جب لوگ عام فہم اور دلچسپ اردو رسائل بھی خرید کر پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور ان رسائل کے ذمہ داران اشاعت کی کمی کا رونا رو رہے ہیں، بدذوقی اور قحط کے اس دور میں تحقیقی اور دستاویزی مجلّے کون پڑھے گا؟ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے رسالہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ آ گیا، اور پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ علمی دنیا میں ایک قیمتی اضافہ ہوا ہے، یہ میرا پہلا علمی تعارف تھا مدیر رسالہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ سے اس رسالہ کے فقہی مباحث، زاویۂ نگاہ، اصولی اور تجزیاتی اندازتحریر، مذاہب فقہیہ کے تحقیقی مطالعہ، القضایا، الفتاویٰ اور نئی علمی کتابوں کے تعارف وتبصرہ وغیرہ نے میرے فقہی مطالعہ کو ایک نئی سمت دی، اگر چہ میں افتاء سے فارغ ہو چکا تھا، لیکن اس نئی روشنی میں پھر سے فقہی سفر شروع کیا، مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ابتک جو کچھ پڑھا ہے وہ محض سرسری ہے، حقیقی اور گہری تعلیم کے لئے مجھے پھر سے محنت کرنی ہوگی، اس طرح زمانہ تدریس میں قاضی صاحب کی غائبانہ سرپرستی میں میں نے رسم سے حقیقت کی طرف اور سطحیت سے تعمق کی طرف ایک نئے علمی سفر کا آغاز کیا، اور اس طرح قاضی صاحب میرے معلم اور میں ان کا غائبانہ متعلم بنا۔

رسالہ بحث ونظر کا تعمیری کردار:

کوئی میرے دل سے پوچھے کہ ''بحث ونظر'' نے ایک طالب علم کو حقیقی طالب علم بننے میں کیا کردار ادا کیا؟ اور ایک غافل وکاہل شخص کو علم وتحقیق کی راہ پر کیسے ڈالدیا؟ کسی علمی رسالے کی اس سے بڑی افادیت کیا ہوسکتی ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ قاضی صاحب کی علمی انقلابی تحریک کا باقاعدہ آغاز اسی رسالے سے ہوا، اس سے قبل بحیثیت قاضی شریعت، فقیہ عصر، مفکر وقت اور مجاہد ملت ان کے جو بھی کارنامے تھے ان کی افادیت کا دائرہ محدود تھا، ''بحث ونظر'' نے پہلی بار قاضی صاحب کے فکر وفن اور ان کی فقہی بصیرت کو عام کرنے کا عمل شروع کیا، اور اسی رسالہ کے ذریعہ قاضی صاحب نے ایک عہد اور ایک نسل کی تعلیم وتربیت اور فکری تشکیل کا آغاز کیا، انھوں نے علماء وطلبہ کے دلوں میں طلب وجستجو کی آگ بھڑکادی، ان کو ایک سمت سفر دیا، علم وتحقیق کا سلیقہ دیا، بہت سی وہ کتابیں جن کے نام سے بھی طلبہ وفضلاء واقف نہیں تھے، یا تو وہ کتابیں میسر نہیں تھیں یا بڑی لائبریریوں کے نمائش خانوں میں محفوظ تھیں، کئی دہائیوں سے کسی نے ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا، قاضی صاحب نے ان کتابوں پر جمی گرد کو صاف کیا، ان کے نام اور مقام سے علماء کو واقف کرایا، اور محنت ومطالعہ سے بھاگنے والی جماعت کو کتابوں سے قریب کیا، یہ وہ زبردست علمی انقلاب تھا جو شاید نصف صدی کے بعد پہلی بار اس مرد مجاہد کے ذریعہ رونما ہوا۔

اس موقعہ پر میں اپنے علمی مربی، عظیم ترین محسن اور مشفق استاذ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی مفتی دارالعلوم دیوبند (دامت برکاتہم العالیہ) (مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وصاحب تصانیف کثیرہ) کا بہت زیادہ ممنون ہوں، کہ حضرت مفتی صاحب ہی نے پہلی بار مجھے بحث ونظر سے روشناس کرایا، مفتی صاحب کے پاس یہ رسالہ اعزازی طور پر آتا تھا، مفتی صاحب نے مجھے یہ رسالہ دکھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ بڑا علمی رسالہ ہے اس کو پڑھو اور محنت کر کے اس کے معیار کا کوئی مضمون تیار کرو

''میں قاضی جی'' کو اشاعت کے لئے بھیج دوں گا، کوئی نہیں جانتا کہ کس کی زبان سے کون سا جملہ کس پر کب اثر انداز ہوگا؟ میں نے حضرت الاستاذ کو کوئی جواب تو نہیں دیا مگر دل میں ایک کسک پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اس لائق ہوتا، اور پھر میرے اس علمی سفر کا آغاز ہوا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا، وہ سفر آج تک جاری ہے اور اللہ کرے کہ زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہے۔ اللہم آمین.

اسلامک فقہ اکیڈمی ایک عظیم علمی تحریک:

اسی اثناء معلوم ہوا کہ قاضی صاحب نے ایک فقہی انجمن قائم کی ہے، جس کا پہلا نام ''مرکز البحث العلمی'' تھا اور بعد میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' (اسلامک فقہ اکیڈمی) کے نام سے مشہور اور متعارف ہوا، یہ فقہی میدان میں قاضی صاحب کا دوسرا بڑا انقلابی قدم تھا، یعنی تحریری تعلیم کے ساتھ زبانی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع ہوا، اور اس طرح قاضی صاحب کی کوششوں سے آزاد ہندوستان میں پہلی بار فقہ شورائی یا فقہ اجتماعی کی بنیاد پڑی۔

اجتماعی اجتہاد:

اور یہ کوئی نئی بدعت قاضی صاحب نے ایجاد نہیں کر دی تھی، بلکہ یہ سنت فاروقی ہے کہ اہم مسائل میں انفرادی آراء کے بجائے اجتماعی غور و خوض کا راستہ اختیار کیا جائے۔ متعدد مسائل میں حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ طرز عمل اختیار کیا --- اس طریقِ اجتہاد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انفرادی آراء میں جو اختلافات ہو سکتے ہیں، ان کا امکان اس صورت میں بہت کم ہو جاتا ہے، اور زیادہ تر مسائل میں کوئی متفقہ قدر نکل ہی جاتی ہے، علاوہ ازیں بحث کے مختلف پہلو تمام لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں اور ہر پہلو پر پوری سنجیدگی کے ساتھ شرکاء کو سوچنے کا موقعہ ملتا ہے، نیز اس سے نئے شرکاء اور فضلاء کی ذہنی تربیت بھی ہوتی ہے اور ان میں نئے مسائل کے حل کا شعور پیدا ہوتا ہے اور اس طرح امت میں علمی خلا پیدا نہیں ہوتا۔

اس طرز اجتہاد کا ایک اہم ترین فائدہ یہ بھی ہے کہ امت میں جزوی اجتہاد کا عمل جاری رہتا ہے جس کے ذریعہ ہر دور میں نئے مسائل و حوادث کا حل نکالا جا سکتا ہے، اور اسلامی قانون کی جامعیت اور ابدیت کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، اور قانون ہر دور میں اپنی نئی تعبیر و تشریح کے ساتھ زندگی پر حاوی رہتا ہے وغیرہ۔

یہ وہ عظیم مقاصد ہیں جن کے پیش نظر اسلامی تاریخ میں حضرت فاروق اعظم نے اجتماعی اجتہاد کی داغ بیل ڈالی، حضرت فاروق اعظم کے اکثر مسائل اجماعی یا اتفاقی ہونے اور ان کے مذہب فقہی کی اشاعت عام کا بڑا سبب یہی اجتماعی طرز اجتہاد ہے۔ حضرت فاروق اعظم کے علاوہ دیگر فقہاء صحابہ کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے اسی لئے ان کے مذاہب کو وہ قبول عام حاصل نہ ہوا اور نہ اس کی وہ اشاعت ہو سکی جو حضرت فاروق اعظم کے مذہب فقہی کی ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء حضرت شاہ ولی اللہ ج:۳)

فاروق اعظم کی فقہ اجتماعی تھی اور دیگر صحابہ کی فقہ انفرادی، انفرادی اور اجتماعی کا فرق صحت فکر میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور قبولیت و اشاعت میں بھی۔

حضرت فاروق اعظم کے بعد سے امام اعظم ابوحنیفہ تک اجتماعی فقہ کی کسی بڑی کوشش کا کوئی سراغ نہیں ملتا، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں امام اعظم ابوحنیفہ نے ایک بار پھر اس تاریخ کا اعادہ فرمایا، البتہ صورت حال تھوڑی بدلی ہوئی تھی، کہ امام اعظم نے اتنا اہم ترین کام سرکاری سطح پر نہیں بلکہ نجی سطح پر شروع فرمایا، اس لئے کہ سرکاری طور پر اس عظیم الشان کام کی تکمیل ناممکن تھی، کیونکہ نہ اب فاروق اعظم جیسے امیر المؤمنین تھے اور نہ ان کے شرکاء مجلس کی طرح اہل کمال شرکاء --- امام ابوحنیفہ نے بہت ہی دور رس منصوبہ بندی کے ساتھ فقہ تقدیری کی بنیاد ڈالی، اور نئے مسائل کے علاوہ مستقبل قریب سے مستقبل بعید تک کے ممکنہ مسائل کو بحث و نظر کا موضوع بنایا اور اس طرح ایک قابل لحاظ عرصے کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں ہزاروں بلکہ لاکھوں مسائل اسلامی قانون کی حیثیت سے مدون کر لئے گئے۔

ائمہ اربعہ میں کسی امام کے مذہب کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کی فقہ اجتماعی تھی اور ان کے علاوہ تینوں ائمہ کی فقہ

انفرادی، اسی لئے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو جو قبول عام اور عقل ونقل کی ہم آہنگی حاصل ہوئی وہ کسی امام کے مذہب کو حاصل نہ ہوسکی۔---- یہ اجتماعی اور انفرادی کا فرق ان ائمہ کے اصول اجتہاد میں بھی ملتا ہے، یہ ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد کے تجزیہ کا موقع نہیں ہے، ورنہ اس پر روشنی ڈالی جاتی کہ امام ابوحنیفہ نے اجتہاد وتفقہ کے جو اصول اختیار فرمائے وہ آفاقیت کے حامل ہیں، اور ان میں کسی مخصوص طرز یا علاقے کی تحدید یا تخصیص نہیں ہے، جبکہ دیگر ائمہ کے اصول اجتہاد میں اس قسم کی تخصیصات وتحدیدات کئی جگہ موجود ہیں، مثلاً امام مالک نے---- اختلافی مسائل میں ترجیح کا یہ اصول اختیار فرمایا کہ اہل مدینہ کے اقوال کو ترجیح حاصل ہوگی، یہ علاقائی تخصیص ہے، حضرت امام شافعی نے اصح مافی الباب (یعنی اس موضوع پر جو سب سے صحیح سند سے روایت مروی ہو اس) کو ترجیح کی بنیاد قرار دیا، یہ روایت ودرایت میں سے روایت کی تخصیص امام اعظم ابوحنیفہ کے اصولوں میں اس قسم کی کوئی حد بندی یا تنگی نہیں ہے، نہ ان کے یہاں علاقائی ترجیح ہے اور نہ محض قوت سند کو معیار مانا جاتا ہے، وہ ہر علاقے کی صحیح روایات کا اعتبار کرتے ہیں اور روایت ودرایت دونوں اصولوں کو مناسب طور پر استعمال کرتے ہیں، یہ آفاقیت بلاشبہ اجتماعی اجتہاد کی دین ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے فقہ اجتماعی کو آخری شکل دی، اور اس طرح بحث ونظر کے بے شمار گوشے اور اجتہاد واستنباط کے متعدد اصول سامنے آئے۔ بعد میں امام ابویوسف، امام شافعی اور دیگر فقہاء میں اصول فقہ کی تدوین کا جو رجحان پایا جاتا ہے کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب اسی مجلس ابی حنیفہ کی دین تھی، اسی لئے اگر چہ امام ابوحنیفہ نے اصول فقہ پر خود کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ باقاعدہ اس کی تدوین کی طرف توجہ فرمائی، مگر انھوں نے اپنی فقہی مجلسوں کے ذریعہ بحث وتحقیق، اور اجتہاد واستنباط کے جو مناہج اور اصول پیش کئے وہ بعد کے ادوار میں تدوین اصول کے لئے دلیل اور اساس بنے، اس طرح اصول فقہ کی تدوین یا اصول اجتہاد کی نشو ونما سے امام ابوحنیفہ کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔

جمود وانحطاط کا آغاز:

امام اعظم ابوحنیفہ کے بعد مختلف علاقوں اور ادوار میں حسب ضرورت جزوی طور پر امام صاحب کے اس اجتماعی طرز کی پیروی کی گئی، اور علماء محدود سطح پر نوازل وحوادث (نئے مسائل وواقعات) میں اجتماعی غور وفکر کے لئے بیٹھتے رہے،----لیکن رفتہ رفتہ یہ ذوق جستجو، اور یہ جذبہ تحقیق کمزور پڑتا چلا گیا، اور فی الجملہ ایک جمود اور استغناء کا ماحول بن گیا، علماء کے اندر بالعموم تصلب کی جگہ تعصب، وسعت کی جگہ تنگ نظری، اور دقت نظری، اور حساسیت کی جگہ سطحیت اور جذباتیت نے لے لی، درمیانی صدیوں میں کئی اہل تحقیق اور انقلابی علماء نے اپنے اپنے طور پر اس جمود کو توڑنے اور اس بحر ساکن میں حرکت لانے کی کوشش کی، جن میں امام غزالی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ عز الدین بن عبد السلام، علامہ ابن الہمام، اور علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا اور قریب ترین صدیوں میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا عبدالحیٔ ابوالحسنات فرنگی محلی، اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے نام زیادہ نمایاں ہیں، ان حضرات کی علمی اور انقلابی کوششوں کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اس طرح ہر دور میں اہل علم اور اہل تحقیق علماء پیدا ہوتے رہے۔---مگر اس پورے دور میں کم از کم ہندوستان میں علمی مسائل اور نوازل وحوادث کے حل کے لئے کسی بڑی اجتماعی کوشش کا سراغ نہیں ملتا، حضرت عالمگیر اورنگ زیب کے دور میں علامہ نظام کی سربراہی میں ایک مجلس فقہی قائم ہوئی تھی، جس نے مشہور زمانہ کتاب ''فتاویٰ ہندیہ'' مرتب کی مگر اس کی حیثیت اجتہادی نہیں تھی، نئے مسائل پر غور وخوض کرنا اس کے مقاصد میں شامل نہیں تھا۔ اس مجلس کا کام فقط اتنا تھا کہ ہندوستانی حالات کے تناظر میں فقہ حنفی کی مکمل جزئیات کو موضوعاتی طور پر مرتب کردیا جائے۔ یعنی بالفاظ دیگر اس مجلس کے قیام کا مقصد ہندوستان کے اسلامی تحریری آئین کی ترتیب تو تھی یہ بھی اپنی جگہ ایک اہم ترین کام تھا، مگر اس کا تعلق زیادہ تر عدالتی نظام سے تھا، اجتماعی تفقہ وتدبر کا کام اس مجلس کے موضوع سے خارج تھا۔

اسی طرح ترکی کی خلافت عثمانی کے دور میں ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' اور ہندوستان کے عہد اسلامی میں ایک اور مجموعہ قانون ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کی ترتیب عمل میں آئی، مگر ظاہر ہے کہ

ان سب کا تعلق اسلامی حکومت کے آئین یا عدالتی نظام سے تھا، اس کا عمل تشریع یا اجتماعی اجتہاد سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔

البتہ آخری دور میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس میدان میں اہم کردار ادا کیا اور انھوں نے متعدد نئے مسائل پر مخصوص علماء کو اجتماعی غور وفکر کی دعوت دی، جس کے اہم ارکان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع بھی تھے۔ انھوں نے اس چیز کو محدود سطح پر کچھ دنوں پاکستان میں جاری رکھا۔

اس قسم کی ایک محدود کوشش ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی کی گئی، جس کے تحت ملک کے اہم ترین علماء نے وقت کے کئی اہم مسائل پر بحث وتحقیق کی، اوران کا حل نکالنے کی کوشش کی۔----

ایک محدود سطح پر حضرت مولانا محمد میاں صاحب علیہ الرحمہ کے زمانے میں جمعیۃ علماء ہند نے بھی اس میدان میں کوشش کی تھی۔

ان تمام فقہی کوششوں کی علمی اور تاریخی طور پر اپنی اہمیت ہے---مگر یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ اس میدان میں کوئی بہت زیادہ بڑی کوشش نہیں کی گئی، حسب ضرورت چند علماء کی چند نشستوں میں مسائل پر تبادلہ خیال کرلیا گیا اور بس۔

قاضی صاحب کا انقلابی کارنامہ

اس میدان میں عام انقلابی سطح کی کوشش (غالبًا) پہلی بار حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نے کی، انھوں نے اس ''اجتماعی تفقہ'' کو اس دور کے ہر عالم کا مسلہ بنادیا۔ ہر مفتی کے دل میں آگے بڑھ کر امت کے مسائل کی فکر پیدا کی، اوران کو مجبور کیا کہ وہ کتابوں کا مطالعہ کریں، فکر ونظر میں وسعت پیدا کریں، فقہ اسلامی کے اصل سرچشموں سے براہ راست مربوط ہوں، فقہ اسلامی کے اصول وکلیات سے آگاہ ہوں، دین کا مزاج سمجھیں، حالات پر نگاہ رکھیں، جدید علوم واصطلاحات کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں، اور اس تغیر پذیر دنیا میں آنکھ اور کان بند کر کے نہیں بلکہ پوری بیداری اور حاضر دماغی کے ساتھ مسائل کا سامنا کریں، اس طرح اسلامک فقہ اکیڈمی ایک طرف جدید مسائل کے حل کے لئے علماء کے اجتماعی تفکر وتفقہ کا مرکز بنی تو دوسری طرف جدید علماء وفضلاء کے لئے فقہی اور علمی تربیت گاہ بھی۔

تاریخ ساز سیمیناروں کا آغاز

دیوبند کے دوران قیام جب مجھے معلوم ہوا کہ ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے نام سے دلی میں فقہاء وعلماء کی ایک انجمن قائم ہوئی ہے، تو دفعتۂ میرا ذہن امام اعظم ابوحنیفہ کی مجلس فقہی کی طرف گیا'' لیکن اس مجلس کے معیار بحث وتحقیق اور اسلوب گفتگو وغیرہ کا قطعاً کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس اکیڈمی کا پہلا فقہی سیمینار جامعہ ہمدرد میں بڑے آب وتاب کے ساتھ ہوا، یہ آزادی کے بعد ہندوستان میں علماء اس معیار کا پہلا اجلاس تھا، جس میں عہد حاضر کے جدید ترین اور ترقی یافتہ اسباب ووسائل سے استفادہ کیا گیا۔ اور بحث وتحقیق، اور تبادلہ خیالات کا معیار بھی انتہائی اعلیٰ سنجیدہ اور باوقار اختیار کیا گیا، ملک اور بیرون ملک کے چوٹی کے علماء، فقہاء، اور مسلم ماہرین کی شرکت نے اس سیمینار کو اپنی نوعیت کا پہلا سیمینار ثابت کیا میں اس پروگرام میں شریک نہیں ہوسکا تھا، لیکن اس کی ہمہ گیر شہرت نے اس پروگرام کے دیکھنے اور سننے کی طالبعلمانہ آرزو پیدا کردی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد ہی یہ معلوم ہوا کہ اکیڈمی کا دوسرا سیمینار اسی مقام پر پھر ہونے جارہا ہے، اس کی خبر حضرت الاستا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب کے ذریعہ سے ملی، جن سے میرے علمی استفادہ کا سلسلہ برابر جاری تھا، اسی استفادہ کی ایک کڑی کے طور پر حضرت مفتی صاحب نے مجھے سیمینار کا سوالنامہ مرحمت فرمایا اور مجھے اس پر تحقیق کرنے کا حکم دیا، سوالنامہ عہد حاضر کے جدید ترین موضوع ''کرنسی نوٹ'' سے متعلق تھا، میرے لئے یہ موضوع قطعی اجنبی تھا، اس کی ابتدائی معلومات بھی مجھے حاصل نہ تھیں، مگر حضرت الاستاذ کے حکم کے سامنے میں نے سر تسلیم خم کردیا، اور پھر یہ آرزو بھی تھی کہ دلی بہت زیادہ دور نہیں ہے، اس پروگرام میں شرکت کے لئے موضوع سے کچھ مناسبت تو ضرور ہونی چاہیے۔

میں نے موضوع سے متعلق ضروری تیار کر کے متعلقہ مواد حضرت الاستاذ کی خدمت میں پیش کیا تو مفتی صاحب نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرمائے، میں نے حوصلہ پاکر حاصل شدہ مواد کی روشنی میں ایک مختصر سا مقالہ تیار کرلیا، جو اس وقت میرا اب تک کا سب سے تفصیلی مقالہ تھا، یہ

مقالہ میں نے بذریعہ ڈاک اکیڈمی کو بھیج دیا، جو بعد میں مجلّہ فقہ اسلامی کی اشاعت میں شامل کیا گیا۔

سیمینار کی تاریخ قریب آئی تو حضرت الاستاذ مفتی صاحب نے بطور خود مجھے اپنے خادم کی حیثیت سے چلنے کے لئے فرمایا، میں تو ان کا سراپا خادم تھا، میں نے اس موقعہ کو اپنی سعادت خیال کیا اور بخوشی چلنے کی لئے تیار ہوگیا۔

قاضی صاحب سے پہلی ملاقات

یہ اس عظیم الشان فقہی سیمینار میں میری پہلی شرکت تھی، اور پہلی بار میں نے حضرت قاضی صاحب کو مشاہدہ کی آنکھوں سے دیکھا، اب تک میں نے مطالعہ اور تصور کی نگاہ سے ان کی جو صورت خالیہ تیار کی تھی قاضی صاحب کا ظاہری سراپا قطعی اس سے مختلف تھا، میرے ذہن میں کسی علمی سرتاج یا شعلہ بیاں شخصیت کی تصویر تھی اور میرے سامنے جو شخصیت تھی وہ ایک مرد درویش تھا، جو اس جدید ترین سہولیات کے ماحول میں ہر طرح کے تکلف وتصنع سے بالاتر اور سادگی ومسکنت کا مرقع تھا۔ ----لیکن جب مختلف نشستوں میں ان کی تقریریں سنیں، اور مسائل کا تجزیہ اور اصول وکلیات کی تحلیل کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے یقین کیا کہ انسان کی عظمت اس کے فکر وفن اور کارناموں سے ہے۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ سے نہیں۔

میں نے دیکھا کہ اس چوٹی کانفرنس میں (جس میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ اور مفتیان بھی شریک تھے) وہ پوری بصیرت اور اعتماد سے گفتگو کررہے ہیں۔ سارا مجمع ہمہ تن گوش ہے، اور فکر وفن کے سینکڑوں شہ پارے لفظوں کے وسیلے سے تقسیم ہورہے ہیں ----میں نے خالص علمی ماحول کا یہ منظر پہلی بار دیکھا تو اب تک جو کچھ پڑھا تھا ہوتا ہوا نظر آیا، میں نے اپنے آپ کو ہزار بار کوسا کہ:

انہی روز وشب میں الجھ کے نہ رہ جا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

سیمینار کے اکثر شرکاء پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے اور معلومات کا بڑا ذخیرہ ساتھ لائے تھے، بحث کرتے ہوئے وہ معاشیات کے انتہائی باریک نکتوں تک پہونچتے تو اکثر ماہرین معاشیات بھی انگشت بدنداں رہ جاتے، لیکن ان وقیع اور انتہائی سنجیدہ مباحث کے بیچ جب قاضی صاحب کی آواز گونجتی اور کسی خاص مناسبت سے ان کو گفتگو کی ضرورت پیش آتی تو مسئلہ اور اس سے متعلق ہونے والی بحثوں کا ایسا تجزیہ پیش فرماتے کہ رواں رواں سرشار ہوجاتا، اور زبان پر بے ساختہ میر کا یہ شعر آجاتا۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

میں نے دلی سے واپسی پر اپنے قلبی تاثرات ومشاہدات قلم بند کئے جو" کارواں اور غبار کارواں" کے نام سے دارالعلوم دیوبند کے ایک رسالے میں شائع ہوئے۔

اس کے بعد میں نے قاضی صاحب کے اکثر سیمیناروں میں طالب علمانہ حیثیت سے شریک رہا، متعلقہ موضوعات پر تحریرات بھی تیار کیں، اور مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بحث میں بھی حصہ لیا، حضرت قاضی صاحب کے حکم پر متعدد مرتبہ عارض مسئلہ کی حیثیت سے بھی شریک رہا، میں نے اس سیمینار، اس کی عمومی اور خصوصی نشستوں، اور قاضی صاحب کی عام وخاص مجلسوں کو بہت قریب سے دیکھا، ان کے اسلوب تحقیق سے متاثر ہوا، اس کی تقلید کی کسی درجے میں کوشش کی، بحث وتحقیق کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس طرح بعض موضوعات پر لکھنے کی توفیق میسر ہوئی۔

قاضی صاحب مرد انقلاب تھے

غرض قاضی صاحب نے پوری جدید نسل بالخصوص طبقۂ علماء کو بہت متاثر کیا، ان میں اس اکیڈمی کے ذریعہ تعمیری انقلاب کی روح پھونکی، جوانوں میں عقابی روح بیدار کی، ان کو ان کی حیثیتوں کا عرفان کرایا، کرگسوں میں پلے ہوئے شاہینوں کو ان کا مقام یاد دلایا۔ اس طرح عہد جدید کے مختلف طبقات پر اس ایک شخص نے جتنا گہرا اثر ڈالا اس کی کوئی مثال ان کے معاصرین میں نہیں ملتی، اور اسلامک فقہ اکیڈمی نے بہت قلیل مدت میں مسلمانوں کے علمی حلقوں میں جو شعور وآگہی پیدا کی، اور ان کو مطالعہ وتحقیق کا جیسا عادی بنایا، اس ہمہ گیر سطح پر موجودہ ہندوستان کا کوئی ادارہ

تنظیم (باستثناء دارالعلوم دیوبند) اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

قاضی صاحب سراپا تحریک اور مجسم انقلاب تھے، انھوں نے خالق فطرت کی جناب سے جو بے قرار طبیعت پائی تھی وہ ان کو ہر وقت کسی نہ کسی کام، کارنامے اور تحریک کے لئے بے چین رکھتی تھی، ملک وملت کے مسائل ان کو ایک پل کے لئے آرام نہ دیتے تھے۔ ملک وبیرون ملک ان کی مخالفتیں بھی ہوئیں، ان کے خلاف افواہوں کی گرم بازاری بھی رہی، پمفلٹ، مضامین اور کتابچے بھی شائع ہوئے، لیکن اس مردآہن کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑے قوم وملت میں انقلاب وشعور کا صور پھونکتے رہے، بلکہ انھوں نے آگے بڑھ کر اپنے مخالفوں کو بھی سینے سے لگایا، محبت و درد کے ساتھ ان پر اپنا موقف واضح کیا، اور ان کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوششیں کیں، انھوں نے زبان حال سے یہ ثابت کیا۔

اے وقت مجھ کو کھوکھلی دیوار مت سمجھ
صدیوں سے زلزلوں کا مقابل رہا ہوں

قاضی صاحب کی ہمہ گیر اثرانگیزی

اگر کوئی شخص پورے ہندوستان کا باریک بینی سے جائزہ لے، بالخصوص علمی حلقوں کی مجلسوں کا احاطہ کرے، تو وہ ان سب پر واضح طور پر قاضی صاحب کی محنتوں کے اثرات محسوس کرے گا ---- یہ بیداری، یہ شعور وآگہی، یہ جذبہ تحقیق، یہ ذوق جستجو، یہ کتابوں سے عشق، یہ مخطوطات اور نایاب مجموعوں کی تلاش، یہ تبادلہ افکار، یہ لب ولہجہ کی سنجیدگی، اور یہ وقار علمی وفقہی مجلسیں یہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اور براہ راست عمل کے نتیجے میں یا رد عمل کے نتیجے میں اسی مرد انقلاب سے مربوط نظر آئیں گے۔

میں نے دیوبند میں ایک سے زائد بار دیکھا کہ اکیڈمی کے فقہی سیمینار سے قبل یا بعد قاضی صاحب دیوبند تشریف لائے، یہاں کے اساتذہ، مفتیان اور ذمہ داروں سے ملاقات فرمائی اور ان سے کہا کہ:

''یہ آپ کے کرنے کا کام ہے، یہ آپ کا بوجھ ہے جس کو میرا دوش ناتواں ڈھور ہا ہے اٹھیے اور یہ کام کیجئے، یہ عظیم الشان کام دارالعلوم دیوبند نہیں کرے گا تو کون کرے گا میں بھی اسی مادر علمی کا ایک فرزند ہوں، میں اپنے بزرگوں اور دوستوں سے گزارش کرتا ہوں کہ اٹھیں اور اس کام کو سنبھالیں''۔ (مفہوم)

چنانچہ کچھ دنوں کے بعد دیکھا کہ ''ادارۃ المباحث الفقہیۃ'' کا احیاء عمل میں آیا۔ اور دلی، دیوبند اور مدارس میں اس ادارہ کے تحت کئی فقہی اجتماعات منعقد ہوئے، جس کے ایک ادنیٰ فرد کی حیثیت سے میں نے بھی شرکت کی۔

یہ آنکھ کس کی آواز پہ کھلی؟ یہ ہمت وبیداری کس نے دی؟ اور دیوبند، دلی اور سارے ہندوستان کو کس نے جگادیا؟ ان سوالات کے جواب میں سوائے حضرت قاضی صاحب اور کس کا نام لیا جاسکے گا؟ ایک شاعر کے شعر سے استعارہ کرتے ہوئے:

بہار اب جو گلشن میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھی کی لگائی ہوئی ہے

مجھے یاد ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے دوسرے سیمینار میں پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع الدین عثمانی صاحب مدظلہ نے صدارتی خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''ہندوستان میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام نہ صرف ان ممالک کے لئے ایک قابل تقلید قدم ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، بلکہ یہ ادارہ اسلامی ممالک اور خود پاکستان کے لئے بھی انشاء اللہ مشعل راہ ہوگا''۔ مجلہ فقہ اسلامی جلد:۲ص:۵۲۲)

حیدرآباد کے چوتھے فقہی سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے عالم اسلام کے مشہور فقیہ ومحقق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے صدارتی خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مولانا مجاہدالاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالی نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے، آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم وفضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کرکے اس بات کا اندازہ ہورہا ہے کہ انھوں نے اس

اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔" (مجلہ فقہ اسلامی جلد :۴ص:۳۵)

اس طرح عام طور پر عالم اسلام کے علماء اور اکابر نے قاضی صاحب کے اس انقلابی کارنامے کو سراہا، اور ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام کی بیداری کا باعث قرار دیا۔

قاضی صاحب نے اس سلسلے میں طلبہ اور جدید فضلاء کے لئے جو تربیتی مراکز مختلف علاقوں میں مختلف مواقع پر قائم فرمائے وہ بھی اسی سلسلے کا ایک تعمیری اقدام تھا۔

قاضی صاحب نے علمی صحافت کا معیار بلند کیا

بلاشبہ قاضی صاحب ایک تحریکی اور انقلابی شخصیت تھے، انھوں نے علم وفن کے مختلف مرحلوں میں بیداریاں پیدا کیں، مجھے خوب یاد ہے اور بہتوں کو یاد ہوگا کہ رسالہ "بحث ونظر" سے قبل اس معیار یا انداز کا کوئی علمی رسالہ ہندوستان بلکہ پورے اردو حلقے ہی میں موجود نہیں تھا (الا ماشاء اللہ) اسی لئے جس وقت اس کے اجراء کی خبر ملی تھی بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی تھی کہ بد ذوقی، اردو بیزاری، اور علم وفن کے انحطاط کے اس دور میں اس قسم کا رسالہ کون پڑھے گا؟ ----لیکن واقعہ یہ ہے کہ اخلاص میں بڑی قوت ہوتی ہے، قاضی صاحب کا یہ رسالہ نہ صرف یہ کہ مقبول اور عام ہوا، ہزاروں لوگ اس کے خریدار بنے، بلکہ اس رسالہ نے سارے ہندوستان کی بنجر زمینوں کو لالہ زار کر دیا، علمی حلقوں میں ایسے رسالے پڑھنے کی صلاحیت اور پیاس پیدا کی، اور تحریر وصحافت کا ایک نیا معیار قائم کیا۔ جو علم، تعمق، سنجیدگی اور پاکیزگی سے عبارت تھا۔ چنانچہ بحث ونظر کے بعد ملک کے کئی خطوں اور علمی حلقوں سے آہستہ آہستہ اس طرف پیش رفت ہوئی۔ کئی علمی رسائل کا آغاز ہوا اور انھوں نے ملک میں اپنی جگہ اور طلب پیدا کی۔

اس طرح قاضی صاحب نے صحافت کے میدان میں بھی ایک انقلابی کارنامہ انجام دیا، لوگوں کے ذوق مطالعہ کا معیار بلند کیا۔ سستے اور سطحی ادب کے ذوق سے اٹھا کر ان کو بیش قیمت اور بلند علمی ادب کے ذوق سے آشنا کیا۔ آج کوئی نام لے یا نہ لے لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اچھے معیاری، علمی رسائل کی اشاعت اور ان کے لئے باذوق قارئین کی فراہمی کا جو ماحول آج ہندوستان میں نظر آرہا ہے وہ زیادہ تر اسی رسالہ بحث ونظر کا رہین منت ہے۔

صنعتی انقلاب کی طرف توجہ

قاضی صاحب نے جدید ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی جو کارنامہ انجام دیا وہ بھی کم انقلاب انگیز ثابت نہیں ہوا، عام طور پر مسلمان، بالخصوص علماء جدید ترقیات اور ٹیکنالوجی سے دور ہوتے جارہے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے یا ہم اس لائق نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ باوجود تمام تر ذہانت اور علمی لیاقت کے بے روزگار تھا قاضی صاحب نے مختلف علاقوں میں مختلف صنعتی مراکز قائم کئے اور مسلم طلبہ کو ان سے استفادہ پر آمادہ کیا۔---

قاضی صاحب کی ان مساعی جمیلہ سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مستفید ہوا اور ان میں جدید ٹیکنالوجی کا شعور بیدا ہوا۔

تحقیقی ذوق کی نشوونما

قاضی صاحب نے کئی اہم مخطوطات اور نادر کتابوں کی تحقیق وتعلیق کی طرف---یا بہت سے وہ علمی قانونی مجموعے جو عام عرب میں تیار ہوئے تھے ان کے اردو تراجم کی طرف توجہ دی اور اسلامک فقہ اکیڈمی سے ان کو شائع کرایا، اور فضلاء کی ایک ٹیم اس کی جانب متوجہ کر دی، اس طرح عام علماء کو قانون اور فقہ اسلامی کے بہت سے اہم گوشوں سے واقفیت ہوئی، یہ قاضی صاحب کی انقلابی شخصیت کا اہم ترین حصہ ہے۔

عبقری شخصیت

قاضی صاحب کے قریب جو لوگ رہتے تھے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ منصوبہ ساز ذہن ودماغ کے مالک تھے، ہر وقت ان کا دماغ کسی نہ کسی علمی اور تعمیری منصوبے تیار کرنے میں مشغول رہتا تھا، قاضی صاحب کے پاس بہت زیادہ وسائل نہیں تھے، اور نہ ان کو عمر عزیز نے بہت زیادہ مواقع دیئے، ورنہ بڑے بڑے کام تھے ان کے ذہن میں، کاش ان کاموں کا مفصل خاکہ ہی سامنے آگیا ہوتا، تو آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوتا، بڑا عبقری دماغ تھا ان کا، میں نے اکثر محسوس کیا کہ یوں تو برصغیر میں مختلف علوم وفنون کے بہت سے ماہرین اور ممتاز شخصیتیں موجود ہیں جن کے ناموں اور کاموں

کی عظمت سے دل مرعوب اور متاثر ہیں، مگر قاضی صاحب کی شخصیت ان سب میں ممتاز تھی، ان کے سامنے بڑی بڑی شخصیتیں اس طرح گم ہو جاتی تھیں جیسے چراغ سورج کی روشنی میں گم ہو جاتا ہے یا چھوٹی نہریں بڑی دریا میں گم ہو جاتی ہیں۔

اس ہندوستان میں بڑی بڑی اہل فن اور اہل کمال شخصیتیں اور ممتاز علماء وفقہاء موجود ہیں، مگر موضوع ومسئلے کا تجزیہ تحلیل، اس کی گہرائی تک رسائی، اس کی نزاکتوں کا ادراک، اور بہت آسانی کے ساتھ کسی مسئلے کو حل کرنے کا جوفن اللہ نے قاضی صاحب کو دیا تھا، اس کی کوئی مثال اس دور میں نہیں ملتی، میرا بارہا کا تجربہ ہے کہ کئی دقیق مسائل جو دیگر علماء کی گھنٹوں کی بحث وتحقیق سے بھی حل نہیں ہو سکے تھے قاضی صاحب نے منٹوں میں حل کر دیئے جس کو چٹکیوں میں حل کرنا کہہ سکتے ہیں۔۔۔۔ یہ وہ عجیب وغریب خصوصیت تھی جو اس دور میں بالکل عنقاء ہے، کتابوں میں اکابر علماء اور سابقہ محققین کے اس نوعیت کے بڑے واقعات پڑھے ہیں مگر عملی زندگی میں واقعاتی طور پر مجھے اس چیز کا سب سے زیادہ مشاہدہ قاضی صاحب کے یہاں ہوا۔

میں نے محسوس کیا کہ فقہ اور قانون اسلامی ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے جو بقول حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) (پٹنہ سیمینار) بحیثیت فن ان پر حاوی نہیں تھا، بلکہ خود قاضی صاحب اس پر حاوی تھے ۔۔۔۔ ان کے فقہی ملکے کے پیش نظر میرا اپنا احساس علامہ کشمیری کی اصطلاح میں یہ ہے کہ قاضی صاحب ہمارے دور کے ''فقیہ النفس'' تھے، فقہ ان کے ذوق ومزاج میں اس طرح رچ بس گئی تھی جیسے خوشبو پھول کی پتیوں میں رچی بسی ہوتی ہے، قانون اسلامی بلکہ بین الاقوامی قوانین کی نزاکتوں کے بارے میں وہ جس بصیرت کے حامل تھے اس کی کوئی نظیر ان کے ہم عصروں میں نہیں ملتی۔

میر کارواں چلا گیا

قاضی صاحب کی خطابت بھی بری سحر انگیز اور انقلاب آفریں تھی، آواز وانداز میں وہ بلا کی قوت وتاثیر اور برمحل گفتگو کا وہ سلیقہ وشعور انھوں نے پایا تھا کہ جہاں پہونچے امامت وسالاری نے ان کا استقبال کیا، جس مجلس میں گئے صدر مجلس بنائے گئے، اور جس کارواں میں شامل ہوئے میر کارواں کی حیثیت سے رہے۔

قاضی صاحب جہاں گئے، جس ادارہ کے ساتھ رابطہ رکھا اس کو فعال اور متحرک بنادیا، امارت شرعیہ کا دارالقضاء ہو، اس کا شعبہ تربیت قضاء وافتاء ہو یا اس کا بیت المال، اسلامک فقہ اکیڈمی ہو یا ملی کونسل، مسلم پرسنل لا بورڈ ہو یا شعبہ تحقیق وتصنیف، قاضی صاحب کے قدم جہاں جہاں پڑے خوشگوار تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور کارکردگی اور افادیت میں اضافہ ہوا۔

آج وہ ہم میں نہیں ہیں تو ان کی کتنی کمی محسوس ہو رہی ہے، ہندوستان ممتاز علماء وفقہاء اور بڑی بڑی ہستیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود قاضی صاحب کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے اور بہت دنوں تک کی جاتی رہے گی ۔۔۔۔ اب کوئی شخصیت ایسی نہیں جو ہمہ گیر اور جامع الکمالات ہو، کوئی دکان ایسی نہیں جہاں علم وفن کے ہر درد کی دوامل سکتی ہو، کوئی مسند علم ایسی نہیں جہاں ہر مشکل کا حل اور ہر بے قراری کے لئے قرار موجود ہو۔ علامہ انور صابری کے الفاظ میں۔۔ جو انھوں حضرت شیخ الاسلام مدنی علیہ الرحمہ کے وصال پر ان کی روح پرفتوح کو مخاطب کر کے کہے تھے (تھوڑی ترمیم کے ساتھ)

سکونِ زندگانی کی دوا پانے کہاں جائیں
جگر کے زخم دل کے داغ دکھلانے کہاں جائیں
ترے گیسوئے ہستی سے جنوں کو جن کے نسبت تھی
بتارے قائد ملت وہ دیوانے کہاں جائیں

پہلے ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے تھے۔ اب صدیوں میں بھی پیدا نہ ہوں گے ۔۔۔۔ موت برحق ہے، ان کے چلے جانے سے دنیا کا کوئی نظام درہم برہم نہیں ہوگا۔ سب کچھ اسی طرح چلتا رہے گا۔ انجمنیں بھی قائم رہیں گی، میکدے بھی آباد رہیں گے، ساغر ومینا کا دور بھی چلتا رہے گا اور جام وپیانے کی گردش بھی جاری رہے گی۔۔۔ لیکن ۔۔ سب کچھ۔۔ اُداس، اُداس....

جان کر منجملہ خاصان میخانے تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیانے تجھے

☆☆☆

قاضی صاحب بیرون ہند میں

محمد فہیم اختر ندوی

اسلامک فقه اکیڈمی ، نئی دهلی

چمن میں کھلنے والا پھول کسی سر کی زینت اسی وقت بنتا ہے جب وہ چمن سے نکل جائے ، ورنہ وہ مرجھا کر فنا ہو جاتا ہے، لیکن خوشبو کے لئے یہ قید نہیں ہے ، وہ تو پھول کے اندرون چمن رہتے ہوئے بھی بیرون چمن پہنچ جاتی ہے، وہ سرحدوں کی قید سے بھی پرے ہے کہ وہ ہر مشام جاں کو معطر کرتی ہے،۔اسلام کی ابدی صداقت ایسی ہی خوشبو ہے جو ہر جگہ پہنچتی ہے اور ہر نفس کو شادکام کرتی ہے۔

اسلام کی اس ابدی سچائی کا لافانی نغمہ جس زبان سے پھوٹنے لگتا ہے وہ آواز بھی بوئے گل کی طرح ملکی سرحدوں سے آگے نکل جاتی ہے،۔ایسی ہی ایک آواز ہند کے ایک مرد ''مجاہد'' نے بلند کی جس کا نغمہ ہندی حجازی کے دوش پر عجم سے نکل کر عرب کے ریگزاروں ، یورپ کے مرغزاروں اور افریقہ کے صحراؤں تک پہنچ گیا ، یہ مرد مجاہد تھا مجاہد عصر، مجاہد اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہدا لاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ،

۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بہار کے ایک چھوٹے سے قصبہ ''جالے'' میں سرکردہ عالم دین حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ کے دینی گھرانہ میں اس بچہ نے آنکھیں کھولیں ، والد صاحب نے ابتدائی تعلیم سے آراستہ کیا ، چند دینی مدارس میں متوسط تعلیم پائی ، پھر دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی ، اب تدریس کی مصروفیت شروع ہوئی ، چند برسوں تک جو کچھ پڑھا تھا اسے تدریسی تجربہ گاہ میں پختہ کیا، تب قدرت نے انھیں زندگی کے سماجی حقائق پر نظر ڈالنے کے لئے قضاء کی مسند پر بٹھایا ، یہ دوسرا تجربہ گاہ تھا جس کے نرم و گرم نے اس آہن کو کندن بنا دیا ، ملک کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ پھرنے اور ملت کے مسائل میں جینے عادت ڈال لینے کے بعد اب وہ وقت آگیا تھا کہ اس پھول کی خوشبو چمن ملک کے اندرون سے نکل کر بیرون چمن پھیل جائے ، چنانچہ یہ خوشبو بیرون چمن پھیلی اور خوب خوب پھیلی۔

بیرونی اسفار:

پچھلی صدی کے نویں دہے میں قاضی صاحب کے بیرونی اسفار کا آغاز ہوا، جوں جوں آپ کی شہرت وعظمت بڑھتی گئی ، بیرونی اسفار کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، آپ کے بیرونی اسفار کی چند نوعیتیں رہیں:

حجاز مقدس کے بیشتر اسفار سعادت حج وعمرہ سے سرفرازی اور بعض علمی وفقہی مجالس میں شرکت کے لئے رہے، روئے زمین پر خدا کے پہلے گھر کعبۃ اللہ کے شہر اور دیار حبیب، شہر مدینہ کی گلیوں اور کوچوں ، مقامات اور راستوں ، کتب خانوں اور دوکانوں سے تفصیلی طور پر آپ واقف ہو گئے تھے، آپ کی یہ واقفیت جہاں محبوب کے دیار سے عاشق کے والہانہ لگاؤ کی غماز تھی، وہیں ایک فقیہ وقاضی اور عصری مسائل کے حل کے لئے کوشاں عالم کے لئے براہ راست وبذات خود مشکلات ومسائل کی تحقیق وآشنائی کی دلیل بھی۔

خلیجی ممالک کے اسفار عموماً وہاں کے مسلمانوں کے اجلاسوں اور پروگراموں میں شریک ہونے اور انھیں اپنے مفید مشوروں سے نوازنے کے لئے ہوا کرتے تھے، اور بسا اوقات عرب اداروں وتنظیموں کی دعوت پر ان کے سیمیناروں میں شرکت کے لئے رہے۔

یورپ وامریکہ آپ کی آمد، کبھی تو مسلمانان ہند کے منعقدہ کردہ بڑے اجلاس میں محاضرہ کے لئے ہوئی ، کبھی انھیں

وہاں کی سرزمین پر اپنے آفاقی پیغام کے ساتھ جینے کا سلیقہ بتانے کے لئے اور کبھی اپنے علاج ومعالجہ کے لئے بھی۔

حکومت مصر اور حکومت ایران کے عالمی سطح پر منعقد ہونے والے اجلاس میں آپ مدعو رہے، ساؤتھ افریقہ کے متعدد طویل اسفار وہاں قریہ قریہ وشہر شہر گھوم کر لوگوں کے سماجی مسائل کا شرعی حل بتانے، زندگی کو اسلامی بنیاد پر استوار کرنے اور سب سے بڑھکر آزاد ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کے لئے مسلم پرسنل لا کا مسودہ تیار کرنے اور اسے منظور کرانے کے لئے ہوئے۔

ماوراء النہر کے تاریخی مقامات بخارا وسمرقند میں بھی زبوں حالی کے شکار حال کا رشتہ ماضی کی تابناکیوں سے جوڑنے کی کوشش میں آپ کی شرکت رہی۔

برونائی، بحرین، مصر اور سعودی عرب کے ممالک میں آپ ہندوستان سے بحیثیت اکسپرٹ ممبر انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے سیمناروں میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے، اور عصر حاضر کے متعدد جدید مسائل پر اپنی تحریر وتقریر پیش فرمائی۔

بنگلہ دیش، نیپال اور پاکستان کے پڑوسی ممالک کی بھی زیارت فرمائی، کبھی اپنے عزیز واقارب سے ملے، کبھی اہل علم و دانشوران سے اور کبھی دینی ادارے اور مراکز دیکھے۔

عالمی اداروں میں:

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ ایک روشن وبیدار دماغ، ایک حساس وبے قرار دل، ایک آفاقی نظر اور ایک عمیق ومدبرانہ فکر کے مالک شخص تھے، اس پر آپ کا ٹھوس ومستند اور وسیع وگہرا علم مستزاد تھا، چنانچہ سادہ شکل وصورت اور سادہ لباس میں پوشیدہ اس عبقری شخصیت کو بہت جلد قدر شناسوں نے پہچان لیا اور ان کی افادیت کی روشنی یہاں وہاں پھیلنے لگ گئی، اور پھر تو آپ کو ہندوستان میں اسلامی شریعت کی اتھارٹی تسلیم کرلیا گیا، دیگر بہت ساری عمومی حیثیتوں کے ساتھ آپ کی یہ خصوصی حیثیت تھی جس نے عالمی سطح پر قدر دانوں کی نگاہوں کو خیرہ کیا، اور دیکھتے دیکھتے آپ المجمع العلمی العالی دمشق شام کے ممبر بنائے گئے، مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ نے عضو خبیر کا منصب عطا کیا، الہیئۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ کویت نے عضو الشرف منتخب کیا، المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ نے اپنا رکن بنایا، مرکز اوکسفورڈ للدراسات الاسلامیہ برطانیہ نے سیرت پر مستحقین انعامات طے کرنے والی کمیٹی کا ممبر نامزد کیا، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ مصر نے مدعو بنایا، شریعہ ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ نے اجلاس میں بلایا، مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ نے آپ کو سرپرست کی حیثیت دی۔

علمی مشغولیت:

قاضی صاحب کے بیرونی اسفار کا بڑا حصہ علمی معروفیات پر مشتمل رہا، جہاں آپ براہ راست کسی علمی وفقہی سیمنار میں مدعو تھے وہاں تو آپ نے تحریری مقالات اور خطابات کے ذریعہ علمی کاموں میں شرکت فرمائی، لیکن جن مواقع پر پہلے سے کوئی علمی پروگرام طے نہیں تھا وہاں بھی آپ کی موجودگی کو غنیمت جانتے ہوئے کوئی علمی پروگرام اور خطاب وملاقات طے کردی جاتی، بلکہ آپ کی علمی ذات کا وجود ہی مجلس کو علمی رنگ عطا کردیتا، آپ بہت کم تنہا رہتے، خود بھی لوگوں کو بلاتے اور لوگ بھی پروانہ وار شمع محفل کے پاس کھنچ کھنچ کر آتے، اور پھر شروع ہوجاتے علمی سوالات و جوابات، جدید مسائل پر گفتگو، حالات حاضرہ پر مشورے، اور علم وفضل کے دریا بہنے لگتے۔

جدہ فقہ اکیڈمی کے فقہی سیمنار آپ کے ذوق ومزاج سے براہ راست ہم آہنگ ہوا کرتے تھے، اکیڈمی کی جانب سے آپ کے پاس سوالات آتے اور آپ عربی زبان میں مقالات بھیجتے، جدہ اکیڈمی میں ایک ساتھ آٹھ دس موضوعات زیر بحث رہا کرتے تھے اور ان میں سے کسی ایک یا دو موضوع پر مقالہ لکھا جاتا تھا، حضرت قاضی صاحب نے ''شرعی رخصتیں اور ان کا حکم''، ''تحکیم وثالثی'' اور ''اسلام وگلوبلائزیشن'' جیسے اہم موضوعات پر اپنی تحریریں ارسال فرمائیں۔

امریکہ کے مشہور ادارہ اسنا (ISNA) کی کانفرنس میں آپ نے فقہ الاقلیات کے موضوع پر مقالہ پیش فرمایا جس میں غیر مسلم ممالک میں رہنے والی مسلم اقلیت کے گوناگوں مسائل پر فکر ونظر کے گوشے وا کئے۔

مصر میں حکومتی ادارہ ''المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ'' کی کانفرنس میں آپ تشریف لے گئے تو وہاں موجودہ مسائل کے حل میں سیرت نبوی کے کردار پر مقالہ پیش کیا جس میں واضح کیا کہ

عدل وانصاف کا قیام، ظلم سے گریز، سبھوں کے لئے یکساں مواقع کی فراہمی اور اسوۂ نبی سے ہمہ وقت رہنمائی وہ بنیادی عناصر ہیں جن سے موجودہ دور کی مشکلات کا حل نکلتا ہے۔

المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے سیمینار کے لئے آپ نے میڈیکل انشورنس کے موضوع پر مقالہ ارسال فرمایا، البتہ اپنی علالت کی وجہ سے اس سیمینار میں شرکت نہ کر سکے۔

کتب خانوں کی سیر:

بیرونی اسفار میں قاضی صاحب کا ایک اہم مشغلہ کتابوں کی دنیا کی سیر ہوتا تھا، آپ جس ملک میں تشریف لے جاتے وہاں پہونچتے ہی طے پاجاتا کہ دوران قیام پروگرام کا ایک حصہ کتابوں کی دکانوں اور کتب خانوں کی زیارت کا ہوگا، اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ اس ملک میں معرض (کتابوں کا میلہ) لگا ہوا ہے تو بے انتہا مسرور ہوتے، کیونکہ ایسے معرض میں علمی دنیا کے بڑے بڑے ناشرین وکتب فروش آجاتے ہیں اور نایاب وجدید کتابوں کا ذخیرہ ایک ہی جگہ مل جاتا ہے، ضروری مشاغل سے فارغ ہوکر آپ چند یا ایک علمی ذوق رکھنے والے رہبر کو ساتھ لے کر کتابوں کی تلاش میں نکل جاتے، مشہور مشہور کتاب خانوں اور کتب فروشوں کے یہاں جاتے اور تفصیل کے ساتھ دیکھتے، آپ عام طور پر ایسی کتابوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے جو قدماء کی نایاب تصنیفات ہوتیں اور وہ اب محقق ہوکر طبع کی گئی ہوتیں، مطبوعہ مراجع کی جو کتابیں جدید انداز سے تحقیق کے ساتھ طبع ہوکر آئی ہوتیں انھیں بھی منتخب فرماتے، نیز موجودہ دور میں پیدا ہونے والے جدید مسائل یا قدیم مسائل پر اٹھنے والے جدید اشکالات کے موضوعات پر جو اہم کتابیں نظر آتیں وہ بھی آپ کی مطلوب ہوا کرتی تھیں۔

عام طور پر ایسا ہوتا کہ کئی کئی ہزار رقم کی کتابیں آپ خرید لیتے اور واپسی میں گاڑی علم کے موتی وجواہرات سے مالا مال ان کتابوں سے بھر جاتی، علالت کے زمانہ میں جو اسفار آپ نے فرمائے ان میں چونکہ آپ کے اندر زیادہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ہمت کرکے چند اہم کتب فروشوں کے یہاں تشریف لے جاتے اور دکان میں خود تھوڑا بہت دیکھ کر بیٹھ جاتے اور ہم نوجوانوں کو پوری دکان سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کتابیں لانے کا حکم دیتے، بعض دوکانوں میں اگر خود نہیں جاسکتے تو بڑے اہتمام کے ساتھ کسی رفیق کی معیت میں ہمیں وہاں بھیجتے اور مطلوبہ کتابوں کی فہرست بنواکر طلب کرتے پھر ان میں سے منتخب کرکے کتابیں خریدتے،

کتابوں کے ساتھ ساتھ آپ کو مخطوطات سے بھی بڑی دلچسپی تھی، مخطوطات کا ذخیرہ بڑے اہتمام سے دیکھتے اور اہم مخطوطات کی کاپیاں حاصل کرتے، تاکہ ان کی تحقیق کرائیں، ایک مخطوطہ کے دوسرے نسخوں کی تلاش کرتے اور ان کی کاپیاں ہر ممکن طریقہ پر حاصل کرتے، چنانچہ ''التجنیس والمزید'' اور ''مختارات النوازل'' کے اچھے اور صاف نسخے مدینہ منورہ کے مشہور کتب خانہ مکتبہ عارف حکمت سے حاصل کئے، اسی طرح آپ نے کئی اور اہم فقہی مخطوطات کی کاپیاں حاصل کر رکھی تھیں اور ان پر تحقیق کا کام زیر منصوبہ تھا۔

مخطوطات کے سلسلہ میں آپ کی دلچسپی اور کوششوں کا ایک رخ ان اسفار میں یہ بھی رہتا تھا کہ مخطوطات کا تحفظ یقینی بنایا جائے، چنانچہ آپ کی ان کوششوں سے کویت میں قائم مخطوطات کے ادارہ ''ادارۃ المخطوطات'' نے بڑا فائدہ اٹھایا، دبئی کے مشہور کتب خانہ ''مکتبہ جمعہ الماجد'' سے بھی آپ کے روابط رہے اور انھوں نے آپ کے اس ذوق سے فائدہ حاصل کیا۔

عصری مسائل کے شرعی حل:

حضرت قاضی صاحب کا خصوصی موضوع جدید مسائل کی تحقیق اور ان کے شرعی حل کی دریافت تھی، آپ کے اس مزاج سے ہر جگہ آپ کے وابستگان واقف تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ جب بھی جس ملک میں تشریف لے جاتے وہاں کے اہل دانش روزمرہ مسائل میں نیز اپنے سماج اور کاروبار ومعاملات میں پیش آنے والی الجھنوں کو خاص طور پر نوٹ رکھتے تھے اور آپ کے آتے ہی ان مسائل پر آپ سے سوالات شروع ہوجاتے، آپ بڑے شوق اور اہتمام کے ساتھ ان کے سوالات سنتے، وضاحت چاہتے، سوالات کی تنقیح کرتے پھر بسا اوقات کتابوں سے رجوع فرماکر ان کو تشفی بخش جواب دیتے، اور

کبھی کبھی بعض اہم ترین مسئلہ پر جواب دینے کے بجائے اسے ہندوستان میں فقہی سیمینار کے اندر زیرغور لانے کا منصوبہ بناتے، ایسے سوالات کی نشستوں کے لئے آپ کا کوئی وقت متعین نہیں تھا، صبح، دوپہر، شام، کھانا کھاتے، لیٹتے، کبھی راہ چلتے، گاڑیوں میں، پروگراموں کے دوران گویا جب جسے جو مسئلہ یاد آجاتا، پوچھ لیتا اور آپ جواب دینے لگتے اور جب کبھی یہ سلسلہ شروع ہوجاتا تو پھر نشست دراز ہوجاتی اور تمام لوگ بڑی دلچسپی کے ساتھ مسائل کے جوابات سننے لگ جاتے، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایسے مواقع پر بھی جہاں آپ اپنے رفقاء کا احترام کرتے ہوئے ان میں موجود علماء سے تبادلہ خیال کرتے، وہیں ہم نوجوانوں کی تربیت سے بھی غافل نہ رہتے اور بسا اوقات ہماری تربیت کی خاطر اپنے سامنے بعض ایسے مسائل کا جواب دینے کا حکم فرماتے۔

ان نشستوں میں آپ سے کئے جانے والے سوالات بڑے متنوع اور زندگی کے مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والے ہوتے تھے، تجار کاروباری سوالات کرتے، اطباء میڈیکل سائنس کی جدید تحقیقات پر گفتگو کرتے، وکلاء اور قانون داں قانونی باریکیاں سمجھتے، سماجی خدمت گار سماج کی پے چیدہ الجھنوں کا حل دریافت کرتے، عالمی سیاست سے دلچسپی رکھنے والے حالات حاضرہ پر روشنی چاہتے، عوام الناس اپنی نماز، روزہ اور شادی وتقریبات کی بابت پوچھتے، بلکہ مخصوص متعلقین اپنی خانگی الجھنوں، بچے بچیوں کی شادیوں اور نجی حالات پر مشورہ طلب کرتے، آپ کا جواب سب کے ساتھ یکساں ہوتا، ہر ایک کی بات اسی دلچسپی سے سنتے اور اسی تفصیل واہتمام سے جواب دیتے۔

موجودہ دور میں ہر جگہ خواتین سے متعلق مسائل پیدا ہورہے ہیں اور وہ ان کا حل جاننے کی مشتاق رہتی ہیں، دوسری طرف میڈیا اور ذرائع ابلاغ نے عورتوں کے حقوق اور ذمہ داریوں سے متعلق طرح طرح کے اعتراضات اور اشکالات اٹھار کھے ہیں، اس پس منظر میں آپ سے مختلف مواقع پر یہ گزارش کی جاتی کہ عورتوں کے مسائل پر روشنی ڈالیں، آپ پردہ کے ساتھ عورتوں سے خطاب کرتے اور آپ کی انتہائی متوازن گفتگو سے عورتوں اور مردوں کے بے شمار اشکالات رفع ہوجاتے، بسا اوقات ان کی جانب سے سوالات کئے جاتے اور آپ ان کا تشفی بخش جواب دیتے۔

دینی رہنمائی:

عالم دین کی حیثیت مرغ بادنما کی ہوتی ہے، وہ عوام الناس کو حالات کے رخ سے باخبر رکھتا ہے، بلکہ وہ کشتی کے اس کھیون ہار کی طرح ہے جو موجوں کے تلاطم میں بھی اسے اپنی منزل کی طرف گامزن رکھتا ہے، حضرت قاضی صاحب ایک عالم دین تھے، وقت کے نباض، حالات سے آشنا اور زمانہ کے دھارے کو اپنے رخ پر چلانے والے، قاضی صاحب اپنی اس عالمانہ حیثیت اور قائدانہ منصب کا بھر پور احساس رکھتے تھے، بیرون ہند اپنے ملکی احباب کی محفلوں میں یہ دیکھ کر آپ کا احساس فزوں ہوجاتا تھا کہ ملک کے اندر سماجی اصلاح اور بگاڑ دونوں میں بیرون ہند رہائش پذیر ان احباب کا رول کتنا بڑا ہے، آپ کا ذہن وفکر اس احساس کے شعلوں میں پیہم جلنے کے بعد جب الفاظ کے قالب میں ڈھل کر زبان سے نکلتا تو پورے مجمع کے دلوں پر کچوکے لگا جاتا۔

غیر ملکی اسفار میں قاضی صاحب کا قیام شاید ہی کسی دن تقریر اور عوامی خطاب سے خالی گزرتا، آج یہاں تقریر ہے، کل وہاں خطاب ہے، صبح مخصوصین کے ساتھ نشست ہے، شام میں خواتین کے مجمع کو رہنمائی دینی ہے، ایسے خطابات عموماً حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات پر ہوتے، وقت کے سلگتے مسائل اور گمبھیر موضوعات پر آپ کی تقریر نہ صرف چشم کشا ہوتی بلکہ آپ دکھتی رگوں پر انگلی رکھ کر مشکلات کی نشاندہی کرتے اور حکیم دانا کی طرح نسخہ تجویز کرتے،

یوں تو آپ کے خطابات ہمیشہ ہی زمینی حقائق سے جڑے اور عملی ٹھوس تدابیر پر مشتمل ہوا کرتے تھے، لیکن حالیہ بیرونی اسفار میں بالخصوص آپ اپنی تقریروں میں سماجی اور خانگی کوتاہیوں کو چھیڑتے، طلاق کے بے جا استعمال، سماجی بھید بھاؤ، نکاح و تقریبات میں فضول خرچی، عورتوں کے حقوق سے غفلت اور میراث کی شرعی تقسیم سے لاپرواہی جیسی سماجی برائیوں کو مثالیں دے کر واضح کرتے، درد بھرے انداز میں بتاتے کہ ہماری ان عملی

کوتاہیوں کی وجہ سے کس طرح اسلام کے شفاف رخ زیبا پر کالک لگ رہی ہے، اور پھر قرآن محکم کی آیات اور رسول برحق کی حکیمانہ سنت سناسنا کر لوگوں سے عہد لیتے کہ وہ سماجی برائیوں کو یکلخت چھوڑ کر اسلام کی ان عادلانہ ہدایات پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔

آپ کے خطابات کا دوسرا موضوع حالیہ دنوں میں اتحاد امت کا ہوتا تھا، ایسا محسوس ہوتا کہ آپ اپنا سینہ چاک کر کے اپنے دل کی بے چینی اور درد کو سامنے رکھ دیں گے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایک امت صرف مسلمان چھوڑ کر گئے تھے، آج ہم کتنے خانوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور کن کن ناموں پر ہم نے تفریق کے بت بنا رکھے ہیں، آپ برملا لوگوں سے کہتے کہ عصر جدید کے ان بتان رنگ وخون اور مسلک ومشرب کو توڑ کر ملت کی وحدت میں گم ہو جاؤ، یہی تمہاری طاقت کا راز ہے۔

تیسرا موضوع جو آخری اسفار میں آپ کی تقریروں کا محور ہوتا تھا وہ امت کے ہر خاص وعام کو وقت کے فتنوں اور آنے والے خطرات سے باخبر کرنا تھا، یہ موضوع ادھر بڑی شدت کے ساتھ آپ کی تقریروں اور تحریروں میں ابھر کر آرہا تھا، ایسا لگتا کہ آپ کی دوررس نگاہیں اسلام کو درپیش جن شدید خطرات اور چیلنجوں کو تاڑ چکی تھیں وہ سب آپ اپنی قوم کو سمجھا دینا چاہتے ہیں، آپ کی نظر میں اس وقت کا سب سے بڑا خطرہ اسلام کی تصویر کو بگاڑنے اور مشرکانہ تہذیبی یلغار کا تھا، آپ بڑے درد سے بتاتے کہ پہلے ہم بت خانہ کے سامنے سے گزرتے تو نگاہیں نیچی کر لیتے اور استغفار پڑھتے تھے، آج ہمارے بیڈروم میں ٹی وی کے اسکرین پر باضابطہ بتوں کی پوجا ہوتی رہتی ہے، ہمارے بچے ان مشرکانہ مناظر کو دیکھتے رہتے ہیں اور ہمیں اپنے گھر میں غیر اللہ کی پرستش کا احساس تک نہیں ہوتا۔

بیرونی شخصیات سے روابط:

بیرونی شخصیات میں حضرت قاضی صاحب کے روابط کا حلقہ ممتاز اہل علم ودانش اور مفکرین کا تھا، علمی شعبوں میں اختصاص رکھنے والے علماء اور امتیازی تصنیفات کے مصنفین سے آپ روابط استوار کرتے اور ان سے اہم امور پر تبادلہ خیال کرتے، بین الاقوامی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں آپ ایسی شخصیات سے بڑھکر خود ملاقات کرتے، ان کی علمی سرگرمیوں سے روشناس ہوتے اور اپنے ملک میں ہونے والی علمی کاوشوں سے انھیں آگاہ کرتے اور بسا اوقات بعض اہم شخصیات کو اپنے یہاں علمی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں مدعو کرتے تھے۔

عالم عرب کی جن اہم علمی شخصیات کے ساتھ آپ کے خصوصی علمی روابط رہے ان میں ایک دمشق یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعہ کے استاذ اور فقہ اسلامی پر انسائیکلوپیڈیائی تصنیف کے علاوہ متعدد اہم ترین کتابوں کے مصنف جناب ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلی ہیں، قاضی صاحب کی دعوت پر فقہ اکیڈمی کے کئی سیمیناروں میں آپ تشریف لائے اور اپنے پرمغز علمی مقالات سے لوگوں کو مستفیض کیا، جدہ فقہ اکیڈمی کے بین الاقوامی فقہی سیمیناروں میں زحیلی صاحب بھی قاضی صاحب کی طرح بحیثیت اکسپرٹ ممبر مدعو ہوتے تھے، عموماً ایک ساتھ بیٹھتے اور اظہار رائے کرتے، زحیلی صاحب قاضی صاحب کی فقیہانہ بصیرت کے بے حد معترف تھے اور گاہے گاہے اس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

دوسری شخصیت کویت کے اللجنۃ الاستشاریہ العلیا للعمل علی استکمال تطبیق الشریعہ الاسلامیہ کے صدر اور معروف عالم دین جناب ڈاکٹر خالد مذکور عبد اللہ المذکور کی تھی، انھوں نے بمبئی کے فقہی سیمینار میں شرکت کی تھی، بحرین کے جدہ فقہی سیمینار میں ایک ملاقات کے دوران مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے قاضی صاحب پر بڑا رحم آتا ہے، شیخ اپنی علالت کے باوجود کس حسن اسلوب سے سیمینار کی نشستوں کو کنٹرول کرتے اور مناقشہ کراتے ہیں، موصوف نے قاضی صاحب کی خدمات کے اعتراف میں اپنے حکومتی ادارہ کی جانب سے قاضی صاحب کو ایک تمغہ پیش کیا تھا۔

مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ کے جنرل سکریٹری، شامی عالم ڈاکٹر محمد حبیب بن خوجہ بھی آپ کے مخصوص اہل روابط میں تھے، جدہ اکیڈمی کے سیمیناروں میں قاضی صاحب ہندوستان سے شریک ہوتے ہی تھے، ایک بار خوجہ صاحب بھی اکیڈمی کے چھٹے سیمینار میں تشریف لائے اور اظہار مسرت کے ساتھ اکیڈمی کی خدمات کا برملا اعتراف کیا۔

جناب مفتی تقی عثمانی صاحب سابق جسٹس سپریم کورٹ پاکستان سے بھی قاضی صاحب کے علمی مراسم رہے، آپ ان کے علم وفضل کے معترف رہے اور وہ آپ کے، دوبارہ فقہی سیمیناروں میں تشریف لائے، قاضی صاحب کی جدید تحقیق شدہ کتا ''صنوان القضاء'' کوانھوں نے طباعت سے قبل بحرین میں سیمینار کے موقع پر دیکھااور وہیں اس پر ایک اچھا سا مقدمہ بھی لکھا، افسوس ہے کہ وہ مقدمہ نیز حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ کا مقدمہ دونوں ہی ''صنوان القضاء'' پرطبع نہیں کئے گئے۔

ان شخصیات کے علاوہ کویت میں لجنہ مسلمی آسیا کے صدر ڈاکٹر عادل الفلاح، ادارۃ المخطوطات کے ڈائرکٹر ڈاکٹر مسعود العصفور، کلیۃ الشریعہ کویت یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر عبد الغفار الشریف، ڈاکٹر عجیل جاسم نشمی، الہیئہ الخیریہ الاسلامیہ العالمیہ کے صدر شیخ یوسف الحجی، سعودی عرب میں ڈاکٹر محمد عوامہ شاگرد شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، ڈاکٹر عبدالوہاب نورولی، رابطہ عالم اسلامی کے سابق سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، موجودہ سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالحسن الترکی، ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی، قطر میں محاکم شرعیہ کے صدر شیخ عبدالرحمٰن آل محمود، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، شیخ ڈاکٹر علی قرہ داغی، ڈاکٹر عبدالقادر عماری، شام میں ڈاکٹر صالح فرفور، ڈاکٹر عبدالستار ابوغدہ، عراق کے ڈاکٹر محمد محروس المدرس، سوڈان کے ڈاکٹر صدیق الضر، ایران کے شیخ علی تسخیری، ساؤتھ افریقہ کے مولانا عباس علی جینا، مولانا یونس پٹیل، ایڈوکیٹ شعیب عمر، مولانا شبیر سالوجی، برطانیہ کے مولانا یعقوب اسماعیل منشی وغیرہ شخصیات سے قاضی صاحب مرحوم کے خصوصی تعلقات اور روابط رہے، عمومی اور شخصی تعلقات رکھنے والے اشخاص واحباب کی فہرست تو بڑی طویل ہے، کیسے کیسے آپ کے چاہنے والے تھے جو ہر ملک میں آپ کے لئے اپنا دیدہ ودل فرش راہ کئے رہتے تھے۔

چمنستان ہند کا یہ مہکتا پھول جس کے فیوض کی خوشبو مشرق ومغرب میں پھیل رہی تھی، جس کی عطر بیزیوں نے کتنوں کے مشام جاں کو معطر کردیا، جس کی دلکشی اور دلنوازی نے ایک عالم کو فیضیاب کیا، اور جس کی روح پرور مہک سے ان گنت قلوب کی مردہ کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ یہ مہکتا، چمکتا، دمکتا پھول، اس دنیائے آب وگل کو اپنے فیضان سے شادکام کرچکا تھا، چمن عالم کے نگہباں کا حکم ہوا اور یہ رعنا گل زیرِ گل چلا گیا۔



منزل کی تلاش وجستجو میں کبھی نہ تھکا!

حضرت قاضی صاحب اپنی علمی صلاحیت، فنی مہارت، فکری وسعت وبلندی، اخلاص وللہیت، مجاہدانہ عزائم، مخلصانہ خدمات، نرم خوئی، خوش اخلاقی، ذہانت وفطانت اور ظرافت طبع کی وجہ سے تمام حلقوں میں مقبول ترین اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔

حضرت قاضی صاحب کوتمام علوم دینیہ میں کمال حاصل تھا، مگر فقہ وفتاویٰ جو ایک دقیق اور مشکل فن ہے اور تمام علوم دینیہ کا خلاصہ ہے، جس میں مفتی احکام شرعیہ بتانے میں اللہ اور اس کے رسول کی نمائندگی اور ترجمانی کرتا ہے، اس نازک اور اہم ترین ذمہ داری نبھانے کے لئے جن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے، ان سے کامل طور پر بہرہ ور تھے۔ فقہ، اصول فقہ اور فتاوٰی کی کتابیں انہیں مستحضر تھیں، حوادث الفتاوٰی اور جدید فقہی مسائل پر ان کی خصوصی نظر تھی۔

آج قاضی صاحب ہمارے درمیان نہ رہے، لیکن اسلام وانسانیت کے اس خادم کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا ہے، جو امت کی خدمت اور اپنی منزل کی تلاش وجستجو سے کبھی نہ تھکا۔

آج قاضی صاحب کو سب سے بڑی خراج عقیدت یہی ہے کہ ان کے نقش قدم پر چل کر ان کے مشن کو آگے بڑھایا جائے اور امت کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش جاری رکھی جائے۔

مولانا عبد الخالق مدراسی مدظلہ
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

قاضی صاحبؒ
اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

عبدالقادر شمس قاسمی

اسسٹنٹ ایڈیٹر "ملی اتحاد"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ اور مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے درمیان افکار و نظریات، اعتدال پسندی اور وسعت نظری، شعور و فہم اور باخبری و اقدامی فیصلوں میں بہت سی قدریں مشترک تھیں۔ گوکہ بیسویں صدی کے ان دونوں بلند و بالا شخصیتوں کی عمر میں خاصہ فرق تھا مگر ملت اسلامیہ کے بکھرے ہوئے گیسو کو سنوارنے اور اس ملک میں دوسری سب سے بڑی اکثریت کے وقار و اختیار کی جد و جہد میں دونوں ہی شریک و سہیم تھے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ قاضی صاحب کی ذہانت، شعور و فکر کی پختگی اور مختلف میدانوں میں غیر معمولی صلاحیتوں کے معترف تھے اور انھیں پیش پیش رکھتے تھے تو دوسری طرف حضرت قاضی صاحب بھی حضرت علی میاں ندویؒ کو مولانا منت اللہ رحمانی کے بعد اپنا سرپرست تصور کرتے تھے۔ اور ان کی شفقتوں سے بیحد فخر و انبساط محسوس کرتے تھے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جب دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طالب علم تھے اس وقت حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اپنے خاندانی پس منظر اور علمی و تصنیفی کارکردگی کی وجہ سے کافی مشہور ہو چکے تھے۔ قاضی صاحب دوران طالب علمی میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور طلبا کی انجمن کے ذمہ داروں میں ہوتے تھے، چنانچہ انجمن کے سالانہ اجلاس کے لئے قاضی صاحب نے انتظامیہ کو راضی کر کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کو مدعو کیا۔ یہ وہ دور تھا جب ندوۃ العلماء اپنے مخصوص نصاب و مزاج اور جدّت کی وجہ سے اور دیوبند اپنے اسلاف کی روایات پر مضبوطی سے قائم ہونے کی وجہ سے دونوں ہی اداروں کے درمیان بیگانگی سی محسوس کی جارہی تھی، ایسے میں قاضی صاحب کا مولانا علی میاں ندوی کو مدعو کرنے کی جرأت دراصل ان سے ذہنی ہم آہنگی کی غمازی کرتا ہے۔ اس اجلاس میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ آئے اور اجلاس سے انتہائی پرتاثیر خطاب فرمایا جو بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو کر مشہور ہوا۔

اسی طرح جاننے والے جانتے ہیں کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کے بعد قاضی صاحب نے مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی اور مولانا منت اللہ رحمانی کے تعاون و حمایت سے مسلم پرسنل لا بورڈ کو ۲۵ کروڑ مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنادیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کے اشتراک کا جو مثلث تشکیل پایا وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے عروج کا نقیب اور تحفظ دین و شریعت کا مضبوط قلعہ ثابت ہوا۔ اور دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ قاضی صاحب مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس کو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بغیر بے رنگ اور نامکمل تصور کرتے تھے تو دوسری طرف چاہے اجلاس کا رخ موڑنا ہو، چاہے میڈیا سے مخاطب ہونا ہو یا جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے اجلاس کو خطاب کرنا ہو ہر جگہ مولانا علی میاں ندویؒ قاضی صاحب کو اسٹار اسپیکر کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

بمبئی میں مسلم پرسنل لابورڈ کا اجلاس ہو رہا تھا، قاضی صاحب کے خطاب کے بعد مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا کہ ''مسلم پرسنل لا'' کے موضوع پر مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کے بعد کسی تقریر کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے''۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ مسلم پرسنل لابورڈ کے انتخابی اجلاس میں اکثر خود ہی مولانا علی میاں ندویؒ کا صدارت کے لئے نام پیش کرتے اور ارکان بورڈ قاضی صاحب کے پر عقیدت جملوں کی تاثیر سے نہال ہو کر پر جوش انداز میں تائید کرتے، قاضی صاحب نے جب آل انڈیا ملی کونسل کی تشکیل کا خاکہ بنایا تو سب سے پہلے حضرت مولانا علی میاں صاحب سے پوری وضاحت کے ساتھ مشورہ کیا اور انھیں اس بات کیلئے آمادہ کیا کہ وہ ''اتحاد امت'' کانفرنس ممبئی کی صدارت فرمائیں۔ مولانا علی میاں صاحب نے نہ صرف شرکت کی اور سرپرستی قبول فرمائی بلکہ گراں قدر مشورے بھی دیتے رہے۔

آل انڈیا ملی کونسل کے ۴۸ روزہ ''کاروان آزادی'' کے ملک گیر سفر کے اختتام پر دہلی کے اجلاس میں مولانا علی میاں ندویؒ کو ''ستارۂ ہند'' کا اعزاز پیش کر کے قاضی صاحب نے اسے اپنے لئے باعث افتخار سمجھا اور جب ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ ۲۰۰۰'' کے لئے بہت سے ارکان اور ارباب حل وعقد نے قاضی صاحب کا نام پیش کیا تو قاضی صاحب نے اپنا بھاری بھرکم ووٹ حضرت مولانا علی میاں ندوی کے حق میں یہ کہہ کر دیا کہ اس وقت ان سے بہتر اور مستحق شخصیت کوئی اور نہیں ہے۔

یادش بخیر!۔۔۔۲۹ر فروری ۱۹۹۹ء کی بات ہے کہ جنوب ہند کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور کے جلسۂ دستار بندی میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ بھی تشریف لے گئے تھے اور قاضی صاحب بھی۔ راقم الحروف بھی وہاں موجود تھا۔ دار العلوم سبیل الرشاد کے احاطے میں ہی دونوں حضرات قدرے دوری پر الگ الگ قیام فرما تھے۔ اچانک قاضی صاحب کی قیام گاہ پر مولانا سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی وارد ہوئے اور قاضی صاحب کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر الٹے پاؤں واپس ہو گئے، چند لمحوں میں دیکھتا ہوں کہ وہیل چیر (WHEEL CHAIR) پر بیٹھے ہوئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ قاضی صاحب کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور مولانا مصطفیٰ رفاعی کے ہاتھوں کے سہارے سے قاضی کے قریب بیٹھنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ دوسری طرف یہ دیکھ کر قاضی صاحب تڑپ جاتے ہیں اور مولانا رفاعی صاحب سے برہم ہو کر کہتے ہیں کہ مجھے کیوں نہیں بتایا کہ حضرت ملنا چاہتے ہیں میں خود حاضر ہو جاتا، مولانا رفاعی صاحب نے وضاحت کی کہ مجھے حضرت نے منع کر دیا تھا۔ راقم الحروف ان دونوں بزرگوں کے بے پایاں خلوص اور لاثانی انکساری پر سر دھنتا رہا۔

مئی ۱۹۹۸ء کی بات ہے کہ جب قاضی صاحب مرض الموت میں گرفتار ہو کر نظام الدین نئی دہلی میں قیام پذیر تھے اور ڈاکٹروں نے دبے لفظوں میں یہ کہہ دیا تھا کہ اب چھ مہینے سے زائد حیات مستعار باقی نہیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ عیادت کے لئے نظام الدین تشریف لائے، قاضی صاحب نے حضرت مولانا علی میاںؒ کے جذبۂ محبت وشفقت سے مغلوب ہو کر کہا کہ آج میں تو ''ذبح'' ہو گیا۔

جب کبھی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ دور دراز کے سفر پر ہوتے تو قاضی صاحب فون کر کے منتظمین سے حضرت کے قیام، سواری اور سفر کی سہولتوں کے بارے میں دریافت کرتے اور کبھی کبھی منتظمین پر برہم بھی ہوتے اور کہتے کہ حضرت پر رحم کرو۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''مسلم پرسنل لابورڈ کی خوش نصیبی یہ ہے کہ اسے قاضی مجاہد الاسلام جیسا دور اندیش مدبر اور فقیہ ملا ہے'' اور مفکر ملت حضرت

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے حضرت مولانا علی میاں ندوی کے انتقال کے بعد اپنے احساسات کا اظہار یوں کیا:

۱۹۹۹ء کے آخری دن ۳۱/ دسمبر کو اس امت کا کارواں دن کی روشنی میں لٹ گیا، جو گئے وہ مغفور گئے، اب تو پورا ہندوستان اب درد دل کی باتیں کس سے ہونگی، شفقت کا وہ ہاتھ کون ہمارے سروں پر رکھے گا، آنکھیں ذہانت سے چمکتی ہوئیں، چہرے پر حد درجہ معصومیت اور ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ اب دیکھنے کو کہاں ملیں گی، ہم جیسے چھوٹوں کے لئے بھی ہمہ دم فکر مند اور سخت سے سخت اختلاف رائے کو جھیل جانے والے اور اپنی کسی رائے پر اصرار نہ کرنے والے، وہ بزرگ ہمیں کہاں سے ملیں گے، جنہوں نے اپنی حکمت عملی سے امت کے مختلف الخیال افراد اور جماعتوں کے کارواں کو بکھرنے نہیں دیا۔

بنگلور میں ''عالمی رابطہ ادب اسلامی'' کا سمینار ہو رہا تھا جس میں مولانا سید رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ حضرات علم وفکر اور شعور و آگہی کے بلند مرتبے پر فائز ہیں جن کے ذریعہ دین ملت کے بہت سے امور انجام پا رہے ہیں اور آئندہ بھی انجام پاتے رہیں گے۔''

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ حضرت قاضی صاحب کے علم و تفقہ اور پختہ شعور کا برملا اعتراف کرتے تھے اور بے پناہ قدر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اپنے دور صدارت کی میٹنگوں میں قاضی صاحب کی رائے کو بیحد اہمیت دیتے تھے اور اکثر قاضی صاحب کی نقطہ نظر علمی جدو جہد کا ایجنڈا قرار پاتا تھا۔

بلاشبہ دونوں ہی شخصیتیں علم و عمل کا آفتاب ماہتاب اور بیسویں صدی کے نصف آخر میں ملت اسلامیہ کی جدو جہد کے عنوان کی حیثیت رکھتی تھیں۔

افسوس کہ امت مولانا علی میاں ندویؒ کی وفات کا غم ابھی بھلا بھی نہ پائی تھی کہ علم و عمل کا کوہ گراں حضرت مولانا قاضی مجاہد بزرگوں کو اعلی مقام عطا فرمائے آمین۔

کارکنوں پر بیحد شفیق

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہم سے جدا ہو گئے، جس کا غم ہمیں برسوں رہے گا۔ وہ بے مثال فقیہ، بے لوث قائد اور عظیم مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ کام کرنے والوں پر بے حد شفیق بھی تھے۔ بارہا ان کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ہر بار ان کی محبت وشفقت کے نئے انداز سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ وہ بہت بڑا دل اور بہت کشادہ ظرف رکھتے تھے۔ ان کی گفتگو، کام کرنے کا انداز اور اپنے کارکنوں کے ساتھ ان کا تعلق، ہر ہر بات یاد آرہی ہے۔ وہ اپنے کسی ماتحت کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم سب گاڑی کے ایک انجن کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں چھوٹے چھوٹے پرزوں کی بھی وہی اہمیت ہے جو مکمل گاڑی کی ہے۔ وہ اپنے کارکنان کی ضروریات اور تقاضوں سے باخبر رہتے اور حل کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ وہ اپنے رفقائے کار کی غائبانہ تعریف کرتے اور سامنے نصیحت فرماتے تھے۔ کارکنان بھی انھیں جی جان سے چاہتے تھے اور دل سے قدر کرتے تھے۔

قاضی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر ان کا قائم کردہ مشن جاری ہے جسے ہم آئندہ بھی انشاءاللہ جاری رکھیں گے۔

امتیاز حسن
کارکن مرکزی دفتر
آل انڈیا ملی کونسل نئی دهلی

قاضی صاحب کویت کے ارباب علم ودانش کے درمیان

مولانا بدرالحسن القاسمی
وزارت اوقاف، کویت

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب ذہنی صلاحیت اور علمی واخلاقی ملکات میں اپنے معاصر علماء سے کہیں بڑھ کر تھے ان میں ایک عالمی شخصیت ہونے کے تمام تر عناصر موجود تھے لیکن اپنی عملی زندگی کے آغاز سے ہی انھوں نے اپنے لئے جو میدان عمل چنا تھا اس میں ہمہ وقت کی تگ ودو، اور بے مثال قربانی ایک خاص خطہ تک محدود اور عوامی اصلاح اور ٹھوس تعمیری جدوجہد پر مرکوز رہی، پھر علماء کے جس طبقہ اور گروہ سے وہ ذہنی اور شعوری طور پر وابستہ رہے اس کا امتیاز شہرت طلبی نہیں اخلاص عمل رہا ہے۔ موجودہ زمانہ میں دینی کام کرنے والے بہت سے افراد اور جماعتوں میں بھی ''پروپیگنڈے'' کا جو مرض پیدا ہو گیا ہے اس نے ان کے کاموں کو کھوکھلا اور بے اثر کر کے رکھ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ کاغذوں کے انبار اور کیسٹوں اور پروگراموں'' کی بھرمار کے باوجود مردم سازی اور اصلاح کا عمل آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے جا رہا ہے۔ اور امت کے درد کا درماں تلاش کرنے والوں کی کثرت کے باوجود امت کے مرض میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ریاض خیرآبادی کے بقول یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ:

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا سجادؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ یا پھر ان سے پہلے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ کا امتیاز بے کراں علم، بے پناہ تقویٰ واخلاص، بے مثال جذبہ قربانی اور بے پایاں دینی غیرت وحمیت ہے کہ ان کے عزم وہمت کے سامنے باطل کا بڑے سے بڑا تو دہ بھی خس وخاشاک کی حیثیت رکھتا تھا اور جن کے سر کٹ تو سکتے تھے لیکن جھک نہیں سکتے تھے۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی ذہنی تربیت بھی اس خانوادہ کی آغوش میں ہوئی تھی چنانچہ ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواہ کے بغیر ان میں کام کرنے کا جذبہ تھا۔ بڑی سے بڑی قیمت بھی ان کو اپنے اصول سے نہیں پھیر سکتی تھی لہٰذا بہار واڑیسہ کے دائرہ سے جب وہ باہر نکلے تو آل انڈیا سطح پر رہنمائی کے کام میں بھی اسی عزیمت اور جذبہ کے ساتھ شامل ہوئے پھر جب عرب دنیا سے کسی حد تک ان کی شناسائی ہوئی تو اس میں بھی انھوں نے اپنی سطح برقرار رکھی۔

چونکہ شروع سے وہ تصنیف وتالیف کی لائن میں نہیں رہے اور نہ انھوں نے اپنی شخصیت کی تشہیر کے لئے جتن کئے اس لئے باہر کی دنیا سے ان کی واقفیت بھی محدود رہی تاہم جن عربوں سے ان کی شناسائی ہوئی وہاں بھی انھوں نے اپنی استغنا کی خو اور شخصیت کی سادگی برقرار رکھی چنانچہ ہر جگہ ان کا وقار واعتبار قائم رہا۔ کویت وہ متعدد بار آئے لیکن نہ تو انھوں نے کبھی اپنی وضع قطع

میں کوئی تبدیلی کی اور نہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ذاتی ضرورت رکھی ملت کے مسائل ہی ہندوستان میں بھی ان کا موضوع سخن رہے اور ہندوستان سے باہر بھی، اور ان کا فقہی وعلمی ذوق اندرون ملک بھی نمایاں رہا اور بیرون ملک بھی۔ کویت کی مشہور صاحب خیر شخصیت عبداللہ علی المطوع کو میں نے ہمیشہ ان کا احترام کرتے دیکھا مولانا کی آمد پر وہ دعوت کا بھی اہتمام کرتے، اور اپنی مخصوص جماعتی وابستگی اور تحریکی ذہن ومزاج کے باوجود مولانا کے بارے میں سنی سنائی جو باتیں بھی ان تک پہنچی تھیں ان کی بنیاد پر ان کی خاطرداری کرتے تھے اور ان کے کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی معاملہ شیخ یوسف جاسم الحجی صاحب کا بھی تھا انھوں نے عالمی رفاہی ادارے کی رکنیت کے لئے مولانا کو نامزد بھی کیا تھا اور مولانا کئی سال تک اس کے عمومی عالمی اجلاسوں میں شرکت بھی کرتے رہے۔

ایک بڑا اور پیچیدہ مسئلہ دینداروں کی خود اپنے ہی جیسے دینداروں کے بارے میں تنگ ذہنی ہے خاص طور پر مادی وسائل کے حصول کی جہاں سے امید ہو وہاں تو اس ذہنی تنگی کا دائرہ اور بھی تنگ تر ہو جاتا ہے۔

شیخ عبداللہ المطوع ایک انتہائی مخیر انسان ہیں لیکن ان کے مخصوص مزاج کی وجہ سے کچھ افراد اور جماعتوں نے انھیں اپنے لئے ''سونے کی چڑیا'' تصور کر لیا ہے اس کی وجہ سے ''صاحب خیر'' کے خیر میں حصہ یابی کے لئے بڑی بھونڈی شکلیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ چنانچہ اسلام کی خدمت گزاری کرنے والوں اور ''اتحاد ملت'' کے غم میں گھلتے چلے جانے والوں کی ''فراخ دلی'' کا مسلسل جانگداز منظر دیکھتے رہنے کے بعد بہت سی باریش اور معمر شخصیتوں کی پریشانی اور مخصوص ''تزکیہ لیٹر'' کی شرط کی وجہ سے بہت سے بڑے اداروں کے ذمہ داروں کی بے بسی اور دین کی خدمت کے میدان میں نو واردوں کی چابکدستیوں کی طرف مولانا کی موجودگی میں میں نے اشارہ کیا تو المطوع صاحب نے فوراً کہا کہ: اگر یہ شیخ تزکیہ لیٹر لکھیں تو میں اسے قبول کروں گا، پھر چند دنوں بعد مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ: دسیوں فائلیں جو رکی ہوئی تھیں میں نے مولانا مجاہد صاحب کی سفارش پر ان کا کام کر دیا ہے، لیکن جو لوگ روایتی تنگ ذہنی میں مبتلا ہیں وہ پیچ وتاب کھانے لگے اور پھر انھوں نے یہ شکایت شروع کی کہ ''قاضی صاحب تو بیمار آدمی ہیں، ہر کسی کی سفارش کر دیتے ہیں چنانچہ مطوع صاحب نے ایک موقع پر اس کا بھی اظہار فرما دیا۔

یہ داستان مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن محض اس خیال سے قلمبند کر دی ہے کہ اندازہ ہو جائے کہ عام لوگ ہی نہیں ہماری ''دینی قیادت'' بھی کس اخلاقی سطح پر ہے کہ اپنے ملک میں جن اداروں اور شخصیتوں کی عظمت اور کارگزاری سے وہ اچھی طرح واقفیت رکھتی ہے بیرون ملک ذرا سی مادی منفعت کے لئے حق کی شہادت سے نہ صرف باز رہتی ہے بلکہ بسا اوقات اس کے خلاف پروپیگنڈے اور ماحول سازی سے بھی باز نہیں آتی۔ بہر حال ذکر تو مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کا تھا انھیں میں نے ایک سے زائد موقع پر بڑی بے نیازی کا معاملہ کرتے ہوئے دیکھا اور اسی میں ان کی شخصیت کی عظمت کا راز بھی ہے۔

مولانا کو زیادہ دلچسپی کتابوں، علما، فقہ، قضا وغیرہ کے موضوعات سے تھی، کویت ایک مختصر سی ریاست ہونے کے باوجود بہت سے علمی اور فقہی کارناموں کا مرکز ہے ''اسلامی فقہ کی عظیم انسائیکلوپیڈیا'' کویت ہی کی دین ہے دسیوں فقہ اور اصول فقہ کی نادر ونایاب کتابوں کو اللہ کے فضل سے کویت نے ہی زندگی بخشی ہے اس لئے قدرتی طور پر مولانا کا جی کویت میں بہت لگتا تھا اور کویت کی بھی متعدد شخصیتیں مولانا سے نہ صرف ضابطہ کا تعلق رکھتی تھیں بلکہ ان سے محبت کرتی تھیں، بمبئی میں مولانا نے فقہی سیمینار کیا تو اس میں آٹھ افراد پر مشتمل کویت کا موقر وفد بھی شریک تھا۔ پٹنہ

میں امارت شرعیہ کے ارباب حل وعقد کا اجتماع کیا تو دہلی کے آبجکٹیو اسٹڈیز کے سیمینار کے بعد چار ''وکلائے وزارت'' کی سطح کی شخصیتیں اس میں شریک اور مولانا کی سادہ وپرکار شخصیت سے مسحور تھیں۔

کویت میں مولانا کا رشتہ ڈاکٹر خالد المذکور سے گہرا تھا جو بمبئی کے فقہی سیمینار میں شریک بھی ہوئے تھے۔ ڈاکٹر مذکور کویت کی ایک نہایت معتدل مزاج اور نمایاں علمی ودینی شخصیت ہیں، شیخ عبداللہ النوری کے بعد کویت کے ''ٹیلی ویژن مفتی'' بھی یہی ہیں اور ہفتہ وار ٹی وی پروگرام کے ذریعہ دینی سوالات کے جوابات دیا کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کا اہم ترین منصب یہ ہے کہ امیر کویت کی طرف سے تشکیل کردہ ''سپریم کونسل برائے تکمیل نفاذ شرعی قوانین'' کے ذمہ دار اعلیٰ ہیں۔ اس کمیٹی کا کام کویت میں نافذ تمام سول اور فوجداری قوانین کا جائزہ لے کر ان کو شرعی قوانین کے مطابق بنانا ہے، وہ کویت یونیورسٹی کے پروفیسر بھی ہیں، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب سے ان کو قلبی تعلق تھا مولانا تشریف لائے تو انھوں نے تمام اکابر واعیان کو جمع کر کے تکمیل شریعت کمیٹی کے وسیع اور دائمی خیمہ میں دعوت کا اہتمام کیا۔ مولانا کے انتقال کے وقت وہ رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے مکہ میں تھے میں نے موبائل پر ان سے رابطہ قائم کیا تو بے حد غم واندوہ کا اظہار کیا، مولانا کے لئے حرم میں دعا کا عزم ظاہر فرمایا اس کے بعد جب بھی ملاقات ہوئی، وہ مولانا کے کاموں کے مستقبل کے بارے میں سوال کرتے رہے اور مولانا کے آخری مکتوب کا خاص طور پر ذکر کرتے رہے جس میں کہا گیا تھا کہ شاید یہ میرا آخری مکتوب ہو اور آئندہ آپ کو کچھ نہ لکھ سکوں۔

ڈاکٹر خالد المذکور کے علاوہ مولانا کو ڈاکٹر عجیل النشمی سے بھی خاص تعلق تھا جو کویت یونیورسٹی کی ''شریعت کالج'' کے پرنسپل رہ چکے ہیں اصول فقہ اور فقہ پر ان کی نظر کافی گہری ہے۔

انھوں نے مشہور حنفی فقیہ ابوبکر الجصاص الرازی کے بارے میں بڑا مفید رسالہ لکھا ہے جامعہ الازہر میں ان کے ڈاکٹریٹ کا موضوع بھی ابوبکر الجصاص الرازی کی کتاب ''الفصول فی الاصول'' کی تحقیق ہے۔ جو چار جلدوں میں کویت کی وزارت اوقاف واسلامی امور کی طرف سے شائع ہوئی ہے اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی ختم ہونے کو ہے۔

ڈاکٹر محمد عبدالغفار الشریف بھی مولانا کے قدر دانوں میں تھے یہ بھی ڈاکٹر عجیل النشمی کے بعد کویت یونیورسٹی کی شریعت کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں، بمبئی کے فقہی سیمینار میں شرکت کرنے والے تھے لیکن اچانک پیدا ہونے والی ایک الجھن کی وجہ سے وہ خود تو نہ جا سکے لیکن ان کا سامان بمبئی جا کر ڈاکٹر خالد المذکور کے ساتھ واپس آیا۔

مولانا مجاہدالاسلام صاحب اپنی اصل سرشت کے لحاظ سے فقہ وافتاء کی دنیا کے آدمی تھے اس لئے قدرتی طور پر انھیں ''الموسوعۃ الفقہیہ'' کی بڑی قدر تھی اور ''موسوعہ'' کی تیاری میں جو شخصیتیں سرگرم ہیں ان میں اس کے ذمہ دار اعلیٰ شیخ مشعل مبارک الصباح کی ذات گرامی بھی ہے جو شاہی خاندان کے ایک ممتاز فرد ہیں لیکن انھوں نے اپنی زندگی ''فقہ وافتاء'' کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی ہے، انتہائی روشن دماغ اور اعلیٰ اخلاق کے انسان ہیں۔ دینداری، تواضع اور اصول کی پابندی ان کی زندگی کا طرہ امتیاز ہے۔ شرعی بحوث اور افتا کے شعبہ کے ذمہ دار اعلیٰ ہیں۔ ان کے لئے حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا آسان ہے لیکن ان کا فیصلہ اپنے بارے میں یہی ہے کہ وہ علمی وفقہی سرگرمیوں سے ہی وابستہ رہیں، کویت سے صادر ہونے والے تمام فتووں پر فتویٰ کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے ان کے ہی دستخط ہوتے ہیں۔

مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کے ساتھ ان کا معاملہ بھی ہمیشہ بڑی قدردانی اور احترام کا رہا۔ ان کے علاوہ موسوعہ فقہیہ

کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خالد شعیب، مخطوطات ومکتبات کے شعبہ کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر سعود العصفور، برادرم جناب بدر السنین سبھی مولانا کے ساتھ بے حد مانوس تھے اوران کا بڑا احترام کرتے تھے۔

وزارت کے ارکان میں بدر ناصر المطیر ی، شیخ نادر عبدالعزیز النوری، ولید العمار بھی مولانا کے چاہنے والوں میں تھے بدر ناصر المطیر ی وکلائے وزارت میں سے ہیں اور پٹنہ میں ڈاکٹر عادل عبداللہ الفلاح، عبدالمحسن العثمان، نوری البشیر وغیرہم کے ساتھ امارت شرعیہ کے ارباب حل وعقد کے اجلاس کا منظر دیکھ چکے ہیں مولانا سے ٹوٹ کر محبت کرنے والوں میں ہیں، انگریزی زبان میں مہارت اور نئے انداز پر کام کا مزاج رکھتے ہیں مولانا سے اسی طرح عقیدت سے ملتے جس طرح کوئی مرید اپنے پیرومُرشد سے ملا کرتا ہے اور مولانا کی راحت کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔اسی طرح عبدالمحسن العثمان بڑے حوصلہ اور تعمیری فکر کے انسان ہیں ''اوقاف'' کی برسوں سے منجمد جائیداد کو متحرک کرنے اور ''وقف'' سے تعلیم وتہذیب اور دین وملت اور سماج کے مختلف شعبوں کو وابستہ کرنے میں ان کا بڑا رول رہا ہے۔کویت نے ''اوقاف'' کی ترقی اور مختلف پروگراموں کے لئے ''وقف فنڈ'' قائم کرنے کا جو نیا اور مثالی تصور پیش کیا ہے اس کی اس وقت خلیج کے سبھی ممالک تقلید کر رہے ہیں۔العثمان صاحب اب اپنے منصب پر نہیں رہے اب ان کی جگہ ڈاکٹر فواد العمر کے حصہ میں آئی ہے عبدالمحسن العثمان نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کا مصداق تھے۔ امارت شرعیہ کے اجلاس کے علاوہ بمبئی کے فقہی سیمینار میں بھی انھوں نے شرکت کی تھی اور وقف کے بارے میں اپنا مقالہ بھی پیش کیا تھا، مولانا کے کاموں پر ان کا بڑا اعتماد اوران کے دل میں مولانا کا بڑا احترام تھا۔

جہاں تک ڈاکٹر عادل الفلاح کا تعلق ہے تو وہ اپنی نوعیت کے منفرد انسان ہیں، طبیعت میں بے حد شرافت، مزاج میں بے پناہ اُنس، امت کے مسائل کی ہر وقت فکر رکھنے اور شب وروز کام سے نہ تھکنے والے آدمی ہیں ان کے اندر دینی کام کے لئے ''حرکت'' بھی ہے اوران کے دل میں ''حرقت'' اور دلسوزی بھی ہے اوراپنے اس جذبہ کو عام کرنے کی انھیں ہمیشہ فکر رہتی ہے ان کاموں کا اصل میدان ایشیائے وسطی کی نو آزاد ریاستیں ہیں جن کو ستر سال کی کمیونسٹ نظام کی چیرہ دستیوں نے پامال، اور وہاں کے بسنے والوں کو دین وعقیدہ سے دور کردیا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے امام بخاری کے ان وارثوں ان کے دینی وتہذیبی ورثہ سے جوڑنے کے لئے بڑا تعمیری اور ٹھوس کام کیا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے علاوہ برصغیر میں بھی ان کے کاموں کے بہت سے نقوش ہیں۔

انھیں مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب سے بیحد اخلاق کا تعلق تھا۔کوئی دن ناغہ نہیں جاتا کہ وہ مولانا کی خیریت دریافت نہ کرتے ہوں مولانا کی صحت وعافیت کا خیال رکھنے میں وہ سب سے پیش پیش تھے۔وہ مجھ سے ہمیشہ کہتے رہتے کہ شیخ کو ٹیلیفون کرو کہ ''وہ خود اپنی شخصیت کے مالک نہیں ہیں ان کی حیثیت ایک ''وقف'' کی ہے جو پوری ملت کا سرمایہ ہے اور میں اس کا نگراں اور متولی ہوں اس لئے میری اجازت کے بغیر وہ کہیں کا سفر نہ کریں اور اپنی صحت کو خطرہ میں نہ ڈالیں''، ان کی محبت اور تعلق کے ایسے ایسے مناظر میں نے دیکھے ہیں کہ سب کو قلمبند کرنے کے لئے پوری کتاب درکار ہے۔دعا ہے کہ ان کی اس بے لوث محبت اور علم وفضل کی قدر دانی کا انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔(آمین)

شہرت کمانے کے لئے تو لوگ طرح طرح کے جتن کرتے ہیں لیکن دلی محبت کا پیدا ہونا یہ محض اوپر والے کی طرف سے قبولیت کی علامت ہے اور یہ محبوبیت محض اللہ کی دین ہے جو اخلاص عمل سے حاصل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو بھی کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور زاہد خشک کا رول نہ ادا کرنے کے باوجود دین وملت کی سربلندی کے لئے جو کارنامے انھوں نے انجام دیے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شرف قبولیت بخشے اوران کی نجات کا ذریعہ بنائے۔(آمین)

کچھ یادیں کچھ باتیں

امین عثمانی

سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

پہلا منظر:

دریائے نرمدا کے کنارے واقع دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ کی پرشکوہ مسجد میں اک عجب سا سماں ہے، تل دھرنے کو جگہ نہیں، پورا بھروچ شہر گویا امڈ آیا ہے۔ ارے یہ کون ہے؟ کرسی پر جلوہ فرما، نہایت سادہ لباس میں ملبوس، وقت کے ایک عظیم فقیہ، دانشمند، مدبر کی آواز مسجد میں گونج رہی ہے۔ وہ آواز کیا ہے؟ — نہایت شیریں، پرسوز، اسرار و معرفت سے بھرپور ایک نئے انداز کا خطاب جاری ہے۔ امت بحیثیت امت محمدیہ، بحیثیت امت ابراہیمی کیسے آگے بڑھے، کیسے ترقی کرے، کیسے مستحکم ہو؟ اور وانتم الاعلیٰ ان کنتم مومنین کی تصویر کیسے بنیں؟ تقریر جاری ہے اچانک خطیب پہلو بدلتا ہے، نفس کی اصلاح کیسے ہو؟ فکر و نظر میں پاکیزگی کیسے پیدا ہو؟ سعادت کیسے حاصل ہو؟ اور پھر احسان و سلوک، روحانیت و تصوف کے ان معانی کو پیش کرتا ہے جن کی نفس انسانی کو ضرورت محسوس ہوئی۔ علماء حیرت زدہ ہیں کہ آج فقیہ وقت نفس شناسی اور ملکوتیت کے ایسے اسرار پر گفتگو کر رہا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے، بول پڑے میں بچپن سے اس شخص کو جانتا ہوں مگر آج جیسی گفتگو میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے گویا معرفت شناس، عارف باللہ، صوفی و زاہد نفس انسانی کی تربیت، اصلاح اور تذکیہ کی تشریح آسان سے آسان پیرایہ میں عام لوگوں کے لئے کر رہا ہے۔ آخر یہ شخصیت کون تھی؟ یہ تھے وقت کے عظیم فقیہ، سیاسی و سماجی دانشور، قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ------

دوسرا منظر:

عمرآباد کا وسیع ہال، پورے ملک سے علماء، فضلاء، فقہا اور مفتیان کرام سب موجود، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا، اچانک جدہ فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل حبیب ابن الخوجہ کی فصیح و بلیغ عربی تقریر شروع ہو جاتی ہے تقریر جاری رہتی ہے مجمع ہمہ تن گوش، تقریر جوں ہی ختم ہوتی ہے ناظم جلسہ ڈاکٹر عبداللہ جولم مدنی استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد کو پکارتے ہیں کہ وہ اس تقریر کا ترجمہ کریں۔ مگر وہ ادب سے معذرت کرتے ہیں تبھی اچانک ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور ان کی پوری تقریر کا رواں، سلیس اور شستہ اردو ترجمہ حاضرین کے سامنے اس برجستگی کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ اصل اور ترجمہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ علماء عش عش کرتے، ترجمانی کرنے والا کوئی اور نہیں آپ تھے قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ۔

ابن الخوجہ کے ساتھ صبح ہوئی اور شام ہوئی، فقہی اور علمی مذاکرہ جاری رہا۔ قاضی صاحب ہر گفتگو میں اپنی فقیہانہ شان کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور اپنی علمی وقار کے نشانات چھوڑتے گئے۔ جانے والا چلا گیا یاد اس کی رہ گئی۔

تیسرا منظر:

ایران کی راجدھانی تہران کا عظیم الشان کانفرنس ہال سفراء، عرب علماء اور دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے دانشوروں سے بھرا ہوا ہے، تقریریں جاری ہیں اسی درمیان سیدھے سادے لباس میں ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور برجستہ عربی میں تقریر شروع کر دیتا ہے۔ میں حیرت زدہ ہوں کہ جسے میں اس طرح عربی بولتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا آج وہ اس روانی سے عربی میں تقریر کیسے کر رہا ہے۔ مگر میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا کہ بغیر کسی وقفہ اور تکلف کے مسلسل ۳۰ منٹ تک تقریر کرتے رہے۔ آیئے سناتا ہوں میں کہ انھوں نے کیا کہا؟

انھوں نے کہا کہ اسپین میں دشمنوں نے کیا چالیں چلیں، اسپین کا المیہ کیسے اور کیوں پیش آیا۔ انھوں نے بتایا کہ تاریخ میں بہت سے انقلابات ناکام ہوئے ہیں۔ ناکامی کے پیچھے کیا راز تھا؟ انھوں نے بتایا کہ سقوط غرناطہ، اور سقوط بنگلہ دیش، اور سقوط سمرقند و بخارا کیسے ہوا؟ آج امت کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے؟ اور وہ کیا ہے، جس کے بغیر امت کھڑی نہیں ہو سکتی؟ انھوں نے با آواز بلند کہا کہ بین الاقوامی

طاقتوں کو پڑوس کی ریاستوں میں گھسنے کا موقع نہ دیا جائے، اور حکومت ایران کی اسلامی ذمہ داری ہے کہ وہ روس سے آزاد ہوئے ریاستوں میں ہر سطح پر مسلمانوں کو کمک پہونچائیں۔

تقریر میں ایک موڑ ایسا بھی آیا جب عربی تقریر کرتے کرتے مقرر نے اتحاد امت سے متعلق فارسی میں چند اشعار سنائے جو مجھے اس وقت یاد تو نہیں لیکن وہ ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ ان کی اس تقریر کے اختتام کے بعد علمائے ایران نے انھیں گھیر لیا اور ان سے مختلف امور پر محو گفتگو رہے۔ ان کو سب کے ساتھ گفتگو میں کبھی کسی ترجمان کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ آپ کوئی اور نہیں اتحاد امت کا آوازہ لگانے والے قاضی مجاہد الاسلام قاسمی تھے۔

چوتھا منظر:

میسور سے واپسی ہوتی ہے، پوچھتا ہوں کیا ہوا؟ فرماتے ہیں ملی کونسل کی باضابطہ تشکیل ہوگئی۔ میں نے پوچھا کہ پٹنہ کب جائیں گے؟ انھوں نے کہا کہ ابھی ٹھہرو ـــــ فضا گرم ہوتی جارہی ہے اور فقیہ وقت کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی، رہا نہ گیا ۵؍دسمبر کو دہلی میں موجود مختلف مسلم تنظیموں کی ہنگامی میٹنگ آئی او ایس میں طلب کی، فرمایا حالات اچھے نہیں ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ دشمن کچھ کر نہ بیٹھے، ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے؟ حاضر نمائندوں میں سے ایک نے کہا کہ آپ کیا کر سکتے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟ ہمارے وزیر اعظم نے ہمیں جو یقین دہانی کرائی ہے اس پر ہمیں اطمینان رکھنا چاہیے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم چاہیں، حاضر نمائندوں میں سے ایک نے کہا آپ کی پشت پر تعداد ہی کیا ہے، میرے خیال سے سب کچھ ٹھیک رہے گا کچھ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، قاضی صاحب مایوسی کے ساتھ اٹھ گئے۔ میٹنگ ختم ہوگئی۔ دوسرے دن تاریخ کا وہ بدترین سانحہ انہدام بابری مسجد کی شکل میں پیش آ گیا، قاضی صاحب نے پھر میٹنگ بلائی تا کہ وزیر اعظم سے مل کر پوری ملت کی جانب سے ردعمل، افسوس، غصہ اور غم کا اظہار کر سکیں۔ اور یہ بتا سکیں کہ جمہوری ملک میں یہ واقعہ پیش آیا جہاں اقلیتوں کو دستوری تحفظ حاصل ہے۔ اور سب کچھ سرکار کی نگرانی میں ہوا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ دیکھو مسلم نمائندے کیسے سوچتے ہیں۔ میں ہندوؤں کے محلے میں رہتا تھا قاضی صاحب نے گاڑی بھیج کر مجھ کو ہٹ جانے کی ہدایت کی، اور میں ان کے پاس حاضر ہو گیا۔ چوبیسوں گھنٹے بلا مبالغہ وہ ملک کے کونے کونے سے ٹیلی فون پر از خود رابطہ قائم کرتے، حالات معلوم کرتے، اور جس وقت جہاں ضرورت ہوتی صورت حال پر قابو پانے کے لئے اور امن وقانون کے نفاذ کے لئے، فسادات کو روکنے کے لئے حکومت کے ذمہ داروں سے مسلسل ملتے، دباؤ ڈالتے، اور براہ راست گفتگو کرتے۔ پورے ایک ہفتے تک وہ اسی عالم جلال میں رہے۔ اور میں نے دیکھا کہ بحیثیت قائد امت انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ اور ملی کونسل کے اجلاس صورت حال کے تجزیے کے لئے دہلی میں طلب کیا۔ شاید ۹ یا ۱۰ تاریخ تھی میرے ایک متفکر دوست نے کہا کہ اگر قاضی صاحب چاہیں تو اس وقت اس ملک میں وہ امام خمینی سے بھی بڑا رول ادا کر سکتے ہیں۔ میں آج بھی سوچتا ہوں کہ میرے دوست نے کیا کہا؟

قاضی صاحب:

قاضی صاحب کو میں نے دیکھا تو تھا لیکن برتا نہیں تھا، قاضی صاحب میرے شناسا تھے لیکن میں ان سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ ولی بھائی (عبدالولی نعمانی مہدولی دربھنگہ) سے رشتہ داری تھی، میں مونگیر جاتا رہتا تھا، مدرسہ بھی اور خانقاہ بھی، بالکل اندر بھی اور باہر بھی، وہاں میں نے قاضی صاحب کو دیکھا لیکن ان سے سنا کچھ نہیں۔ میں پھلواری خانقاہ بھی جاتا تھا اور امارت بھی۔ وہاں بھی میں نے قاضی صاحب کو دیکھا لیکن سنا کچھ بھی نہیں، میں نے ان کو پہلی دفعہ باضابطہ جاوید حبیب صاحب کے کنونشن میں دیکھا، اور مجھے محسوس ہوا کہ ان میں غیر معمولی فعالیت بھی ہے اور تیزی بھی۔ پھر ان سے میری بہت قریب کی ملاقات اس وقت شروع ہوئی جب وہ آئی او ایس سے مربوط ہوئے۔

قاضی صاحب پاکستان سے لوٹے تو انھوں نے کہا کہ میری ممانی آپ لوگوں کو یاد کرتی ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کن کی بیٹی ہیں، قاضی صاحب نے بتایا کہ ڈاکٹر عبدالحفیظ مرحوم پٹنہ کی بیٹی ہیں تو میں نے کہا کہ وہ میری پھوپھی زاد بہن ہیں۔ قاضی صاحب سے اگر رشتہ داری اور قرابت کا سلسلہ جوڑا جائے تو ممکن ہے اسے بھی وجہ قرابت سمجھا جائے لیکن اصلاً ان سے میرا تعلق کام، منصوبہ سازی، پلاننگ، مشورے اور اقدام سے متعلق تھا۔ میں نے اس جیسا مزاج شناس فہیم وذکی نہیں دیکھا۔ میں نے اُس جیسا منصوبہ بندی کرنے والا اور پورے اعتماد کے ساتھ اقدامی فیصلے لینے والا نہیں دیکھا، میں نے اُس جیسا باشعور مفکر ومدبر نہیں دیکھا، میں نے ڈاکٹروں، انجینئروں اور عصری دانشگاہوں کے اسکالروں سے اسی کی زبان ولہجے میں ایسا پر اثر گفتگو کرنے والا نہیں دیکھا۔ ☆☆☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

ڈاکٹر قاسم رسول الیاس
ترجمان مسلم پرسنل لاء بورڈ

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، ملی کونسل کے سکریٹری جنرل، اسلامک فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے چیف قاضی اور نائب امیر، متعدد دینی وعصری تعلیمی ادارہ کے بانی وسرپرست مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جس نے مختلف میدانوں پر اپنا ایسا نقش ثبت کیا ہے جسے آسانی سے مٹایا نہیں جا سکے گا۔

علمی، فقہی، تعلیمی، ملی وسیاسی سرگرمیوں اور قضا کی ذمہ داریوں کے ساتھ پہلو بہ پہلو خدمت خلق کے میدان میں بھی قاضی صاحب نے اپنے متبعین کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ وہ اتحاد ملت کے زبردست داعی تھے، ملت کے انتشار وافتراق سے تڑپ اٹھتے تھے۔ اتحاد ملت کے لئے حضرت قاضی نے ایک انتہائی موثر، قابل عمل اور نہایت ہی آسان نسخہ تجویز کیا تھا کہ مسلمانوں کو صرف کلمہ کی بنیاد پر جوڑا جائے۔ وہ کسی مسلک، مکتب فکر اور جماعت کے مخالف نہیں تھے لیکن دین اور ملت کے مفاد کو سب پر مقدم سمجھتے تھے۔

حضرت قاضی صاحب کے بارے میں بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ اگر وہ اپنے آپ کو تصنیف وتالیف کے لئے وقف کر دیتے تو علم کے دبستاں سجا دیتے۔ دینی، فکری اور فقہی لٹریچر کا بیش قیمت اضافہ ہو جاتا۔ بعض دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ سیاسی میدان کا انتخاب کرتے تو سیاسی افق پر ایک تابناک ستارے کے مانند چمک رہے ہوتے۔ اگر ملی وسیاسی سرگرمیوں کے لئے خود کو وقف کر دیتے تو آج مسلمانوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے لیکن ایسا کر کے وہ کسی ایک میدان ہی تک خود کو محدود کر لیتے تاہم جب جب اور جن جن میدانوں میں ملت کی ضرورتیں سامنے آئیں انہوں نے اس میدان میں اترنا اپنا فرض سمجھا اور ہر ہر میدان میں کام کے خطوط اور افراد کی تیاری کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میدانوں میں تربیت افراد کی ایک پوری ٹیم قاضی صاحب کھڑی کر کے چلے گئے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام قاضی صاحبؒ کا ایسا کارنامہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل تلاش کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، یوں تو اس طرح کے امور ومسائل پر امت میں گاہے، گاہے علمائے کرام کے اجتہادات سامنے آتے رہے ہیں تاہم قاضی صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان امور ومسائل میں اجتہاد کا راستہ اختیار کر کے فقہی اختلافات اور مسلکی جھگڑوں کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ آج اسلامی فقہ اکیڈمی عصر حاضر کے مسائل کا شریعت کی روشنی میں اجتماعی طور پر تلاش کرنے کا ایک معتبر اور مستند پلیٹ فارم ہے۔

مسلمانوں کے ملی، سیاسی مسائل کو متحدہ ومشترکہ طور پر حل کرنے کے لئے اکابرین ملت نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کا پلیٹ فارم قائم کر کے وقت کی اہم ضرورت پوری کی تھی تاہم بعض وجوہ سے مشاورت کے غیر فعال اور مفلوج ہو جانے کی بنا پر ایک ایسے ادارہ کی ضرورت بالخصوص بابری مسجد کی شہادت کے بعد محسوس کی جارہی تھی **بقیہ ص: ۳۹ پر**

'آبِ زرّیں سے رقم ہوگی سوانح زندگی'

صفی اختر
آفس سکریٹری
مرکزی دفتر آل انڈیا ملی کونسل

"اللہ تعالی کی سنت جاریہ یہی ہے کہ وہ دین کی اصل شکل اور اس کی صاف و واضح صورت کو اپنے زمانے کے سامنے پیش کرنے کے لئے امت میں سے کسی بندے کو کھڑا کردیتا ہے، جو دین محمدیؐ اور شریعت محمدیہؐ کو اپنے زمانے کے انسانوں کی عقل و صلاحیت اور قوت فہم کے مطابق نکھار کر واضح کردیتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ صدی میں اس حکمت بالغہ کا خوب خوب ظہور ہوا اور دین رسول ہاشمیؐ کی ترکیب خاص کے مطابق یہ امت اس اعتبار سے کبھی بانجھ نہیں رہی اور اٹھنے والے فتنوں، داخلی گمراہیوں اور فلسفوں نیز نئے نئے افکار ونظریات کے طوفانوں کے مد مقابل ڈٹی اور جمی رہی"۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو وحدت امت کے داعی ونقیب، ہمارے مربی ومحترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے خاندان عبدالحئیؒ کے مایہ ناز چشم وچراغ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے لئے فرمائے تھے جن کا انطباق خود آج ان کی ذات والاصفات پر ہوتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے امت کی مختلف ضروریات کے لحاظ سے مختلف صلاحیتوں کو ابھارنے اور باصلاحیت افراد کی قومی وبین الاقوامی سطح پر ایک ایسی ٹیم تیار کرنے کا کام کیا جو نادر المثال اور تاریخ ساز ہے۔ حضرت مولاناؒ نے کبھی کرسی پر بیٹھ کر ملت اسلامیہ پر حکومت کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ زمین پر رہ کر کام کرنے کو فائق سمجھا۔ عام طور پر آب وہوا کے اثرات افراد کی افتاد طبع اور مزاج پر بڑے گہرے ہوتے ہیں، انہیں کے زیر اثر قوموں اور ملکوں کے مخصوص مذاق کی تعمیر ہوتی ہے لیکن حضرت قاضی صاحب مزاج و مذاق کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے اپنے تہذیبی ورثے (Cultural Heritage) کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ پوری قوت سے مسلم معاشرے کے مطمئن، خوش اور آسودہ حال لوگوں کو غریبوں اور فاقہ کش افراد کے احوال سے بھی باخبر کیا، جس کا خاطر خواہ فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کا پیش کردہ معاشی نظام (Economic System) انہیں بھی سمجھ میں آیا نہ معلوم کتنے دکھیاروں کو حضرت قاضی صاحبؒ کی اس تحریک سے اکتساب فیض کرنے کے مواقع نصیب ہوئے، یہ کوئی معجزہ نہیں تھا، قاضی صاحب کی خصوصیت تھی جو انہیں دیگر اکابرین سے ممتاز وممیز کرتی ہے۔ آپ نے رؤسا، فقراء، امیر اور غریب، عالم وجاہل سبھوں سے بہتر رشتہ رکھا اور ان کی اصلاح وتربیت کرتے رہے۔ وہ صحت مند اقدار کی آبیاری میں ہمیشہ لگے رہے، انہوں نے زوال آمادہ اور ٹوٹتے، بکھرتے مسلم خاندانوں کو زندگی کی صحیح قدروں سے آشنا کرانے کا بھی کام کیا۔ ان کی مقبولیت کا ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، گو کہ وہ

بحیثیت فقیہ علم وتحقیق کی دنیا میں لگے تھے مگر قلت وقت کے باوجود نادر و نایاب تصانیف کا ذخیرہ جمع کر دیا انہوں نے نوجوان علماء و فضلاء پر بھی غیر معمولی محنت کی، انہیں ان کا اصل سبق یاد دلایا، انہیں کام کا بنایا اور ایک ایسی ٹیم تیار کر دی جو علم وتفقہ کے ساتھ وقت کی ضرورتوں، نزاکتوں نیز مسائل زندگی کے حل کی جانب لے جاتا ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ گذشتہ ۷۔۸/ اپریل ۲۰۰۱ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے بینر تلے آپ نے مسلم خواتین کے اصل حقوق کے لئے لڑ رہی انجمنوں اور ان کی تنظیموں کی نمائندگی کرنے والی موڈرن خواتین سے بھی صاف صاف اور کھلے ماحول میں گفتگو کی طرح ڈالی، ان کے فرائض انہیں یاد دلائے، زوجین کی زندگی کی قدروں پر یقین رکھنے والی باشعور خواتین کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اصل موقف سے آشنا کرایا نیز عائلی زندگی میں مرد وعورتوں کو ایک دوسرے کا پارٹی نہیں بلکہ پارٹنر بننے پر زور دیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ عورتوں کو ان کا جائز حق ملے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس کا دین وشریعت متقاضی ہے۔

ملک کے مسلم پسماندہ علاقوں میں ایک طرف جہاں قادیانیوں کی تحریک سے حضرت قاضی صاحب متفکر رہے وہیں بعض متعصب ہندو تنظیموں (مثلاً وشو ہندو پریشد وآریہ سماج کی تحریک) سے جڑے لوگوں نے شدھی کرن اور ذہنی ارتداد کی مہم ہاتھرس (علی گڑھ) کے کچھ مواضعات، آگرہ، ایٹہ، متھرا و راجستھان کے بھرت پور نیز میگر اخطہ میں چلانے کی کوشش کی، ان پر بھی وہ بے حد فکر مند رہے اور متاثرہ مقامات پر ملی کونسل کے ذریعہ بروقت اقدام کیا۔ چھوٹے و بڑے شہروں میں کنوینٹ اسکولوں کے طرز پر سرسوتی شیشو بال مندر کے تیزی سے فروغ پر بھی آپ نے اکثر اپنے تردد کا اظہار کیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ عصری تعلیم کے نام پر خوشحال اور متوسط گھرانے کے مسلم خاندانوں کے معصوم ذہنوں کو برباد کیا جا رہا ہے، لوگ ان کے بہتر متبادل کی صورتوں پر غور نہیں کر رہے ہیں۔

وہ قانون اسلامی کی تدوین جدید اور اجتماعی اجتہاد کے عظیم علمبردار تھے۔ اسلامی تہذیب کی وضاحت میں ایک جگہ رقمطراز ہیں، فرماتے ہیں کہ ''اسلامی تہذیب کھلے ذہن ودماغ کی مالک ہے، وہ ان ترقی پذیر علوم وفنون اور انسانی تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں جو کسی خطۂ ارتداد میں یا کسی دور تاریخ میں کئے گئے ہوں، بہت کشادہ قلب واقع ہوئی ہے، بشرطیکہ وہ اس کے بنیادی اصولوں اور مقاصد کے منافی اور دین واخلاق کے لئے فتنے کا سامان نہ بنیں۔'' آپ کی فکری صلاحیت، ذہنی وسعت اور علمی پختگی نادر المثال تھی۔ آپ نے 35 رسالہ دور قضاۃ میں مسلمانوں کے بے شمار عائلی مسائل کا تصفیہ کیا اور امارت شرعیہ کو ایسا متحرک بنایا کہ دنیا بجا طور پر اس کی معترف ہے۔ مشہور ہے کہ علم میں وسعت کے ساتھ شدت پسندی اور تنگ نظری آتی ہے، لیکن آپ کے ساتھ معاملہ برعکس تھا۔ آپ کی زندگی عصبیت، شدت پسندی اور فرقہ بندی کی تمام تر آلائشوں سے پاک ہے۔ آپ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بنیادی ڈھانچہ کی تشکیل سے تاحیات اپنے عہدۂ صدارت تک اہم کردار ادا کیا۔ دوسری جانب اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد ڈال کر مدارس دینیہ کے فارغین کو کام کرنے کے لئے ایک زبردست مرکز دیدیا، آپ نے پھلواری شریف پٹنہ میں امارت شرعیہ کے تحت ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کے نام سے بھی ایک ایسا ٹریننگ سینٹر قائم کر دیا جو پورے ملک کے لئے ایک بے نظیر تحفہ ہے۔ اس سے قبل بھی آپ نے نہ معلوم ملک اور بیرون ملک میں کتنے قاضی بنا دئے اور انہیں صحیح منصب دلا دیا، آپ نے علم وفن کی جو دیپ جلائی اس سے فقہ وتحقیق کے شہسوار روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

آپ ایک باکمال قائد و رہنما بھی تھے جو ہر سطح سے مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کا فن جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی ہر

تحریک اور اپنے ہر کام نہایت برق رفتاری سے انجام دئے۔ معاشرے کی دکھتی ہوئی رگوں پر انگلیاں رکھتے اور پھر ان کے علاج کے لئے بے چین و مضطرب رہتے۔ بڑا سے بڑا قدر رکھنے والا شخص بھی ان کے سامنے خود کو بونا محسوس کرتا ان کی عنایات سے مستفیض کتنے ہی لوگ شاید آج اُن کا ذکر نہ کریں مگر ان کے دل حقایق کی گواہی دیں گے۔ نہ اُن کے ارد گرد خرقہ پوش خدمتگار تھے اور نہ ہی انہیں کسی محافظ کی ضرورت تھی، وہ تو سادہ ترین زندگی گزارنے والے متوسط گھرانے کے ایک عامی انسان تھے۔ ان کا اخلاق اعلیٰ ترین تھا، اور وہ زبردست مہمان نواز بھی تھے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے ایک خط میں (مکتوب ماجدی) یہ نظر سے گزرا کہ ''شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے ہاں سنا ہے کہ مہمانوں کی غیر معمولی خاطر داریاں ہوتی ہیں'' یہ جملہ حضرت قاضی صاحبؒ پر بعینہ صادق آتا ہے۔ آپ اخلاقی اعتبار سے کھوکھلے لوگوں کو بھی بخوبی پہچانتے تھے، اس لئے ایسے لوگوں سے ملنے جلنے میں تامل فرماتے، وہ تعمیر کی بات کرتے تھے۔ وہ ایک عظیم مردم شناس و جوہر شناس تھے۔ بلا تفریق رشتہ دار، غیر رشتہ دار، احباب و مخلصین سبھوں سے بے تکلف ملتے، ان کا تعارف اپنے دیگر مخلصین و اہل تعلق سے بھی اسی مجلس میں کراتے۔ وہ یہ کبھی نہیں دیکھتے کہ آنے والا فرد کسی معمولی مدرسے سے پڑھکر آیا ہے یا اسکول و کالج یا دیگر دانشگاہوں سے، انہیں کبھی یہ فرق کرتے نہیں دیکھا کہ آنے والے کی عمر اور اس کے مراتب کیا ہیں، بلکہ بلا لحاظ عمر سبھوں کو اپنے قریب بٹھاتے۔ ان کے اندر انسان دوستی کی روح کارفرما تھی، انہوں نے غریبوں اور بے کسوں کی بھی ہمیشہ کسی نہ کسی طرح مدد کی۔ کتنے ہی غریب خاندانوں میں بڑی لڑکیوں کی تقریبات اور شادیوں میں حتی المقدور اعانت کی، چھوٹے چھوٹے قصبات اور مواضعات میں پہنچ کر مکاتب کا نظام قائم کرایا، بچیوں کی تعلیم پر بھی بھرپور توجہ دی، بیوگان و مفلوک الحال خاندانوں کی لٹی پٹی زندگی کو قریب سے دیکھا اور ایسی خواتین کے لئے علاقائی سطح پر ایسے چھوٹے چھوٹے کام کی صورتیں پیدا کرائیں جن سے وہ احسن طریقہ پر اپنی روزی روٹی حاصل کرسکیں۔ ایسے طبقے جن کی عام طور پر صاحب علم و فن کے ہاں رسائی نہیں ہوتی، ان کا بھی پہنچنا یہاں آسان تھا، سماج کے ایسے حلقوں سے آئے لوگ بھی اپنی باتیں بے تکلفی سے رکھتے، ان کی باتیں سنی جاتیں، اور ان کے مسئلے حل بھی ہوتے۔ یہی وہ وجہ تھی کہ ایسے افراد حضرت قاضی صاحبؒ تک پہنچ کر افتخار محسوس کرتے۔ بعض مرتبہ اپنے کاموں کے ہجوم اور بھیڑ بھاڑ سے وہ تھک جاتے تو دو ایک بے تکلف عزیزوں سے ہی گفتگو کرنا پسند فرماتے۔ اس درمیان خلاف مذاق لوگوں کی آمد کی خبر ملتی کہ وہ ملنا چاہتے ہیں تو قاضی صاحب کا چہرہ متغیر ہو جاتا، پھر ہم لوگ معذرت کے الفاظ کہنے کے لئے مجبور ہو جاتے۔ اور بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ ''مخلصین سے بجز افضل خواص کے یہ ملنا جلنا بار ہوتا'' اگر ان کے لئے آسان ہوتا تو وہ '' آلوپ آنجن'' لگا لیتے۔ آپ نے ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی، حسب ضرورت وہ حقائق کے اظہار میں شدت سے کام لیتے ایسے وقتوں میں ان کی باتیں شمشیر بے نیام کی طرح ہوتیں، وہ نقطۂ نظر اور خیالات کے اظہار میں کسی تصنع کا سہارا نہیں لیتے بلکہ سیدھی اور دوٹوک باتیں بڑے مؤثر و موزوں استدلال کے ساتھ کہنے کے عادی تھے۔

قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے مختلف ایسے محاذوں پر بھی کام کئے جن کا احاطہ فی الوقت دشوار ہے لیکن یہ بات بہر حال قابل ذکر ہے کہ تکنیکی و پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے آئی۔ ٹی۔ آئی طرز کے بہت سے ادارے قائم کئے اور اس کے لئے معقول وسائل پیدا کرائے۔ اس تحریک سے بے روزگار نوجوانوں کو بہت فائدہ ہوا، آپ ملک کے مختلف معروف اداروں اور بالخصوص جنوبی ہند میں چل رہے مسلم انجینئرنگ و میڈیکل کالجوں میں اکثر متوسط گھرانے کے مسلم بچوں کے داخلے کروانے میں پیش پیش رہے

۔آپ انفرادی یا اجتماعی کاموں میں مشورہ کے عادی تھے۔ان کے طریق کار پر اس حدیث کا اطلاق ہوتا ہے کہ "جب تمہارے معاملات آپسی مشورے سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے"۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی گفتگو میں علم وفضل کی خوشبو ہوتی، آپ کے پاس شہر و بیرون شہر، قصبات و مضافات کے چیدہ چیدہ منتخب حضرات کی آمد رہتی، لوگ ان سے بھی کسب فیض کرتے۔

آپ قومی و بین الاقوامی حالات پر اپنی گہری نگاہیں رکھتے۔ملک میں موجود میڈیا کے پروپیگنڈوں سے بھی بخوبی واقف رہتے، انہیں اس کا شدید احساس تھا کہ اس ملک کی جمہوری طاقتیں کمزور پڑتی جارہی ہیں اور منووادی راشٹر کے تصورات کو عملی شکل دینے کی بھی کوششیں ہورہی ہیں۔وہ جانتے تھے کہ فاشسٹ عناصر اس ملک کے بنیادی ڈھانچے کو منہدم کرنے کے درپے ہیں، چنانچہ ان خطرات کے پیش نظر ملک میں موجود سیکولر طاقتوں کو ملی کونسل کی تحریک کے ساتھ جوڑ کر ان سے مفید کام لے رہے تھے۔وہ ملک میں بڑھتی ہوئی تشدد پسندی اور فرقہ وارانہ جارحیت پر بے حد متفکر رہتے اور فرماتے کہ اس کے خوفناک مضرات سے آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں اور یہی وہ وجہ تھی کہ ایک دور میں جب بہار میں لالو پرشاد وزیر اعلیٰ تھے تو انہوں نے اپنے سخت اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس مسئلہ کو صرف اقلیتوں کا مسئلہ سمجھنا غلطی ہوگی۔درحقیقت یہ پوری ہندوستانی قوم کا مسئلہ ہے اور اسے انتہائی سنجیدگی سے لینا چاہئے اور اس قسم کی منافرت کا سد باب کرنے کی کوششوں پر فوری غور کیا جانا چاہئے۔انہیں اس بات پر قلق رہتا کہ ریاستی کینوس (Canvas) پر کم از کم چند ایسے افراد ہوتے جو موجودہ حالات پر پوری قوت کے ساتھ حق وانصاف کی بات کرسکتے۔آپ نامساعد حالات میں بھی ملی کونسل کے چند بنیادی وہم خیال رفقاء کو ساتھ لے کر چلے اور نہایت ٹھوس، مثبت اور انقلابی کام کر گئے جن کے خاطر خواہ اثرات پورے ملک پر پڑے۔آپ نے نہ صرف یہ کہ وقت کے ساتھ خود کو چیلنجنگ بنایا بلکہ اپنے مخلص دوستوں کو بھی ساتھ لے کر ہر طرح کے چیلنجز کا سامنا کیا۔حضرت قاضی صاحب تقسیم ہند اور اس کے بعد کی تاریخ پر اظہار خیال فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ "تاریخ وہی ہے جو سچائی اور حقیقت پر مشتمل ہو، لیکن آزادی کی تاریخ بند کمرے میں لکھی گئی جس کا زمین کی سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، تاریخ دانوں نے کچھ خاص طبقہ اور لوگوں کا ہی ذکر کیا"۔وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ "ہندوستان کی تقسیم کا ذمہ دار مسلمان نہیں بلکہ اس کے لئے موتی لال نہرو کی رپورٹ ذمہ دار ہے"۔

قاضی صاحب علیہ الرحمہ طرح کی ذہنی مرعوبیت سے خالی تھے، آپ مغربی تہذیب کے عیوب سے بھی بہر قیمت واقف رہے۔وہ اجتماعی مفاد کی خاطر اپنی فراست وذکاوت سے مسلم وغیر مسلم اہل سیاست کو بھی اپنا گرویدہ بنا کر کام لیتے اور مسلمانوں کے اصل مسائل ومشکلات سے انہیں باخبر بھی رکھتے۔آپ گرد وپیش کے مسائل سے خود باخبر رہتے اور دوسروں کو بھی حرکت وعمل کی دعوت دیتے۔وہ لوگوں کی ذہنی ساخت کو سمجھتے تھے۔انہوں نے استحصال کی مختلف شکلوں میں جکڑے لوگوں کو روشن خیالی اور صحیح دین کا شعور عطا کیا۔انہوں نے اہل اقتدار سے آنکھیں ملا کر باتیں کیں اور جب جب موقع ملا، مصلحت کوشی سے یکسر گریز کیا اور کبھی معذرت خواہانہ لب ولہجہ اختیار نہ کرسکے بلکہ قوم وملت کے لئے بڑی جرأت کے ساتھ ہر آواز اٹھائی، ان کی باتیں سنی بھی گئیں بابری مسجد کے تنازع کے حل کے لئے دوسرے مناسب فریقین سے بات تو کرنے کو تیار تھے مگر وہ چاہتے تھے کہ ثالثی کرنے والے کچھ Concrete Proposals کے ساتھ، ان کے پاس آئیں۔ان کا یہ موقف رہا کہ کوئی زمین چاہے وہ مسجد کی ہو یا قبرستان کی یا عام اوقاف ہو، اُسے کسی دوسرے مصرف کے لئے کسی

کو بھی نہیں دی جاسکتی۔

آپ نے اہل یورپ کی تحریک آزادیٔ نسواں، بے حیائی نیز عریاں ونیم عریاں زندگی کی ہمیشہ مذمت کی اور اپنے غم وغصے کا اپنی تقریروں میں انتہائی اظہار کرنے میں کوئی دریغ نہ کیا، وہ مغربی تہذیب سے اس قدر نالاں رہتے کہ اپنے اعزاء کو عرب وحجاز میں ملازمت حاصل کرنے پر مبارک بادیاں تو دیتے لیکن امریکہ، کینڈا جیسے ممالک سے بلاوا آنے پر فرماتے کہ ''نہ جاؤ تو بہتر ہے''۔

قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اشتراکی نظام کی بھی جی بھر کر مذمت کی، ان کا احساس تھا کہ ''بے شک روٹی بھی ضروری ہے لیکن کیا روٹی ہی ضروری ہے؟ یہ توجہ طلب ہے'' گورباچوف کے عہد حکومت میں سوویت یونین نے افغانستان پر بابرک کرمال کی جبری حکومت تسلط کرادی تھی۔ ایسے موقع پر بھی قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے جا بجا بڑی مؤثر تقریریں کیں اور اشتراکی نظام کی خرابیوں سے عوام الناس کو روشناس کرایا، انہوں نے اکثر اس بات پر زور دیا کہ اپنے ہاتھوں کی حلال کمائی خیر وبرکت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اسلام نے کسب حلال اور عدل وقسط کو پسند کیا ہے۔

آپ عظمت آدم اور احترام بنی آدم کے علمبردار تھے۔ آپ نے اپنے عہد صدارت میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس بنگلور کے موقع پر آر۔ ایس۔ ایس۔ کے چیف، کے ایس سدرشن، بی جے پی کے صدر بنگارو لکشمن، مسٹر لال کرشن اڈوانی، مسٹر مرلی منوہر جوشی اور وزیر اعظم ہند مسٹر اٹل بہاری واجپئی کو جس انداز سے اسلام کے آفاقی اور ابدی حق وصداقت کا پیغام دیا وہ بلاشبہ ان کی جرأت رندانہ اور خود اعتمادی کا بین ثبوت ہے۔

آپ بزرگوں اور صاحب اہل خدمت کے پاس بھی جاتے، ان سے استفادہ فرماتے، بزرگوں کو بھی دیکھا کہ وہ حضرت قاضی صاحبؒ کو بے حد عزت واحترام سے دیکھتے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب خلف الرشید حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحبؒ وغیرہم کو بھی دیکھا کہ انھوں نے قاضی صاحب کی عیادت کے دوران ان کی بے حد حوصلہ افزائی فرمائی، انہیں دعائیں دیں اور فرمایا کہ ''اللہ تعالی کو آپ سے دین وملت کی اہم خدمات لینی ہیں، آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں، بس اپنی صحت کا خیال فرمائیں''۔ آپ کو بڑے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی دعوت دی جاتی، حسب موقع آپ ان میں شریک ہوا کرتے۔ وہاں اکابرین جماعت بھی ان کی مجلس میں بیٹھتے، آپ عرفان الٰہی اور معرفت الٰہی سے بہرہ ور تھے، آپ کے دل میں توحید کا جذبۂ خالص تھا، کیونکہ انہیں ولی کامل کی بھی صحبت یقیناً حاصل تھی اور آخرت پر یقین کی وجہ سے ہی ان کی زندگی اعمال خیر کا مجموعہ بن گئی تھی آپ نے تحریک اسلامی سے جڑے نوجوانوں کی تنظیم اسٹوڈنٹس اسلامک مومنٹ کے اچھے کاموں کو سراہا اور حسب ضرورت ان کی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ آپ کی تقریروں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ملفوظات کا حوالہ ہوتا۔ ساتھ ہی بعض مواقع پر امارت شرعیہ کے امیر شریعت رابع وامیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ منت اللہ رحمانیؒ اور حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ کے فرمودات کا بھی ذکر ہوتا۔

آپ کی پوری زندگی ایک تحریک تھی، آپ سے قرآن، سنت نبویؐ، اجماع وقیاس جیسی اصطلاحات ہمیشہ سنتا تھا اور علمائے وقت کو انہیں خطوط پر چلنے کی تاکید کرتے دیکھتا۔ سمجھا جاتا ہے کہ جب عقل بڑھتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں، ایک طرف کاموں کا دفتر اور پھر نوع بہ نوع مسائل نے انہیں اس قدر متفکر کر رکھا تھا کہ اپنے عوارض کے آخری ایام میں گم سم رہتے تھے، انہوں نے اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو ترک کیا، انہوں نے کام کرنے والوں کی

ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی، مولانا مناظر احسن گیلانی کے بارے میں اگر مولانا صباح الدین صاحب یہ فرماتے کہ " آپ کی سادگی کو دیکھ کر آپ کے علم کی گہرائی کا یقین نہ آتا تھا اور گہرائی علم کو دیکھ کر آپ کی سادگی پر تعجب ہوتا" تو یہ عجب نہیں کہ اس عبارت کا اطلاق حضرت قاضی صاحبؒ کے لئے بھی کیا جائے۔ آپ کی فراست نے آپ کو شہرت وفضیلت کے نقطۂ عروج تک پہنچا دیا تھا۔

قاضی صاحبؒ فرماتے تھے کہ کھیل کود اور ورزش سے صحت تو اچھی رہتی ہی ہے، طبیعت میں بھی نشاط پیدا ہوتا ہے، شاید یہی وجہ تھی کہ فرماتے "میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں فٹ بال کا بہترین کھلاڑی تھا"۔ آپ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں جب جب مہدولی، دربھنگہ آئے، لڑکوں کے ساتھ Badminton کے کھیل میں بھی تفریحاً شریک ہوئے، کبھی Carrom کے کھیل میں شرکت فرماتے۔ شاید لوگوں کے علم میں یہ بات بھی ہوگی کہ حضرت قاضی صاحب Cricket کے بین الاقوامی میچوں کی کمنٹری سننے میں بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے بلکہ اس کھیل کی Terminology (اصطلاحات) سے بے پناہ واقف تھے۔ انہیں ایسے کتب خانوں اور لائبریریوں کا بھی خاصا شوق تھا جہاں ادبی اور جاسوسی ناولوں کا خاصا ذخیرہ ہو اور اسی شوق میں راقم الحروف سے فرماتے کہ یار! دربھنگہ میں ایک بڑی پبلک اردو لائبریری ہو تو مزہ آجائے یہ کام تم کر سکتے ہو۔

آپ کے پاس صاحب انشاء پرداز، ادباء اور باذوق حضرات کی بھی تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے ان رفقاء سے بڑی عقیدت ومحبت سے ملتے جلتے۔ آپ خود بڑے اچھے ادیب تھے۔ انسان کے ذوق جمال کا عکس ان کے اندر بھی تھا، انہوں نے متعدد شاہکار نظمیں بھی لکھیں (جن کی حفاظت نہ ہو پائی۔)، ان کی نثر بھی اعلیٰ تھی۔ اگر بحیثیت ادیب میدان ادب میں اترتے تو وہ شاید اعلیٰ درجہ کے شاعر وفن کار کی صف میں ہوتے۔ آپ مزاج و مذاق کے اعتبار سے کچھ ایسے تھے کہ تفریح طبع کے لئے بھی مواقع نکال لیتے، وہ اپنے قریبی عزیزوں کی تقریبات میں نہ صرف یہ کہ شرکت فرماتے بلکہ نجی مجالس میں ظرافت کا پہلو نکال لیتے، ایک بار انہیں بڑے موڈ میں دیکھا کہ کچھ گنگنا رہے ہیں اور متفرق اشعار ان کی زبان زد ہیں:

دیکھو حریم ناز کا پردہ اٹھے گا اب
راز ونیاز پر پڑی ہوگی حجاب شب

اور نظر اٹھتی جائے گی، اٹھ کر گرے گی، گر کر فتنہ مچائے گی، آنکھوں میں پتلیوں کا تماشہ دکھائے گی۔

اگر گزشتہ صدی کی تین دہائیوں کے اواخر تک علمی، ملی، فکری، سیاسی وثقافتی میدانوں میں کام کرنے والوں کی تاریخ رقم کی جائے تو یقیناً حضرت قاضی صاحبؒ کی شخصیت ناقابل فراموش ہے۔ ہم آج بے حد غم واندوہ کے ساتھ، یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، مشیت ایزدی کے سامنے ہمارا کچھ بس نہیں، وہ اپنی مدت حیات پوری کر چکے تھے، نیک ہوئی ان کی آخرت وہ تو مغفور ہوئے۔

☆☆☆

دل ودماغ میں وسعت

عام مشاہدہ ہے کہ انسان جوں جوں ترقی کے منازل طے کرتا ہے اور علم و فن کے حوالے سے آگے بڑھتا ہے، اس کے اندر اپنے نظریے اور موقف کے پیش نظر تنگ نظری آنے لگتی ہے، لیکن قاضی شریعت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کی شخصیت کا انوکھا پہلو یہ تھا کہ وہ جوں جوں علمی میدان میں آگے بڑھے اور کمالات حاصل کیے ان میں تنگ نظری پیدا نہیں ہوئی بلکہ ان کے دل ودماغ میں وسعت پیدا ہوئی اور اسی وسعت ظرفی کی بنیاد پر انہوں نے لوگوں کو جوڑ کر آگے بڑھنے کا اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کیا اور وہ کامیاب ہوئے۔

مولانا مفتی امین احمد پالنپوری مدظلہ
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

کچھ یادیں کچھ باتیں

وارث مظہری
مدیر "ترجمان دارالعلوم" نئی دہلی

مجھے اپنی مختصر سی زندگی میں بہت سی باکمال اور بڑی شخصیات سے ملنے کا موقع ملا ہے ان میں علماء اور اصحاب فقہ وافتاء کے علاوہ ادباء شعرا، مصنفین و محققین اور اہل صحافت وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ میں اپنے طور پر ان میں سے بہتوں سے از حد متاثر رہا ہوں، اوران کی شخصیت اور فکر کی چھاپ میری ذات اور میرے فکر وخیال پر پڑی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایک شخصیت کے استثناء کے ساتھ (جس کا ذکر میں ضروری نہیں سمجھتا) مجھے جس شخصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ ہیں ان کی گفتگو، ان کے اخلاق وآداب، سادگی وتواضع، انکساری وبے نفسی بروقت تذکیر واصلاح کا ان کا دلنشیں انداز اور علم وعمل کے میدان میں اپنے چھوٹوں کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ان کی خو، یہ ساری صفات ان کے اندر ایسی تھیں جن کی بنیاد پر دوسروں پر چھا جانے اور انھیں اپنا گرویدہ بلکہ اسیر بنالینے میں انہیں دیر نہیں لگتی تھی۔ ایسا شاید ایک بھی شخص نہ ہوگا جو مولانا مرحوم کی شخصیت کے کسی پہلو سے باضابطہ طور پر متاثر نہ ہوا ہو یہی وجہ ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو بھی حضرت قاضی صاحب کی تعریف میں طلب اللسان پایا ہے جو بعض معاملات ومسائل میں قاضی صاحبؒ سے شدید اختلاف رکھتے تھے۔ قاضی صاحب کی یہ خوبی بھی اپنی جگہ مسلم ہے اور جس کی متعدد مثالیں ہر وہ شخص پیش کرسکتا ہے جسے قاضی صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہو کہ وہ اپنے مخالفین کو برداشت کرنے، ان کی باتوں کو سننے اور انھیں دلائل کے ذریعہ مطمئن کرنے کا وسیع ظرف وحوصلہ رکھتے تھے۔

چنانچہ ۱۹۸۹ میں فقہ اکیڈمی کے تحت جب فقہی سیمناروں کی ابتداء ہوئی، ان کی خوش آئند کارکردگی سامنے آئی اور ان کے بیش بہا نتائج نے ایک وسیع علمی حلقے کو متاثر کیا تو جہاں ایک طرف بڑی تعداد میں لوگ کھنچ کھنچ کر قاضی صاحب سے قریب ہونے لگے وہیں دوسری طرف چند لوگ ایسے بھی نظر آئے جو ان سیمناروں کے خلاف خم ٹھونک کر سامنے آگئے اور بجائے اس کے کہ وہ خود قاضی صاحب سے ان معاملات کی وضاحت چاہیں جو ان کی نظر میں قابل اعتراض اور موجب تنقید تھے، انھوں نے علمی ودینی حلقوں میں بڑے پیانے پر قاضی صاحب، ان کے رفقاء کار اور سیمناروں کے خلاف پروپیگنڈے شروع کردیے۔ یہ صورت حال ایک ایسے شخص کے لئے یقیناً تکلیف دہ تھی جس نے دین وملت کے لئے اپنے آپ کو تج دینے کا ارادہ کرلیا ہو لیکن قاضی صاحب نے اس کے جواب میں کوئی غیر سنجیدہ طریقہ کار اختیار نہیں کیا حالانکہ وہ اپنے مختلف مؤثر وسائل وذرائع کے توسط سے Tit for tat (جیسے کو تیسا) کا طریقہ اپنا سکتے تھے۔ قاضی صاحب کی علمی متانت اس سے ہمیشہ مانع رہی کہ وہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھائیں جس سے ان کی علمی وفقہی شخصیت پر کسی قسم کا حرف آئے۔

قاضی صاحب کو مختلف حلقوں کی طرف سے متہم کرنے اور ان کی شخصیت کو داغدار کرنے کی پرزور مہمیں چلائی گئیں۔ بعض لوگوں نے مودودیت کا طعنہ دیا تو بعض لوگوں نے تجدد اور ہواپرستی کا الزام عائد کرکے ان کی ہوا اکھاڑنا چاہی لیکن قاضی صاحبؒ آخردم تک میدان میں ڈٹے رہے۔ ان کے پاؤں میں ایک لمحے کے لئے بھی لرزش پیدا نہیں ہوئی۔ وہ اس قسم کی تمام مخالفانہ کاروائیوں اور کردارکشی کی مہموں کو سلف صالحین اور علماء ومصلحین کی زندگیوں میں پیش آمدہ اسی نوع کے واقعات کا تسلسل تصور کرتے تھے۔

قاضی صاحبؒ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی خوبیاں بھردی تھیں کہ وہ ہر ایک کے منظور نظر بن جاتے تھے۔ میں اپنے طور پر سمجھتا ہوں کہ قاضی صاحب مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد موجودہ دور کی دوسری دینی شخصیت ہیں جنھیں معاشرے کے ہر طبقے کی

نگاہوں میں یکساں طور پر قدر و منزلت حاصل تھی۔ کیا علماء، کیا دانش وران، کیا اہل سیاست صحافت یا سماجی مصلحین وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کے علم و عمل میں ان تمام چیزوں کا احاطہ شامل تھا۔ وہ قدیم کے ساتھ جدید علوم سے بھی بہرہ ور تھے، سیاست کے گلیاروں کی انھوں نے اگر چہ خاک کبھی نہیں چھانی لیکن حقیقی و عملی سیاست (Realpolitik) پر یقین اور اس کا بھرپور شعور رکھتے تھے۔ ملی کونسل کی تعمیر و تشکیل اسی شعور و فکر کا خارجی پیکر ہے۔ اسی طرح معیاری اسلامی صحافت اور سماج کی اصلاح و تعمیر اور اس کے رستے ہوئے زخموں پر انھوں نے ہمدردی کا پھایا رکھنے کی جو کوشش کی اس کی بہت سی زندہ جاوید مثالیں ہیں جنھیں فراموش کرنا ممکن نہیں۔

قاضی صاحب سے متعلق سوچتے ہوئے بہت سی باتیں اور یادیں پردۂ ذہن پر آتی ہیں اور دل چاہتا ہے کہ وہ ساری باتیں اور یادوں کے نقوش صفحۂ قرطاس پر آجائیں لیکن بات وہی ہے کہ

طویل داستاں ہے یہ، کہی ہوئی، سنی ہوئی

قاضی صاحب سے ہماری شناسائی اس وقت سے تھی جب کہ ہم نے ابھی شعور کی دہلیز پر ٹھیک طور سے قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ پوری طرح یاد نہیں کہ ہم نے سب سے پہلے قاضی صاحب کو کب دیکھا اور ان کی بات یا تقریر کو سننے کا موقع کب ملا۔ ہاں البتہ یہ بخوبی یاد ہے کہ ان سے بچپن میں ہماری نہ جانے کتنی ہی ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی خدمت کرنے اور ان کی صحبتوں سے فیض اٹھانے کا نہ جانے کتنا ہی موقع ملا۔ لیکن یہ ساری باتیں اس وقت کی ہیں جب کہ ہم کسی عظیم شخصیت سے ''استفادے'' اور ''فیض صحبت'' کے حقیقی مفہوم سے بالکلیہ نا آشنا تھے۔

ہمارا گاؤں (رام پور، رہوا، وارث نگر، سمستی پور بہار) ایک مردم خیز بستی رہی ہے۔ ماضی میں اس کے اندر ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جن کی بدولت گاؤں کا نام دور دور تک پھیلا اور چمکا (یہ بات الگ ہے کہ اب اس بستی کی ''مردم خیزی'' کی جگہ ''مردم کشی'' نے لے لی ہے) علاوہ ازیں اپنے جغرافیائی محل وقوع اور تنباکو کی تجارت و کاشت کی وجہ سے بھی اسے اس علاقے میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے جو اب بھی باقی ہے...

یہاں دارالعلوم دیوبند میں قاضی صاحب یا ان کے زمانے کے کئی ایک ساتھی (جو سب کے سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں) تھے انہی میں سے ایک مولانا عبدالواسع قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تھے، مولانا عبدالواسع صاحبؒ نہ صرف قاضی صاحب کے ساتھی اور ہم درس ہی تھے بلکہ ان دونوں کی زمانہ طالب علمی سے ہی نہایت گہری دوستی تھی۔ مجھے یاد آتا ہے کہ قاضی صاحب نے ایک مرتبہ خود اپنی زبان سے فرمایا تھا کہ وہ ہمارے ''لنگوٹیا یار'' تھے۔

اس کے علاوہ مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ مدرسہ ضیاء العلوم (رام پور) کے سرپرست تھے اور عملاً انہی کے مشورے سے مدرسہ کا ہر چھوٹا بڑا کام انجام پاتا تھا۔ بایں وجہ قاضی صاحب بکثرت ہمارے یہاں تشریف لاتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدرسے یا گاؤں کے دوسرے افراد سے ان کا تعلق اصلاً مولانا عبدالواسع قاسمیؒ کی ذات گرامی کے واسطے سے ہی تھا جو رشتہ میں ہمارے والد کے خالو نیز ہماری والدہ کے رشتے کے بھائی تھے اور اسی رشتے سے ہم انھیں ''اموں جان'' کہتے تھے۔ قاضی صاحب جب بھی آتے مولانا عبدالواسع قاسمی صاحبؒ کے پاس ہی ٹھہرتے اور ان کے گھر کے ہمارے گھر سے باہم متصل ہونے کی وجہ سے وہ جتنے دن وہاں قیام پذیر رہتے نہ صرف ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتے بلکہ ان کی خدمت کا بھی ہمیں موقع ملتا۔ مولانا عبدالواسع قاسمی صاحب اور ان کے گھر سے قاضی صاحب کا تعلق گھریلو قسم کا اور نہایت بے تکلفانہ تھا۔ اس لئے ان کے گھر قاضی صاحب کی آمد پر جو مجلسیں منعقد ہوتیں اس میں حد درجہ بے تکلفی اور بے آمیزی کا رنگ ہوتا اس لئے اس میں شریک ہونے والوں کو خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے کسی قسم کی الجھن یا جھجک کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا جیسا کہ بالعموم بڑوں کی مجلسوں میں شرکت کے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمارے علاقے میں مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی تقریر اور خوش گفتاری کا بڑا چرچا تھا۔ چنانچہ جب وہ تشریف لاتے اور ان کی تقریر کا اعلان ہوتا تو علاقے کے لوگ ان کو سننے اور دیکھنے کے لئے امنڈ پڑتے جب تقریر ہوتی تو لوگ جیسے افسوں زدہ ہو کر آپ کی تقریر سنتے اور آپ کی شخصیت کے سحر میں ڈوب جاتے تھے۔ آپ کی تقریر کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ''خیر الکلام ما قل ودل'' (بہتر کلام وہ ہے جو مختصر اور پُر مغز ہو) اور ''کلموا الناس علی قدر عقولهم'' (لوگوں سے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق کلام

کرو) کی تصویر ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سطح کے لوگ ان کی باتوں سے محظوظ اوران کی تقریروں سے مستفید ہوتے تھے۔

یہ غالباً ۱۹۸۵ء کی بات ہوگی کہ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی مولانا عبدالواسع قاسمی کے گھر تشریف آوری ہوئی۔ میں انہی دنوں حفظ قرآن سے فارغ ہوا تھا۔ ایک مجلس میں مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کے سامنے ہمارے خاندان کا تذکرہ آیا وہ ہمارے والد متین مظہری مرحوم سے بخوبی واقف تھے جو اپنے علاقے کی معزز و معتبر شخصیت تصور کئے جاتے تھے عصری علوم میں اعلیٰ قابلیت کے ساتھ شعروادب اور دینی وسماجی سرگرمیوں کے حوالے سے دور دور تک شہرت رکھتے تھے ہمارے والد مرحوم کا سنہ ۷۰ء میں ہماری پیدائش کے چند مہینے بعد ہی والدہ اور ایک جواں سال بھائی کے ساتھ ایک حادثہ میں انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے جب ہمارے خاندان کا تذکرہ آیا تو طبعی طور پر میں مرکز توجہ بنا اور اس طرح والدین کے انتقال کے بعد ہمارے اصل مربی وسرپرست اظہر عالم واجدی مرحوم (اللہ انھیں غریق رحمت کرے) نے جو مولانا عبدالواسع قاسمی صاحب کے برادر زوجہ اور ہمارے والد کے ماموں تھے، نے ہمیں گھر سے بلوا کر حضرت قاضی صاحب سے ہمارا تعارف کروایا۔ حضرت قاضی صاحب کو جب معلوم ہوا کہ میں کتاب وقلم کا شوقین ہوں اور شعروادب کا بھی ذوق رکھتا ہوں تو ثبوت میں انھوں نے ''کچھ'' دکھانے کے لئے کہا اور جب میں نے شعرونثر پر مشتمل انہیں اپنی ''بیاض'' دکھائی تو تفصیل کے ساتھ اس پر نظر ڈالنے کے بعد اس پر اظہار مسرت کے ساتھ دیر تک ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالواسع صاحب اور اظہر عالم واجدی رحمہما اللہ سے فرمانے لگے کہ اس لڑکے (راقم الحروف) کو میرے حوالہ کردیں میں اسے اپنے برادر زادے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے پاس سبیل السلام حیدرآباد بھیج دیتا ہوں یہ وہاں عربی تعلیم حاصل کریں گے پھر میری طرف رخ کرکے فرمایا کہ تم اگر وہاں چلے جاؤ گے اور محنت سے تعلیم حاصل کروگے تو اسی طرح عربی میں بھی بڑی بڑی نظمیں کہنے لگوگے'' دونوں حضرات نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور اس طرح رمضان کے بعد شروع سال میں میرے جانے کا پروگرام بن گیا۔

لیکن شومئی قسمت کہ چند ماہ بعد آنے والے شوال میں جب ہم نے قاضی صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ باہر سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ میں انتظار کرتا رہا لیکن ان کا سفر اتنا طویل ہوا کہ محسوس ہوا کہ اب اگر مزید تاخیر کی جائے تو کسی بھی اچھے مدرسہ میں داخلہ نہیں مل پائے گا اور اس طرح حضرت مولانا عبدالواسع قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خط کے ساتھ مجھے رانچی مدرسہ حسینیہ میں مولانا ازہر صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور اس طرح ایک قیمتی اور خوشگوار موقع ہاتھ سے چلا گیا۔ پھر میں مدرسہ حسینیہ میں ہی تھا کہ مولانا عبدالواسع قاسمی صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ اگر چہ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً قاضی صاحب رام پور وارث نگر آتے رہے اور یہ سلسلہ ۱۹۹۴ء تک چلتا رہا جب انھوں نے بہار کے گورنر اخلاق الرحمٰن قدوائی کو بلا کر گاؤں والوں کے تعاون سے ہمارے وہاں مدرسہ ضیاء العلوم میں ''وفاق المدارس العربیہ'' کا پہلا اجلاس منعقد کیا... لیکن تعلیم کی غرض سے وطن سے دور رہنے کی وجہ سے ان سے ہماری ملاقات اپنے وطن میں نہ ہوسکی البتہ عرصہ دراز کے بعد جب غالباً ۱۹۹۲ میں پانڈولی سہارنپور کے ایک جلسے میں ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر میں نے دارالعلوم دیوبند (جہاں میں ان دنوں زیر تعلیم تھا) سے جاکر ان سے ملاقات کی اور اپنا تعارف کرایا۔ بہت خوش ہوئے اور تفصیل سے اہل خاندان اور گاؤں کے لوگوں کی خیر خیرت دریافت کی۔ ایک علمی نشست میں کئی ایک علمی سوالات بھی مجھ سے اور دوسرے طلبہ سے کئے۔ ایک سوال ان کا یہ تھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ مدارس کے طلبہ سات آٹھ سال عربی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود عملی طور پر عربی تکلم اور نوشت وخواند سے کما حقہ واقف نہیں ہو پاتے میں نے کہا کہ اس کی بنیادی وجہ دو ہے: ایک نحو وصرف کے اضافی مسائل کی گراں باری دوسرے پڑھی بلکہ رٹی ہوئی عربی گرامر کے اجراء اور تطبیق کا اہتمام نہ ہونا۔ یہ جواب ان کو بہت پسند آیا اور دیر تک وہ اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے۔

۱۹۹۴ء میں جب میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں ندوۃ العلماء جاکر مزید عربی ادب کی تعلیم حاصل کروں، اس وقت تک میں نے اپنی ذاتی کوششوں اور دلچسپیوں سے اتنی عربی سیکھ لی تھی کہ بے تکلف گفتگو کے علاوہ نظم ونثر میں بھی طبع آزمائی کرنے لگا تھا لیکن ندوے جاکر میں اپنے اس شوق کو

مزید پختہ اور صیقل کرنا چاہتا تھا۔ بر سبیل ذکر یوں ہی بتادوں کہ ندوہ جانے کے سلسلے میں جب میں یہاں ایک استاذ سے مشورہ لینے گیا تو انھوں نے اس پر کسی حد تک ناگواری کا اظہار کیا میں سمجھ گیا کہ ان کی نظر میں میرا یہ اقدام بھی "گھوڑے کی سواری کے بعد گدھے کی سواری" جیسا ہے۔ لیکن میں نے ارادہ ترک نہیں کیا اور حضرت قاضی صاحب سے فون پر رابطہ قائم کیا انھوں نے نہ صرف اس پر اپنی مسرت کا اظہار کیا بلکہ مجھے اپنے پاس بلایا تا کہ وہ مجھے اپنے مشوروں سے نواز سکیں اور اپنی طرف سے میرے لئے انتظامیہ کے نام سفارشی خط لکھ دیں۔ حضرت قاضی صاحب ان دنوں اپنے وطن جالہ دربھنگہ میں مقیم تھے کیوں کہ بہار میں اسمبلی کا الیکشن ہونے والا تھا جس میں قاضی صاحب جنتا دل کے لئے اپنے طور پر انتخابی حمایت کی کوششوں میں مصروف تھے، میں دہلی سے ان کے گھر جالہ پہونچا ہمارے ساتھ مولانا عبدالواسع قاسمی مرحوم کے تیسرے صاحبزادے خالد محمد سیف اللہ (نجمی) بھی تھے جو ان دنوں کلکتہ میں بڑے پیمانے پر یونانی دواؤں کی تجارت کرتے ہیں۔ قاضی صاحب توقع سے زیادہ خوش اخلاقی اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ ایک دن ہم دونوں کو اپنے پاس ٹھہرایا اور رات میں پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ اور مجھ سے اور نجمی سے دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں کرتے اور مختلف لوگوں کے بارے میں استفسار کرتے رہے۔ میرے عربی کے شوق کی خاص طور پر انھوں بڑی تعریف کی۔

دوسرے دن جب حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب کے نام میرے لئے خط لکھنا چاہا تو یہ جان کر انھیں بڑا املال ہوا کہ یہاں ان کے نام کا لیٹر ہیڈ موجود نہیں ہے۔ لیکن وہ مجھے خالی ہاتھ لوٹانا نہیں چاہتے تھے اس لئے انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں پٹنے جا کر ان کا لیٹر ہیڈ لے آؤں چونکہ الیکشن کی وجہ سے پبلک ٹرانسپورٹیشن پر پابندی تھی اس لئے انھوں نے ایک ایمبولینس کا انتظام کروایا لیکن پھر عین وقت میں ایک بھولا بھٹکا لیٹر ہیڈ دستیاب ہوگیا اور اس طرح میں پٹنہ جانے کی پریشانی سے بچ گیا۔ قاضی صاحب نے اس پر مولانا رابع حسنی ندوی صاحب کے نام جو خصوصی خط لکھا اس کا یہ جملہ آج بھی مجھے یاد ہے "مجھے آپ سے پوری امید ہے کہ آں عزیز کو آپ اپنی خدمت میں رکھ کر اسے خصوصی استفادے کا موقع عنایت کریں گے" بہر حال میں ندوے گیا اور میرٹ کی بنیاد پر ہی "علیا اولی ادب" میں الحمد للہ میرا داخلہ ہوگیا چنانچہ داخلے کے بعد ہی میں نے یہ خط حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب کے سپرد کیا۔

پھر ایک عرصے تک نہ تو قاضی صاحب سے ملاقات ہو سکی اور نہ تعلقات کی تجدید کا موقع ملا۔ اس کی وجہ خود میری کوتاہی اور تغافل شعاری تھی۔ اگر چہ یہ کوتاہی و غفلت بے وجہ نہیں تھی۔ در حقیقت میں قاضی صاحب سے اس وجہ سے بہت شرمندہ تھا کہ میں بوجوہ بیچ میں ہی ندوے کی اپنی تعلیم ختم کر کے دہلی آگیا تھا اور ندامت اور خوف احتساب و ملامت سے قاضی صاحب سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ تنظیم ابنائے قدیم میں "ترجمان دارالعلوم" کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ قاضی صاحبؒ سے مل کر معافی تلافی کرلوں تا کہ اس "بازوابستگی" سے استفادے کی کوئی نئی راہ نکل سکے۔ اسی دوران تنظیم ابنائے قدیم کے بعض ذمہ داروں کو قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو انھوں نے خود میرے متعلق دریافت کیا کہ یہ صاحب کون ہیں جب بتایا گیا کہ بستی پور کے رہنے والے ہیں تو انھوں خود میرے والد کا نام لے کر بتایا کہ ان کے صاحبزادے ہوں گے۔ اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے شرمندگی کے احساس کے ساتھ ان سے ملاقات کی پھر متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک ملاقات میں میں نے کہا کہ حضرت آپ کی طبیعت کی ناسازی کی بنا پر خدمت میں حاضر ہونے میں تامل ہوتا ہے۔ فرمانے لگے جب دل چاہے آجایا کرو تمہارے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

بہر حال جس چیز کا مجھے از حد ملال ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ باوجود انتہائی قربت کے میں قاضی صاحب جیسے عبقری روزگار شخص سے استفادے سے محروم رہا۔ اگر کچھ ایام ان کی صحبت میں رہنے کا موقع ملتا تو شاید میرا خالی دامن بھی اتنا خالی اور بے مایہ نہ ہوتا۔

بہر حال قاضی صاحب کے ساتھ تعلق کی میری یہ مختصر کہانی ہے قاضی صاحب کی فکر و شخصیت اور ان کے کارناموں پر میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور آگے بھی لکھنے کا ارادہ ہے اور یہ سلسلہ مزید دراز ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس صحبت میں بس اتنا ہی... دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب مرحوم کے مرتبے کو بلند کرے، انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے نقوش و خدمات کو موجودہ و آئندہ نسلوں کے لئے چراغ راہ بنائے۔ آمین ☆☆

حضرت قاضی صاحب کی فقہی اور اجتہادی بصیرت

مفتی احمد نادر القاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

قبل اس کے کہ فقیہ الامت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ کی فقہی اور اجتہادی بصیرت، قدیم وجدید اسلامی فقہ پر ان کی دسترس، ادلہ شرعیہ اور مراجع پر ان کی نظر اختصار کے ساتھ پیش کروں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد، کار اجتہاد اور قضا وافتاء کے اس جلیل القدر منصب سے متعلق چند ضروری باتیں تحریر کروں تاکہ زیر بحث موضوع اور مولانا موصوفؒ کی اجتہادی بصیرت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

منصب افتاء وقضا اور اجتہاد:

افتاء اور قضاء دراصل یہ دونوں ایسے اہم دینی مناصب ہیں، جو بجائے خود غایت درجہ فہم وفراست، شرعی اور قانونی شعور، کتاب وسنت پر گہری نظر، تفقہ فی الدین، اقوال صحابہ، نصوص فقہاء، اجتہادی صلاحیت، اصول وکلیات کی روشنی میں استنباط مسائل کی قدرت اور ملکہ راسخ کے متقاضی ہیں۔ بالفاظ دیگر اور اصولی زبان میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ قضاء وافتاء اور اجتہاد واستنباط مسائل دونوں ایک دوسرے کے غیر منفک شریک وسہیم ہیں، اور کبھی دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے، کیونکہ اصول فقہ کی یہ مروج اور مسلم اصطلاح ہے کہ ''نصوص محدود اور مسائل وحوادث لامحدود ہیں'' نیز یہ کہ متقدمین فقہا کی تشریحات، سلف کے اقوال اور فقہ وفتاوی کا ہر دور کے تمام وقوع پذیر مسائل پر من وعن انطباق بھی ناقابل فہم ہے، یہی وجہ رہی ہے کہ دور اول سے آج تک کوئی زمانہ مجتہدین اور راسخین فی العلم فقہاء وعلماء سے خالی نہیں رہا اور ہر ادوار میں مجتہدین پیدا ہوتے رہے، اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ قیامت تک امت محمد یہ شریعت اور اسلام جو ایک آفاقی اور بین الاقوامی دین ہے اسے باقی رہنا بھی ہے اور اسی امت کو اور بالخصوص علماء کو پوری انسانیت کو خیر پر باقی رکھنا بھی ہے، اور اللہ کی آخری شریعت کی اسے حفاظت بھی کرنی ہے اور رسالت کی تبلیغ بھی۔ اس لئے اجتہاد اور مجتہدین کا سلسلہ ہمیشہ اور قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

اور چونکہ قانون الہی اور احکام شریعت کی تنفیذ کے لئے شریعت اسلامی میں بنیادی طور پر تین طرح کے افراد واشخاص کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اس لئے ان تینوں کا اجتہادی وصف سے متصف ہونا ضروری ہے، (۱) امام المسلمین، (۲) قاضی اور (۳) مفتی۔ اگر ان تینوں افراد میں اجتہادی صلاحیت اور مصالح عباد کے پیش نظر مصلحت کو غالب اور نافذ کرنے اور بندگان خدا سے مفاسد کو دور کرنے اور مسائل وعلل کی تخریج کی صلاحیت واہلیت نہیں پائی جاتی تو ان کا قاضی، مفتی اور حاکم ہونا اصولیین کے نزدیک درست قرار نہیں پاتا ہے۔

امام صدر الشہید حنفی اس بابت فرماتے ہیں:

اهلية الاجتهاد فى باب القضاء شرط الاولوية، فالا جتهاد بذل المجهود لطلب المقصود،

وقال بعضهم: بذل الوسع والطاقة فی طلب الحکم الشرعی، وقال بعضهم: الاجتهاد افتعال من الجهد (بالنصب) وهو التعب والضعف، والجهد (بالضم) القلیل من المال، فالاجتهاد اتعاب النفس المفکرة أو اضعافها لطلب المقصود، ومن ذلك اجتهاد القاضی والمفتی والمتحری، والأصل فیه قول معاذ رضی الله عنه، "اجتهد فی ذلك برائی. (صنوان القضاء وعنوان الافتاء ۱/۸۰)

شرائط اجتہاد:

دوسری طرف اہل اصول لکھتے ہیں کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ کا عالم ہو، ناسخ ومنسوخ اور اصول نسخ سے واقف ہو، حرام وحلال، اوامر ونواہی اور احکام منصوصہ ومنقولہ پر دسترس رکھتا ہو، احوال زمانہ اور عوام الناس کے اعراف وعادات پر گہری نظر رکھتا ہو تاکہ بدلتے ہوئے حالات میں تغیر احکام اور ''تتغیر الفتوی بتغیر الزمان'' کی روشنی میں عوام کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ علامہ اشفورقانی لکھتے ہیں:

أهل القضاء من كان فیه العدالة والعلم كتاب الله، ناسخه ومنسوخه، وحلاله وحرامه، وآمره ونهیه، والعلم بسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم، وأن یكون من أهل الاجتهاد... وقال ابو منصور كما الماتریدی: ینبغی ان یكون الحاكم عالما بالحلال والحرام عدلا ورعا متهدیا الی وجوه تدابیر الخلق عارفا بمراتب الناس... وان یجمع مع العلم باحكام الله والقیام بأمور دینه ان یكون صاحب قریحة یعرف بها عادات الناس الان من الاحكام ما ینبنی علیها. (۲)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور امام غزالی کا خیال ہے کہ کتاب وسنت، حرام وحلال اور احکام پر نظر کے ساتھ ساتھ فی زمانہ فقہی ابواب اور قدیم فقہ کی ممارست، کثرت مطالعہ سے بھی اجتہادی درک اور تخریج مسائل کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

وایضا یحصل الاجتهاد فی زماننا بممارستها الفقه وهی طریقة تحصیل الدرایة فی هذا الزمان ولم یكن الطریق فی زمن الصحابة ذلك، قلت: هذا اشارة الی ان الاجتهاد اعطلق المنتسب لا یتم الا بمعرفة نصوص المجتهد المستقل، وكذلك لا بد للمستقل من معرفه كلام من مضی من الصحابة والتابعین وتبعهم فی ابواب الفقه. (۳)

امام رکن الدین لامشی حنفی کے خیال میں ایک مجتہد کے لئے کتاب وسنت کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ آیات احکام اور وہ روایات جن کا تعلق احکام سے ہے ان کی گہری معرفت، خطابات جزعیہ کے معانی اور وجوہ دلالات ان کے اقسام، مراتب، موارد اور مصادر کی واقفیت بھی ضروری ہے یعنی کتاب وسنت اجماع اور قیاس پر عمل کے طریقوں سے پوری آگاہی رکھتا ہو، اسی طرح احکام الفاظ میں عام، خاص، مشترک، مؤول، ظاہر نص، مفسر، محکم، حقیقت مجاز، آیات و احادیث کے پس منظر، کلام عرب کے محاورے، قطعی الثبوت، ظنی الدلالہ، ظنی الثبوت، قطعی الدلالہ وغیرہ کے اصول سے بھی آشنا ہو نیز خبر متواتر، مشہور، حسن، ضعیف اور منکر روایات کے قبول اور رد کو اچھی طرح جانتا ہو، اسی طرح اجماع، مثواقع اجماع اور مراتب اجماع سے بھی اس کی واقفیت ضروری ہے تاکہ اس کا اجتہاد خلاف اجماع واقع نہ ہو۔ (تفصیل دیکھئے صنوان القضاء وعنوان الافتاء، ص ۹۰-۹۷)

سیدنا امام شافعی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کتاب وسنت کی کما حقہ معرفت نہ رکھتا ہو، سلف کے اقوال اور ان اجتہادی اختلافات، طرق قیاس اسلوب کلام عرب اور عربیت سے واقف نہ تو اس کا منصب قضاء پر مامور ہونا جائز نہیں۔ اور اگر امام وقت اسے قاضی بنا بھی دے تو نہ تو ہو قاضی تصور کیا جائے گا اور نہ اس کا دوسرے فتوؤں پر تکیہ فیصل کیا ہوا مقدمہ قابل تنفیذ ہوگا

۔(دیکھئے: الرسالہ: ص ۵۱۰۔ صنوان القضاء، ص ۹۷) نیز ابن قیم کی اعلام المو قعین ص ۳۶)

مذکورہ بالا تشریحات سے اتنی بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قاضی اور مفتی کا بہر حال اہل اجتہاد میں سے ہونا ضروری ہے۔

حضرت قاضی صاحب اور اجتہاد:

حضرت قاضی صاحبؒ کی فقہی بصیرت، اجتہادی صلاحیت، ہمہ جہت علمی گہرائی و گیرائی، زمانہ شناسی کتاب وسنت اور ادلہ متفق علیہا کتاب وسنت، اجماع اور قیاس اور ادلہ مختلف فیہا عرف، استحسان، استصلاح، استصحاب، قول صحابی، شرائع ما قبل اور سد ذرائع پر نظر اور آپ کے اجتہادی ملکہ اور درک وکمال کا اندازہ بحث ونظر میں شائع ہونے والے مضامین ومقالات، آپ کے لکھے اداریے، فقہی سیمناروں کے موقعوں پر دیئے ہوئے کلیدی اور افتتاحی خطبوں، اصولی اور فقہی مقالوں، اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلوں، استفتاءات کے جوابات اور ۴۰/۴۱ سالوں تک کے امارت شرعیہ کے منصب قضا سے فیصل کئے ہوئے مجتہدانہ مقدمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ دارالافتاء اور دارالقضاء میں آنے والے مقدمات وسوالات میں ہر سوال اور ہر مقدمہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا ہے، اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر سوال سے متعلق جزئیات ومسائل کتب فقہ اور ائمہ کی تشریحات میں مل ہی جائیں اور اگر مل بھی جائیں تو بعینہ دونوں کی علت ایک ہی ہو یہ ضروری نہیں اس لئے ایک مفتی اور قاضی کے لئے اجتہاد کا سہارا لینا ناگزیر ہو جاتا ہے، جس کے لئے ادلہ شرعیہ اور اصول و ضوابط پر اور اجتہادی بصیرت لازمی ہے۔ اور قاضی صاحبؒ ان خوش بختوں میں تھے جنھوں نے اس سے حصہ وافر پایا تھا۔

دوسری طرف آپ کے تحقیق ومطالعہ کے ذوق نے اور فقہی اور اصولی کتابوں کی مسلسل چھان پھٹک نے اور منصب قضاء پر مامور ہونے کی وجہ سے امہات الکتب کے مراجعت اور ممارست نے آپ کے مزاج ومذاق کو اجتہاد اور استنباط مسائل فطری ذوق میں تبدیل کر دیا تھا، نیز چار دہائیوں کی افتاء وقضا کی طویل مشق نے قواعد وضوابط کو بھی مستحضر کر دیئے تھے، اسی کا ثمرہ تھا کہ تحقیق مناط، تخریج مناط، نصوص شرعیہ میں علل کی تلاش اور پھر نو پیدا شدہ مسائل کے ان پر انطباق کا ملکہ پیدا ہو گیا تھا، اور آپ آسانی سے جدید مسائل کا حل تلاش اور مستنبط فرمالیا کرتے تھے۔

آپ کے اجتہادی کارناموں اور چھوڑے ہوئے فقہی اور اصولی نقوش کی روشن مثال آپ کے فقہی مقالات کا مجموعہ اور آخری تصنیف مباحث فقہیہ، اسلامک فقہ اکیڈمی کے مجلات، غیر مطبوعہ استفتاءات کے جوابات اور سینکڑوں مقدمات کی مسلیں ہیں جو یقیناً فقہ اسلامی میں بیش قیمت اضافہ اور آنے والی نسلوں کے لئے چراغ راہ ہے۔

استنباط مسائل اور طریق کار:

حضرت قاضی صاحب اس صدی کے جید تبحر، بیدار مغز اور مجتہد قاضی تھے، موصوف پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل بڑی آسانی سے مستنبط فرمالیا کرتے تھے۔ تخریج مسائل، استفتاءات کے جوابات، نیز مقدمات کے احکامات تحریر کرنے میں کوئی نیا طرز آپ نے اختیار نہیں کیا بلکہ وہی طریقہ اختیار کیا جو سلف کا رہا ہے، کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاش کرتے، مختلف آیات پر اصولی انداز میں غور وفکر کرتے، اس کے ناسخ ومنسوخ کو بھی سامنے رکھتے، پھر اس کے بعد اس باب سے متعلق احادیث نکالتے، جب ان نصوص کی روشنی میں اگر براہ راست کوئی حکم نکلتا تو ضبط تحریر میں لے آتے، ورنہ تمام ادلہ شرعیہ عرف، استحسان، استصلاح، سد ذرائع اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں اس کا حکم دریافت کرنے کی انتھک کوشش جو ایک مجتہد کی شان ہوتی ہے، کرتے، اگر اس پر بھی اطمینان نہیں ہوتا تو تمام قدیم وجدید فقہاء کی کتابیں چھان پھٹک کرتے، احقر چونکہ ۱۹۹۴ء سے موصوفؒ

کے ساتھ رہا اور بار ہا یہ دیکھنے کو ملا کہ اگر کسی مسئلہ کا حکم یا اس کا کوئی پہلو جلد سامنے نہیں آتا تو آپ قلبی اور اندرونی طور پر ایک عجیب وغریب اضطراب میں مبتلا رہتے تھے، فقہ کی کتابوں سے ہر مسئلہ کے تئیں کوئی نہ کوئی جزئیہ تلاش کرنے کی بھی کوشش کرتے، صرف اس مقصد سے کہ میں نے جو کچھ کتاب وسنت کی روشنی میں سمجھا اور اخذ کیا ہے، اس سوچ میں میں تنہا نہیں ہوں، یہ آپ کی خوبی تھی کہ آپ مسائل میں تفرد سے حتی الامکان گریز کرتے تھے۔ دوسری طرف آپ کے مزاج میں اصولی طور پر نقد کرنا بھی تھا، یہی وجہ تھی کہ بغیر سوچے اور بلا نقد وتبصرہ کسی بھی فقیہ کا قول اختیار نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی رائے آپ کی نگاہ میں کمزور معلوم ہوتی اور اگر چہ متقدمین میں سے کسی نے اس قول کے بارے میں ''وعلیہ الفتوی''، ''وھوالصحیح'' یا ''وعلیہ الاعتماد'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہوں، اس قول کو آپ بلا تامل نہیں اپناتے، اور صرف فقہی جزئیات پر اعتماد نہیں کرتے تھے جب تک کہ باقاعدہ نصوص، یا ادلہ شرعیہ کی روشنی میں پرکھ نہ لیتے، آپ کے مضامین اور تحقیقات فقہیہ پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے فقہ وفتاوی میں جن آراء کو اختیار کیا ہے اور آپ کے نزدیک وہ رائے راجح رہی ہے آپ نے مزید ان آراء کو دلائل سے مدلل اور پختہ کیا ہے اور کتاب وسنت کے نصوص کے ذریعہ ان کی وضاحت کی ہے۔ آپؒ کی فقہی بصیرت اور اجتہادی صلاحیت کی مثالیں یہاں ذکر کرنا بحث کو طول دینا ہوگا اس کے لئے موصوف کی تصانیف ''مباحث فقہیہ''، ''اسلامی عدالت'' اور فقہ المشکلات وغیرہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔ بالخصوص نفقہ مطلقہ، بیوی کی تادیب کے شرعی حدود، بیع وفا، بیع حقوق، اور امارت کے مقدمات کے فیصلے اور اس سے بخوبی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قاضی صاحبؒ کا اصولی ذوق

یہ قاضی صاحب کی خصوصیت تھی کہ آپ جس موضوع پر بھی کچھ لکھتے یا بولتے تھے تو ایسا لگتا کہ یہی آپ کا میدان ہے، خواہ طبی مسائل ہوں، معاشی اور معاشرتی مسائل ہوں یا اصولی بحثیں ہوں، یا عدالتی، عائلی اور ملکی قوانین پر گفتگو ہو، ہر بحث میں سننے والا یہ محسوس کرتا کہ یہی آپ کا میدان اختصاص ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پوری زندگی اصول فقہ آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا کوئی گفتگو آپ کی اصول فقہ کی نکتہ سنجیوں سے خالی نہیں ہوتی، گویا اصول فقہ آپ کا فطری ذوق بن گیا تھا۔ آپ بات بات میں یہ فرماتے ''اصولی طور پر اس مسئلہ کو اس طرح دیکھنا چاہیے'' وغیرہ آپ کی ہر تحریر میں اصول کی جھلک نظر آتی ہے، یہ ہوتا بھی کیوں نہیں کہ فقہ اور اصول فقہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں، ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے ادلہ شرعیہ اور اصول فقہ کے تمام مختلف فیہا اصول شرعیہ پر تحریریں لکھیں ہیں عرف، استحسان، استصلاح، سد ذرائع، شرائع ماقبل، اقوال صحابہ، اجتہاد، قیاس وغیرہ پر آپ کی قیمتی تحریریں اور نگارشات مباحث فقہیہ میں موجود ہیں۔ اور خاص طور سے اسلامی عدالت اور فقہ المشکلات تو اس کی منہ بولتی اور زندہ تصویر ہے اور اسلامی عدالت کو تو اس موضوع پر اردو میں لکھی جانے والی تمام تحریروں پر فوقیت حاصل ہے۔

اس طرح مجموعی طور سے حضرت قاضی صاحب کی شخصیت کا پہلا رخ ایک مجتہد فقیہ، جید عالم دین، زمانہ شناس مدبر ومفکر اور یکتائے روزگار قاضی شریعت کا ہے، اور دوسرا رخ ایک مخلص خادم قوم، بلند پایہ قاعد اور باکمال سیاسی ودینی رہنما کا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اب تک کی جو تحریریں سامنے آئی ہیں ان میں حضرت قاضی القضاۃ کے پہلے رخ کو کم اجاگر کیا ہے اور دوسرے رخ پر ہی زیادہ زور صرف کیا گیا ہے، اس لئے دیانت کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ اولا ایک باکمال صاحب درک اور زمانہ منفرد اور مجتہد عالم ہیں، ثانیا قاعد اور سیاسی رہنما۔

میں آخر میں صرف اتنا کہوں گا کہ حضرت قاضی صاحب نے جو اپنا قیمتی اور علمی سرمایہ امت کو دیا ہے اسے اللہ تعالی نافع بنائے اور آخرت میں نجات اور بلندی درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ ☆☆

ایک دردمند شخصیت

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

نسیم اختر شاہ قیصر
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

کس حادثہ پر روئیے اور کس سانحہ پر آنسو بہائیے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مسلسل اور پیہم حادثات نے آنکھیں خشک کردیں اور دل کی دھڑکن جیسے تھم سی گئی ہوں، اپنوں کی جدائی کے اتنے زخم ہیں ذراسی ٹھیس لگنے سے جن کا منہ کھل جاتا اور ٹیس بڑھ جاتی ہے محرومیوں کا ایک طویل سلسلہ اور ہر محرومی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ شدید، زیادہ اعصاب شکن، زیادہ کربناک سب کچھ کھونے کے بعد بھی زندگی کا سفر جاری ہے اور یہ سفر کل نفس ذائقۃ الموت کے سچے اور ابدی پیغام کے ساتھ جاری رہے گا مسافر بدلتے رہیں گے اور پھر دنیا اپنی آخری حدود تک پہونچ کر ہی ٹوٹے گی بکھرے گی۔

چند سال میں ہی ہمارے درمیان سے ایسے لوگ اٹھ گئے جو علم وفضل کا عنوان اور شرافت وآدمیت کا اعتبار تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ بھی بارگاہ خالق میں جا پہنچے اسی طرح اس دور کے وہ جلیل القدر انسان دوسری دنیا میں جا بسے جن کی ہمیں ضرورت تھی اور ملت جن کا سہارا تلاش کرتی تھی مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کے چلے جانے سے بظاہر ایک آدمی کی کمی واقع ہوئی ہے لیکن بہ باطن ایک مجلس سونی ہوگئی، ایک محفل اجڑ گئی، ایک چمنستان ویران ہوگیا۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ دارالعلوم دیوبند کے ایک نامور فرزند تھے اور اس فرزند کی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے علماء کی صف میں عزت پائی، شہرت حاصل کی اور عوامی زندگی میں عقیدت ومرجعیت جن کا مقدر بنی وہ ان انسانوں میں سے تھے جو تاریخ میں جگہ پاتے اور پھر وہ ایک تاریخ بن کر عزم وعمل اور حوصلہ وارادے کی روشنی بکھیرتے اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا آغاز ایک گاؤں سے ہوا اور اختتام کی شان یہ تھی کہ ہندوستان کے مرکزی اور مشہور شہروں سے لے کر کئی ممالک میں ان کا نام گونجا، ان کی علمی وفقہی خدمات اور قائدانہ صلاحیتوں کے جوہر کھل کر سامنے آئے اور محسوس کیا گیا کہ خداوند عالم نے ان کی ذات میں کافی کمالات وامتیازات کو سمودیا تھا۔

فاضل اور نامی گرامی شخصیات کے اعتبار سے دارالعلوم کی تاریخ کے کئی دور میں ایک دور یہ ہے کہ جس میں ہم جی رہے ہیں اس دور میں جن لوگوں نے اکابر کی یادوں کو زندہ رکھا، ان کی روایات کی پاسداری کی اور کسی درجہ میں ان کی بزرگانہ اداؤں کو امانت کے طور پر سنبھالے رکھا ان میں مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی بھی تھے ان کا وجود غنیمت تھا جس شخص کی صلاحیت، قابلیت اور کمال کے معاصرین معترف ہوں وہ شخص یقیناً باکمال ہے مولانا

مرحوم کا یہ امتیاز بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی انفرادیت اور علمی جامعیت سے سب کو متاثر کیا اور ہر مرحلہ پر ان کی ضرورت کا احساس زندہ رہا، کل جب وہ حیات تھے ان کا یہ مقام محفوظ تھا اور اب جبکہ وہ ہم سے جدا ہوگئے ان کا مقام بلند ہے کسی بھی شخصیت کے لئے یہ افتخار کی بات ہے کہ زندگی میں بھی وہ مقبول ہو اور بعد وفات بھی اس کے چاہنے والوں کی بڑی تعداد موجود رہے۔

کسی بھی شخص کے عمل، اخلاق، کردار اور معاملات پر بولنے یا لکھنے کا حق صرف ان کو حاصل ہے جن کا متعلقہ شخص سے سابقہ پڑا ہو اور انھوں نے قریب یا دور سے اس کا مشاہدہ کیا ہو مجھے نہیں معلوم قاضی صاحبؒ ملنسار تھے یا نہیں، خوش اخلاق تھے کہ نہیں، وہ چھوٹوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے اس بارے میں رائے دینے کا حق کم از کم مجھے نہیں ہے اس لئے کہ زندگی کے کسی موڑ پر قاضی صاحب سے سامنا نہیں ہوا، میں تو ان مجاہدالاسلامؒ سے واقف ہوں جو اپنی تحریروں، اپنی تقریروں، اپنے مقالات ومضامین اور گرانقدر تحقیقی کتابوں میں موجود ہیں، میں ان مجاہدالاسلامؒ کو عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھتا ہوں جنھوں نے اتحاد ملت، اتحاد فکر اور اتحاد عمل کی کوششیں کیں، وہ مجاہدالاسلام میری نگاہوں کے سامنے رہے جو مسلمانان ہند کی سیاسی اور سماجی حیثیت کے لئے پوری دردمندی کے ساتھ مصروف عمل تھے، میری شناسائی ان مجاہدالاسلام سے ہے جو دارالعلوم کی گود میں پلے بڑھے اور پھر علمی دنیا میں جنھوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی۔

ان کی عظمتوں، رفعتوں اور مرتبوں کی شناخت اور پہچان کے لئے اتنا ہی کافی ہے ایک عالم دین، ایک مفکر، ایک مدبر، ایک محقق کی تمام خوبیاں ان میں موجود تھیں، کام کا سلیقہ تھا اور کن بنیادوں پر کام کا آغاز ہو اور کس طرح کے افراد فراہم ہونے چاہئیں ان سب پر ان کی گہری نظر تھی، یہ ملکہ ہر شخص میں نہیں ہوتا کہ وہ قابل جوہر کو تلاش کرکے اس کو صحیح سمت اور صحیح راستہ دکھادے آدمیوں کو پہچاننا اور ان کی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنا یہ بھی ایک کمال ہے جو کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ قاضی صاحبؒ نے ابتداء تو ایک مدرس کی حیثیت سے کی اور وہ کافی سالوں تک تدریس کی دنیا سے وابستہ رہ کر نام اور شہرت کماتے رہے مگر آہستہ آہستہ ان کی مصروفیات اور کاموں کا دائرہ بڑھتا اور وسیع ہوتا گیا، مختلف میدانوں میں انھوں نے قدم رکھا اور زندگی کے مختلف تقاضوں کے تحت وہ سامنے آئے، ہر معرکہ کو انھوں نے کامیابی کے ساتھ سر کیا اور ہر تقاضہ کی احسن طریقہ پر تکمیل کی، ملت اسلامیہ جس نازک دور سے گزر رہی ہے اور خاص طور پر مسلمانان ہند جن مہیب اور پُرخوف حالات میں جی رہے ہیں قاضی جیؒ کو اس کا پورا ادراک تھا انھوں نے سیاسی رہنمائی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جوان ارادوں، پختہ عزائم اور مخلصانہ جذبات کے تحت آل انڈیا ملی کونسل قائم کی یہ خاکہ ان ہی کا تھا اور اس کے محرک بھی وہی تھے، ملی کونسل نہ تو جمعیۃ العلمائے ہند کی طرح قدیم جماعت تھی اور نہ مسلم مجلس مشاورت کی طرح اس کی جڑیں گہری تھیں مگر کم وقت میں ایک عام مسلمان کا اعتماد جیت لینے کا کارنامہ قاضی جیؒ کا تھا پھر اپنی فراست، فہم اور دوراندیشی کی بنیاد پر بھی آل انڈیا ملی کونسل کو ایک وقار بخشنے میں بھی قاضی جیؒ کی صاف ستھری زندگی کا بڑا دخل رہا۔

موت نے اس آہنی عزائم انسان کو ایسے وقت میں ہم سے چھین لیا جب ان کی شخصیت اور عمل کا سورج طلوع ہی ہوا تھا اور نصف النہار کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا ان کے اٹھ جانے سے ایک دردمند، ایک مخلص، ایک ہمدرد وقائد دنیا سے چلا گیا ملت اس نقصان کو بہت دیر تک بلکہ دور تک دیکھتی اور محسوس کرتی رہے گی۔

☆☆☆

اک ستارہ جو غروب ہو گیا

مولانا محمد مزمل الحق الحسینی
کارگذار ناظم اعلیٰ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ۲۰۰۰ء قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو ان کے جانشیں کے طور پر منتخب کیا تھا اور یہ انتخاب بورڈ میں نمائندگی کرنے والی تمام مسلم تنظیموں قیادتوں اور شخصیات کے اتفاق رائے سے عمل میں آیا تھا، قاضی صاحب نے اپنی خرابیِ صحت کے باوجود بورڈ کے نظام کو مرتب کرنے اور اسے فعال بنانے کے لئے کامیاب کوششیں کیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں، مگر افسوس کہ اجل نے انہیں اس کی زیادہ مہلت نہ دی اور وہ ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہندوستان کے صوبہ بہار سے تعلق رکھتے تھے جو صدیوں سے علم اور علماء کا مولد و منشاء رہا ہے، اس کی قدیم تاریخ اہل علم اور اہل دین کی ایک طویل فہرست پیش کرتی ہے، صاحب سلم العلوم و مسلم الثبوت اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے استاذ جلیل شہرہ آفاق منطقی عالم ملا محب اللہ بہاری اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اسی طرح اس کی جدید تاریخ میں بھی اہل علم اور خدمتگاران دین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جنہوں نے برصغیر ہند میں امت اسلامیہ ہندیہ کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، مولانا سجاد حسین بہاری، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا منت اللہ رحمانی اسی سنہری زنجیر کی کڑیاں ہیں اور مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم خود قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی شخصیت گرامی کو بھی اسی مبارک علمی شجرے میں شامل کرلیں۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر دارالقضاء امارت شرعیہ بہار میں قاضی شریعت کی حیثیت سے کام شروع کیا، یہاں تک کہ آپ کی جد و جہد، علم و تدبر اور زیر نگاہی سے دارالقضاء کو ایک اسلامی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کی حیثیت حاصل ہوگئی، آپ وفات سے کچھ بیشتر باضابطہ قاضی القضاۃ بنادیئے گئے اور تادم حیات اسی منصب جلیل پر فائز رہے، انہوں نے دہلی میں اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کی اور اسی پلیٹ فارم سے اپنے تربیت یافتہ فقہاء کی ایک حوصلہ مند اور پرعزم جماعت کے تعاون سے جدید فقہ اسلامی کی تدوین کی بنیاد رکھی اور خود اس اہم کام کی سرپرستی فرمائی، انہوں نے فقہ اکیڈمی سے بحث و نظر کے نام سے اس کی قراردادوں، فیصلوں اور ریسرچ ورک کی اشاعت کے لئے ایک باوقار دستاویزی مجلہ شائع کیا جس کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی خود سنبھالیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی کتب خانہ ایک عظیم الشان اور بے مثال ذخیرہ کا مالک ہے جسے فقہاء اسلاف نے اپنی بے پایاں کاوشوں کے ذریعہ مرتب و مدون فرمایا ہے یہ ذخیرہ ہمارے لئے تاقیامت مشعل راہ ہے، لیکن زندگی کے مختلف میدانوں میں نت نئی ایجادات اور حالات کی تبدیلی ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اس عظیم ذخیرہ سے استفادہ کرکے کوئی ایسی راہ نکالیں جس کے ذریعہ ہم موجودہ چیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں۔ آل انڈیا فقہ اکیڈمی اسی میدان کار میں عمل پیرا ہے اور برصغیر کے تمام مسلمانوں کی طرف سے شکریہ اور تحسین کی مستحق ہے، اس اکیڈمی کی ایک عظیم کامیابی یہ ہے کہ اس نے نوجوان اولوالعزم فقہاء کی ایک ایسی قابل اعتماد جماعت پیدا کردی ہے جو اپنے مضمون میں ذوق جمیل کے ساتھ ساتھ اس میں درک عمیق اور مہارت تامہ سے بہرہ ور ہے، امید ہے کہ وہ آئندہ اکیڈمی کے قافلے کو رواں دواں رکھے گی اور فقہ کے میدان میں ملت کو کسی کمی کا احساس نہ ہونے دے گی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۹۹۵ء میں اپنے جے

پورا اجلاس میں طے کیا تھا کہ ملک کے طول وعرض میں دار القضاء قائم کئے جائیں تاکہ مسلمانوں کو پولس کے تعصب اور ججوں کی اسلامی قانون سے عدم مہارت کے باعث جو الٹے سیدھے فیصلے ہوتے ہیں ان سے بچایا جاسکے، بورڈ نے یہ اہم کام بھی قاضی صاحب ہی کے سپرد کیا، آپ نے پانچ چھ سال کی مختصر مدت میں ملک کے طول وعرض میں درجنوں دار القضاء قائم کئے، دہلی میں ۱۹۹۴ء میں دار القضاء جنوبی دہلی قائم کیا گیا اور انتقال سے دو ماہ پیشتر یکم فروری ۲۰۰۲ء کو دار القضاء مشرقی دہلی کا افتتاح فرمایا۔

قاضی صاحب نے اپنی زندگی کا زیادہ تر اور سب سے زیادہ قیمتی وقت فقہ اور قضا کے کتب خانے میں گزارا انہوں نے قضاء کے موضوع پر ''اسلامی عدالت'' کے نام سے اردو میں ایک منفرد کتاب تالیف فرمائی جو بلاشبہ اردو کتب خانے میں ایک قیمتی فقہی اضافہ ہے، انہوں نے اپنی نگرانی اور سرپرستی میں وزارت اوقاف سے شائع ہونے والے عربی فقہی انسائیکلوپیڈیا کا اردو ترجمہ کرایا، اس انسائیکلوپیڈیا کی کل اکتالیس ضخیم جلدوں میں سے ستائیس جلدوں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے، طباعت کے بعد یہ بھی فقہ کے موضوع پر اردو میں عظیم خدمت قرار پائے گی۔ علاوہ ازیں قاضی صاحب نے شیخ عماد الدین بن محمد بن محمد ہندی کی مایہ ناز تالیف ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' کی تحقیق ومراجعت کا کارنامہ انجام دیا اور اس کتاب کی دو ضخیم جلدیں اپولو ہاسپٹل میں ہم کو دکھائیں جو خود قاضی صاحب کی تحقیق و مراجعت کے بعد نہایت اعلیٰ پیمانے پر کویت سے طبع ہو چکی ہیں، اس کتاب کی تاریخ تالیف ۲۳ رجمادی الاول ۶۴۳ھ ہے، اور پہلی بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

قاضی صاحب نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو قائم کرنے، اسے فعال بنانے اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کا اعتبار قائم کرنے کے لئے حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے ساتھ کام کیا یہاں تک کہ اللہ کی توفیق سے یہ ادارہ مسلمانان ہند کی واحد اور معتبر مشترکہ قیادت کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا۔

قاضی صاحب نے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی کو عورت کے سلسلے میں ہندوستانی اور عالمی قانون پر اسلامی قانون کی بالاتری کا قائل کیا اور ان کے عہد میں پارلیمنٹ سے ایک ایسا قانون منظور کرانے میں کامیاب ہوئے جو مشہور زمانہ ''شاہ بانو'' کیس کے فیصلے (جس میں عورت کو تاحیات نفقہ دینے کی ہدایت کی گئی تھی) کو بے اثر کرتا ہے، اس موقع پر قاضی صاحب نے نوجوان فضلاء کی ایک جماعت کو مکلف کیا کہ وہ پرسنل لاء اور عورت سے متعلق موضوعات پر چھوٹے چھوٹے کتابچے تیار کرائے، یہ کتابچے اسلام سے ناواقف لوگوں کے ذہن سے شکوک وشبہات ختم کرنے اور شاہ بانو معاملے میں جج کے فیصلے کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں زبردست معاون ہوئے۔

بورڈ اور اس کے دفتر کو فعال بنانے کے لئے کچھ اہم اقدامات:

۱۔ بورڈ کے دفتر کی تنظیم نو:

قاضی صاحب نے دہلی میں قائم بورڈ کے مرکزی دفتر کو جدید طریقوں پر مرتب، منظم اور فعال کیا، مختلف شعبوں میں اہل علم اور تجربہ کار لوگوں کی تقرریاں کیں، ان کے کام کرنے کے لئے پرسکون ماحول اور دفاتر مہیا کئے اور اس مقصد کے لئے لاکھوں روپے صرف کر کے موجودہ دفتر کی بالائی منزل خریدی اور اس میں کمپیوٹر انٹرنیٹ اور مہمان خانے وغیرہ کی سہولتیں فراہم کیں۔

۲۔ مجموعہ قوانین اسلامی کی طباعت:

مجموعہ قانون اسلامی جو اگرچہ بہت پہلے زیر تدوین تھا مگر مختلف وجوہات کی بناء پر طبع نہ ہو سکا تھا قاضی صاحب نے خصوصی دلچسپی لے کر اس کو اردو اور انگریزی میں طبع کرایا اور اب وہ اسلامی قانون کو سمجھنے کے لئے ایک اہم اور معتبر ترین دستاویز ہے۔

۳۔ قانونی سیل:

قاضی صاحب نے بورڈ کے مرکزی دفتر میں باضابطہ ایک قانونی سیل قائم کیا جس کا کام بورڈ کی طرف سے چلائے جا رہے اور بورڈ پر قائم کئے گئے مقدمات کا ریکارڈ مرتب کرنا، ان کی پیروی کرنا، اور میڈیا کی رپورٹوں اور عدالت کے ایسے فیصلوں پر نظر رکھنا ہے جو مسلم پرسنل لا کو متاثر یا مجروح کرتے ہوں۔

۴۔ قاضی صاحب نے بابری مسجد کے انہدام کے

معاملے کی تحقیق کرنے والے ''لبراہن کمیشن'' کی کارروائیوں پر خصوصی توجہ دی اور بابری مسجد کے بارے میں الہ آباد ہائی کورٹ میں مسجد کی ملکیت کے بارے میں دائر مقدمات کی پیروی کے لئے مؤثر اقدامات کئے۔

۵۔ مرکزی حکومت کی طرف سے دستور پر نظر ثانی کے منصوبے جس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اگر وہ بروئے عمل لایا گیا تو ملک کی اقلیتوں سے مذہبی آزادی سلب کرلی جائے گی، پر نگاہ رکھنے کے لئے ایک اسپیشل قانونی کمیٹی قائم کی۔

۶۔ لائبریری:

قاضی صاحب نے بورڈ کے مرکزی دفتر میں ایک لائبریری کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد خصوصا عائلی قانون سے متعلق دستاویزی معلومات، کتابیں، مراجع اور مصادر جمع کرنا ہے۔

۷۔ شعبہ نشرواشاعت:

قاضی صاحب نے بورڈ کے دفتر میں شرواشاعت کے مقصد سے ایک خاص شعبہ قائم کیا جس کا کام اہم کتابوں کے مختلف مقامی زبانوں میں ترجمہ کرانا اور انہیں طبع کرانا ہے، اس شعبے سے ''ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا معاملہ'' نام کی کتاب اردو ہندو انگریزی تامل اور کنڑ زبانوں میں شائع ہوچکی ہیں۔

۸۔ نیوز بلیٹن:

قاضی صاحب کی خصوصی دلچسپی کے باعث بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ بورڈ سے ایک نیوز بلیٹن شائع کیا جائے گا جس کے ذریعہ مختلف معاملات اور موضوعات پر بورڈ کی کارروائیوں اور پالیسیوں سے عوام کو مطلع کیا جایا کرے یہ بلیٹن ابھی شائع نہیں ہوسکا ہے۔

۹۔ بابری مسجد کمیٹی کی تشکیل نو:

قاضی صاحب نے ملک کی معتبر اور فعال شخصیات پر مشتمل بابری مسجد کمیٹی قائم کی، جس کا کام بابری مسجد سے متعلق مختلف فرقہ پرست ہندو تنظیموں کے بیانات اور کارروائیوں کا پیچھا کرنا ہے۔

۱۰۔ ماہانہ اجتماعات کا سلسلہ:

قاضی صاحب نے پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام ماہانہ اجتماعات کا سلسلہ شروع کرایا جن میں علماء دانشور اور خواتین شریک ہو کر مسلم پرسنل لا کے بارے میں کئے جانے والے اعتراضات اور ان کے جوابات پر غور وفکر کرتے ہیں اب تک ان اجتماعات میں ملک کی مختلف ممتاز شخصیتیں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرچکی ہیں۔

۱۱۔ جمعہ کہ خطبوں کی اشاعت:

جمعہ اسلام کا منفرد نظام ہے اس میں دیئے جانے والے خطبات اجتماعی برائیوں کا قلع قمع کرنے، مسلمانوں کے مابین اخوت اور بھائے چارے کی جڑیں مضبوط کرنے میں زبردست معاون ہوسکتے ہیں یہ اسلام کا ایک ایسا انوکھا ہفتہ واری نظام ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا ہے، ہم جمعہ میں پیش کئے جانے والے خطبوں کے ذریعے اسلامی معاشرے سے بدعات وخرافات کو ختم کرنے اور مسلمانوں کی ہر طرح کی تربیت کا کام لے سکتے ہیں، اب تک ہمارے یہاں زیادہ تر مساجد میں زمانہ قدیم کے ترتیب دیئے ہوئے خطبے مروج ہیں، قاضی صاحب نے اہل علم کی ایک جماعت کا تعاون لے کر جمعہ کے لئے نئے خطبات تیار کرائے اور انہیں شائع کیا یہ خطبے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر میں دستیاب ہیں ان خطبوں کی جامعیت اور اہمیت کے پیش نظر ائمہ مساجد کو یہ مشورہ دینا بجا ہوگا کہ وہ ان سے استفادہ کریں اور جمعہ کی نماز سے قبل انہیں کو پیش کیا کریں۔

۱۲۔ قضاء کی تربیت کے لئے المعہد العالی کا قیام:

ملک میں دارالقضاء کی بڑھتی ہوئی تعداد اور تربیت یافتہ قضاۃ کی ضرورت کے پیش نظر قاضی صاحب نے پھلواری شریف میں قضاۃ کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے ''المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء'' کے نام سے ایک اعلی تعلیمی وتربیتی ادارہ قائم کیا تاکہ اس کے فارغین ملک کے طول وعرض میں قائم ہونے والے دارالقضاء کی ذمہ داریاں سنبھالیں، واضح ہو کہ بورڈ کے زیر اہتمام جنوبی دہلی، مشرقی دہلی، لکھنؤ، سیتاپور، اعظم گڑھ، تھانے، دھولیہ، مالی گاؤں، اکولہ، پونہ، اورنگ آباد، بنگلور، اندور اور جے پور وغیرہ میں دارالقضاء قائم کئے جاچکے ہیں جو پوری طرح فعال اور سرگرم ہیں۔ ☆☆

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

همه جهت خدمات

مولانا محمد اسلام قاسمی
استاد وقف دار العلوم دیوبند

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیت اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے جو بیک وقت ملک گیر پیمانے پر خدمات انجام دینے والی کئی تنظیموں کے سربراہ اور نگراں اور ایک زبردست عالم دین اور ملت کے قائد کے طور پر متعارف تھے، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت و قاضی القضاۃ، اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی و سربراہ، آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل اور مسلمانوں کے اجتماعی پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر ہونے کے علاوہ عرب ممالک کی معروف اسلامی و فقہی تنظیموں کے رکن بھی تھے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ بہار کے ایک مردم خیز علاقے سے تعلق رکھتے تھے جن کی خدمات اور کارنامے صرف صوبہ بہار تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ ملک اور بیرون ملک بھی ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، اور ہر جگہ ان کی علمی و فقہی حیثیت مسلم رہی۔

ملکی سطح پر مختلف جماعتوں اور تنظیموں کے واسطے سے ان کے جو قائدانہ کارنامے ہیں یہاں ان میں سے نمایاں خدمات کا تذکرہ مقصود ہے، مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیرون ملک ان کی ایک عظیم خدمت کا ذکر ابتداء میں کر دیا جائے، یہ ملک ہے جنوبی افریقہ، جب یہ ملک چند پہلے آزاد ہوا اور جناب نیلسن منڈیلا اس کے پہلے مقامی صدر بنے تو ملکی دستور اور قانون سازی کا مرحلہ پیش آیا، اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے مگر زیادہ تر تجارت پیشہ ہیں اور وہاں کی تجارت میں ان کا بڑا حصہ ہے اس لئے اقلیت میں ہونے کے باوجود ان کی حیثیت اور کردار اہم ہے، معاشرہ میں ان کا احترام بھی ہے، چنانچہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کو بھی اہمیت دی گئی، مسلم پرسنل لا کو دستور میں جگہ ملی، مسئلہ پیش آیا ان قوانین کو حکومت کے سامنے پیش کرنے، جنوبی افریقہ میں بحمد للہ علماء دین کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جو ہندوستان کے مختلف مدارس کے فیض یافتہ ہیں، خاص طور پر دیوبند اور اس کے ہمنوا مدارس کے، اور انھوں نے کئی اہم مدارس بھی قائم کئے ہیں اور ان کی قومی تنظیمیں بھی ہیں، ان حضرات نے ہندوستان کے ہی کسی عالم دین سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا جو اسلامی قوانین اور فقہی جزئیات پر دسترس رکھتا ہو چنانچہ ان کے نمائندہ جناب مولانا یونس پٹیل صاحب ڈربن سے ہندوستان آئے اور یہاں معلومات حاصل کیں تو ان سے کہا گیا کہ اس کے لئے سب سے موزوں فرد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہیں جو پٹنہ میں رہتے ہیں، وہ امارت شرعیہ پٹنہ پہونچے، حضرت قاضی صاحبؒ اس وقت ضلع دربھنگہ میں قیام پزیر تھے، وہ ان کے پاس وہیں پہنچے اور ان سے بات ہوئی، طے پایا کہ حضرت قاضی صاحب ان کے ساتھ ہی ساؤتھ افریقہ تشریف لے چلیں، چنانچہ سفر کے مراحل طے ہوئے اور وہ جنوبی افریقہ پہنچے، جہاں علمائے دین اور قانون دانوں کے اجتماعات ہوئے اور حضرت قاضی صاحب نے اسلامی قوانین پر روشنی ڈالی اور پرسنل لاء کی تدوین کرائی جو مرتب شدہ شکل میں حکومت کو پیش کی گئی مگر حکومت نے اس میں یہ وضاحت کی کہ قوانین ایسے نہ ہوں جو عالمی حقوق انسانی سے متصادم ہوں اس لئے اس پر نظر ثانی کر لی جائے

چنانچہ حضرت قاضی صاحب کا دوبارہ جنوبی افریقہ کا سفر ہوا اور بہت ہی اہم شخصیتوں کے درمیان اس پر بحث ہوئی، اور پھر مرتب کر کے اسلامی قوانین کو حکومت کے حوالے کیا گیا۔

ضمناً واقعہ کا ذکر آ گیا ورنہ یہاں مقصد حضرت قاضی صاحب کی ان خدمات کا بیان ہے جو جامعہ رحمانی مونگیر، امارت شرعیہ پٹنہ، اسلامک فقہ اکیڈمی، آل انڈیا ملی کونسل اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے واسطے سے انجام پذیر ہوئیں۔

جامعہ رحمانی مونگیر میں:

آج سے دس بارہ سال قبل عام طور پر ہندوستان بھر میں اگر حضرت قاضی صاحب کا تعارف تھا تو ایک باصلاحیت عالم دین کے طور پر یا امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ کے علمی معاون کے حیثیت سے، ارباب مدارس ان کو فقہی جزئیات پر دسترس رکھنے والے فاضل دیوبند کے عنوان سے بھی جانتے تھے، مگر صوبہ بہار (متحدہ) واڑیسہ کے اہل علم، دانشور حضرات، ارباب سیاست اور عام مسلمان ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو اور ان کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مزید کچھ ابواب سے بھی واقف تھے، اور ان کی خدمات کے معترف بھی۔

دارالعلوم دیوبند سے نمایاں نمبرات سے کامیابی حاصل کی تو حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی نگاہ دوررس نے ان کے کمالات کو پہچان لیا اور سب سے پہلے جامعہ رحمانی مونگیر میں ان کو مدرس کی حیثیت سے رکھا، متعلقہ اسباق وکتب کی تدریس میں وہ ممتاز رہے، تدریس کے دوران طلبہ واساتذہ نے ان کی اس صلاحیت سے استفادہ کیا، یہ تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے جب جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر درس نظامی کا ایک معروف ادارہ سمجھا جاتا تھا، لائق وفائق اور ممتاز اساتذہ کی بہت بڑی تعداد یہاں حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں تعلیم وتربیت میں مشغول تھی، اس ادارہ کو بہار میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

امارت شرعیہ پٹنہ:

پھر حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے امیر شریعت منتخب ہونے کے بعد امارت شرعیہ کے دائرہ کار کو جب وسیع کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کو مونگیر سے پٹنہ منتقل کر دیا اور ان پر دار القضاء کے علاوہ امارت کے تعارف وتوسیع کی ذمہ داری بھی آئی۔ درحقیقت اس وقت (آج سے پچیس تیس سال پہلے) امارت شرعیہ بہار واڑیسہ حضرت قاضی اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب (موجود امیر شریعت) کے نام سے ہی جانی جاتی تھی، یہ دونوں حضرات گاؤں در گاؤں شہر در شہر بہار کے بھی خطے میں پہونچے، ہر جگہ تبلیغی دورے کئے، دعوتی پروگراموں میں شرکت کی، مدارس کے اجتماعات اور میٹنگوں میں خطاب کیا، اس طرح صوبہ بہار کے ہر علاقے میں نہ صرف امارت شرعیہ کا تعارف ہوا اور عوام وخواص میں امارت کا اعتماد قائم ہوا بلکہ ہر طبقہ کے لوگ ان دونوں حضرات کی شخصیت اور خدمات سے واقف ہوئے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب امارت شرعیہ پٹنہ کے مضافات میں واقع ایک پسماندہ علاقہ پھلواری شریف کی تنگ گلیوں سے گزر کر ایک بوسیدہ عمارت میں واقع تھی، جہاں ابتدائی زمانہ میں تو بجلی کی سہولت بھی نہیں تھی، یہ درویش صفت وسیرت افراد قوم کی خدمت اور ملت کے مسائل کے حل کے لئے اس "امارت شرعیہ" کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتے رہے۔

اس طرح بے لوث خدمت، بے انتہا جدوجہد اور فنائیت کے ساتھ جب قوم کے درمیان حضرت قاضی صاحب پہنچتے تو لامحالہ عام مسلمان ان کی قدردانی کرتے، یوں حضرت قاضی صاحب سے بہار کے دور دراز کے لوگ بھی واقف ہوگئے اور ان کے خطابات سے مستفید نیز ان کی خدمات کے معترف بھی۔

امارت شرعیہ کے واسطے سے اب حضرت قاضی صاحب کا نام ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی مشہور ہوا اور اب امارت کی اپنی عمارت بھی تعمیر ہوئی، دفاتر اس میں منتقل ہوئے تو محسوس ہوا کہ اتنی لمبی چوڑی عمارت بلکہ کمپلکس میں اس محدود پیمانہ کی تنظیم ادھر ادھر ڈولتی پھرے گی بلکہ بعض "بہی خواہوں" نے اس پر طنزیہ تبصرے بھی کئے جسے ایک دفعہ حضرت قاضی صاحب نے ہی سنایا تھا کہ "ایک آفس میں قاضی جی اور ایک میں ناظم صاحب ہوں گے

اور باقی ہال اور کمروں میں الو بولیں گے''۔

ایک ظاہر بیں جو امارت شرعیہ کا مخلص بھی ہوتا یہی خیال کرتا کہ خواہ مخواہ اتنی بڑی عمارت اور اتنے کمرے بنوائے گئے، مگر حضرت امیر شریعت کا مستقبل کا پروگرام اور حضرت قاضی صاحب کا اس پروگرام کو عملی شکل دینے کا جذبہ عام نظروں سے اوجھل تھا، چنانچہ جب امارت کے منصوبوں کو عملی جامعہ پہنایا جانے لگا اور اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو یہ لمبی چوڑی عمارت بھی تنگ ہوتی گئی، اسی عمارت کے برابر میں سجاد ہاسپٹل کا قیام اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کی بلڈنگ حضرت قاضی صاحب کی کوششوں اور محنتوں کے ساتھ امارت کے توسیعی منصوبے کی عمدہ ترین مثال ہے۔

پھر جب امارت شرعیہ کے روح رواں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا انتقال ہوا تو امارت کی خدمات کی عملی ذمہ داری حضرت قاضی صاحب پر عائد ہوئی جس سے وہ اس خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے کہ آج امارت شرعیہ پٹنہ چند صوبوں کی محدود تنظیم نہیں رہی بلکہ ملک گیر سطح پر بے حد فعال، معتمد اور خواص وعوام میں مقبول ادارے کی صورت میں جانی جاتی ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے اسی دور میں جب وہ قاضی القضاۃ کے ساتھ نائب امیر شریعت بھی تھے اور عملی طور پر ملک وبیرون ملک اس کے سربراہ کے طور پر تسلیم کئے جاتے تھے۔ تدریب افتاء وقضاء کے لئے ''المعہد العالی'' کے نام سے ایک تدریسی وتدریبی ادارے کا قیام عمل میں آیا، اس کے لئے حضرت قاضی صاحب مخلصین امارت شرعیہ اور دردمندان ملت سے اپیل بھی کرتے رہے اور بالآخر اللہ تعالی نے ان کے پرخلوص جذبے اور انتھک محنت کا ثمرہ ایک مستقل عالیشان عمارت کی شکل میں عطا فرمایا جو''امارت کیمپس'' سے الگ ہے۔

جس طرح ملک میں مفتی اور قاضی کی ضرورت اور طلب بڑھی اور اس کی تکمیل کی خاطر اس المعہد العالی میں منتخب فضلاء کی تعلیم وتربیت کا نظام قائم ہوا اسی طرح صوبہ بہار کے طلبہ علوم دینیہ کی ضرورت اور اہل علم وارباب مدارس کی درخواست پر''دار العلوم امارت شرعیہ'' کی بنیاد حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے عملی منصوبوں کا ایک حصہ ہے، ابھی اس دار العلوم کی ابتداء ہے اور ایک عظیم جامعہ کا منصوبہ ہے جس کے لئے بہت وسیع آراضی بھی حاصل کرلی گئی ہے، یہ جامعہ ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے مگر اپنی تکمیل کے لئے ایسے ہی کسی مرد مجاہد کا منتظر ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی

اب جب کہ ملک کے مختلف علاقوں میں دار الافتاء اور دار القضاء قائم ہو چکے تھے اور فقہ وافتاء سے وابستہ تمام افراد حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے نام اور ان کی فقہی بصیرت، شرعی قوانین پر ان کی مہارت سے واقف ہو چکے تھے، ملک کے علمائے دین اور مفتیان کرام کتاب وسنت کی روشنی میں عصر حاضر میں پیش آنے والے نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کی کوشش میں تھے، ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اہل فقہ وافتاء اجتماعی صورت میں اس کے حل کی صورت اختیار کریں، بسا اوقات عصری تعلیم یافتہ افراد کی جانب سے اسلامی شریعت کی تشریح غلط انداز میں بھی آنے لگی تھی یہاں تک کہ بعض افراد نے مل کر''فقہ اسلامی کی تشکیل جدید'' کے عنوان سے اجتماعات وغیرہ بھی منعقد کئے۔

ایسے وقت میں حضرت قاضی صاحب نے بعض مخلصین کے مشوروں اور تعاون سے''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کی داغ بیل ڈالی اور اب یہ پودا تناور درخت کی شکل میں موجود ہے اور اپنے تیرہ اجلاس منعقد کر چکا ہے، اس کا فیضان جاری ہے، اور اس سے وابستہ جید علمائے دین اور اصحاب فقہ وافتاء کی ایک بڑی جماعت اس سے وابستہ ہے، حضرت قاضی صاحب کی قیادت میں اکیڈمی نے جدید مسائل کے شرعی حل کی اجتماعی کوشش کی ہے جو تا حال جاری ہے، اکیڈمی کے سیمنار میں ملک کے اہل فقہ وافتاء اور ممتاز علمائے دین کی ایک بڑی تعداد اس طرح شریک ہوتی ہے کہ کئی ماہ پہلے ان حضرات کو مختلف عنوانات پر تحقیقی مقالے لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے اور سیمینار میں اس پر بحث ہوتی ہے پھر تمام حضرات کی مدلل رائے پر مشتمل مسئلوں کا حل پیش کیا جاتا ہے، اب تک چالیس سے زائد جدید مسائل اور مشکلات پر غور وخوض کیا جا چکا ہے اور

اجتماعی فیصلے کیے گئے ہیں، یہ مباحث اور فیصلے کتابی صورت میں اکیڈمی شائع کرتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ حضرت قاضی صاحب کی فقہی فکر کا امتیاز عدل واعتدال وہ مقلد بھی تھے اور روشن خیال بھی مگر اس طرح کہ تقلید کو ایک ضرورت سمجھتے تھے مگر حالات کی تبدیلی سے قطع نظر صرف فقہاء کی جزئیات پر مکمل جمود بھی نہیں تھا، نئے مسائل کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انفرادی اجتماعی کے بجائے ان پر اجتماعی غور وفکر کی راہ اختیار کی جائے، اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام اسی پس منظر میں تھا اور اب اس ادارہ کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ ملک سے باہر بھی ہے اور اس کی خدمات کا اعتراف عالم عرب کے نامور حضرات نے بھی کیا ہے۔

آل انڈیا ملی کونسل

حضرت قاضی صاحبؒ کا اصل میدان علم وتحقیق تھا اور امتیازی پہلو فقہ واسلامی قوانین پر عبور، مگر امت کے دوسرے سیاسی، تعلیمی، ثقافتی اور معاشی مسائل سے دلچسپی بھی تھی، قوم کا درد بھی تھا اس لئے ملی امور اور قومی مسائل سے وابستگی بھی رہی اور مشکلات کے تدارک کے لئے وہ کوشاں بھی رہے۔ اسی پس منظر میں ''آل انڈیا ملی کونسل'' کا قیام عمل میں آیا جس کے وہ بانی تھے اور تاحیات سکریٹری جنرل، دراصل قومی کی سیاسی رہنمائی اور پیش آنے والے مشکلات کے حل کے لئے حضرت قاضی صاحب نے ۱۹۹۲ء میں اس کی تشکیل فرمائیں جس میں ملک بھر کے صلاحیت مند سیاسی بصیرت رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک جماعت تھی جس کا مقصد میدانی طور پر عمل اور سرگرمی تھا اور خاص طور پر ایسے وقت میں جب مسلمانوں کی بعض نیم سیاسی تنظیمیں عملی طور پر ناکارہ ہوچکی تھیں۔ قوم کے نوجوانوں کو اس کونسل سے بڑی توقعات وابستہ ہوگئیں، کچھ مسائل اور بعض مشکلات میں اس کی خدمات بہت نمایاں ہیں جیسے حکومت کے سیاہ قانون ٹاڈا کی تنسیخ کے لئے مسلسل اور مربوط جدوجہد، اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور عمل کی بھرپور کوشش، جس کا ایک عمدہ نمونہ ملک گیر پیمانے پر'' کاروان آزادی'' کی صورت میں سامنے آیا، انتخابی سیاست میں مسلمانوں کی رہنمائی اور ووٹ متحد کرنے کی کوشش بھی ملی کونسل کی جانب سے ہوتی رہی۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی اس مخلصانہ جدوجہد میں کوئی کمی نہیں آئی مگر ان کی علالت کی وجہ سے ملی کونسل کی رفتار سست ضرور ہوئی اور اس کی ہمہ جہتی متاثر ہوئی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ:

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی گزشتہ چار سالوں سے علیل تھے اور زیادہ تر وقت دہلی میں گزرتا تھا وقت ضرورت فوراً اسپتال جاسکیں اور ڈاکٹروں سے رجوع کرسکیں، اپنے اصل مرکز پٹنہ سے دور رہ کر وہ صرف آرام کے لئے یہاں مقیم نہیں رہے بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ ان چار سالوں میں حضرت قاضی صاحب نے تالیف وتصنیف اور تحقیق کے کچھ زیادہ ہی کام کئے، اب تنظیمی یا دعوتی دورے محدود ہوئے تو فرصت کے اوقات میں لکھنے پڑھنے کا مشغلہ زیادہ رہا، امارت شرعیہ کے تنظیمی امور، دارالافتاء والقضاء کی نگرانی ورہنمائی، ملی کونسل کے اجتماعات، علمائے دین وعمائدین سے ملاقاتیں، متعلقہ افراد سے روابط برقرار رہے اور اسلامک فقہ اکیڈمی کا کام زوروں پر رہا، الموسوعۃ الفقہیہ کے ترجمہ پر نظر ثانی یا دوسرے تحقیقی کام بھرپور جاری رہے۔

اور جب ۲۰۰۰ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مفکر ملت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو ملک کے اصحاب بصیرت علماء، ارباب سیاست، اہل فکر ودانش اور مختلف جماعتوں کے نمائندہ افراد نے اس اہم اور مسلمانوں کی متحدہ جماعت کی سربراہی آپ کے سپرد کردی، یہ جانتے اور اعتراف کرتے ہوئے کہ اس عظیم منصب کے لئے حضرت قاضی صاحب کی عبقری شخصیت ہی متفقہ طور پر موزوں ہے، اور اس مختصر عرصہ صدارت میں بھی مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی خدمات کو نمایاں طور پر جاری رکھا، اور ''اسلامی قوانین'' کا وہ مجموعہ بھی شائع ہوا جو حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے دور نظامت ہی میں مرتب ہوچکا تھا مگر اب تک شائع نہیں ہوسکا تھا، اور جب اکتوبر ۲۰۰۰ء کا اجلاس عام بنگلور میں منعقد ہوا تو ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود حضرت قاضی صاحب نے جو فی البدیہہ خطبہ دیا تھا وہ جرأت مندانہ، مجاہدانہ

اور حضرت قاضی صاحب کے کمالات کا آئینہ تھا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت پر تو حضرت قاضی صاحب دو سال تک فائز رہے لیکن بورڈ کے لئے ان کی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے، جب ۱۹۷۲ء میں اس متحدہ پلیٹ فارم کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے صدر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے اور بورڈ کی عملی ذمہ داری حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی جنرل سکریٹری کے حصہ میں آئی۔ اور حقیقۃً بورڈ کی کارکردگی اور فعالیت حضرت مولانا رحمانی کی بے پناہ محنت اور عالی دماغی کی رہین منت تھی، اور ان کے دست راست اور معتمد تھے حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، جنھیں بلاشبہ بورڈ کے ترجمان کا عنوان دیا جاسکتا ہے تیس سال کی طویل مدت تک حضرت قاضی صاحب بورڈ کے ہر اہم معاملے میں نہ صرف شریک رہے بلکہ اس کے قیام اجلاس میں پرسنل لا اور اس سے متعلق پیش آمدہ مسائل پر بڑی خوش اسلوبی، مضبوط دلائل اور خداداد تفہیمی صلاحیت کے ذریعہ پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ جب کسی اجلاس میں کسی طرح کی کوئی کشیدگی پیدا ہوتی تو اسے دور کرنے اور اپنے خطاب سے سبھوں کے دل موہ لینے میں ان کو کمال حاصل تھا، اس لئے ابتداء سے لے کر اپنی صدارت کے دور تک وہ بورڈ کے کلیدی حیثیت کے حامل رہے۔

سہ ماہی مجلہ بحث ونظر:

یہ سہ ماہی رسالہ حضرت قاضی صاحب کی ادارت میں جاری ہوا جو خالص قاضی صاحب کی ذاتی کوشش اور ان کے علمی ذوق کا ترجمان ہے، اس میں وقیع فقہی، علمی اور دینی مقالے شائع ہوتے ہیں۔ جو حقیقتاً ''بحث ونظر'' کا مفہوم ادا کرتے ہیں یعنی تحقیقی ہوا کرتے ہیں، اس میں زیادہ تر مضامین تو فقہی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں اور خاص طور پر جدید مسائل پر تحقیقی بحث کی صورت میں مگر ان کے علاوہ دیگر دینی موضوعات پر قابل قدر اور مستند مقالات بھی ہوتے ہیں، دارالقضاء امارت شرعیہ پٹنہ کے بعض مقدمات کے وہ فیصلے جو دقیق اور علمی ہوا کرتے ہیں ان کا انتخاب بھی رسالے کا حصہ ہوا کرتا ہے۔

یہ رسالہ علمائے دین، متخصصین طلباء اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے منفرد رسالہ ہے جو اپنے کئی سال پورے کر چکا ہے اور اب بھی جاری ہے۔

حضرت قاضی صاحب کی خدمات اور کارناموں کے یہ چند گوشے تھے، بحیثیت مجموعی قاضی صاحب ایک تبحر عالم دین، غیر معمولی ذہین، فقہ وافتاء کے ماہر، تواضع اور سادگی کے پیکر، شہ سوار خطابت، سلیس ورواں زبان وبیان کے مالک، قوم کے ہمدرد وقائد، اتحاد بین المسلمین کے علمبردار اور علمائے دین اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے جذبہ سے سرشار عبقری شخصیت کے مالک تھے۔

تصنع یا تکلف سے قطعی دور ان کی اجتماعی اور نجی زندگی اور ان کے بے شمار کارناموں کی وجہ سے ملک وبیرون ملک طبقہ علماء و دانشوروں میں انہیں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی، ان کی عظیم شخصیت کے ساتھ ان کی سادگی بھی ان کی زندگی کا امتیازی پہلو ہے۔

ایک طرف وہ بے مثال خطیب تھے کہ ہوش وجوش کی آمیزش سے عوامی خطاب عوام کی فہم کے مطابق، طبقہ علماء میں ان کے معیار کے موافق، اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے درمیان نقلی اور عقلی دلائل کی مضبوطی کے ساتھ جس طرح تقریر کرتے یہ ان کی وہ تمام خوبی ہے جس کی نظیر موجودہ وقت میں مشکل سے ہی ملے گی، تو دوسری طرف صاحب قلم بھی، علمی مضامین اور دقیق مسائل کو بھی سہل اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کا عمدہ سلیقہ، جس کے نمونے ان کے مضامین اور مرتب کردہ رسائل وکتابیں ہیں۔

ان کی وفات کے بعد اب ضرورت ہے کہ ان کے علمی، فکری اور سیاسی مشن کو برقرار رکھا جائے اور اسے آگے بڑھایا جائے، خواہ امارت شرعیہ کی شکل میں ہو یا اسلامک فقہ اکیڈمی، ملی کونسل یا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صورت میں ہو، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان سب اداروں کو حضرت قاضی صاحب کے صحیح جانشینوں کے سپرد کرے۔ وما ذلك على الله بعزيز .

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی رحلت

اے ایم گلزار قاسمی
جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ، میرٹھ

آنے کو آئے بہت، جانے کو جائیں گے سب

یوں تو ہر انسان کی موت و جدائی اس کے متعلقین و متوسلین اور اہل خانہ کے لئے، صدمہ جانکاہ اور ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے، لیکن بعض لوگوں کا اٹھ جانا ایک عالم کا اٹھ جانا ہوتا ہے، کچھ ایسے حالات میں کہ جب ساری امت مسلمہ کی کشتی گرداب میں پھنسی چکر کاٹ رہی ہے، اور ناخدا کشتی سے الگ کر لیا گیا ہے، میرے اللہ ایسے سنگین حالات میں جب کہ ہماری کشتی کو نگہبانی کی ضرورت تھی اس کو کنارے لگانے، اور ساحل تک پہنچانے میں سہارے کی ضرورت تھی، لیکن مرضی مولی از ہمہ اولی، اس کے فیصلہ اور حکم نامہ میں چوں و چرا کی ادنی گنجائش بھی نہیں، حسب فیصلہ حضرت قاضی صاحب مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کو خالق حقیقی نے بلا لیا، حضرت قاضی صاحب کو یقیناً جانا تھا، اور وقت مقررہ قریب آچکا تھا۔

ایک دن گلزار ایسا آئے گا
کوئی بھی ہرگز نہ بخشا جائے گا

نصف صدی کی یہ مثالی شخصیت جس کو اللہ تبارک تعالی نے اپنی ہر طرح کی صلاحیتوں اور خصوصیات سے مالا مال کیا تھا، حضرت قاضی صاحبؒ کا یہ کمال تھا کہ ہر اجلاس، ہر مجلس، اور محفل میں حضرت قاضی صاحب چھا جاتے تھے اور مجمع کو کنٹرول کرنے اور مکمل طور پر اپنی طرف رغبت دلانے اور توجہ مبذول کرانے کا تسخیری عمل اللہ تعالی نے حضرت قاضی صاحب کو ودیعت کیا تھا آپ نے ساری زندگی ریاضتوں اور جدوجہد میں گذاری، جب وہ معتبر ہوئے تو بہت جلد پالنہار نے بلا لیا۔

حضرت قاضی صاحب کو اللہ تعالی نے بچپن سے شعور اور فکر و آگہی کی وہ صلاحیتیں عطا کی تھیں کہ مرحوم گھنٹوں کی باتوں کا منٹوں میں نتیجہ نکالنے کے عادی تھے، آپ نے جیتے جی ہر شعبہ زندگی میں حصہ لیا، اور کبھی بھی کسی کام کو چھیڑ کر اس کو پورا کرنے کی فکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، حضرت قاضی صاحبؒ سے ضابطہ کا رشتہ، قیام ''آل انڈیا ملی کونسل'' سے قائم ہوا، آپ نے سب سے پہلے اجراڑہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت فرمائی اور محترم ڈاکٹر منظور عالم صاحب کو ہمراہ لائے اور ابتدائی مراحل میں کسی جماعت و تنظیم کے قیام کی فکر ہمارے سامنے رکھی کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی کلمہ کی بنیاد پر شرکت و شمولیت ہو اور وہ آواز ملت اسلامیہ اور مسلمانان ہند کی متفقہ اور متحدہ آواز ہو۔

بہر کیف ! جہاں جہاں بھی مشورہ ہوا اور جانے کی ضرورت پڑی...... انہوں نے ایسا ہاتھ پکڑا کہ پھر کبھی چھٹکارا ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکا۔

ایک حلقہ ہر نفس بڑھتا گیا زنجیر کا
اور ہم آزاد ہونے کی دعا کرتے رہے

حضرت قاضی صاحبؒ نے نہ صرف ممبئی، بنگلور، میسور،

الہ آباد، پٹنہ، کٹیہار، اررریہ، پھلواری شریف، لکھنؤ، جے پور، حیدرآباد کی سیر کرائی، بلکہ یوں سمجھئے کہ چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔

۱۹۹۲ء بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملک کے طول وعرض میں پائی جانے والی بے چینی اور اضطرابی کیفیت نے حضرت قاضی صاحبؒ کے تمام منصوبوں کو روبہ عمل لانے نہ دیا اور وہ کارواں جو ہندوستانی مسلمانوں کو تعلیمی وتعمیری اعتبار سے اوپر اٹھانے کی تدبیر اور منصوبہ بندی میں مشغول تھا اس کا رخ اچانک بدل گیا اور ساری قیادت ''ملی کونسل'' وقتی حالات سے نپٹنے میں لگ گئی۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے کسی خطہ کو اپنی محبت ورغبت سے جدا نہیں سمجھا، چنانچہ جامعہ ہذا میں حضرت قاضی صاحبؒ کا ۱۹۹۳ء کو پروگرام ہوا، ایک عظیم الشان اجلاس گلزار حسینیہ اجراڑہ کے وسیع میدان میں منعقد ہوا جس کا محور تھا ''دارالقضاء کی اہمیت و ضرورت'' اس اجلاس کو حضرت قاضیؒ نے خطاب کیا اس تاریخی خطاب میں علاقہ بھر کے علماء مدارس اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات نے شرکت کی اس تاریخی اجلاس میں حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف فرما تھے جبکہ مولانا محمد اقبال صاحب سیوان (جو اس وقت دنیا میں نہیں ہیں) مرحوم نے بھی خطاب فرمایا، حضرت قاضی صاحبؒ جامعہ ہذا کے تمام اساتذہ کرام وذمہ داران سے بہت خوش رہتے تھے، ہر ایک سے الگ الگ بات کرتے تھے، اساتذہ سے کتابی وعلمی باتیں کرتے تھے، اور جامعہ کے نصاب اور تعلیمی پیش رفت کے بارے میں سوال کرتے تھے جبکہ راقم الحروف سے ملی، قومی وسیاسی گفتگو فرماتے تھے۔

دراصل حضرت قاضی صاحب کو تو اپنے رفیق وساتھی قبلہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم سے گہرا تعلق ہی نہیں بڑی محبت تھی اور ہمیشہ فرماتے تھے کہ میری نماز تو یار پڑھا ہی دینا، کبھی فرماتے کہ یار مجھے بھی مرید بنالو، کبھی فرماتے کہ یار مجھے بھی کوئی تعویذ دیدو، کئی بار انھوں نے مجلس عاملہ میں مجھے فرمایا کہ میں بیماری سے عاجز ہوں اور اس قابل نہیں کہ کچھ کرسکوں بھائی ''ملی کونسل'' کی ذمہ داری تم سنبھالو..... چنانچہ عاملہ تک کے سامنے فیصلہ سنادیا۔ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ آپ کیوں مایوس ہو رہے ہیں خدا آپ سے بہت کام لینا چاہتا ہے آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور جب تک آپ بیٹھے ہیں، آپ کے سواہ کوئی کچھ نہیں ہے۔

ہمیشہ بڑے بڑے جلسوں اور پروگراموں کی صدارت کے لئے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے لئے پیش کش فرماتے اور زبردستی بٹھاتے تھے۔

کیسے بھلائے اس وقت کے بحر بیکراں اور قائد بے بدل کو جس نے تھوڑے سے وقت میں ہم سب پر ایک جادو سا کر دیا تھا اور ہم سب اس کے مسحور سے تھے، درحقیقت حضرت قاضی صاحبؒ کی موجودگی میں حضرت مولانا علی میاں کے بعد تمام توجہات عوام وخواص کی ان کی طرف مبذول ہو چکی تھیں، بہر حال وقت موعود آپہنچا اور اللہ تعالی نے انھیں بلالیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

گردش ایام سے گلزار بچ سکتے نہیں
ذائقہ سب موت کا چکھیں گے سب ہی جائیں گے

حضرت قاضی صاحبؒ نے جامعہ کے وسیع وعریض جدید کمپلیکس میں مسجد کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی یہ جامعہ کی تاریخ میں سنہرے دور کا آغاز نہیں تھا، بلکہ ایک تعلیمی وکلیدی انقلاب کا سرچشمہ تھا، غرضیکہ مسجد کا نام ''ریاض الجنۃ'' رکھا گیا، جبکہ حضرت قاضی صاحب نے اس جگہ میں بیٹھے بیٹھے مسجد کا تاریخی نام نکال ڈالا....اور فرمایا کہ اب ''فیض رشید'' اس کا تاریخی نام ہوگا۔ حضرت قاضی صاحب مرحوم نے پھر تاریخ قطعہ بھی پیش فرمایا۔ اس مسجد کی تعمیر میں بڑا وقت لگا اور ایک خطیر سرمایہ صرف ہوا، جس کا قدر کام باقی ہے۔

تاحیات حضرت قاضی صاحبؒ کو مسجد اور جامعہ کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ حضرت قاضی صاحب کی عادت تھی کہ ہمیشہ ہر مسئلہ کو بہت گہرائی سے سنتے اور اس کا تجزیہ کرتے اور کمال یہ تھا کہ جس شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والا انسان ہوتا تھا اسی طرح کی باتیں اس سے کیا

کرتے تھے، اور سامنے والا جو علوم وفنون کا ماہر ہوتا تھا مگر وہ قاضی صاحب کا ہو کر رہ جاتا تھا۔

حضرت قاضی صاحب کی یادیں ناقابل فراموش ہیں بلکہ ان کا غم بھولے نہیں بھلایا جاسکے گا۔

آپ کو میرٹھ کی سرزمین سے گہری انسیت تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ اکابرو اسلاف کی تحریک آزادی کو یہیں سے تقویت ملی تھی۔ آپ نے کاروان آزادی کے پروگرام میں مجاہدین آزادی کو اپنے دست مبارک سے شال تقسیم کئے اور میرٹھ کی تحریک آزادی کے تعلق سے تاریخ مرتب کرائی۔ اس موقع پر جبکہ بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر اور مجاہد آزادی کے رتن لال گرگ جیسے لوگ اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ فرمایا تھا: کہ اے میرٹھ کی تاریخی سرزمین کے مایہ ناز تحریک آزادی کے سپوتو! تم کو یہ اجلاس اور کاروان آزادی کا یہ قافلہ جھک جھک سلام کرتا ہے۔

''تم اس بھارت کے وہ وفادار سپاہی ہو، کہ تمہارے ادنیٰ سے قدم نے دشمن انگریز کو دیس بدر کر دیا، تم نے اس وطن عزیز کی خاطر جیلیں کاٹیں، اس احسان کو بھارت کے بسنے والے کبھی بھلا نہیں پائیں گے۔ تم کو کہتا ہوں کہ اپنی عمر کا بقیہ حصہ آزاد بھارت میں انسانیت کی قدروں کے زندہ کرنے میں صرف کرو۔ ایک آزادی آپ نے ملک کو انگریز کی غلامی سے دلادی تھی، لیکن ابھی تک غربت وافلاس کی غلامی سے آزادی باقی ہے''۔

یہ تھے حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ چند نوجوان جو ابھی ابھی متاثر ہوئے تھے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نوجوان ہو تمہاری عمر ہے کچھ کرنے کی عادت بناؤ۔ جاؤ تم ایک جگہ محنت کر کے خریدلو اس میں مل کر پھر ایک کمپیوٹر سینٹر بنالو۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے ایسی اسپرٹ پیدا کر دی تھی کہ میرٹھ کے ساتھی اس کام میں جٹ گئے اور زمین خرید کر ہی دم لیا حضرت قاضی صاحبؒ کو مسلسل بیماری نے گھیرے رکھا۔ اور ملکی حالات نے ذرا بھی اجازت نہ دی ورنہ وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے چھوٹوں کو آگے بڑھانے کا جو میدان بنایا اور سکنڈ قیادت کی جو داغ بیل ڈالی وہ بالکل ایک نئی بات تھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ سب لوگ ضائع ہو جائیں گے پھر ان کی جگہ آخر کون لے گا؟ اس کو تحریک بنا کر حضرت قاضی صاحبؒ نے ملک کے طول و عرض میں ایک اچھی خاصی ٹیم تیار کر دی جو امارت شرعیہ، اسلامک فقہ اکیڈمی، مدارس، ہر جگہ موجود ہے۔

☆☆☆☆

مغرب کی بعض خوبیوں کا معترف ہوں

ایسا نہیں ہے کہ مغرب میں کوئی خوبی ہی نہیں ہے، اس کی بعض اخلاقی خوبیوں اور انسانی قدروں کا معترف ہوں۔ معذوروں کی خدمت کا جذبہ اور یہ بات کہ ان کے یہاں کوئی شخص بے کار نہیں رہ سکتا۔ کوئی بھوکوں نہیں مرسکتا۔ سوشل سکیورٹی ان کو ضرور کھلائے گی، میں نے ان میں بہت سی خوبیاں آنکھوں سے دیکھی ہیں، مجھے لگتا ہے کہ ان کے یہاں یہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کا چھینٹا پہنچا ہے اور افسوس کہ یہ برکت ہمارے سماج سے اٹھتی جارہی ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ پڑوسی بھوکا ہے، ہم عمدہ سے عمدہ غذا کھاتے ہیں، ہمارے بھائی کو کپڑا میسر نہیں، ہم اچھے سے اچھا کپڑا پہنتے ہیں۔ اپنے گھر میں اچھا سے اچھا فرنیچر رکھتے ہیں اور ہزاروں روپے کی قیمتی قالین اور پردے بچھاتے اور لگاتے ہیں اور ہمارے پڑوس میں ایسے غریب و نادار بھائی بھی ہوتے ہیں جن کو سر چھپانے کے لئے ایک سائبان بھی میسر نہیں اور بیسیوں افراد ہیں جو ٹھنڈوں میں ٹھٹھر کی اپنی جان دے دیتے ہیں، کیا یہی اسلام کی تعلیمات ہیں؟ اور یہی پیغمبر کے دیے ہوئے اخلاق ہیں؟

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

(خطبات بنگلور سے ماخوذ)

قاضی صاحب کی یاد میں!

مولانا محمد فہیم اختر ندوی
اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی

آج جب میں قاضی صاحب کی یاد میں اشک ہائے عقیدت کے چند قطرے نذر کرنے بیٹھا ہوں تو بے اختیار میرا ذہن زندگی کے اس اولین حادثہ کی طرف چلا گیا ہے، جب میں ندوۃ العلماء میں طالب علم تھا، میرے مشفق اور بذلہ سنج استاد حضرت مولانا ابوالعرفان خان ندوی کی وفات کا حادثہ پیش آیا، میں چھوٹا طالب علم، نظروں کے سامنے کا یہ حادثہ معصوم جذبات پر بجلی سا گرا گیا تھا، میری زندگی میں غم کا پہلا موقع تھا کہ اپنے جذبات سے مغلوب ہوکر میں نے قلم اٹھایا تھا اور غم والم کے آنسو دیدۂ خامہ نگار سے ٹپک کر خشک کاغذ پر ثبت ہو گئے تھے۔

یوں تو اس آنی جانی دنیا میں کتنے ہی اہل تعلق نے داغ مفارقت دی، لیکن قلبی لگاؤ رکھنے والی کسی شخصیت کا آنکھوں کے سامنے رخصت ہوجانے کا المناک بلکہ دلدوز منظر میری آنکھوں نے دوبارہ اب دیکھا ہے، اور دیکھا نہیں بلکہ اس کرب انگیز حادثہ کے مختلف مناظر نے چوبیس گھنٹوں تک میری نگاہوں کو پتھرائے رکھا ہے۔

یہ حادثہ جس کا نام دینے کے لئے میں لفظ نہیں پاتا، جب سے پیش آیا ہے، مجھے دنیا ہی بدلی بدلی نظر آرہی ہے، دل پر عجیب ویرانی کا عالم ہے، کبھی ایسا لگتا ہے کہ میں خود کھو سا گیا ہوں، اور جس لحہ عقل وہوش کے پردہ پر یہ منظر ابھرتا ہے جذبات کا تموج سینہ چاک کر کے باہر آجانے کو بے تاب ہوجاتا ہے، خیالات کی یورش دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، اور میرا ناتواں قلم جذبات اور خیالات کی اس شدت کا متحمل نہ بن کر لرزنے لگتا ہے۔

اولین دیدار:

''میرے قاضی صاحب'' جنھیں میری معصوم نگاہوں نے پہلی بار دور سے اس وقت دیکھا تھا جب جامعہ رحمانی مونگیر کی عالیشان مسجد میں وہ ایک بڑے مجمع سے خطاب کررہے تھے، مسجد کے بالائی حصہ پر بیٹھ کر تماشہ دیکھنے والے بچوں میں نو، دس برس کی عمر کا ایک بچہ میں بھی تھا، مولانا منت اللہ رحمانی جیسی وجیہ و بزرگانہ شکل وصورت دیکھتے رہنے والی آنکھوں کو بڑا عجیب سا لگا تھا کہ'' بے داڑھی'' کا ایک شخص تقریر کررہا ہے، پھر باشعور نگاہوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی کھچا کھچ بھری مسجد میں اس لحہ دیکھا تھا جب ندوۃ کے ایک استاذ نے چند تعارفی جملوں میں یہ کہا تھا کہ'' آج آپ کے سامنے ایک ایسے شخص کی تقریر ہوگی جو علم سے اتنا بھرا ہوا ہے کہ علم ابلتا ہے'' اور پھر طلبہ کے سامنے وہ تقریر ہوئی جس کے ایک شعر نے مجھے اور نہ جانے کن کن کو تو خوب رلایا تھا،

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
بوئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

اور تیسرا موقعہ وہ تھا جب ندوۃ العلماء ہی کے پرشکوہ عباسیہ ہال میں قیام دار القضاء کا اہم ترین اجلاس تھا، اکابر علماء کی موجودگی اسٹیج کو رونق بخش رہی تھی، کافی بڑا مجمع تھا، اور جب مرد میداں قاضی صاحب کی باری آئی تو جیسے کوئی روایتی تقریر نہیں بلکہ درد میں ڈوبے فقرے مضطرب دل کے تاروں کو جھنجھوڑ رہے ہوں، وہ لافانی جملہ آج بھی نقش دماغ ہے کہ'' آپ صرف اتنا طے کر لیجئے کہ اگر آپ امت کی صفوں میں مزید اتحاد پیدا نہیں کر سکتے تو خدارا یہ امت جتنی ٹوٹی ہے اتنا ہی رہنے دیجئے، کسی انتشار کا اضافہ نہ کیجئے۔

میں اسے اپنا نصیبہ سمجھتا ہوں کہ قدرت کی جانب سے

قاضی صاحب کی رفاقت کے لئے میرا نام بھی مقدر ہو چکا تھا، ''لفظ رفاقت'' کا استعمال اقلیم ادب میں جرأت نازیبا ہوگی کہ وہ تو معاصرین اور ہم عمروں کے لئے استعمال ہوتا ہے، حضرت قاضی صاحبؒ تو میرے استاذوں کے استاذ تھے:

کہاں میں اور کہاں نکہت گل

لیکن اسے میرے ساتھ نسیم سحر کی مہربانی کہئے، یعنی حضرت والا صفات کی ذرہ نوازی،

اولین ملاقات:

۱۴؍جولائی سن ۱۹۹۲ء کی دوپہر تھی، استاذ گرامی حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی دامت برکاتہم کے توسط سے حضرت قاضی صاحب کی طلبی پر میں دہلی میں اسلامک فقہ اکیڈمی آیا تھا، حضرت قاضی صاحب سے یہ میری زندگی کی اولین گفتگو تھی، چند ناصحانہ اور کچھ انتظامی جملوں کے بعد میں نے واپسی کی اجازت لی اور یکم اگست سے فقہ اکیڈمی کے علمی کاموں میں مشغول ہوگیا تھا۔

ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ دسمبر کے آخری ایام میں بیرونی ممالک کے ایک اہم وطویل دورہ کے لئے اپنی سربراہی میں ایک موقر وفد کے ساتھ مجھے بھی چلنے کا حکم ہوا، یہ حضرت قاضی صاحب کے ساتھ میری اولین رفاقت تھی۔

میری زندگی کا وہ باب جو حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی سعادت آفریں معیت میں دس برس قبل حجاز مقدس کی پرنور فضاؤں میں کھلا تھا، ۵؍اپریل ۲۰۰۲ء کو جمعہ کی شام میں، مہدولی دربھنگہ میں ان کی تربت کے ساتھ ساتھ بند ہوگیا، افسوس کہ اب یہ ایام ماضی کی تاریخ بن گئے، صبح وشام اور لحہ بہ لحہ اس عبقری شخصیت کے فیضان کا جو تسلسل تھا، وائے حسرت کے وہ اب تھم گیا، اس بھرپور عرصہ میں حضرت قاضی صاحب کو میں نے بھرپور طور پر دیکھا ہے، خوب خوب سنا ہے، اور بارہا پڑھا ہے، قاضی صاحب کے ساتھ میری رفاقت ہشت پہل رہی ہے، میں نے انھیں جلوت میں بھی دیکھا ہے اور خلوت میں بھی، سفر میں بھی دیکھا ہے اور حضر میں بھی، صحت میں بھی دیکھا ہے اور مرض میں بھی، جی ہاں، جب قاضی صاحب اچھی صحت کے عالم میں تھے اور اپنی سرگرمی ونشاط سے جو ان رعنا کو شرمار ہے تھے جب بھی دیکھا ہے، اور مرض کی اس شدت میں بھی جب زندگی کی شمع ٹمٹمانے لگتی ہے، میں نے قاضی صاحب کو سریرآرائے بزم بھی دیکھا ہے اور رونق محفل بھی، اسٹیج پر شیر کی طرح گرجتے بھی، قانون کی باریکیاں سمجھاتے بھی، وعظ ونصیحت کے موتی بکھیرتے بھی، میں نے قاضی صاحب کو جوش وجذبہ اور روانی کے ساتھ عربی تقریر کرتے بھی دیکھا ہے، انگریزی میں عرض مدعا کرتے بھی، گاؤں کی دیہاتی زبانوں میں لطف لیتے بھی، فارسی اشعار کے رموز سمجھاتے بھی اور لسانیات پر فاضلانہ گفتگو کرتے بھی، قاضی صاحب کے ساتھ میری رفاقت اندرون ملک بھی رہی ہے اور بیرون ہند بھی، جس میں سعودی عرب کے شہر مکہ ومدینہ، ریاض وجدہ اور دمام وخبیر وظہران ہوں یا متحدہ عرب امارات کے دبئی وشارجہ اور ابوظہبی والعین کے ممالک، زہرۃ الخلیج کویت ہو یا بحرین و قطر، یا پھر دور دراز ملک جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن اور جوہانسبرگ، میں نے قاضی صاحب کو شاہوں اور وزیروں سے بھی بے خوف اور دوٹوک بات کرتے دیکھا ہے، سیاست کے بازیگروں سے چبھتے سوالات کرتے بھی، خوردوں اور عزیزوں کی ہمت بڑھا کر ان کی ہر ہر بات اور پوری پوری بات سنتے بھی دیکھا ہے، میں کیا کیا ذکر کروں، میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے کیا سب ہی سپرد قلم و قرطاس کرتا جاؤں؟ ہاں میں نے انھیں امت کی فکر میں اور کسی اہم ملی مسئلہ پر مسلسل کئی کئی راتیں بستر پر کروٹیں بدلتے دیکھا ہے کہ نیند ان کی آنکھوں سے غائب ہے اور ذہن مستقل گردش میں رواں اور فکر میں غلطاں، میں نے قاضی صاحب کو گنبد خضراء کے سایہ میں سید الانبیاء کے پاکبانہ روضہ اقدس کی دیوار سے لگے بلک بلک کر یہ کہتے سنا ہے کہ:

اے خاصہ خاصاں رسل وقت دعا ہے

امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

اس رہ نورد شوق علم کو میری آنکھوں نے جدہ، کویت اور شارجہ کے کتاب خانوں میں نایاب کتابوں کی تلاش میں سرگرداں

بھی دیکھا ہے اور مکہ و مدینہ، کویت وقطر اور نہ جانے کہاں کہاں اہل علم وفن سے بے تابانہ مل مل کر علمی تبادلہ خیال کرتے بھی دیکھا ہے۔

قاضی صاحب کی ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والے خوب لکھیں گے اور داد تحریر دیں گے، یقیناً وہ خاصہ کی چیزیں ہوں گی اور مطالعہ واستفادہ کے قابل، میں اس بزم کا ہم نشین کہاں؟ میرا عالم تو یہ ہے کہ نہ جانے ع

لکھ رہا ہوں جنون میں کیا کیا

قاضی صاحب کیا تھے؟

قاضی صاحب بہت کچھ تھے، اسی لئے سماج کے ہر طبقہ سے وہ گھلے ملے رہے، اور وہ جس سے ملے اس نے خود کو قاضی صاحب سے اتنا ہی قریبی محسوس کیا جتنا میں محسوس کر رہا ہوں، یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب بہتوں کے رہے اور ان کی جدائی نے ان سب کو اشکبار کیا ہے۔

قاضی صاحب سب سے پہلے ایک انسان تھے، اور عظیم انسان، وہ انسان جس کے سینہ میں بے چین دل ہوتا ہے اور جس کی دونوں آنکھیں چوکنا رہتی ہیں، وہ انسان جس کے دماغ کی مشین ہمہ وقت حرکت میں رہتی ہے، اور جس کی حیات کا ہر لمحہ کچھ کرتے گزرتا ہے، قاضی صاحب وہ انسان تھے جنھیں خلاق عالم کے دربار سے ڈھیروں انسانی اوصاف اکٹھے مل گئے تھے، وہ اوصاف جن کی وجہ سے کسی کو عبقری، جینئس اور نابغہ کہا جاتا ہے۔

ابتداء میں دبلا پتلا، بلا کی ذہانت لئے یہ انسان پڑھنے میں مگن رہا، آگے بڑھا تو وقت کے قائد کی دوررس نگاہ نے تاڑ کر اپنے یہاں تدریس میں لگا لیا، نوخیز جوانی میں مطالعہ کی گہرائی و گیرائی نے شفاف شمشیر پر سان چڑھا دی تو حق و باطل میں فیصلہ کے لئے قضاء کی مسند پر بٹھا دیا گیا اور پھر چالیس برس تک باطل کے سامنے سد سکندری بن کر حق کے لئے داد شجاعت دیتے رہے، آپ کی پوری زندگی کا محور حق داروں کو ان کے حقوق پہونچانا رہا، آپ کی زندگی کے اسی محور نے آپ کے درج ذیل چند اوصاف کو امتیازی شان کے ساتھ نمایاں کر دیا تھا۔

ملی وحدت کے نقیب:

اول تو یہ کہ آپ ملی وحدت اور سماجی اجتماعیت کے نقیب و داعی تھے، امارت شرعیہ میں قاضی رہے یا ناظم یا نقیب میں قلم نگار، قریہ قریہ اور کونہ کونہ گھوم گھوم کر اختلافات کو ختم کراتے اور اتحاد پیدا کراتے رہے، مسلم پرسنل لا بورڈ سے جڑے تو مسلمانوں کے ہر مسلک، ہر فرقہ اور ہر جماعت کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا اور نازک مواقع پر بھی ان کی اجتماعیت کے شیرازہ کو بکھرنے نہیں دیا، اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھ کر قدیم وجدید کی خلیج پاٹ دی، اہل دانش کو اصحاب جبہ و دستار کے ہمدوش کیا، اہل مدارس کو عصری علوم کی ضرورت اور ماہرین علوم عصریہ کو دینی علوم کی ضرورت کا احساس دلایا، اور وادی تحقیق وجستجو میں مسلک ومشرب کے فرق ناپید کئے۔ اتحاد امت کانفرنس سے امت کی اجتماعی ترقی اور مجموعی ترقی کا وہ صور پھونکا جس سے ملی کونسل اور ملی اتحاد کے بال و پر نکلے جہاں سے زندگی کے تمام میدانوں میں ترقی اور سماج کے ہر طبقہ کے لئے ترقی کی انوکھی آواز اٹھی، اور یہ آواز خود سماج کی اجتماعی قیادت سے ابھرنے لگی۔

تعلیم کے پیامی:

آپ کی زندگی کا دوسرا نمایاں وصف تعلیمی بیداری پیدا کرنا تھا، اس کے لئے آپ نے دینی اور عصری تعلیم کی زبردست منصوبہ بندی کی اور اس منصوبہ میں رنگ بھی بھرا، آپ کی سوچ تھی کہ ہم سماج کے زیریں طبقہ کو ہنر سے آراستہ کریں گے، تاکہ یہ جب عزت کی روٹی کما کر اپنے بچوں کو پڑھائیں گے تو وہ ڈاکٹر اور انجینئر بنیں گے، دینی مدارس کے معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے ان کا وفاق بنایا، اہل مدارس کو چند مفید مشورے دیئے، بنیادی دینی تعلیم کو عام کرنے کے لئے سیکڑوں مکاتیب قائم کئے، ہر وقت خود علمی کاموں میں مصروف رہتے اور نوجوان فضلاء کی خوب ہمت افزائی کرتے۔

سماج کے داعی:

حضرت قاضی صاحب ہندوستان کے مسلم سماج کو قرن

وسنت کی ڈگر پر لانے کے لئے بے حد کوشاں رہے، اس کے لئے آپ نے خوب خوب جتن کئے، سماجی بگاڑ اور مشکلات پر آپ کی نظر بڑی گہری تھی، اور اسلامی شریعت کے وسیع ذخیرہ سے ان کا حل پیش کرنے میں آپ غلطاں وپیچاں رہتے، فقہی سیمیناروں کی جاں گسل کاوشوں کے ذریعہ آپ نے کتنی سماجی الجھنوں کو حل کیا، خواتین کی مشکلات کا حل پیش کیا، ان کے دکھ درد کو سنا اور ان کی اوٹ میں مگرمچھ کے آنسو بہانے والیوں کو طشت ازبام بھی کیا، یہ میدان آپ کی زندگی کا اتنا بھرپور رہا ہے کہ ہزاروں ہزار فیصلے، سیکڑوں فتاوی، لاکھوں الفاظ کو سموئے آپ کی تقاریر، کوزے میں سمٹے آپ کے قیمتی قرارداد اور ان گنت صفحات پر بکھری آپ کی تحریریں صرف اسی ایک موضوع پر رہی ہیں۔ اپنے وقت کے ان سماجی مسائل ومشکلات کو شرع اسلامی کی روشنی میں حل کرنے کی راہ میں آپ نے کتنی جگر کاویاں کیں، کتنے پتے بہائے، کیسی کیسی گھاٹیوں کو سر کیا، کتنی دماغ سوزی کی، کتنے اوراق پلٹے، اس راہ میں اپنوں کے طعنے بھی سنے، غیروں سے مقابلہ بھی کیا، تب کہیں جا کر امت کے درد کا مداوا پایا۔

شان اجتماعیت:

قاضی صاحب کے اندر شان اجتماعیت جلوہ فگن تھی، ایسا لگتا تھا کہ قدرت نے ان کے اندر بڑی مقناطیسی قوت رکھ دی ہو، ان کے محفل نشینوں میں اور ملاقاتیوں میں اتنے بھانت بھانت کے اور اس قدر متنوع لوگ تھے کہ وہ باہم شاید بالکل اجنبی یا دریا کے دو کنارے ہوں، لیکن قاضی صاحب کی ذات نقطۂ اتصال تھی، اور کمال یہ تھا کہ ہر شخص کے ساتھ اسی کی سطح پر اور ہر محفل کے اندر اسی محفل کی زبان واسلوب میں گفتگو فرماتے۔ قاضی صاحب کی اسی شان اجتماعیت کا دوسرا مظہر یہ تھا کہ آپ نے علمی تحقیق کی وادیوں سے لے کر سیاست کی گلیاروں تک، سماجی اصلاح کے کاموں سے لے کر منصوبہ بندی وپلاننگ تک، دینی درسگاہوں سے لے کر عصری دانش گاہوں تک، صحت وصفائی سے لے کر خدمت خلق تک اور سفر سے لے کر حضر تک غرض ہر کام کے لئے اسی کے لائق افراد تیار رکھے تھے، اسلامی تاریخ کے دوسرے جلیل القدر خلیفہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انھوں نے ہر کام کے لئے اس کے موزوں افراد تیار فرما رکھے تھے، ان ہی کی خاک پا سے انتساب رکھنے والے حضرت قاضی صاحب نے اسی آئیڈیل پر عمل کرتے ہوئے اپنے ارد گرد ایسی ٹیم تیار کر رکھی تھی کہ متنوع کاموں کو انجام دینا ان کے لئے آسان ہو گیا تھا، وہ جس قافلہ کے سالار تھے اس میں دانشور بھی تھے، صحافی بھی، وکلاء بھی تھے، ماہرین قانون بھی، اطباء بھی تھے، تاجران بھی، صوفیاء بھی تھے، شیوخ بھی، اساتذہ دین بھی تھے، بزرگان وقت بھی، شیعہ بھی تھے، سنی بھی، بریلوی بھی تھے، مہدوی بھی، بوہرہ بھی تھے اہل حدیث بھی، سیاست دان تھے، ملکی قائدین بھی، اردو کے ادیب بھی تھے، ہندی کے شناسا بھی، انگریزی کے ماہرین بھی تھے عربی کے دلدادہ بھی، انتظامی قابلیت رکھنے والے بھی تھے، اسٹیج کو رونق بخشنے والے بھی، مذہبی پیشوایان بھی تھے، تعلیمی رہنمایان بھی، قاضی صاحب کے تعلقات کا دائرہ عجم کے مرغزاروں سے لے کر عرب کے ریگزاروں اور یورپ وامریکہ کی برفیلی چٹانوں سے لے کر افریقہ کے تپتے صحراؤں تک وسیع تھا، وہ جس طرح اپنے ملک میں اتحاد واتفاق کے لئے سرگرداں رہتے، یورپ وامریکہ میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے اسی بے بے چینی وتڑپ کے ساتھ انھیں متحد ہو کر جینے کی دعوت دیتے، ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا تحفظ جس طرح ان کی زندگی کا ایک جزء بنا ہوا تھا، مسلمانان جنوبی افریقہ کے لئے مسلم پرسنل لا کی تیاری اور اس کی منظوری کے لئے جدوجہد ان کی حیات کا ایک روشن باب رہا، انھوں نے اپنے وطن کے علاقہ علاقہ میں گھوم کر لوگوں کو اصلاح احوال کی جس طرح دعوت دی، خلیجی ممالک میں کمانے والے اپنے ہم وطنوں کو بھی وہ اسی طرح سماج کی اصلاح اور اس میں اپنا رول ادا کرنے کی طرف متوجہ کرتے رہے۔

جری وبے باک:

قاضی صاحب کی ذات میں جرأت وبے باکی زبردست تھی، مرعوب ہونا وہ جانتے ہی نہیں تھے، اسی لئے انھوں نے پیغام

حق کو عرب و عجم اور مسلم و غیر مسلم ہر ایک کے سامنے رکھا، قاضی صاحب کا یہ وصف کئی پہلوؤں میں جلوہ گر تھا، مثلاً جس کی محفل میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے سامنے خواہ جو بھی ہوتا وہ اپنا بر حق فہم اور نقطہ نظر رکھنے میں ہچکچانا تو دور کی بات ہے، ایسے پر اعتماد اور طاقتور لب ولہجہ میں پیش کرتے کہ سامعین گرویدہ ہوجاتے، آپ قدیم دینی درسگاہ کے فاضل تھے، لیکن جدید علوم کے بڑے بڑے ماہرین کو خود انھیں کے فن کی گہرائیوں کا رشتہ اپنے دینی علوم سے جوڑ کر بتاتے تو وہ دنگ رہ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ علی گڑھ یونیورسٹی میں منعقدہ فقہی سیمینار میں جنین کی حیات کے ضمن میں حیات کی اقسام پر آپ کی گفتگو اطباء و ماہرین سے داد تحسین لئے بغیر نہ رہ سکی، یوتھینز یا اور دماغی موت پر آپ کی گفتگو اطباء کے لئے ذریعہ استفادہ ہوتی تھی، بالکل ہی نئے موضوع کلوننگ پر بحث کرتے ہوئے جب آپ نے یہ انکشاف فرمایا کہ ساتویں صدی میں علامہ ابن خلدون نے رحم مادر سے باہر کسی جگہ مناسب حرارت فراہم کر کے جنین کی افزائش کو ممکن بتایا تھا تو قاضی صاحب کی اس تحقیق پر جہاں ہم لوگ انگشت بدنداں تھے، عصری علوم کے ماہرین کو بھی اچھی طرح احساس ہو رہا تھا کہ اسلامی علوم کے خزانہ میں کیسے کیسے جواہرات خود ان کے موضوعات سے متعلق محفوظ ہیں قاضی صاحب کے اسی وصف کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ انھوں نے اپنے لئے جو لباس منتخب فرما رکھا تھا، انتہا درجہ سادہ اور متواضع، متوسط کپڑے کا کرتا، چوڑا پائجامہ، معمولی صدری، سر پر گول ٹوپی اور ایک سفید رومال، بس اسی سادہ لباس میں پورے عالمانہ طمطراق کے ساتھ شاہوں اور وزیروں سے ملتے، لباس کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مجھے ایسا لباس پسند ہے جو میری حفاظت کرے، ایسا لباس نہیں جس کی حفاظت مجھے کرنی پڑے۔ اسی عدم مرعوبیت کا اظہار یہ بھی تھا کہ اگر آپ کے پاس کوئی شخص کسی کام کا منصوبہ رکھتا اور آپ کو اس میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تو اسے بغور سننے کے بعد اسی میدان میں اپنے ادارہ سے ہونے والے منظم کام کا ذکر کرتے اور پھر اسے ہی اس بات پر آمادہ کرتے کہ اپنے منصوبہ کو زیادہ مفید اور اثر انگیز بنانے کے لئے وہ ان کے ادارہ سے مل کر یہ کام انجام دے۔ تعلیم، دعوت، خدمت خلق اور ریلیف کے ایسے کئی کاموں میں آپ نے دوسروں کو اپنے ادارہ سے جوڑ لیا تھا۔

جہد مسلسل:

قاضی صاحب کی شخصیت جہد مسلسل سے عبارت تھی، تکان اور آرام جسمانی اور طبعی تو تھے، ذہنی وفکری نہیں، ذہن وفکر کی گردش وعمل نے انھیں ہمہ دم رواں پیہم دواں بنا رکھا تھا، حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ وہ قیمتی سمجھتے تھے، ان کے نزدیک چھوٹا سے چھوٹا اور بڑا سے بڑا ہر کام انتہائی ضروری ہی ہوا کرتا تھا، وہ جب بھی ہم میں سے کسی کو بلاتے تو پورے اہتمام کے ساتھ یہی کہتے کہ بہت ضروری کام ہے فوراً آجاؤ، ان کے کلینڈر میں رخصت کا کوئی دن نہ تھا اور نہ ہی شب وروز کے اوقات میں کام وآرام کی تفریق، وہ ایک ساتھ کئی کئی کاموں کو نمٹاتے رہتے تھے، ایک بڑا کام ختم ہونے سے پہلے دوسرے کا کام آغاز فرمادیتے، ہنگامی اور وقتی کاموں کو اسی وقت انجام دے دیتے، کوئی شخص کوئی کام لے کر آتا تو عموماً اس کے سامنے ہی اسے پورا کردیتے، ان کے مختلف اور متنوع کاموں سے وابستہ سینکڑوں وابستگان اور کارکنان تھے، لیکن وہ سب سے رابطہ رکھتے اور سب کو کاموں میں مصروف رکھتے بلکہ ایک ایک شخص پر کئی کئی کاموں کا بار ڈالتے اور قدم قدم پر پوچھتے تا آنکہ وہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

علم کے جویا:

قاضی صاحب کا خمیر طلب علم سے اٹھا تھا، وہ علم کے جویا اور متلاشی تھے، سفر ہو یا حضر ان کے ارد گرد کتابوں کا ہجوم ہوتا اور جب بھی لوگوں سے فارغ ہوتے کتابوں میں غرق ہوجاتے، وہ فوراً کسی مسئلہ کا جواب نہیں دیتے، تحقیق ان کی گھٹی میں پڑی تھی، بارہا ایسا ہوا کہ کسی نے آکر کوئی بات پوچھی اور آپ نے حکم دیا کہ فلاں مسئلہ نکالو، کئی بار اپنی سادگی اور جلد بازی میں خود میں نے کسی اہم فقہی مسئلہ پر شارٹ کٹ اپناتے ہوئے آپ کی رائے جاننی چاہی لیکن آپ کا یہی جواب ہوتا کہ فلاں فلاں کتابیں نکالو، دیکھو اس

مسئلہ پر کیا لکھا ہے، نئی نئی کتابوں اور تحقیقات کی ہمہ دم جستجو رکھتے اور ان سے باخبر رہتے، اہم مخطوطات سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی، قیمتی مخطوطات کا پتہ لگاتے، ان کی کاپیاں حاصل کرتے اور پھر خود بھی اور اپنے احباب کو بھی ان کی تحقیق میں لگاتے، اس موضوع پر آپ کے شوق فراواں کا یہ عالم تھا کہ ملک کی لائبریریاں اور بیرون ملک میں مخطوطات پر کام کرنے والے ادارے آپ سے رابطہ قائم کرتے اور آپ بھی پوری فراخدلی کے ساتھ انھیں مخطوطات کی کاپیاں فراہم کرتے۔

زیرک وذہین:

قاضی صاحب بڑے زیرک اور ذہین تھے، معاملہ کی گہرائی تک بہت جلد پہنچ جاتے تھے، بات کرنے والے کے لب ولہجہ سے اس کی غرض کو تاڑ لیتے تھے، حقیقت جاننے کے لئے بڑا نفسیاتی اور خوبصورت اسلوب اپناتے اور مدعا پالیتے تھے، آپ کو دھوکہ میں ڈالنا آسان نہیں تھا، ایسے مواقع پر آپ مختصر سوال کرتے لیکن مطلب کی بات اگلوا لیتے، آپ کی ذہانت اور ذکاوت ہی کا کرشمہ تھا کہ مختلف اداروں کے لئے آپ کی منصوبہ بندی اور پلاننگ ایسی ہوتی کہ وہ سب تعمیری رخ پر رواں دواں رہتے تھے۔

سراپا صبر:

میرے قاضی صاحب چونکہ اول و آخر انسان تھے، وہ انسان جو اپنے آپ کو غلطیوں سے بچانے اور صحیح راہ پر آگے بڑھنے کے لئے کوشاں رہتا ہے، جسے حالات کے نرم و گرم سے گزرنا پڑتا ہے، جسے پھولوں کی سیج بھی ملتی ہے اور خاروں کے انبار بھی، جس کے دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی، موافق بھی بنتے ہیں اور مخالف بھی، قاضی صاحب کی عظمت یہ تھی کہ آپ نے سب کو انگیز کیا، جی ہاں، صبر اور برداشت وہ وصف تھا جو قاضی صاحب کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، میری آنکھوں نے ان کی علالت کے ایام میں ان گنت مواقع پر دیکھا ہے کہ سخت سے سخت پریشانی اور تکلیف میں بھی وہ سراپا صبر اور تسلیم ورضا تھے، حقیقت تو یہ ہے کہ چار سال کی علالت کے انتہائی صبر آزما حالات میں اس مرد خود آگاہ اور خدا آگاہ نے صبر و برداشت کی انتہا کردی، عالم یہ تھا کہ انجکشن کی کثرت سے ان کے ہاتھ اور پاؤں اور پیٹ وغیرہ چھلنی بن گئے تھے، درد اور تکلیف کی شدت میں وہ انجکشن دینے والے کو کہہ اٹھتے، اے شاباش، وہ اپنی تکلیف کو بھی طنز ومزاح کے پیرایہ میں اڑادیا کرتے تھے، ایک بار جب اسپتال میں کئی دن کی تکلیف کے بعد آرام ملا تھا اور آرام کے بعد پھر وہی انجکشن کا سلسلہ شروع ہونے لگا تو مسکرا کر کہنے لگے:

میری عافیت کے دشمن مجھے چین آچلا ہے
کوئی اور زخم تازہ کوئی اور ضرب کاری

یہ باغ وبہار شخصیت، یہ علم کا ابلتا چشمہ، یہ عزم واستقلال کا پہاڑ، یہ تلاش وجستجو کا جویا، یہ جرأت وبے باکی کا نمونہ، یہ اتحاد واجتماعیت کا نقیب، یہ سادگی وتواضع کی مثال، یہ ذہانت وزیرکی کا پیکر، یہ صبر وشکر کا مجسمہ، یہ انسان، عظیم انسان، اپنی زندگی کے ۶۵ برس جہد مسلسل اور بے قراری میں گزار کر اپنی جائے قرار کو پہنچ گیا، ہاں اسے قرار تو آہی گیا، لیکن اس کے قرار نے کتنوں کو بے قرار بنادیا، کتنوں کو اداس کرگیا، کتنوں کو ویران بنا گیا، ایک عہد تھا باغ وبہار کا جو ختم ہوگیا

ویراں ہے مے کدہ خم و ساغر اداس ہیں
وہ کیا گئے کہ لٹ گئے دن بہار کے

☆☆☆

آہ قاضی صاحب

بلک رہی ہے اک جہاں

پروفیسر حافظ شائق احمد یکیٰ

صدر شعبہ وائلڈ لائف سائنس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
مقیم نیوجرسی امریکہ

اپنی ذاتی تاثر کا اظہار کرنا کبھی کبھی بہت مشکل کام ہوتا ہے خاصکر کچھ ایسی ہستیوں کے بارے میں جو بہت عظیم ہوں اور آپ کو عزیز بھی۔ مولانا مجاہد الاسلام صاحب ایک عظیم مفکر، رہنما، عالم اور ہمدرد ملت تھے۔ ان کے انتقال پر ملال سے پوری امت مسلمہ کو زبردست نقصان ہوا ہے اور شاید صدیوں تک ان کا بدل ملنا مشکل ہے۔ علامہ اقبال نے ایسی ہی ہستیوں کے بارے میں کہا ہے کہ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا مرحوم نہ صرف ہندو پاک بلکہ افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کنیڈا اور عرب ممالک میں بھی بہت مشہور تھے۔ اسلامی فقہ میں تو صاحب یکتا تھے۔ گویا کہ انگریزی کی تعلیم باضابطہ طور پر حاصل نہیں کی تھی مگر اپنے شوق اور تجربہ سے اس زبان پر بھی ان کو عبور حاصل ہو گیا تھا۔ عربی میں ان کو کمال حاصل تھا اور اردو پر عبور۔ سینکڑوں بصیرت افروز مضامین کے علاوہ انہوں نے اپنے مصروف ترین اوقات کے باوجود کم و بیش ۱۳ کتابیں تصنیف کیں۔

ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم مگر دیوبند سے فضیلت کی اعلیٰ سند لیکر سب سے پہلے انہوں نے جامعہ رحمانی مونگیر میں معلمی کی جہاں کئی سالوں تک انہیں مولانا منت اللہ صاحب (مرحوم) جیسی عظیم شخصیت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ دراصل ان کی علمی صلاحیتوں کا نکھار وہیں سے شروع ہوا۔ پھر وہ قاضی کے عہدہ پر فائز کئے گئے اس عہدہ پر وہ تقریباً تین دہائیوں تک، بلکہ اپنے انتقال تک نہایت مدبرانہ طور پر کام کرتے رہے۔ مولانا مرحوم نے بے شمار کارنامہ انجام دیئے ہیں پچھلے دو سالوں سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر بھی تھے۔

مولانا مرحوم کی شخصیت اتنی ہمہ گیر تھی کہ ان کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا مگر چونکہ مجھے مولاناؒ سے ایک خاص لگاؤ تھا، اپنی ذاتی تاثرات لکھ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اسی سلسلے سے کچھ ایسی باتیں بھی سامنے آجائیں جو اور حضرات کے مضامین میں شامل نہ ہوں اور اس طرح ناچیز کی یہ کاوش شاید کچھ کارآمد بھی ہو جائے۔

میں نے مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کو پہلی بار 1968ء میں دیکھا تھا جب کہ میں میٹرک کا امتحان دے رہا تھا۔ وہ نظرا محمد آباد (میرے گھر پر) آئے ہوئے تھے۔ والد صاحب مرحوم (جو کہ مولانا مرحوم کے بڑے ہی مداح تھے) نے رات کے کھانے کے بعد مجھ سے کہا کہ مولانا پیر دباؤ اور دعا لو میں نے

ایسا ہی کیا۔ مولانا بے حد خوش ہوئے اور دعا دی۔ بولے'' فرسٹ ڈیویزن سے پاس کروگے'' اور میں یقیناً فرسٹ ڈیویزن سے ہی کامیاب ہوا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری محنت کے علاوہ اس کامیابی میں اور بعد کی کامیابیوں میں بھی مولانا مرحوم کی دعاؤں کا بڑا اثر رہا۔

ان کو دوسری بار جلسہ میں دیکھا کوئی صاحب عرب سے آئے ہوئے تھے اور عربی میں تقریر کررہے تھے۔ مولانا ہر پانچ منٹ بعد عربی تقریر کا ترجمہ اسی روانی اور جوش سے کرتے جاتے تھے۔ کئی سالوں بعد جب میں نے اپنے Ph.D کے سلسلے میں چڑیوں پر کام شروع کیا تو میرے استاد مرحوم ڈاکٹر سالم علی صاحب نے فرمائش کی کہ چونکہ میں حافظ بھی ہوں قرآن شریف میں کے تذکرے کے بارے میں ایک مضمون لکھوں۔ میں نے والد صاحب مرحوم کی وساطت سے مولانا مجاہد الاسلام صاحب سے رابطہ قائم کیا اور مولانا کی مدد سے ایک اچھا مضمون تیار ہوگیا جو بعد میں کینیڈا میں اور علی گڑھ میگزین "The Campus" میں چھپا۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ایک مشینری ذیل (Missionary Zeal) رکھتے تھے اور مرحوم کو قوم کی غربت اور تعلیمی کمی کا بڑا احساس تھا۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کے لئے بھی بے حد کوشاں رہتے تھے۔ اسی فکر میں رہتے کہ ہمارے بچے اچھی اور ایسی تعلیم حاصل کریں جس سے ذریعہ معاش میں بھی آسانی ہو۔ لہذا دربھنگہ کا ملت ٹیکنیکل سکول، پھلواری شریف پٹنہ کا کمپیوٹر اور Pharmaceatical سنٹرس اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ملی کونسل کے زیر اہتمام (جن کے وہ بانی اور سکریٹری جنرل بھی تھے) انہوں نے تعلیمی کارواں بنایا اور یوپی اور بہار، کرناٹک اور حیدرآباد کے دیہی علاقوں کا دورہ کرکے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرایا۔ جب مولانا نے اپنی آبائی بستی جالہ (دربھنگہ) میں ایک ڈگری کالج قائم کیا تو کالج کے لئے ایک بڑے فٹ بال فیلڈ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ان دنوں میں اپنی سسرال (جوکہ مولانا مرحوم کے سسرالی کہے میں ہی ہے) مہدولی گیا ہوا تھا مولانا مجھ سے باتفصیل مختلف زاویے سے کھیل کے میزان کے میدان اور Location پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ مجھے تعجب ہورہا تھا کہ ان کی معلومات اس ضمن میں بھی کتنی وسیع تھی۔ اپنے آر۔کے کالج مدھوبنی کے تدریسی کے درمیان (1982 تا 1985) جب بھی مہدولی آتا اور مولانا مرحوم وہاں تشریف رکھتے مسلمانوں کے تعلیمی امور پر کافی باتیں ہوتیں۔ پھر میں ۱۹۸۶ء میں علی گڑھ آگیا۔ مولانا مرحوم چونکہ یونیورسٹی کے کئی ادارے کے رکن تھے اور وہاں کے عید میلاد النبی کے جلسوں میں بھی اکثر بلائے جاتے، ان سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ 1987ء میں ایک بار وہ علی گڑھ تشریف لائے تو مجھ سے ملنے میرے ڈپارٹمینٹ میں آگئے (ان دنوں وائلڈ الائف ڈپارٹمنٹ پراکٹر آفس کے سامنے سرسید حال کے کارنر میں تھا) میں ان کی اس انکساری سے بہت متاثر ہوا۔ باتوں باتوں میں میں نے ان سے ایک سوال پوچھا جو کہ عین سائنسی تھا۔ بلکہ سائنسی دنیا میں بھی کافی confusing ہے۔ مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ Evolution کی Theory اور اسلامی نقطہ نظر میں تضاد ہے۔ حالانکہ اپنے طالب علموں کو Newodarwanish کے Theory کے نقطہ نظر سے ہی پڑھاتا تھا۔ بہر حال ایک تضاد تھا۔ جو دماغ میں گردش کرتا رہتا تھا۔ مولانا مرحوم کو دیکھ کر یکایک خیال آیا کہ کیوں نہ ان سے وضاحت پوچھی جائے۔ لہذا میں نے ان سے اپنی الجھن ظاہر کی۔ وہ مسکرائے اور بولے کیا Evoluiton یہ کہتی ہے کے بندر ہی حیثیت بدل کر انسان ہوگیا؟'' میں نے کہا کہ نہیں'' وہ تو

اپنے عادت واطوار اور بعض خصوصیات کی بنا پر انسان سے قریب ہے۔ کہنے لگے'' پھر کیا مشکل ہے' اور پھر ایک پورے صفحہ کے کاغذ پر جدول (Table) بنا کر اتنی آسانی سے Evoluiton کی گتھی سلجھائی کے میں حیران رہ گیا۔

مولانا کی ذہانت بلا کی تھی۔ ان سے مخاطب اگر کسی مضمون پر ہلکا جملہ کہتا تو وہ پوری بات سمجھ جاتے تھے اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو بھی آسانی سے بتادیتے تھے۔ علی گڑھ جب بھی آتے تو اپنی مصروفیت کے باوجود میری اہلیہ اور بچوں سے ملنے میرے غریب خانہ پر ضرور تشریف لاتے۔ ان کی کئی تقریروں کو سننے کا شرف مجھے رہا ہے۔ ان کا انداز بیاں بڑا حکیمانہ اور پراثر ہوا کرتا تھا۔ اسٹیڈیم ہال کے احاطہ میں کی گئی سیرت النبی کی ایک تقریر مجھے اب تک یاد ہے جس میں انہوں نے نہایت موثر انداز میں علی گڑھ کے طالب علموں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی امور میں بھی سبقت لے جانے کا پیغام دیا تھا۔

1994ء میں سعودی عرب کے نیشنل کمیشن آف دی لائف ڈیولپمنٹ اور کنزرویشن (NEWCD) سے مجھے وہاں کام کرنے کا آفر آیا۔ میں نے فون پر یہ خبر مولانا کو سنائی تو بے حد خوش ہوئے اور کہا کہ دربھنگہ جاتے ہوئے مجھ سے ملتے جانا۔ میں مقررہ دن پھلواری شریف پٹنہ ملنے گیا تو بے حد خوش ہو کر ملے۔ پھر ہمیشہ کی طرح اندرون خانہ لے گئے۔ پھر مولانا عبدالباری صاحب کو ریاض فون کیا اور میرے وہاں جانے کے پروگرام کو بتا کر مجھے ریاض ایرپورٹ Receive کرنے کو کہا۔ عبدالباری صاحب اور مولانا مرحوم کے دوسرے مداح مولانا عبدالسلام قاسمی صاحب کی شفقت کی وجہ سے مجھے ریاض میں کافی سہولت رہی۔ میرے تین سالہ سعودی عرب کے قیام کے دوران جب بھی مولانا ریاض آئے تو ملاقاتیں ہوتی رہیں اور میں ان کی سبھی نشستوں میں جو کہ ملی کونسل کی فلاح وبہبود کے سلسلے میں ہوا کرتی تھیں، جوق در جوق شریک ہوتا اور مستفیض ہوتا۔ قاضی صاحب مرحوم کی ایسی شمع افروز باتیں اب سننے کو نہ ملینگی یہ سوچ کر دل بیٹھ جاتا ہے۔

ریاض ہی میں میں نے 1997ء میں کینیڈا کے Immigration کے لئے Apply کر دیا تھا جو کہ منظور بھی ہوگیا تھا۔ قاضی صاحب کو احباب نے اس کے متعلق بتایا تو خوش نہیں ہوئے۔ حالانکہ انہیں میرے فیملی کے امریکہ کنکشن کا بخوبی پتہ تھا پھر بھی بولے کیا ضرورت ہے، تم یہاں بھی (یعنی سعودی عرب) اور ہندوستان میں بھی ہر طرح سے اچھے ہو''۔ میں خاموش رہا۔ گوکہ اس کے بعد سے میرا کینیڈا اور امریکہ کے قیام کا سلسلہ جاری ہے مگر مستقل طور پر میں نے ابتک ہندوستان نہیں چھوڑا ہے۔ شاید مولانا مرحوم کا منشا ابھی تک کارفرما ہے۔

جب مولانا کی بیماری نے طول پکڑا اور انہیں علاج کے لئے دہلی برابر جانا پڑا تو میں اکثر علی گڑھ سے دہلی ان سے ملنے چلا جاتا تھا۔ بے حد خوش ہوتے تھے اور بالتفصیل سبھی عزیز واقارب کی خیریت پوچھتے۔ اپنی بیماری اور معذوری کے باوجود اوروں کے قیام وطعام کی فکر کرتے رہتے۔ وہاں ان کی مزاج پرسی کو کبھی کبھی اتنے لوگ آجاتے کہ ایک میلا سا معلوم ہونے لگتا مگر مولانا سب کی تواضع کے لئے اپنے عزیزوں سے کہتے اور ان کے چہرے پر ذرہ برابر بار نہیں ہوتا۔

مولانا مرحوم سے اپنے تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ کے تعلق پر جب غور کرتا ہوں تو سینکڑوں ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جس سے مولانا کے نہایت مدبر اور بصیرت اندوز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مولانا ایک شمع کے مانند تھے جو مسلمانوں کے علمی ومعاشی وسماجی پس ماندیوں کو دور کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں

کے علمی، معاشی، سیاسی، سماجی اور مذہبی امور کا کوئی بھی معاملہ ہوتا وہ بھر پور رہنمائی کرتے اور صحیح بات کہنے اور لکھنے سے کبھی نہیں چوکتے ان کی سیاسی سوجھ بوجھ سے تمام ہندوستان، خاصکر بہار کے مسلمان مستفیض ہوتے رہے۔ قاضی صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو کسی سیاسی جماعت سے ہمیشہ کا الحاق نہیں رکھنا چاہیے اور سیاسی پارٹیوں کو پیر کی جوتی کی طرح سمجھنا چاہیے تا کہ جب ضرورت پڑے بدل لی جائے۔

دو سال قبل رمضان میں وہ مہدولی میں تشریف رکھتے تھے۔ میں ملنے گیا۔ حسب معمول فوراً خلیہ میں بلوایا اور گفتگو ہوتی رہی۔ رات آٹھ بجے کا وقت تھا۔ ایک فون اندور سے آیا۔ کوئی صاحب قاضی صاحب کو بتا رہے تھے کہ وہاں کسی نے یہ کہا ہے کہ اگر زکوۃ کی رقم تبلیغی جماعت کو دی جائے تو آٹھ گنا زیادہ ثواب ہوگا۔ مولانا نے سنکر غصہ سے اٹھ بیٹھے اور ان سے فون پر کہا آپ لوگ اس بات کی تردید کریں اور ڈٹ کر اس کی مخالفت کریں۔ تبلیغی جماعت کوئی چندہ نہیں لیتی اور نہ ہی اس طرح کی زکوۃ دینے میں آٹھ گنا زیادہ ثواب ہے۔ میں نے پہلی بار قاضی صاحب کو اسقدر ناراض ہوتے دیکھا تھا۔ پھر کافی دیر تک مسلمانوں میں موجود اختلافات پر باتیں کرتے رہے اور پریشان ہوگئے ان کی علالت کی وجہ سے مجھے بھی تشویش رہی کہ کہیں ان کی طبیعت اور نہ بگڑ جائے۔

قاضی صاحب اپنے نام کی طرح مرد مجاہد تھے اور کئی سالوں تک اپنے جان لیوا مرض سے جہاد کرتے رہے۔ کیا پتہ تھا کہ آخر ایک دن تھک جائیں گے۔ ان سے میری آخری ملاقات 2000ء میں عید کے دوسرے دن مہدولی میں ان کے رہائش گاہ پر ہوئی تھی۔ کئی احباب تشریف رکھتے تھے اور مولانا حسب معمول لوگوں کے طنز ومزاح سے محظوظ ہو رہے تھے۔ کہنے لگے اب جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں آکر رہ جائیں اور ایسی ہی خوش باش محفل رہا کرے۔'' سبھوں نے کہا کہ یہ تو آپ کا بہت اچھا خیال ہے۔ کیا پتہ تھا کہ مولانا اشارے اشارے میں اپنے دائمی مسکن کا پتہ بتا رہے تھے جہاں ان کے انتقال پر ملال کے بعد انہیں حیات ابدی کی نیند سلا دیا گیا ہے۔ میری بد نصیبی کہ سات سمندر کی دوری کی وجہ سے میں ان کی تربت کی زیارت سے ابتک محروم ہوں۔

مولانا مرحوم کی قوم کی بے لوث خدمت اور محبت کی ان کی زندگی میں پوری پذیرائی ہوئی۔ انتقال کے بعد بھی کفن ودفن تک نہایت اعزاز سے نوازا گیا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور دنیا کی طرح آخرت میں بھی اعلیٰ مقام بخشے۔ آمین ثم آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(اقبال)

وہ سارے دیش کے لیے عظیم تھے

مجھے قاضی صاحب کے انتقال کی خبر سن کر بے حد دکھ ہوا، قاضی صاحب کی زندگی ہم سب کیلئے ایک مثال تھی۔ ان کی شان، ان کی تعلیمات اور مختلف قومی وسماجی جدوجہد ان کی بے لوث تھیں۔ قاضی صاحب کی شخصیت نہ صرف مسلم سماج کے لئے بے حد اہم تھی بلکہ سارے دیش کے لئے وہ عظیم تھے۔ مجھے ان کا تعاون اور مشورہ ہمیشہ ملتا رہا، آج جب وہ نہیں ہیں تو ان کی اہمیت اور زیادہ سمجھ میں آرہی ہے۔

وی پی سنگھ

سابق وزیر اعظم ہند

ایک جامع الصفات شخصیت

حبیب اللہ ندوی
دبئی، یو اے ای

جمعرات ۴؍اپریل بعد نماز عشاء اپنے کمرے میں بیٹھا ہوں، اور تعلیم کے موضوع پر ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہا ہوں کہ جناب سلمان صاحب کا فون آیا، انھوں نے پوچھا مولانا، کوئی اطلاع ملی؟ انداز سوال سنتے ہی دل دھک سے رہ گیا، کلیجہ منہ کو آنے لگا، دل نے آواز لگائی، یا اللہ خیر!

پوچھا کیسی اطلاع؟ رندھے ہوئے گلے سے، گلوگیر آواز میں روتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ حضرت قاضی صاحب نہیں رہے۔ سننا تھا کہ دل بکھر کر رہ گیا، خاموش آنسو بہاتا رہا، پھر ذرا قرار آیا تو احباب کو فون پر اطلاعیں دیتا رہا۔ یہ وہ شخصیت تھی جن سے میرا تعلق ۱۹۷۵ء میں قائم ہوا اور ہنوز استوار رہا، گو میں دور رہتا تھا، مگر ان کی شفقتیں ہمیشہ حاصل رہیں۔ فرمایا کرتے تھے حبیب اللہ بہت سے بچے آئے اور چلے گئے مگر تمہارے دور ہونے کا بڑا احساس رہا۔ یہ میری سعادت ہے کہ مجھے اس جیسی ہستی کے زیر تربیت رہنے کا اور ان کی شفقتوں سے مستفیض ہونے کا موقع حاصل رہا۔ کبھی کبھی سفر و حضر میں میں بھی ساتھ رہا، میں نے بہت قریب سے ان کو دیکھا اور جانا ہے۔ اسی لئے آج اپنے احساسات کو اپنے ٹوٹے ہوئے الفاظ میں آپ کے سامنے رکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

آج ہم جس شخصیت کی وفات حسرت آیات پر اظہار عقیدت و تعزیت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ کوئی غیر معروف شخصیت نہیں تھی۔ خود اس مسجد کے دیوار و در اور منبر و محراب نے بارہا دیسے روح پرور مناظر کا مشاہدہ کیا ہے کہ وہ شخصیت جلوہ فرما ہے۔ اور علم و حکمت کے موتی لٹا رہی ہے۔ لوگ ان کے ارشادات و مواعظ سے مستفید ہو رہے ہیں۔ دینی و ملی مسائل پر لوگ سوال کر رہے ہیں۔ اور وہ علم کا دریا سب کی تشنگی دور کر رہا ہے۔ مگر اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے ازل سے ''کل نفس ذائقة الموت'' یہاں جو آیا ہے، اسے جانا ہے، کسی کو دوام نہیں۔ دوام وثبات تو صرف ذات حی و قیوم کو ہے۔ جانے کو تو سب ہی جاتے ہیں مگر کچھ لوگ اپنے پیچھے ایک خلا چھوڑ جاتے ہیں۔ جن کے جانے کا احساس کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ بہرحال اب وہ ہستی ہم میں نہیں رہی۔ اپنی زندگی گزار کر، اپنے حصہ کا کام کر کے، اپنی ذمہ داریاں نپٹا کر، بہتوں کو روشنی دکھا کر، وہ سورج غروب ہو گیا، وہ شمع بجھ گئی جس سے ہزاروں دلوں میں ان کو جگہ دے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے چلے جانے سے پیدا ہونے والی خلا کو پُر کرے، اور اسلامیان ہند کو انتشار سے محفوظ فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نور ستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

دل دردمند، فکر ارجمند اور زبان ہوش مند کے حامل، اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، صاحب فکر و نظر، جامع الصفات والکمالات، رفتار زمانہ اور تقاضائے وقت سے باخبر، سیاست و قیادت کے نبض شناس، سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل سے نہ صرف آگاہ بلکہ ان کے حل کے لئے ہر وقت فکرمند، اور ان گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ہر وقت کوشاں، گھریلو اختلافات سے لے کر عدالت عظمیٰ تک کے معاملات سے کامیابی کے ساتھ نپٹنے والی شخصیت یہ تھے ہمارے محبّ و محبوب، مخدوم و معظم، ہندوستان کے قابل فخر سپوت اور اسلام کے مایہ ناز فرزند، فقیہ العصر، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، جن کو رحمۃ اللہ علیہ لکھتے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ نور اللہ مرقدہ وطالب ثراہ۔

ضلع دربھنگہ صوبہ بہار کے ایک گاؤں جالے میں، آنکھیں کھولیں، مجاہد الاسلام نام تجویز ہوا، آگے چل کر آسمان علم وتحقیق میں روشن ستارا بن کر چمکے، تیغ و سپر سے تو نہیں، البتہ قرطاس و قلم اور فکر و نظر سے اسلام اور مسلمانان ہند کے لئے تاحیات جہاد کرتے رہے۔ اور فی معنی الکلمہ مجاہد الاسلام ثابت ہوئے۔ آپ نے ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت

کے بعد علمی زندگی کی شروعات جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی فرائض کی انجام دہی سے کی، اس جامعہ کے سرپرست امارت شرعیہ کے چوتھے امیر مولانا منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ تھے۔ ان کی جوہر شناس نظر نے اس گوہر آبدار کو پہچانا اور فیصلہ کیا کہ امارت شرعیہ میں اس وقت کے قاضی جناب امجد حسین صاحب کے بعد ان کی مسند کو سنبھالنے کے لئے اگر کوئی موزوں ہے تو یہی ہے۔ چنانچہ ان کو امارت شرعیہ پھلواری شریف لے گئے، اور پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ انھوں نے اس ہیرے کو صحیح جگہ جڑ دیا تھا۔

قاضی امجد حسین صاحب کا نام آیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی کچھ بتاتا چلوں جب امارت شرعیہ بہار واڑیسہ قائم ہوئی تو مولانا سجاد صاحبؒ بانی امارت نے ان کو اس دارالقضاء کا پہلا قاضی متعین کیا، یہ وہ شخصیت تھی جنھوں نے امارت شرعیہ میں قضا کے نظام کو مرتب کیا۔ اس کے اصول وضوابط، وقواعد اور طریقہ کار متعین کئے، انھوں نے اپنی مجتہدانہ نظر سے کئی ایک معاملات میں عقل ونقل کی روشنی میں دیگر مسلک فقہ کو اختیار کیا اور فیصلے کئے، ان کی وفات کے بعد مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب قاضی متعین ہوئے اس وقت تک امارت شرعیہ صرف خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف تک محدود تھی، ان اصحاب ثلاثہ یعنی مولانا منت اللہ صاحب امیر شریعت، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب قاضی شریعت اور مولانا سید نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ نے امارت کو نہ صرف خانقاہی دائرہ سے باہر نکالا بلکہ اس کے جمود کو توڑا اور پورے بہار واڑیسہ میں شرعی عدالتوں اور دفاتر کا جال بچھا دیا۔ ادھر جب مسلم پرسنل لابورڈ کی تشکیل ہوئی تو ضرورت محسوس کی گئی کہ دارالقضاء کے اس فعال نظام کو ہندوستان گیر پیمانہ پر پھیلایا جائے، چنانچہ بہت سے صوبوں اور شہروں میں شرعی عدالتیں قائم ہوئیں، ان کے لئے قاضیوں کی تربیت کا کام مولانا علیہ الرحمہ کے زیر نگرانی پھلواری شریف میں ہوتا رہا۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی پوری توجہ ہندی مسلمانوں کے معاملات ومسائل کی طرف کر رکھی تھی، ان کی سیاسی بصیرت نے ملی کونسل کی تشکیل کی اور مسلمانوں کو آواز دی کہ لوگو! آؤ اور صرف کلمہ کی بنیاد پر متحد ہو جاؤ، ان کی فقہی فکر ونظر نے اجتماعی اجتہاد اور متفقہ فتووں کے لئے آل انڈیا فقہ اکیڈمی قائم کی، ملک کے مختلف شہروں اور اداروں میں فقہی سیمینار ہوئے اور وقت کے اہم موضوعات (برننگ ٹاپکس) پر بحث ومباحثہ کے بعد اتفاقی فیصلے اور فتوے صادر ہوئے، مسلمانوں کی تعلیمی ومعاشی اصلاح کے لئے ایک طرف وفاق مدارس بنایا تو دوسری طرف اسکول وکالج اور ٹیکنیکل ادارے قائم کئے، اسپتال اور دوا خانے جاری کرائے، معاشرتی مسائل کے حل کے لئے اسلامی عدالت کی جال بچھادی، مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر ہوئے تو اس میں زندگی دوڑا دی، اپنی مسلسل علالت اور بے انتہا کمزوری کے باوجود انھوں نے اپنے آپ کو ملت کے لئے وقف کر رکھا، نہ جلسے جلوس کی سرگرمیاں کم کیں اور نہ دیگر کسی قسم کی مصروفیات کو روکا، بلکہ آخر عمر میں تو تصنیف وتالیف کی طرف کلی توجہ کر رکھی تھی، بستر پر لیٹے ہیں سانس کے لئے آکسیجن لگا ہوا ہے اور اسی حال میں املا کرا رہے ہیں۔ ملت کو ایسی ایسی نادر کتابیں دے گئے جن کی نظیر نہیں، زندگی کے آخری لمحہ تک جب تک کہ دل ودماغ نے کام کیا علمی وفکری مشغولیت جاری رہی اور ملی وقومی مسائل سے نپٹتے رہے۔ گویا یہ احساس کام کر رہا تھا۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے، ساغر چلے

اپنی اس بے حد مصروف زندگی میں، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر، چیف قاضی، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر، آل انڈیا فقہ اکیڈمی، ملی کونسل ومجلس قضاء کے بانی وسکریٹری جنرل کے علاوہ ہندو بیرون ہند درجنوں اکیڈمیوں، انجمنوں، اداروں کے کہیں رکن تاسیسی، کہیں رکن اختصاصی، کہیں نگراں تو کہیں ڈائرکٹر، کہیں مشیر تو کہیں سرپرست کے عہدوں پر فائز رہ کر خدمات انجام دیتے رہے۔ بیسیوں علمی وفقہی کتابوں کے مصنف، سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر کے چیف ایڈیٹر، اور ماہنامہ ملی اتحاد کے نگراں اعلیٰ تھے۔ ان کا پیغام امت مسلمہ ہندیہ کے نام۔ حدیث نبوی "من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فھو منا" کے فرمان کے مطابق مسلمانوں کو صرف کلمہ کی بنیاد پر متحد ومتفق کرنا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا دشمن یہ نہیں دیکھتا کہ تم سنی ہو کہ شیعہ، مقلد ہو کہ غیر مقلد تم کس مسلک سے تعلق رکھتے ہو اور کون

سے عقائد رکھتے ہو، وہ تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ تم لا الہ الا اللہ کے اقرار کرنے والے اور محمد رسول اللہ کے ماننے والے ہو۔ چنانچہ وہ ساری تنظیموں اور جماعتوں اور مذہبی گروہوں کو ساتھ لے کر ایک کارواں کی شکل میں چلنا چاہتے تھے، ان کے اخلاص وللٰہیت ہی کا اثر ہے کہ ان کے کارواں میں بوہروں کے سیدنا بھی ساتھ ہیں اور شیعوں کے مجتہد بھی ہم جلوہ، ندوی دیوبندی اہل حدیث، ملا ومسٹر ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر، کشاں کشاں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ خدا رحمت کرے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں جی ہاں۔ خوبیاں تو بہت ہیں، جن کے احاطے کے لئے وقت بھی چاہیے اور ہمت بھی اور دونوں کی کمی ہے۔ ان کی دور اندیشی ودور بینی، ان کی معاملہ فہمی، ان کی مرنجا مرنج شخصیت ان کی سادگی وبے نفسی، حق کے لئے بے لچک موقف، ہر مزاج کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کا ملکہ، پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات کو سلجھا دینے کی صلاحیت، علم ودانائی میں گہرائی وگیرائی، سب سے بڑھ کر امت کے لئے درد وتڑپ، دینی، معاشی، معاشرتی، اصلاح کا جذبہ، غرض کون سی خوبی نہیں تھی ان کی ذات کے اندر۔

ان کی خوبیوں ہی کی طرح ان کی خدمات بھی بہت ہیں۔ سب سے پہلے دار القضاء کا نام آتا ہے۔ نفاذ دین وشریعت کی عملی شکل، اس کے ذریعہ ہزاروں مظلوموں اور خاص طور پر عورتوں کو ان کے حقوق دلوائے، ہزاروں معاملات سلجھائے۔ شاید بہت سے لوگوں کے لئے یہ اطلاع نئی ہو کہ ایک زمانہ میں بہت سے فوجداری کیس بھی دار القضاء سے فیصل ہوئے ہیں اور دست وخون بہا تک دلوایا گیا ہے۔

دوسرے نمبر پر ان کی تصنیفات کا نمبر آتا ہے جس کی تعداد ۳۵ر۴۰ تک پہونچتی ہے۔ ان میں بعض اسلامی کتب خانہ میں بے مثل اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کتابیں علم قضاء، اسلامی نظام عدالت، احکامات وفتاوے، اسلامی معاشیات ومعاشرت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں کئی ایک عالم عرب میں آب وتاب سے شائع ہوئی ہیں۔

فقہی سیمناروں کے ذریعہ انھوں نے اجتماعی اجتہاد کے طریقہ کو زندہ کیا اور جمود کو توڑا۔ یہ وہی طریقہ ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رائج تھا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ امام صاحب کی مجلس میں علماء ومجتہدین کی ایک بڑی جماعت بیٹھی تھی اور غور وفکر، بحث ومباحثہ کے بعد راجح یا متفقہ رائے کو فتویٰ قرار دیا جاتا تھا۔ اس فیصلہ پر اگر کسی کا اختلاف ہوتا تھا تو یہ نوٹ کر لیا جاتا تھا۔ ان کے شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر کے جو اختلافات، فقہ کی کتابوں میں منقول ہیں۔ غالباً وہ اسی موقع کے اختلافات ہیں۔ یہی شکل قاضی صاحب نے اختیار کیا، اور وقت کے کتنے ہی اہم موضوعات پر سیمینار کر کے حقیقی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اتفاقی فیصلہ یا کم از کم اکثریتی فیصلہ کو فتویٰ قرار دیا۔

ان کے کارناموں میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جنوبی افریقہ کا ملک جب آزاد ہوا، تو وہاں کی آزاد حکومت نے مسلمانوں کے پرسنل لا نافذ کرنے کی منظوری دیتے ہوئے مسلمانوں سے کہا کہ اس کی ترتیب وتدوین کر کے حکومت کو داخل کریں تاکہ وزارت قانون سے منظور کرا کر اس کو قانونی شکل دے دی جائے اور نافذ کیا جائے۔ اس کام کیلئے وہاں کے مسلمانوں نے قاضی صاحب کی طرف سے نگاہ امید اٹھائی، قاضی صاحب نے اس غرض کے لئے وہاں کے کئی سفر کئے، کام کے لئے ترتیب بنائی۔ علماء وماہرین قانون کی کمیٹی بنا کر ان کی اصولی رہنمائی کی۔ ہفتوں وہاں رہ کر ان کاموں کا جائزہ لیا۔ یہ پتہ نہیں کہ منظوری وتنفیذ کا معاملہ کہاں تک پہونچا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ان کی صلاحیت وصلوحیت، ان کی گہرائی وگیرائی، اور ان کی اجتہادی فکر وبصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مکہ کی فقہ اسلامی اکیڈمی، جدہ کی انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی نے رکن اختصاص (یعنی اسپیشلسٹ ممبر) بنائے گئے اور تاحیات رکن رہے۔

اور اب ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ایک وسیع خلا پیدا ہو گیا ہو، ایک بیکراں سناٹا، دور تک کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو صحیح معنوں میں اور مکمل طور پر، ان کی ہمہ جہتی شخصیت کا جانشین ثابت ہو سکے کیونکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اور انجمن سونی پڑی ہے۔

نہیں بھولے گا تیرے غم کا فسانہ برسوں
جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

☆☆☆

ایک عظیم ہستی

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

مرغوب احمد لاجپوری
ڈیوزبری، انگلینڈ

اس وقت عالم اسلام میں دوراندیش، وقت شناس اور فقہی بصیرت کے حامل جو علماء اور فضلاء محدود تعداد میں موجود ہیں ان میں ایک اہم نام حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کا بھی تھا، افسوس ایک طویل علالت کے بعد آپ اس دار فانی سے رخصت ہوگئے، مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے عظیم ترین فضلاء اور حضرت اقدس مدنیؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، بہار کی مردم خیز سرزمین جس نے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، جیسے اساطین علم اور مفکرین پیدا کئے، قاضی صاحب کا تعلق بھی اسی سرزمین بہار سے تھا۔

یہ تو یاد نہیں کہ قاضی صاحب کا نام کب سنا اور پہلی زیارت کب ہوئی، مگر برطانیہ آنے کے بعد جب اللہ کی توفیق سے کچھ کتابوں اور رسائل کی ورق گردانی کا موقع ملا تو نظر ''بحث ونظر'' سہ ماہی مجلہ پر پڑی، اس وقت قاضی صاحب کی علمی اور فقہی شخصیت کا تأثر دل میں جم گیا، اور وہ ایسا جما کہ آپ کے خلاف بعض تحریرات پڑھ کر بھی اس میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ بلکہ قاضی صاحب سے ملاقات، اور مختلف علمی سوالات، اور آپ کی مجلس میں شرکت کے بعد تو اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا، یقیناً اس وقت آپ کی ذات فقہ وفتوی، اور جدید مسائل، اور نت نئے پیش آمدہ امور کے حل کے لئے لاثانی تھی، افسوس آپ کی وفات سے ایک زبردست علمی خلا پیدا ہوگیا، جس کی تلافی محال وناممکن نہ ہو تو مشکل سے مشکل تر ضرور ہے۔

برطانیہ میں آپ کی آمد چونکہ ڈیوزبری مولانا محمد یعقوب صاحب کاوی مدظلہ کے یہاں ہوتی اس لئے مجھے برابر آپ سے ملاقات اور ساتھ رہنے کا موقع ملتا، جب بھی آپ کا قیام ڈیوزبری میں ہوتا میں برابر استفادہ کا موقع تلاش کرتا رہتا، اور اکثر آپ کے پاس بیٹھ کر فقہی سوالات کرتا رہتا، ایک دفعہ میں ایک سوال کر دیا میں نے ایک دفعہ چند جدید فقہی سوالات کئے بس اتنا سنتے ہی مکمل میری طرف متوجہ ہوگئے اور فرمایا اب خوراک ملی، مجلس میں کوئی فقہی سوالات نہ ہوں مسائل پر گفتگو نہ ہو وہ مجلس کیا ہے، جزاک اللہ تو نے نشاط پیدا کردیا، اتنی حوصلہ افزائی کے بعد کہا بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا ہمارے یہاں برطانیہ میں بعض علاقہ کے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ وہ حضرات اپنی میت کو یہاں دفناتے نہیں بلکہ اپنے ملک لے جاتے ہیں، تو ایسا کرنا شرعا کیسا ہے؟ فرمایا احادیث وآثار اور فقہاء کی تصریحات سے اتنا تو ملے ہے کہ میت کی منتقلی مکروہ ہے، اور فقہاءؒ نے اس کی حدود بیان کی ہیں، مگر آج کی حالت میں عامۃ دیہات وقصبات میں ہسپتال کا مکمل نظام نہیں ہوتا اس لئے مریض کو شہر لے جایا جاتا ہے، اب وہاں وفات ہوگئی تو اپنے گاؤں تک لے جانا جائز ہے اس میں اتنی قباحت نہیں، اور اسی میں آسانی ہے، ورنہ کیسے آپ فتوی دیں گے اس کو شہر ہی میں دفنادو، جب کہ سارے اہل خاندان اپنے گاؤں میں ہیں کیا ان سب کو شہر میں لا جائے گا، اس لئے اتنی شدت کرنا کہ وہیں دفنادو یہ شریعت اسلامیہ کے مزاج اور عقل سے بعید ہے، البتہ آپ کے یہاں جو رواج ہے کہ یہاں سے اپنے ملک میت کو لے جایا جاتا ہے اس میں کئی قباحتیں ہیں، اور یہ شریعت کی منشاء کے خلاف اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق نامناسب اور ناروا عمل ہے، اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا حضرت جھینگا کے بارے

میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا یہ سوال کیوں کیا؟ میں نے کہا اس لئے کہ حلت وحرمت دونوں طرف ہمارے اکابر ہیں، کہنے لگے ان حضرات کے نام بتاسکتا ہے؟ میں نے کہا حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنویؒ، حضرت حکیم الامتؒ، حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، مفتی عبدالسلام صاحب چاٹگامی مدظلہ، مفتی گجرات مفتی اسماعیل بسم اللہؒ، مفتی شبیر صاحب مرادآبادی مدظلہ، وغیرہ حضرات تو اس کی حلت کے قائل ہیں، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، وغیرہ حضرات حرمت کے قائل ہیں، فرمایا جب دونوں طرف بڑے ہیں تو حلت میں شدت نہ حرمت میں۔

قاضی صاحب وسیع المطالعہ عالم تھے، خصوصاً فقہ اور اصول فقہ پر بڑی گہری نظر تھی، میں قاضی صاحب کے ساتھ باٹلی میں مقیم میرے رفیق مفتی یوسف ساچا صاحب کے مکان پر گیا، مولانا کا کتب خانہ قابل دید ہے، برطانیہ میں کسی عالم کے ذاتی کتب خانے میں شاید ہی اتنی کتابیں ہوں گی جتنی مفتی ساچا صاحب کے پاس ہیں، قاضی صاحب اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور پوچھا اصول فقہ کی کتابیں کہاں ہیں؟ مفتی صاحب نے اس جگہ کی نشاندہی کی قاضی صاحب ایک ایک کو دیکھتے گئے اور کہنے لگے ان میں کوئی بھی ایسی نہیں جس کا میں نے مطالعہ نہ کیا ہو، پھر مجھے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے مجھے ایسے مطالعہ پر لگایا کہ ایک کمرہ میں بند کر کے باہر سے تالا لگادیا جاتا میں اکیلا اس میں گھنٹوں بیٹھ کر کام کرتا رہتا، کوئی ضرورت ہوتی تو دستک دیتا باہر سے دروازہ کھولا جاتا۔

مولانا کی جس صفت سے میں بہت زیادہ متأثر ہوا وہ اصاغر کی حوصلہ افزائی تھی، اپنے سے چھوٹوں کو آگے بڑھانا، معمولی کام بھی چھوٹوں میں دیکھتے اس کی تعریف کرتے اس کو خوب سراہتے، مولانا یعقوب صاحب کاوی مدظلہ نے میرا تعارف کرایا کہ یہ حضرت مفتی مرغوبؒ احمد صاحب لاجپوری جورنگون کے مفتی اعظم کے منصب پر برسوں خدمت انجام دیتے رہیں کا پوتا ہے اور اپنے دادا جان کے فتاویٰ جورنگون میں تھے اسے لایا ہے اور اس کی ترتیب دے رہا ہے بس فقہ سے میری اتنی مشغولیت دیکھ کر بڑے حوصلہ افزا کلمات فرمائے اور کہا وہ فتاویٰ دکھاؤ میں نے کہا میں تو چاہتا تھا آپ اس پر تقریظ تحریر فرمادیں، فرمایا ضرور چنانچہ رات کو میں نے ''مرغوب الفتاویٰ'' کا مسودہ دیا صبح گیا تو فرمایا میں نے کافی حصہ رات کو دیکھا اور تقریظ تحریر فرمادی، اس میں میرے نام کے ساتھ لکھا مفتی مرغوب، میں نے کہا حضرت میں نے افتاء نہیں کیا اس لئے آپ مفتی نہ لکھیں، فرمایا میں تجھے مفتی کی سند دیتا ہوں اور یہ بھی تاکید کرتا ہوں کہ میری تحریر کو کاٹنے کی اجازت نہیں، (اس سے کوئی یہ تأثر نہ لے مجھے اپنے نام کے ساتھ مفتی لگانے کا شوق ہے، الحمدللہ میں تو مولوی لکھنا بھی پسند نہیں کرتا، صرف قاضی صاحبؒ کی صفت بیان کرنا مقصود ہے) اس کے بعد سے مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے، آخری مرتبہ جب برطانیہ تشریف لائے تو کئی اکابر کی موجودگی میں مجھے سامنے بلایا اپنے پاس کرسی پر بٹھایا اور کہا کہ تجھے یہاں کہیں نہیں جانا ہے قلم اور کاغذ اپنے پاس رکھ اور جوبات یہاں ہو اسے نوٹ کرتا رہ۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا نواں فقہی سیمینار بمقام جامعۃ الہدایہ جے پور اکتوبر ۱۹۹۶ء میں منعقد ہوا، اس میں راقم کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، قاضی صاحبؒ نے اس سے پہلے دو مرتبہ راقم کو حکم دیا تھا کہ میں ہند کے فقہی سیمینار میں شریک ہوں، اب کی مرتبہ ارادہ کیا اور حاضر ہوا، جیسے قاضی صاحب سے ملاقات کے لئے گیا اس وقت مجلس میں بیس سے زائد علماء کی موجودگی میں قاضی صاحب نے اول تو کھڑے ہوکر معانقہ ومصافحہ فرمایا، پھر مجمع سے میرا اس طرح تعارف کرایا کہ ''یہ میرے دوست مفتی مرغوب احمد صاحب ہیں، ڈیوزبری میں مقیم ہیں'' اور چند جملے اس قسم کے فرمائے کہ میری خجالت وشرمندگی کی انتہاء نہ رہی، یہاں اس کی بات صراحت بھی نامناسب نہیں کہ بڑوں کی اس حوصلہ افزائی سے اپنی حقیقت بھولنی نہیں چاہیے، افسوس اب ہمارے بڑوں میں یہ صفت تقریباً مفقود ہوتی جارہی ہے کہ اصاغر کی حوصلہ افزائی کرے، بلکہ اب تو حوصلہ شکنی نہ ہو تو بھی بسا غنیمت۔

قاضی صاحبؒ کی سادگی بھی عجیب وغریب اور اہل علم کے لئے قابل اتباع تھی، وسعت مطالعہ اور علم وتحقیق کے جس بلند مقام پر

آپ فائز تھے اس کے باوجود لباس، رہن چلن، کھانے پینے وغیرہ میں اس قدر سادگی کہ پہنچانا مشکل ہوتا کہ یہ قاضی صاحب ہوں گے، باٹلی (برطانیہ کا ایک قصبہ) میں ایک دفعہ قاضی صاحب بیان کے لئے کرسی پر بیٹھے تو ایک اہل علم کہنے لگے کہ یہ کون آ گیا ہم تو قاضی صاحب کا بیان سننے آئے ہیں، میں نے کہا یہ قاضی صاحب ہی ہیں وہ حیران ہو گئے اور ان کے لئے ماننا مشکل ہو گیا۔

امارت شرعیہ اور قاضی صاحب کی خدمات

امارت شرعیہ کا قیام مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے ہاتھوں ۱۹۲۱ء میں عمل میں آیا، اور اس نے اسی وقت سے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، امارت شرعیہ نے تعلیم وتعلم، دعوت وتبلیغ، تحفظ وتنظیم مسلمین، افتاء وقضاء اور بیت المال وغیرہ شعبہ جات میں اس طرح منظم ومستحکم طریقہ سے خدمت انجام دی کہ اس کی مثال کسی اور ملک حتی کہ اسلامی ملکوں میں بھی بمشکل ملے گی، شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں جب قاضی صاحب امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے حکم پر امارت شرعیہ حاضر ہوئے، یہ وہ وقت تھا کہ امارت کا حلقہ اثر محدود تر تھا، دفتر میں سامان راحت واسباب ضرورت بھی مفقود، مالی اعتبار سے امارت شرعیہ آخری انحطاط کو پہونچ چکی تھی، نہ نقل نویسوں کو اجرت دینے کی صلاحیت بلکہ کاغذ اور روشنائی خریدنے تک کے پیسے کا انتظام نہ تھا، ایسے حالات میں آپ نے دفتر میں چار بجے شام سے صبح نو بجے تک تنہا رہ کر جو خدمات انجام دیں وہ آپ کی زندگی کا قابل تقلید وقابل رشک کارنامہ ہے، یہاں آپ کو تین بیش قیمت خزانے بہت فرسودہ حالت میں ملے، ایک تو فائلوں کا وہ ڈھیر جس میں بزرگوں نے مختلف ملی اجتماعی امور پر احکام لکھے ہوئے تھے، دوسرے دارالقضاء سے فیصل ہونے والے مقدمات کی نقلیں، اور تیسرے فتاویٰ امارت شرعیہ کا عظیم الشان ذخیرہ، اس عظیم علمی خزانہ کی حفاظت ودرستگی اور اس سے استفادہ میں آپ نے سترہ سترہ گھنٹے قربان کئے، امارت شرعیہ کے مختلف شعبہ جات کی فائلوں سے آپ نے بہت کچھ سیکھا، فتاویٰ اور قضایا سے بہت کچھ استفادہ کیا، اس کے ساتھ آپ نے امارت کے تعارف کے لئے قصبہ قصبہ شہر شہر کا سفر کیا اور عوام وخواص میں اس کی اہمیت کے لئے جدوجہد فرمائی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امارت شرعیہ کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی اور تمام شعبوں میں استحکام ومضبوطی پیدا ہوئی، مقدمات کے لئے دارالقضاء میں رجوع بڑھنے لگا اور سوالات کی کثرت سے دارالافتاء کو مرجعیت حاصل ہوئی، بیت المال کے شعبہ میں پختگی کی طرف بھی آپ نے توجہ فرمائی، آپ کے دور زریں میں امارت شرعیہ میں کچھ نئے مثلاً "المعہد العالی"، "ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ" اور "دارالعلوم" جیسے اہم گوشوں کا اضافہ ہوا، "فتاویٰ امارت شرعیہ" کی جو جلدیں بھی آپ کی تحقیق وترتیب سے مزین ہو کر شائع ہوئیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ اور قاضی صاحب کی خدمات

مسلم پرسنل لا مسلمانان ہند کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے، بلکہ اس سے ان کا ملی اور مذہبی بقا متعلق ہے، ۱۹۷۲ء میں پارلیمنٹ کے اندر لے پالک بل پیش کیا گیا، جس میں گود لئے بچے کو حقیقی اولاد کا درجہ دے کر گود لینے والے مرد وعورت کا وارث اسے بنایا گیا تھا، اور اس قانون کو ملک کے تمام شہریوں پر نافذ کیا جانا تھا، مسلمانوں پر اس قانون کا نفاذ ان کے پرسنل لا میں صریح مداخلت تھی، اس سے مسلمانوں کے متعدد شرعی قوانین متاثر ہوتے تھے، اس قانون کے خلاف ملک کے اکابر علماء ودانشوروں نے پرزور احتجاج کیا، اور ہندوستان میں اسلامی شریعت کے تحفظ کے لئے ایک متحدہ اور مضبوط پلیٹ فارم قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں علماء اور قائدین کا ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا، جس میں مسلم پرسنل لا کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا، مسلم پرسنل لا کے جملہ پہلوؤں کا خاکہ مرتب کرنے اور ان نکات کو متعین کرنے کے لئے جو مسلم پرسنل لا کے مخالفین کا خاص ہدف ہیں تمام اکابرین کی نظر انتخاب قاضی صاحب ہی پر پڑی، آپ نے ایک ماہ دارالعلوم میں قیام کر کے اس کام کو بحسب وخوبی مکمل کیا، پھر ۲۷-۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء مہاراشٹر کالج بمبئی میں جو تاریخی جلسہ ہوا اس کی مثال ملنی مشکل ہے، جس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی، اس میں باتفاق رائے حضرت قاری صاحبؒ کو صدر اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا قاضی صاحب نے اس جلسہ کی

تیاری اور کامیابی میں غیر معمولی جدوجہد فرمائی اور بے مثال خدمت انجام دی، اور شروع ہی سے آپ بورڈ کے رکن تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن رکین رہے، بورڈ کی مجلس شوریٰ میں نہ یہ کہ آپ کی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا بلکہ اسے حرف آخر سمجھا جاتا۔

احمد آباد میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا بارہواں عظیم اور تاریخی اجلاس جو بقول مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ''ظاہراً وباطناً بورڈ کے کامیاب ترین اجلاسوں میں یا اس کا کامیاب ترین اجلاس تھا'' اس میں بھی قاضی صاحبؒ کی پرجوش محنت اور مخلصانہ سعی کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس اجلاس میں بورڈ کی صدارت کے لئے حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ کی معذرت پر قاضی صاحبؒ نے حضرت ہی کے ایک جملے کا حوالہ دے کر کہ ''جب دریا میں طوفان ہو اور کشتی بھنور میں ہو تو کشتی کا ملاح نہیں بدلا جاتا'' حضرت ہی کا نام پیش کر دیا اور وہ باتفاق آراء منظور ہوا، اس واقعہ سے قاضی صاحبؒ کی رائے کی وقعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ سے اس گہری وابستگی اور شروع ہی سے اس میں دل چسپی اور اپنی غیر معمولی صلاحیت اور رقابیت کی وجہ سے جب بورڈ کے صدر ثانی حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی وفات کے بعد تمام ارکان کی نظر انتخاب اس باوقار اور مسلمانان ہند کے متفق علیہ ادارہ کی قیادت وسیادت کے لئے جب کہ تحفظ شریعت سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر تشویش واضطراب طاری تھا، اور کچھ اخبارات وافراد کی طرف سے ایسے اشارات مل رہے تھے بورڈ کا شیرازہ اختلاف کی نظر ہو کر منتشر ہو جائے، آپ پر پڑی اور ۲۳ر اپریل کو ملت اسلامیہ کی سبھی جماعتوں اور مسالک کے ذمہ داروں نے اتفاق رائے سے آپ کو بورڈ کا صدر منتخب فرمایا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم پرسنل لا کیا ہے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی کیا اہمیت ہے؟ ملک کے دستور آئین میں اس کا کیا مقام ہے؟ اور اسلام کے عائلی قوانین کس قدر مصلحت پر مبنی ہیں؟ اور کس خوبی اور اعتدال کے ساتھ انسان کی سماجی ضرورت کو پورا کرتے ہیں؟ اس سے عوام تو عوام خواص تک ناواقف ہیں، اس کیلئے قاضی صاحب کا رسالہ ''مسلم پرسنل لا کا مسئلہ تعارف وتجزیہ'' کا مطالعہ ہر اہل علم کو ضرور کرنا چاہیے، اس میں آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس اہم موضوع کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اس رسالہ میں آپ نے مسلم پرسنل لا کو سمجھنے کے لئے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، (۱) مسلم پرسنل لا کیا ہے؟ (۲) مسلم پرسنل لا اسلامی نقطۂ نظر سے کیا اہمیت رکھتا ہے؟، (۳) مسلم پرسنل لا کو کیا خطرات درپیش ہیں؟، (۴) اس کے تحفظ کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ پھر ان چاروں موضوعات کی تفصیلی اور مکمل وضاحت کی ہیں، اس رسالہ سے مسلم پرسنل لا کا سمجھنا آسان ہو جائے گا، یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے، اور ''بحث ونظر'' کے شمارہ جولائی رستمبر ۲۰۰۰ء مطابق ربیع الثانی رجمادی الثانی ۱۴۲۱ھ میں بھی شائع کیا گیا ہے۔

مسلم پرسنل لا کی صدارت کے بعد آپ نے بورڈ کو مزید فعال اور اس کے کردار کو عمدہ سے عمدہ تر بنانے کی طرف بھی توجہ کی، مرکز میں جدید آلات کے ساتھ ضروری اور کارآمد کتابوں کی لائبریری کے قیام کا بھی نظم کیا۔

''مجموعہ قوانین اسلامی'' کی اشاعت

آپ کے دور امارت میں وقت کی اہم ضرورت پر مشتمل کتاب ''مجموعہ قوانین اسلامی'' معیاری طباعت اور کتابت، خوشنما ومضبوط جلد سے مزین کر کے شائع کی گئی، یہ کتاب مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اپنی نگرانی میں چند ایسے ممتاز علماء دین سے جن کی اسلامی فقہ پر گہری نظر تھی تیار کرائی، ۱۹۳۷ء میں مسلم علماء اور ماہرین قانون کی کوشش سے پارلیمنٹ میں شریعت ایکٹ پاس ہوا، جس میں صراحت کی گئی کہ پرسنل لا سے متعلق مقدمات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو جج اس بات کا پابند ہوگا کہ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے، مگر وکلاء، اور ججوں کے سامنے قانون سے متعلق کوئی ایسی جامع اور آسان کتاب نہیں تھی کہ جس کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاسکے، اس شدید ترین ضرورت کا احساس علماء اور ماہرین قانون کو ایک مدت سے تھا ہی کہ شاہ بانو کیس کے فیصلہ کے بعد حکومت کے اعلیٰ ترین ذمہ داروں کی طرف سے بھی یہ درخواست کی گئی کہ اسلام کے عائلی قوانین کو مرتب کیا جانا چاہیے اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ایک مستند مجموعہ مرتب ہو، تاکہ ججوں کو فیصلہ کے وقت استفادہ کا موقع مل سکے، یہ

مجموعہ بڑی حد تک حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی حیات میں تیار ہو چکا تھا مگر اشاعت نہ ہو سکی تھی، قاضی صاحبؒ کی مسلسل کوشش اور دلچسپی سے یہ مجموعہ شائع ہوا، اور ایک بہت بڑا کام یہ بھی ہو گیا کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی اہتمام سے بورڈ کی طرف سے منظر عام پر آ گیا۔

حق تعالیٰ نے قاضی صاحبؒ کو تقریر و تحریر کی قابل رشک دولت سے نوازا تھا، تحریر میں غضب کی روانی، ادبی چاشنی، قرآن و حدیث کے ٹھوس دلائل، موقع بموقع اردو عربی اشعار، امثال و عبر کے ساتھ دردِ دلی ناظرین کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی، آپ کی تصنیفات اور بحث و نظر کے اداریے جن کی نظر سے گزرے ہیں وہ آپ کی تحریری غیر معمولی قوت سے بخوبی واقف ہوں گے۔

میدان خطابت کے تو آپ شہنشاہ کہے جاسکتے ہیں، بروقت مجمع کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق **کلموا الناس علی قدر عقولهم** کو سامنے رکھ کر اس انداز میں خطاب فرماتے کہ مجمع عش عش کرتا رہ جاتا، اور اس میں ذرا بھی بناوٹ اور تکلف نہ ہوتا، قصہ کہانی کے بجائے ضرورت کے مطابق قرآن و حدیث اور صحابہ کرامؓ کے اقوال آثار سے زمانہ کے تقاضوں کو سمجھاتے، ارباب علم و ارباب افتاء، دینی جامعات کے فضلاء علوم کے ماہرین، مختلف اقوام کے مرد و خواتین، اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مجمع سے خطاب میں یقیناً آپ ملک کے معدود چند خطباء میں سے ایک تھے، چونکہ آپ نہ صرف یہ کہ علمی میں گہرائی و گیرائی کے حامل تھے، بلکہ زمانہ شناسی اور وقت کی نباضی کی صفت سے بھی متصف تھے، راقم کو کئی مرتبہ آپ کے بیانات سننے کا موقع ملا اور یہ محسوس ہوا کہ مختلف الفکر اور مختلف المذاق مجمع سے خود ان کی زبان میں مؤثر اور سننے والے کو مطمئن کر سکے قاضی صاحب سے بڑھ کر موزوں شخصیت خال خال ہی ہوگی، حسن خطابت کے ساتھ حق گوئی میں بھی آپ فرد فرید تھے، اور کلمہ حق بھی سلیقہ اور ایسے طریقہ سے کہ جو اسلامی طرز سے میل کھائے، ایک وعظ میں فرمایا:

''کلمۂ حق کے اظہار کا سلیقہ کیا ہونا چاہیے یہ ہم نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے سیکھا، ہمارے دوستوں نے جرأت کا مطلب کچھ اور سمجھا ہے، سخت سے سخت بات میٹھے سے میٹھے لہجہ میں کہی جائے یہ نہایت مشکل ترین بات ہے، جرأت کا مطلب اظہار حق ضرور ہے جرأت کا مطلب کسی کی توہین نہیں ہے'' قاضی صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے اظہار حق کے اس طریقہ حکمت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، بغیر کسی خوف اور ملامت کے کڑوی سے کڑوی بات کہہ دیا کرتے تھے، ارباب حکومت تک کے سامنے بلا جھجک دوٹوک بات کہہ دی، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر منتخب ہونے کے بعد بنگلور کے اجلاس میں آپ نے جس ایمانی جرأت اور یقینی کیفیت سے خطبہ صدارت دیا وہ آپ کی جرأت رندانہ کا بین ثبوت ہے، اور تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

''صنوان القضاء'' پر تحقیق کا عظیم کارنامہ

علم قضاء فقہ اسلامی کا ایک اہم شعبہ ہے، اس فن پر امام ابو یوسفؒ نے ''ادب القاضی'' کے نام سے پہلی کتاب تصنیف فرمائی، پھر اس موضوع پر بیسیوں کتابیں فقہاء امت نے لکھیں ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' یہ قاضی عمادالدین محمد اشنورقانیؒ (م ۱۴ر ذی الحجہ ۶۴۶ھ) کی تصنیف ہے، جو ساتویں صدی ہجری کے وسط میں تصنیف ہوئی، اس میں مصنفؒ نے فقہ حنفی کے اولین مراجع کو پیش نظر رکھا ہے، اور آداب قضاء سے متعلق جزوی مسائل کا بڑا تفصیلی احاطہ کیا گیا ہے، چونکہ مصنف خود دہلی میں سات سال تک قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے، کتاب کے آخر میں خود مصنفؒ کا یہ احساس قابل ذکر ہے کہ ''میں نے (ادب القضاء پر متداول تقریباً تمام) کتابوں اور فقہی کتابوں میں ادب القضاء کے مباحث کا مطالعہ کیا ہے، اس کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے قضاء کے مسائل اور مشکلات پر ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' سے زیادہ جامع اور جزئیات پر محیط کوئی دوسری کتاب نہیں پائی۔''

عجیب بات ہے کہ ایسی جامع اور وقیع کتاب ابھی تک طبع نہ ہو سکی تھی، مگر اللہ کی مشیت کے قربان کہ دہلی کے قاضی القضاۃ کے قلم سے لکھی جانے والی کتاب کو امارت شرعیہ کے قاضی القضاۃ جنہیں ایک طویل عرصہ سے قضاء کا تجربہ بھی تھا اور ''اسلامی عدالت'' نامی بیش بہا اور وقیع کتاب کے مصنف ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، کی تحقیق سے

اشاعت کا انتظام فرمایا، قاضیؒ کو اس کتاب کی تحقیق کا احساس تو ایک زمانہ سے تھا، مگر آپ کی گوناگوں مصروفیات مانع بنتی رہیں، لیکن جب علالت کی شدت اپنے عروج پر تھی اور رکاوٹیں دور ہونے لگیں تو ایک سال میں چار جلدوں کی اس ضخیم کتاب کو تحقیق کے مراحل سے گزار کر طباعت کے لائق بنا دیا، محقق علامؒ نے چار نسخوں میں سے ایک کو بنیاد بنا کر تصحیح عبارت میں جو الفاظ صحیح معلوم ہوئے اسے متن میں اختیار کیا اور دیگر نسخوں کے فرق کو حاشیہ میں ذکر کر دیا، جہاں تمام نسخوں میں غلطی محسوس کی وہاں فقہ کی دیگر کتابوں سے متعلقہ مقامات کی مراجعت کی، مصنفؒ کے نقل کردہ اقتباسات کو محولہ کتابوں سے ملایا لیا اور عبارات کی توثیق کی گئی، ہر ہر جزئی مسئلہ کے لئے باضابطہ عنوان قائم کیا، ہر بحث پر علیحدہ نمبرات لگائے، کتاب میں آنے والی شخصیات اور کتابوں کا حاشیہ میں تعارف کرایا، آیات قرآن کے حوالے اور احادیث و آثار کی تخریج کی گئی، آخر میں آیات، احادیث، شخصیات، کتب، اماکن، وغیرہ کی بابت تفصیلی فہرست اور اشاریے درج کئے گئے، کتاب کے شروع میں محقق کے قلم سے طویل مقدمہ ہے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ اور مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ کے مقدمات بھی شامل کتاب ہیں، کویت کی وزارت اوقاف نے اس قیمتی تحفہ کو شائع کر دیا ہے۔ (بحث ونظر، شمارہ ۴۸، نوٹ: کویت کے مطبوعہ نسخہ میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اور مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ کے مقدمات نہیں ہیں)

قضاء کی بات آگئی تو قاضی صاحبؒ کا ایک اقتباس جو آپ نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی وفات پر لکھا تھا پیش کرنا مفید سمجھتا ہوں، قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک زمانہ میں احکام قضاء پر فقہ حنفی کی کسی مفصل کتاب کی تلاش میں پریشان تھا، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے میں نے اس پریشانی کا اظہار کیا، حضرتؒ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے، غور سے مجھے دیکھا، کھڑے ہوئے اور الماری سے انھوں نے ایک کتاب نکالی، اس پر چند جملے لکھے اور اس حقیر کو ہاتھوں میں دے دیا، میں ان کی شفقت، خورد نوازی، جود و سخا اور ایثار کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا، یہ کتاب تھی ''معین الحکام'' للطرابلسی جو اس وقت نادر و نایاب تھی، حضرتؒ نے اس پر لکھا کہ ''یہ کتاب میں اس کو دے رہا ہوں جو مجھ سے زیادہ اس سے استفادہ کا حق دار ہے''

الشرف بتقديم هذا الكتاب الى من هو اهل للاستفادة اعنى الشيخ مولانا مجاهدالاسلام القاضى لفصل الخصومات من الامارة الشرعية.

کتاب کا ایثار بہت مشکل ہے، اور اپنے چھوٹوں کے لئے ہمت افزائی کے کلمات انتہائی درجہ وسیع النظری کی دلیل ہیں اس نسخہ سے میں نے استفادہ کیا اور ''اسلامی عدالت'' کی ترتیب و تصنیف کا سانچہ میں نے طرابلسی کی اسی ''معین الاحکام'' سے بنایا، بعد کو تو یہ کتاب چھپ گئی اور سعودی عرب میں عام طور پر ملتی تھی (لیکن اب پھر مفقود ہے) لیکن جس وقت انھوں نے یہ کتاب دی اس کا ملنا مشکل ترین امر تھا (بحث ونظر شمارہ ۱۳۱ ص: ۴)

کفاءۃ فی الاسلام کا مسئلہ اور قاضی صاحب کا فیصلہ:

جنوبی افریقہ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ایک نومسلم نوجوان نے ایک قدیم الاسلام خاندان کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا، میاں بیوی دونوں اس نکاح پر راضی تھے، لیکن وہاں کے کچھ علماء نے کفاءۃ فی الاسلام کا مسئلہ اٹھایا کہ جو شخص خود مسلمان ہوا ہو قدیمی مسلمان لڑکی کے لئے کفو نہیں، اول تو یہی مسئلہ قاضی صاحب کے ذہن پر بوجھ تھا کہ افریقہ جو اس وقت اسلام کی دعوت کا بہترین میدان ہے اور جہاں رنگ ونسل کی بنیاد پر تفریق کے خلاف مقامی آبادی جنگ کر رہی ہے، شریعت اسلامی کی یہ تعبیر جو خالص ایک اجتہادی حکم اور اس زمانہ کے عرف خاص پر مبنی ہے اسے بنیاد بنانا اسلام کی اصل روح مساوات سے متصادم بھی ہے اور دعوت اسلامی کے کام کے لئے رکاوٹ بھی، جو حکمت دین اور حکمت دعوت سے متعارض ہے اور سلف میں بہت سے واقعات بھی اس کے خلاف ہیں، ثانیاً ان علماء نے حسن بن زیادؒ کی روایت کی بنیاد پر غیر کفو میں نکاح کو باطل اور غیر منعقد قرار دیا اور فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ کو ترک کر دیا جس کی بنیاد پر غیر کفو میں نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن ولی کو حق اعتراض ہوگا، ان حضرات کے فتویٰ کی بنیاد یہ تھی کہ متاخرین نے فساد زمان کی وجہ سے حسن بن زیادؒ کی روایت کو ترجیح دی ہے، قاضی صاحب کی رائے قطعی طور پر اس کے خلاف تھی، یہ

بحث چل رہی تھی کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ڈربن تشریف لائے، آپ زیارت کے لئے حاضر ہوئے، اس وقت علماء کی ایک بڑی جماعت مجلس میں حاضر تھی، آپ نے حضرت کے سامنے یہ سوال پیش کیا، حضرتؒ نے حکیمانہ طور پر ان بعض علماء کے فتوی سے اختلاف کیا، اور بطور قول فیصل قاضی صاحبؒ کی رائے کی تائید فرمائی، حالاں کہ حضرت فقہی روایات کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والے تھے، لیکن احکام کے مدارج، عرفی مسائل، اور مخصوص اصولوں پر مبنی احکام اور وقت کے تقاضوں پر نظر رکھنے والے فقیہ تھے، اس لئے انھوں نے اس مسئلہ میں ان مخصوص حالات میں حسن بن زیادکی اس روایت کو ترک کیا جو متاخرین کے نزدیک مختار للفتوی ہے اور ظاہر الروایہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا (بحث ونظر شمارہ ۳۱، ص ۵)

بحث ونظر کا اجراء

قاضی صاحبؒ کی دینی خدمات اور صدقہ جاریات میں سے سہ ماہی رسالہ ''بحث ونظر'' کا اجراء بھی ہے، اس مجلّہ نے اپنے تیرہ سال کی مدت میں نمایاں خدمات انجام دیں اور اسے ملک وبیرون ملک میں مقبولیت بھی حاصل ہوئی، اس رسالہ کا مقصد محض اردو رسائل میں ایک رسالہ کا اضافہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے یہ ذہن کارفرما تھا کہ جن علمی وتحقیقی موضوعات پر نہیں لکھا جاتا یا لکھا جاتا ہے تو بہت کم، ان موضوعات پر معیاری تحریریں منظر عام پر آئیں، چنانچہ ''بحث ونظر'' کے ''اصولی مباحث'' اور ''فقہی تحقیقات'' کے زیر عنوان جو مقالات شائع ہوئے ہیں اگر صرف ان ہی کو سامنے رکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ کتنے ہی ایسے موضوعات پر تحریریں آگئی ہیں جن پر شاید اردو زبان میں اس سے پہلے کچھ لکھا ہی نہ گیا ہو، یا کم سے کم اس تفصیل وتوضیح اور مصادر سے مراجعت کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

اس رسالہ نے کتابت وطباعت کے علاوہ اپنے علمی معیار کے بارے میں کوئی مصالحت نہیں کی، اس کے قائدین اصحاب فکر علماء، فقہاء، طلبہ مدارس اور یونیورسٹی کے اساتذہ ہیں، اسے محسوس کرتے ہوئے ''بحث ونظر'' نے تحقیق وجستجو، فکر ونظر، وسیع النظری اور علمی گہرائی کا جو ماحول اول یوم سے بنایا ہے وہ اسی راہ پر گامزن ہے، اور باوجود اس کے کہ کچھ حلقوں کی طرف سے اخلاص وہمدردی کے ساتھ یہ بات بار بار کہی گئی کہ ''بحث ونظر'' میں عوامی دلچسپی کی چیزیں شائع کی جائیں تو اس کے خریداروں میں اضافہ ہوگا اور اس کی مالی حالت بہتر ہوگی، لیکن مدیر محترم کے سامنے یہ بات رہی کہ ایسے رسائل اور مجلات کی کمی نہیں، اگر اس رائے کو قبول کیا گیا تو ''بحث ونظر'' وہ کام نہیں کرسکے گا جس کے لئے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا تھا، پھر بھی ''بحث ونظر'' میں خالص علمی، فکری اور تحقیقی مقالوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں بعض مقالات معاشرتی، اصلاحی اور اسلام کے معاشرتی نظام یا دیگر عام موضوعات پر بھی شائع کئے جاتے رہے ہیں، لیکن اسے عوامی بنادینا اس کے مقصد اشاعت اور ''بحث ونظر'' کی اصل روح کے خلاف تھا، تاہم اس میں علماء سلف کا قابل ذکر تذکرہ، متقدمین کی وقیع کتب کا تعارف اور مختلف ایسے موضوعات جن سے آج کے اہل علم اور ارباب مدارس تک ناواقف ہوچکے ہیں سے علمی حلقہ کو متعارف کرانا بھی ''بحث ونظر'' کا عظیم کارنامہ ہے۔ (بحث ونظر شمارہ ۳۱، ۵۰ ملخص)

فقہ اکیڈمی کا قیام

قاضی صاحب کے علمی کارناموں میں وقت کی ضرورت کے مطابق ایک بڑا اور اہم کارنامہ ''مجمع الفقہ الاسلامی ہند'' (اسلامک فقہ اکیڈمی) کا قیام ہے، اس مجلس کی تشکیل کا مقصد کیا ہے؟ خود بانی مجلس ہی کے قلم سے پڑھئے، آپ رقم طراز ہیں:

''فقہ اسلامی کی پائداری اور حالات اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود انسانی زندگی میں انضباط پیدا کرنے اور صحیح رہنمائی دینے کی بھرپور صلاحیت دراصل ان اصولی احکام کی رہین منت ہے جنھیں فقہاء نے کتاب وسنت سے مستنبط کیا ہے اور ہر عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر احکام فقہیہ کی تطبیق کا نازک فریضہ انجام دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ایسی جامع شخصیتیں موجود تھیں جو کتاب وسنت وفقہاء کے اجتماعی اقوال اور قیاس کے اصولوں اور استنباط کے طریقوں پر حاوی تھیں، شرع کے عمومی مصالح اور تشریع کے اغراض ومقاصد پر ان کی نگاہ تھی اور وہ زمانہ شناس بھی تھے، لہٰذا انھوں نے اپنے عہد میں اپنی صلاحیت کا استعمال اور ورع وتقوی کے ساتھ مقاصد شرع اور قوانین دین پر مضبوط گرفت رکھتے ہوئے اپنے وقت

کی مشکلات کا حل نکالا، ان اصحاب افتاء بزرگوں کا فتویٰ رائج سکے کی طرح مسلم معاشرے میں قبول عام اختیار کرتا رہا۔

موجودہ حالات یہ ہیں کہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، سائنس وٹکنالوجی کی ترقی نے نئے افق پیدا کئے، دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن گئی، معاشی اور اقتصادی امور میں نئی ترقیات نے نئے مسائل کھڑے کئے، جو لوگ اسلام پر چلنا چاہتے ہیں اور شریعت کو اپنی معاشرت، تجارت اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں معیار ہدایت قرار دے کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں، ان کے سامنے ایسے سینکڑوں سوالات پیدا ہو رہے ہیں جن کے بارے میں وہ علماء واصحاب افتاء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رہنمائی کے طالب ہیں، دوسری طرف ایسی جامع شخصیتوں کا فقدان ہوگیا جو علم وتحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کر سکیں، اور جن کا تنہا فتویٰ مسلم معاشرے میں قابل قبول ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی فکر کی بنیاد ڈالی جائے، اور علماء واصحاب دانش باہمی تبادلہ خیال کے ذریعہ ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ ہو اور فکری شذوذ سے پاک ہو، یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے "مجمع الفقہ الاسلامی ہند" کی تشکیل عمل میں آئی، جس میں علماء اور فقہاء کے علاوہ ارباب دانش، میڈیکل سائنس، معاشیات، سماجیات اور نفسیات کے ماہرین کو بھی شریک کیا گیا ہے، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس علمی اور تحقیقی عمل کی آواز باز گشت ہندوستان سے باہر بھی سنی جانے لگی ہے۔ (اہم فقہی فیصلے ص ۲)

ولادت، تعلیم، تدریس، وفات

آپ کی ولادت ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء کو قصبہ جالہ، ضلع دربھنگہ، صوبہ بہار میں ہوئی، والد ماجد مولانا عبدالاحد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلمیذ اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، بیعت کا تعلق حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مونگیریؒ سے تھا، برسوں حدیث کی تدریس اور تقریر ومناظرہ کے ذریعہ دین کی خدمات انجام دیں، مدتوں امارت شرعیہ کے اہم رکن بھی رہے۔

قاضی صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجدؒ اور مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ سے حاصل کی، مدرسہ محمود العلوم، مدرسہ امدادیہ اور دارالعلوم مئو میں متوسطات کی مختلف کتابیں پڑھنے کے بعد ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور پانچ سال میں علوم وفنون کی متعدد کتابیں پڑھیں، ۱۳۷۵ھ میں سند فراغت حاصل کی، حضرت اقدس مدنیؒ، حضرت علامہ بلیاویؒ، حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ، حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ جیسے اکابر سے استفادہ فرمایا۔

فراغت کے بعد حضرت مدنیؒ کے ایماء پر سات سال (سن ۵۵ سے ۶۲ تک) جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی خدمات انجام دیں، سن ۶۹ میں ایک سال پھر تشریف لائے، ابوداؤد شریف کا درس بھی متعلق رہا، ۱۹۶۳ء میں آپ کو مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ بہار کا قاضی القضاۃ منتخب کیا گیا، اس عہدۂ جلیلہ پر تاوفات فائز رہے۔

قاضی صاحبؒ مختلف امراض میں برسوں سے مبتلا تھے، اخیر میں شدت علالت کی وجہ سے دہلی ہسپتال میں داخل بھی کئے گئے، بالآخر ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۱ر محرم ۱۴۲۳ھ جمعہ اللہ کو پیارے ہوگئے رحمہ اللہ۔

حماسی شاعر نے اپنے قبیلہ کے سردار کے لئے جو کہا تھا ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو، لیکن قاضی صاحب کی وفات کی پر تو یہ عین واقع ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد ... لكنه بنيان قوم قد تهدما

قیس کی موت صرف ایک شخص کی موت نہیں (بلکہ اس کی موت سے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہوگئی۔

☆☆☆

اسم بامسمیٰ

قاضی مجاهد الاسلام قاسمی کی شخصیت اسم با مسمیٰ تھی ، ان کی علمی و عملی پیش رفت کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں تحریک و کردار و عمل میں مجاہدانہ جذبہ کارفرما تھا جو انہیں ہر وقت قوم و ملت کے کسی نہ کسی قضیہ کے حل کے لئے اکسائے رکھتا تھا۔

حضرت مولانا عبد الحق مد ظلہ العالی

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ سے ایک غیر رسمی گفتگو

محمد خالد اعظمی کویت

عالم اسلام کی شہرہ آفاق شخصیت حضرت مولانا قاضی مجاهدالاسلام قاسمیؒ سابق صدر کل هند مسلم پرسنل لا بورڈ کی یہ بات چیت ۲۵/ نومبر ۱۹۹۹ء میں کویت کے لی میریڈین ہوٹل میں ریکارڈ کی گئی تھی۔ بعض وجوهات کی بنا پہ یہ انٹرویو صفحۂ قرطاس پر لایا نہ جاسکا لیکن آج جب مولانا همارے درمیان نہ رهے تو بعض دوستوں کے اصرار پر قارئین کی خدمت میں پیش کی جارهی هے۔ خالد اعظمی

مولانا محترم اپنی پیدائش کے متعلق فرماتے هیں: میں اکتوبر ۱۹۳۶ء میں جمعہ کے دن بہار کے ضلع دربھنگہ کے جالہ گاؤں میں پیدا ہوا ہوں وہاں جالوا، برہمنوں کی حکومت تھی پھر اس کے بعد مسلمان آئے تھے۔ ہمارے خاندان کے لوگ بحیثیت قاضی وہاں آئے جو مغل عہد میں بھی قاضی رہے جو سرکار کا ٹائیٹل تھا ایک طرف مغل فوج کا قلعہ تھا تو دوسری طرف پٹھان کوٹ تو بیچ میں قاضی محلہ ہے ہمارے والد مولانا عبدالاحد قاسمیؒ ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ ہمارے والد تحریک ریشمی رومال کے بانی شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد تھے اور کچھ دنوں تک مولانا گنگوہیؒ سے بھی جا کر پڑھا تھا۔

مولانا مجاهدالاسلام قاسمی صاحب اپنی ابتدائی تعلیم کے متعلق فرماتے هیں کہ میں نے والد محترم ہی سے ابتدائی عربی تعلیم حاصل کی، وہ کاغذ پر عربی کے صیغے لکھ دیا کرتے تھے اور میں اس کو کبڈی کھیلنے میں کبڈی کے بجائے اس کو یاد کرلیا کرتا تھا، اس سے پہلے میرے والد محترم کے استاذ مولانا اسحاق خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ فارسی کے بڑے ماہر اور اس کے قواعد کے امام تھے فارسی کی مشہور کتاب ''قصد الصیغہ'' اس کے اندر ۱۶ قاعدے ہیں انھوں نے کہا کہ اس کو زبانی یاد کرلو۔ انھوں نے بہت ساری چیزیں نظم میں لکھی ہیں، ان سے پڑھتا تھا فارسی کی جب پہلی کتاب ختم کی تو والد محترم نے میزان کے صیغوں (میزان منشعب) کو یاد کروانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد میری تعلیم شروع ہوئی، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ لہریاسرائے دربھنگہ نے باضابطہ کتاب کے ساتھ عربی تعلیم شروع کروائی۔

۱۸/ مارچ ۱۹۴۷ء کو میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد باضابطہ تعلیم کے لئے مدرسہ محمودالعلوم دملہ دربھنگہ (اب وہ ضلع مدھوبنی میں ہے) میں داخلہ لیا اور دو برس تک پڑھا۔

حضرت مولانا محمود احمد صاحب جو علامہ انورشاہ کشمیری کے شاگرد تھے وہ میرے خاص استاذ تھے اور فارسی اور خاص کر دستاویزات املاء وغیرہ اس کے استاذ مولانا عبدالمجید صاحب تھے ہندی وحساب کے لئے ماسٹر شمشیر صاحب استاذ تھے۔ اس کے بعد مدرسہ امدادیہ میں ایک سال کے لئے ۱۹۴۹ تا ۱۹۵۰ء تک رہا۔ پھر مجھے داخلہ کے لئے دیوبند جانا تھا وہاں کے داخلہ امتحان کی سختی کی بڑی شہرت تھی ایک سال کے لئے درمیان میں دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن میں داخلہ لیا تاکہ میں اس لائق بن سکوں کہ اگلے سال دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے سکوں چنانچہ میں وہاں ایک سال پڑھا اور اس کا غیر معمولی فائدہ ہوا، وہاں میرے استاذ حضرت مولانا قاری ریاست علی جنھوں نے مطالعہ کا شوق اور اظہار تعبیر کی وسعت پیدا کرنے پر کافی زور دیا جس کا فائدہ آج تک ہو رہا ہے۔

پھر ۱۹۵۱ء میں دار العلوم دیوبند سے منسلک ہوا اور وہاں ۱۹۵۵ء تک یعنی چار سال تک رہا۔ مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا محمد جلیس صاحبؒ، مولانا سید حسن صاحب، مولانا امداد الحق صاحب، مولانا بشیر خاں صاحب، مولانا حسین بہاری صاحب، مولانا نصیر احمد خاں صاحب اور اکابر اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، اور علامہ ابراہیم بلیاوی صاحبؒ سے کسب فیض کیا۔

۲۸ رشعبان ۱۳۷۴ھ کو ختم بخاری ہوا اور رمضان کی پہلی تاریخ کو وطن واپس آیا۔

۱۵ رشوال کو مجھ کو کئی خطوط ملے، اس میں سے ایک دیوبند کا رزلٹ تھا بتایا گیا کہ تم اول آئے ہو اور اس کے علاوہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی طرف سے لکھا ہوا خط بھی آیا کہ تمہارا تقرر جامعہ رحمانی مونگیر میں ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے کہنے پر یہ تقرر کیا تھا۔

۲۱ رشوال ۱۳۷۴ھ کو جامعہ رحمانی مونگیر میں آیا اور وہاں مسلسل سات برس تک پڑھاتا رہا۔ اسی دوران مولانا منت اللہ صاحب علیہ الرحمہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت منتخب ہوئے۔

مجھے مسئلہ امارت سے کچھ خاص مناسبت تھی تو میں نے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کے حالات زندگی اور مسئلہ امارت سے متعلق کئی چیزیں پڑھی تھیں اور اس سے خاص رغبت تھی ایک ایسا وقت آیا کہ امارت شرعیہ کا چلنا دشوار ہو گیا۔ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور نائب امیر حضرت مولانا عبدالصمد نے مجھے رمضان ۱۳۸۱ھ کے آخری عشرے میں بلا کر کہا کہ تم امارت شرعیہ کے مرکز پھلواری شریف جاؤ میں نے بسم اللہ کہا اور ۴ رشوال ۱۳۸۱ھ کو امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر پہونچا۔ میں قاضی امارت شرعیہ بھی تھا اور ناظم بیت المال بھی، وقتی طور پر سبھی ذمہ داریاں مجھ پر تھیں، قاضی کے منصب پر مجھ کو مقرر کیا گیا۔ سات برس جو جامعہ رحمانی مونگیر میں دوران تدریس میں نے خاص طور پر فقہ اسلامی کو پڑھایا خاص کر ہدایہ آخرین کو پڑھایا، اور وہاں پر تربیت قضاء کے دو ہفتے کا کیمپ لگایا گیا تھا۔ اس میں تربیت پانے والوں میں میں خود شامل تھا، اس کے بعد ۶ رشوال ۱۳۸۱ھ میں باضابطہ منصب قضاء پر میری تقرری ہوئی۔

مولانا دوران تعلیم علمی کام کا تذکرہ اس انداز میں کرتے ہیں "ایک تو میری عادت طالب علمی کے زمانے میں تھی مطالعہ کی۔ مطالعہ کے ساتھ نوٹ تیار کرنے کی، تاریخ کی بڑی سے بڑی کتابیں پڑھ گیا میں، اور اس کا نوٹ میں ضرور تیار کرتا، میرے استاذ نے ایک بات بتائی تھی کہ کسی چیز کو محفوظ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کتاب کو ایک دو مرتبہ پڑھو پھر اس کتاب کو ہٹا دو سامنے سے، پھر اس کو لکھ ڈالو اپنے کاپی پر، پھر ایک بار کاپی کو پڑھو اور اس کتاب کو پڑھو سمجھ میں آئے گا کہ کس چیز کو اخذ کیا اور کس کو چھوڑ دیا۔ میری مطالعہ کی ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ خضرے کی پوری تاریخ پڑھی ہم نے اور پورے کا خلاصہ لکھا، اس کا مجھ کو فائدہ بہت زیادہ ہوا۔

دار العلوم میں قیام کے دوران لوگ مجھ کو اہل قلم کی حیثیت سے جانتے تھے۔ میں مقرر نہیں تھا بعد میں لوگوں نے مجھ کو تقریر کے میدان میں ڈال دیا۔

میں نے طالب علمی کے زمانے میں کافی لکھا اور کافی مفصل مضمون انکار حدیث پر لکھا۔ علم حدیث، کتابت حدیث کی تاریخ، انکار حدیث اور اس کے دلائل اور یہ مضامین رسالہ دار العلوم دیوبند میں قسط وار شائع ہوئے۔

دوسرا بڑا اہم اور مضمون جس کا عنوان " آئینہ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی" کے موضوع پر تاریخ اسلام میں اول سے جو بڑے بڑے واقعات پیش آئے اور جنھوں نے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں، لیکن حق بات کہنے سے منہ نہیں موڑا، کارناموں اور واقعات سے متعلق تفصیل سے لکھا، مثلاً امام ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ، سعید ابن مسیب وغیرہ ان پر مفصل مضمون لکھا جو رسالہ دار العلوم دیوبند اور مجلہ "الحرمین" مراد آباد میں شائع ہوا۔ اور کئی چیزیں لکھتا رہا لیکن وہ مجھے یاد نہیں کیونکہ وہ آج کی بات نہیں اور وہ سارے مضامین فائلوں کی زینت بنے ہوئے ہیں (ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضامین کو کتابی شکل میں لایا جائے)

مولانا کی خواہش تھی کہ دوران تعلیم لکھے ہوئے خاص مضامین کو بعض حذف

واضلفه کے سلتھ منظر عام پر لایا جائے لیکن زندگی نے وفا نه کی اور ان کی یه خواهش خواهش هی ره گئی لیکن همارى ذمه داری هے که ان کی اس خواهش کی تکمیل ضرور کی جائے)

جب آپ بہار واڑیسه کے قاضی بنے تو اس کے بعد درس وتدریس کے میدان کے لوگوں سے استفادہ کیا اور لوگوں سے مشورے وغیرہ لئے.

مشورہ تو خیر سب سے لیا ہی جاتا ہے میرے ساتھ ایک بات خاص طور سے شروع سے یہ آرہی ہے کہ مجھے بڑی محنت کرنی پڑی، خاص طور سے قضاء کے میدان میں، دیوبند میں بہت سرمایہ تھا میں نے فقہی معاملات کو پڑھا بڑی محنت سے۔

پہلے ہی شروع میں بعض ایسے معاملات آئے جس سے مجھ کو بڑی دشواری پیش آئی، پھر ایک مقدمہ جس کی پہلے ساعت ہو چکی تھی میرے سامنے لائے گئے فیصلے اب میں بہت پریشان ہوا روایتی طور پر فیصلہ لکھ دینا تو آسان تھا، مجھ سے پہلے جو حضرات قضاۃ تھے وہ لعان کراتے، مطلب اگر شوہر نے بیوی پر زنا کا الزام لگایا اس کا علاج قرآن میں لکھا ہے کہ وہ لعان کرلے یعنی بیوی قسم کھائے، کہیں پاک باز ہوں اگر میں اپنی بات میں جھوٹی ہوں تو میرے اوپر اللہ کی لعنت ہو، غضب ہو۔ اسی طرح میاں یہ کہے گا کہ میں جو الزام لگا رہا ہوں اس میں سچا ہوں، میری آنکھوں کا دیکھا ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے اوپر اللہ کی لعنت اور غضب ہو۔ تفصیل اس کی موجود ہے۔

بات یہ ہے کہ اگر شوہر انکار کردے حلف اٹھانے سے، تو اس طرح کے مقدمے میں تو شوہر کو حد قذف ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر بیوی انکار کردے تو اس کو قید کردیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اقرار کرلے کہ وہ اس طرح کی نہیں یا پھر وہ قسم کھائے پہلے لوگ لعان کرادیتے تھے تو جب میں آیا اور میرے پاس اس طرح پہلا کیس آیا تو میں پریشان ہوا کہ لعان کے لئے میرے نزدیک ولایت کاملہ ضروری ہے یعنی اس کا بھی اختیار ہم کو ہونا چاہیے کہ حد جاری کرسکیں اور قید کرسکیں لیکن آج کے حالات میں یہ نہیں ہوسکتا اس لئے میں نے کہا کہ لعان نہیں ہوسکتا۔

لیکن لعان اس حالات میں کرایا جاتا ہے کہ شوہر بیوی کی عصمت وعفت پر حملہ کرے یعنی وہ اس کو داغدار کراسکے یعنی میاں یہ کہے کہ میں اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ دیکھا ہے میری بیوی بدکردار ہے اور میں نے اس کو غیر کے ساتھ دیکھا ہے، اس کے بعد دونوں کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہیں ہوتو میں نے اس سلسلے میں کافی پڑھا اور پریشان ہوا۔ خانقاہ سلیمانیہ کا کتب خانہ تھا۔ لعان فقہائے احناف کے یہاں خود موجب تفریق نہیں ہے خود لفظ لعان سے تفریق نہیں ہوتی ہے۔

لعان کے الفاظ سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ دونوں ساتھ نہیں رہ سکتے اور مقاصد نکاح پورے نہیں ہوسکتے، اس لئے قاضی تفریق کرے گا، خیر اسی کو استدلال بناکے ہم نے کہا کہ ہم لعان کرائیں گے نہیں اور مقاصد نکاح فوت ہورہا ہے۔ یہ بالکل شروع کی بات ہے، کتابیں دستیاب نہیں تھیں اس طرح میں مختلف لائبریریوں کی خاک چھانتا رہا۔ خانقاہ مجیبیہ اور خانقاہ سلیمانیہ جالہ، مونگیر، کچھ میرے والد کی خود اپنی کتابیں تھیں۔ لیکن اب تو کتابوں کی بھرمار ہے پہلے ہم ایک ایک کتاب کو ترستے تھے جیسے کوئی ایک لقمہ کھانے کے لئے ترستا ہے۔ ہندوستان بھر کا چکر لگاتا رہا خاص طور سے ۱۹۷۲ء سے جب سے آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا قیام عمل میں آیا پھر اسے ہندوستان کے کونے کونے میں شریعت کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کی تحریک چھیڑی۔

علمی کاموں میں ایک اہم کام یہ ہوا ہے کہ ''اسلامی عدالت'' کے نام سے اسلام میں نظام قضاء پر ایک کتاب جس کی ایک جلد چھپی ہے باقی کام ابھی باقی ہے دوسرا کام کچھ مقالات ہیں جس کو ایک جگہ جمع کرکے حیدرآباد سے شائع کردیا گیا ہے۔

ابھی ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ ۶۴۲ ہجری یعنی ساتویں صدی ہجری میں قاضی محمد بن اسماعیل بن محمد الاشفورقانی حضرت یہ خراسان سے تاتاری فتنے کے باعث لٹ پٹ کر ہندوستان آئے یہ بڑے عالم تھے تو جب سراج آصف قاضی القضاۃ کے عہدے سے ہٹے تو ان کو ہندوستان کا قاضی القضاۃ بنایا گیا، جس زمانے میں یہ قاضی القضاۃ تھے، پورے نظام قضاء پر مفصل طور پر تجربہ تو تھا ہی

ایک کتاب لکھی جس کا نام ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' ہے اس کتاب کے مخطوطے دو نسخے خدا بخش لائبریری پٹنہ، ایک نسخہ حیدر آباد آصفیہ اور ایک نسخہ دار العلوم دیوبند میں مجھ کو ملا۔ کئی برسوں سے میں چاہتا تھا کہ اس کی تحقیق کی جائے اور تحقیق کے بعد چھپ جائے۔ جیسا بتایا کہ ۱۹۷۲ء کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کا مسئلہ اتنا سنگین ہوگیا کہ مجھ کو اس کا موقع نہیں مل سکا۔ لیکن ادھر جب میں اللہ کی قدرت سے بیمار ہوا اور مجھے دہلی میں بیٹھنا پڑا ظاہر ہے ہم لوگ بغیر کام کے جی نہیں سکتے تو میں نے ساری کتابوں کو منگوایا اور دو تین آدمی کو اپنے پاس رکھا اور کام شروع ہوا اور اللہ کا شکر ہے ۲۰۹۷ صفحات پر مشتمل یہ کتاب کی ایڈیٹنگ ہو چکی ہے۔ مختلف ابواب میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ اس میں جتنی شخصیات کا تذکرہ آیا ہے اس کی سوانح حیات بھی مرتب کی ہے۔ اور اس کتاب میں جتنے مسائل ہیں ان کو دیگر فقہی کتابوں سے اس کی توثیق کر دی ہے۔ احادیث کی تخریج بھی کر دی۔

اس کے علاوہ بیماری ہی کے دوران مولانا محمد ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ کی جو بھی علمی خدمات تھیں اور ۸۰، ۹۰ سال کی مدت میں لکھیں تھیں اس کو نکلوایا، اس کی زیراکس کروایا تقریباً ۸، ۹ کتابیں پوشیدہ تھیں۔ ان کو منظر عام پر لایا۔

اور سب سے بڑا ذخیرہ فقہی سیمینار کے مقالوں کو اکٹھا کرنا اور اس کا عربی انگریزی ترجمہ کروانا یہ سب سے بڑا انقلابی کام ہے اور ہمارے سامنے اسلامک فقہ اکیڈمی کے کاموں کی اساس ہے اور اہم اور بڑا کام بحث ونظر کا اجراء ہے، جس نے سب سے پہلا کام پورے ملک کے علماء مدارس اور ارباب اہل دانش میں ایک فکر پیدا کیا۔ جدید مطالعہ کیسے کریں؟

قاضی صاحب کو جنوبی افریقہ کی آزادی کے بعد وہاں کے دستور مسلم پرسنل لاکی شمولیت کے لئے شریعت اسلامی سے متعلق قوانین وضع کرنے کے لئے کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا۔

مولانا سے جب یہ پوچھا گیا کہ بیرون ملک سفر کب شروع کیا تو انھوں نے فرمایا

''سب سے پہلا میرا سفر مارچ ۱۹۷۹ء میں جنوبی افریقہ کا ہوا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ سے متعلق بعض سوالات تھے۔ بعض علماء سے میں نے مشورہ کیا اور ان کی رائیں لیں۔ وہاں دو ماہ قیام کیا اور ۸۰ لکچرس ہوئے، وہاں مختلف طبقات کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں مثلاً (ڈاکٹرس وکلاء وغیرہ) سوالات وجوابات ہوئے میرے تمام راستوں کے کھلنے کی ابتداء تھی، اجتماعی مسائل سے متعلق غور وفکر اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے اور باقی سوالات کے جوابات دینے سے گریز کیا اور کہا کہ میں علماء سے مشورہ کرنے کے بعد ہی جواب دوں گا۔ اس کے بعد میں ہندوستان واپس آیا۔ اسی سلسلے میں میں نے یہاں ہندوستان آنے کے بعد حیدرآباد میں ''مرکز البحث العلمی'' (اس کی ایک میٹنگ پھلواری شریف امارت شرعیہ میں بھی ہوئی) قائم کیا اور ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے تعاون سے جامعہ ہمدرد دہلی میں پہلا سیمینار کیا، پھر دوسرا سیمینار بھی کیا۔ جس میں حضرت مولانا علی میاں صاحب حضرت مولانا مفتی رفیع احمد عثمانی کراچی وغیرہ نے شرکت کی۔

جب ہم نے دیکھا کہ اس کی اہمیت کافی بڑھتی جارہی ہے اور لوگ بھی دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں تو ہم نے باضابطہ ''المجمع فقہ الاسلامی'' فقہ اکیڈمی کو رجسٹرڈ کروایا اور اس کا باضابطہ انتظام اسی کے ذریعہ کیا۔

''الھیئۃ الخیریۃ'' کویت، المجمع الفقہ الاسلامی جدہ کا مجھے ایکسپرٹ ممبر کی حیثیت سے نامزد کیا گیا جس سے مجھ کو بہت زیادہ فائدہ ہوا کیونکہ اس پلیٹ فارم سے عالمی فقہاء علماء کی نظر سمجھنے میں مدد ملی اختلاف رائے کو بھی کیسے جھیلنا چاہیے، ابھی امریکہ میں پچھلے سال ایک SAANA ''رابطہ علماء الشریعۃ'' کی جانب سے ایک اہم سیمینار تھا جس میں مجھ کو بھی شرکت کرنی تھی لیکن کویت آنے کے بعد احباب کے منع کرنے پر میں وہاں نہ جاسکا لیکن ایک مضمون بڑی تفصیل سے لکھ کر بھیجا جس کا عنوان ہے ''طلاق''، ''بینکوں سے قرض لے کر مکان بنوانا'' وغیرہ۔

اسی طرح ہندوستانی طرز پر انگلینڈ میں جس کے مولانا یعقوب اسماعیل صاحب ذمہ دار ہیں نیپال کے لئے بھی کچھ کام کر رہا ہوں۔ کام سارے جاری رہنے چاہئیں۔

☆☆☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی آنکھیں

منہاج الہدیٰ فردوسی، علی گڑھ

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اسم بامسمیٰ یعنی اسلام کے مجاہد تھے، تمام زندگی اپنی علمی بصیرت سے عالم کو منور کرتے رہے، ان کی قائدانہ صلاحیت، مذہبی امور پر اُن کی عالمانہ رائے، فقہ اسلامی کی تدوین اور دوسرے کئی اہم امور ایسے ہیں کہ دل اُن کی عظمتوں کا معترف ہے، قلب کی عمیق گہرائیوں میں اور خرد کی وسیع ترین تاکجائی میں ان سے عقیدت واحترام کے بے پناہ جذبے ان کو سلام کرتے ہیں ان کے سلسلے میں قلم کو جنبش دینا ایسا ہے کہ جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔

قاضی صاحب کی عظیم شخصیت میں ان کا ظاہری سراپا، ان کی انتہائی سادہ لباسی، ان کی منکسر المزاجی، اور ان کی عام سی روش زندگی ایک دم کسی کو متاثر نہیں کرسکتی تھی، ایک عظیم الشان عالم اور قائد ملت کا عوامی زندگی میں گھل مل جانا اور اپنی ظاہری ہیئت اور سراپے سے ایک دم کوئی تاثر قائم نہ ہونا ایک ایسا معصوم، خدا ترس اور والہانہ انداز تھا کہ جس میں قلندرانہ خصوصیت کے تمام عوامل موجود تھے لیکن جیسے جیسے ان کی عالمانہ گفتگو، ان کا انداز تخاطب، ان کی تقریر کا لہجہ اور ان کی علمی بصیرت کی گہرائی سامنے آتی ان کا چھوٹا سا قد ایک قدآور اور انتہائی متاثر کن انداز اختیار کر لیتا، جس سے ان کی شخصیت اطراف کے ماحول پر سحر انگیزی کر دیتی تھی، پھر ان کے چہرہ کا رنگ جو ابھی تک کچھ خاص نہ تھا ایک پر رعب وجود کی طرح جم غفیر کو ہپناٹائز کر دیا کرتا تھا، ان کی دھیمی آواز کی ملائمیت جب دلائل واستدلال اور توجیہات وعلمی حوالہ سے اپنا زبردست لہجہ اور پُروقار انداز تخاطب اختیار کرتی تو سننے والے مبہوت وششدر رہ جاتے تھے، اور اس طرح سے ابھی تک عوام کے درمیان ایک عام سی طرز حیات کا بظاہر معمولی سا دکھنے والا انسان ایک دم علم وعرفان کا آسمان ہو جایا کرتا تھا کہ جس کی وسیع ترین گود میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کا وجود اپنے غم کار جہاں لئے ان کی عظمت بے بدل کا معترف ہوتا ہوا نظر آتا تھا۔

اس تمام ظاہری سراپے میں ان کی آنکھیں ایک عجیب وغریب کشش کی حامل تھی، ایک نفسیات کے طالب علم کی حیثیت سے میں نے ان کی آنکھوں کو کئی مرتبہ قریب سے دیکھا، گہری، وسیع، چمک دار، پُر رعب، بولتی ہوئی، بلاتی ہوئی، دردمند دل کی حقیقی ترجمان اور اعلیٰ ترین وحساس دماغ کی بے پناہ عظیم الشان کاوشوں کی امین یہ آنکھیں کچھ معمولی آنکھیں نہیں تھیں، یہ آنکھیں اتنی زیادہ متاثر کن اور رعب دار تھیں کہ لگتا تھا گویا یہ تمام تر علمی خزانے کی کنجیاں ہیں اور اپنے قیمتی اثاثے کو سمیٹے باوقار اور سنجیدہ انداز میں ہمہ وقت مصروف بہ کار ہیں، کروڑوں کھربوں حروف علم اور فکر وتجسس کی بے شمار حقیقتیں ان ہی آنکھوں سے اتر کر ان کے دل کی دھڑکن بنی تھیں اور پھر جو اُن کے دہن سے ادا ہوئیں اور جن ان کے ہاتھوں سے صفحات پر منتقل ہوئیں وہ آواز جو معتبر تھی، عبقری تھی، وہ الفاظ جو مقدس ہیں جو محترم ہیں، یہ آنکھیں اس لئے بھی معمولی نہیں تھیں کہ یہ ملت کے ایک عظیم قائد کی شب بیداری میں ان کی رفیق تھیں اور جو بارہا ملت کے حالت زار پر دعوت مژگاں کے اہتمام کا باعث بنی تھیں ان آنکھوں میں ماضی کی عظمتوں کی چمک تھی اور جن میں ملت کے مستقبل کا غم تھا، بہت کم پلک جھپکنے والی یہ ایسی آنکھیں تھیں کہ جنھوں نے بارہا حکمراں وقت اور فسطائی طاقتوں کے علمبرداروں کی آنکھوں میں اپنی نوک پلک گڑا کر حق

کہنے کی جرأت کی تھی اور ان کو تلقین وتنبیہ کی تھی۔

علامہ اقبال نے بہ زبان سرسید علیہ الرحمہ اپنی ایک نظم میں ملت کو ایک ہنگامی محشر بپا ہونے سے آگاہ کیا تھا، ایک عرصہ بعد جب علی گڑھ میں ہنگامہ محشر بپا ہوا تب قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ راہنمائی کی کہ محسوس ہوا کہ علی گڑھ تحریک ایک بار پھر اپنے حقیقی خطوط پر ابھر رہی ہے، علی گڑھ برادری نے ان کو اس منصب ومقام سے بانگ دہل بولتے ہوئے سنا کہ جہاں ہمارے لائق صد احترام بزرگوں کے خواب اپنی حقیقی تعبیر کے انتظار میں تھے، مجھے ۲۴ر نومبر ۱۹۹۲ء کی وہ شام اچھی طرح یاد ہے کہ جب طلباء، اساتذہ اور ارباب حل وعقد دست بستہ، سرنگوں ان کی تقریر سن رہے تھے اور علی گڑھ تحریک کے اصل اوصاف کو بقاء ودوام حاصل ہو رہا تھا، اسی شام میرا لکھا ہوا ایک ڈرامہ ''تمنا سے قربانی تک'' کینڈی ہال میں اسٹیج ہوا تھا میرے لئے یہ امر خوشی وفخر کا باعث ہے کہ قاضی صاحب نے وہ ڈرامہ دیکھا پسند کیا اور مجھے اپنی قیمتی رائے سے نوازا۔

جب ملک کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ پر کاروان آزادی کا قافلہ پورے ملک میں نکالا گیا تو قاضی صاحب میر کارواں تھے، وہ سالار قافلہ تھے، یہ محض اتفاق تھا کہ مجھے ان کی کار میں تقریباً ایک کلومیٹر تک بالکل ان کے قریب بیٹھ کر چلنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جو مجھے فخر وانبساط اور روحانی سرور وکیف کا احساس دلاتی ہے، اس مختصر سے قرب میں ایک بار پھر ان کی آنکھیں دیکھیں، یہ آنکھیں جو ایک عظیم الشان عالم کی آنکھیں تھیں کہ جنھوں نے ماضی کے جھروکوں میں جھانکا اور مستقبل کے دریچوں میں سے وہ بہت کچھ دیکھ لیا تھا جو عام آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، مجھے ہمیشہ ان کی آنکھیں انفرادیت کی حامل محسوس ہوئیں آج بھی جب ان کے سراپے کا تصور ان کی آنکھوں کے تعلق سے تصورات میں ابھرتا ہے تو مجھے ان کی آنکھیں بے شمار سوال لئے اپنے امین ووارث تلاش کرتی محسوس ہوتی ہیں۔

دار العلوم دیو بند سے عشق

''دوستو! میں یہاں بیٹھ کر آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں، کیوں کہ میرے کانوں میں شیخ الاسلامؒ کی آوازیں اکو نے سے اب بھی آرہی ہے، صاف وشفاف آواز، عشق رسولؐ کے آب زلال سے دھلی ہوئی زبان کی پرسوز آواز: حدیث رسولؐ کے آب زلال سے دھلی ہوئی وزبان کی سوز آواز: حدیث رسولؐ کی تلاوت کی آواز، ان کا عربی لہجہ، ان مدنی طرز ادا، ان کی عالمانہ شان ان کی مجاہدانہ آن بان، ان کا منور و پاکیزہ چہرہ، یقین پرور انداز کلام، دلوں میں گھر کر جانے والا اخلوص... میں کہاں سے الفاظ لاؤں اور کس طرح میں الفاظ کو معانی وحقائق کی صحیح صحیح تجسیم کی طاقت بخشوں کہ وہ ان احساسات وجذبات کی ترجمانی کا حق ادا کرسکیں جو دار العلوم میں آنے کے بعد، میرے قلب کی پہنائیوں اور دل کی اتھاہ گہرائیوں میں موج زن ہوجاتے ہیں۔ میں جذبات کے ترجمانی کا حق ادا کرسکیں جو دار العلوم میں آنے کے بعد، میرے قلب کی پہنائیوں اور دل کی اتھاہ گہرائیوں میں موج زن ہوجاتے ہیں۔ میں جذبات کے طوفان کو زبان سے کانوں تک منتقل کرنے سے طوفان کو زبان سے کانوں تک منتقل کرنے سے قاصر ہوں، یہاں کے چپے چپے پر مہر ووفا کی جلوہ گری ہے، عشق بے خطر کی دولت بے بہا کا جو دریا یہاں رواں ہے۔ کتب کی جو واقعی کرامت اور فیضان نظر کا جو کرشمہ یہاں ہر آن نظر آتا ہے۔ علم و فضل کی بے پناہی کے پہلو بہ پہلو آدم سازی اور قلب کی صیقل گری کا جو کا خانہ یہاں مصروف کار ہیں، دین وسط اور توازن واعتدال کے ساتھ ساتھ تعمیر نو کا جو درس یہاں سے دیا جاتا ہے، میں..... سچی بات یہ ہے کہ..... اس کی تصویر کشی سے عاجز ہوں۔ یہاں آکر طالب علمانہ کھلاپن، طفلانہ معصومیت، حوصلہ مندانہ نوعمری، لاپرواہ کم سنی، خود رائی شعار نوجوانی، یادوں کی بارات، ماضی کے خوب صورت نقوش، اساتذہ کی شفقتیں، ان کی فیاضانہ ساقی گری، سبھی باتیں حافظے کے کینوس (Canvas) پر ابھرآتی ہیں...''

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

دار العلوم دیو بند میں طلبہ سے خطاب

کہ مرجانے پہ قدر ے آدمی معلوم ہوتی ہے!

حکیم ظل الرحمٰن
رکن عاملہ آل انڈیا ملی کونسل

حیات جس کی امانت تھی سونپ دی اس کو
اتارنا تھا یہ قرضہ بھی سر سے اپنے انہیں
ابھی کیا ہے مجھے ڈھونڈیں گے کارواں والے
کہ مرجانے پہ قدر آدمی معلوم ہوتی ہے
اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں-زندگی کی شام ہوجائے

تقریباً ایک ماہ سے زاید اپولو ہسپتال دہلی کے بستر علالت پر کشمکش موت وزیست کے بعد جناب قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے معبود حقیقی کے دربار میں یہ کہنے کے لئے حاضر ہوگئے۔

عمل سے تہی دست ونادار ہوں
حقیر وذلیل وگنہگار ہوں
مگر تیری رحمت کا حقدار ہوں
غلام غلامان سرکار ہوں

موصوف کو بہت عرصہ سے اپنے وقت موعود کی آمد کا احساس ہوچکا تھا اور مولانا عبداللہ مغیثی مہتمم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ ضلع میرٹھ سے فرمایا کرتے تھے:

میرے یار تم میری نماز جنازہ تو پڑھادینا۔

چنانچہ نماز جنازہ مورخہ ۵ر اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعہ صبح ساڑھے سات بجے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد کے باہر میدان میں ہزاروں سوگواروں کی جماعت میں جناب مولانا عبداللہ صاحب نے پڑھا کر اپنے دوست کے آخری حکم کی تعمیل کی۔ اس موقعہ پر مجھے علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار اظہار حقیقت کے لئے یاد آجاتے ہیں جو دراصل قرآن کریم کی آیت ''کل من علیھا فان'' کی ترجمانی ہے۔

آروز کو خون رلواتی ہے بیداد اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیاد اجل
کھل نہیں سکتی شکایت کے لئے لیکن زباں
ہے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیام گلستاں
ایک ہی قانون عالمگیر کے ہیں سب اثر
بوئے گل کا گل سے اور گلچیں کا دنیا سے سفر

موت ہر مسلمان کا عقیدہ ہے لہٰذا اس پر کسی افسوس کا سوال اسلام کی حدود میں نہیں آتا۔ فکر مندی یہ ہوتی ہے کہ جن ذمہ داریوں کو جانے والا سنبھالے ہوئے تھا قحط الرجال کے اس دور میں کون سنبھالے گا اور مرکیت کا جو بھرم جانے والی برقرار رکھے ہوئے تھے اب اس مرکز کو کون پر کرے گا اور کس حد تک کرے گا اور یہی احساس فکر مندی افسوس کی شکل میں ظاہر جاتا ہے۔ قاضی صاحب سے میرا تعلق تقریباً ۳۵ سال پرانا ہے جب وہ امارت شرعیہ بہار میں قاضی شریعت کے عہدے پر مامور تھے۔ میری رہائش سنہری مسجد چاندنی چوک سے متصل عمارت میں تھی جہاں ہمارے ساتھ مشہور کاتب جناب مولانا یوسف صاحب قاسمی بھی رہتے تھے جو قاضی صاحب کے قیام دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے اور قاضی صاحب سے اچھی راہ ورسم رکھتے تھے۔ جناب قاضی صاحب جناب مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کے ساتھ جناب

مولانا مناظر حسن گیلانی صاحبؒ کی سوانح حیات کی کتابت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ وہاں سے میرا تعارف ہوا۔ میں اس وقت ہمدرد دواخانہ میں ملازم تھا اور اس کے بعد جب جب مولانا منت اللہ صاحب اور قاضی صاحب کی حاضری دہلی ہوتی میں نے ان کی خدمت میں حاضری کو اپنا فرض بنالیا۔ مولانا منت اللہ رحمانی نے مجھے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کی مجلس عاملہ کا مدعو خصوصی بنایا اور جناب قاضی صاحب نے ملی کونسل اور اسلامی فقہ اکیڈمی سے وابستہ کیا اور یہ تعلق آج تک برقرار ہے۔ قاضی صاحب کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ اور مربیانہ رہا۔

قاضی صاحب کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ اپنی آراء اور اپنے فیصلوں پر تنقید قبول کیا کرتے تھے اور یا تو جوابی طور پر ناقد کو مطمئن کرتے تھے یا خود ترمیم کرلیتے تھے۔ فقہ اکیڈمی میں اکثر ایسے مواقع آتے تھے اور وہ شرکاء اجلاس کو آزادی کے ساتھ بحث میں حصہ لینے کی اجازت فرماتے تھے۔ فقہ اکیڈمی ان کی علمی زندگی کا شاہکار ہے جہاں اب تک مختلف موضوعات پر تیرہ سیمینار ہو چکے ہیں اور ۱۱ مجلّے ان موضوعات کی روئداد پر شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ قاضی صاحب اپنی غیر معمولی علمی صلاحیت کی بنا پر مکہ فقہ اکیڈمی کے رکن بنائے گئے۔ کویت اور دبئی کی فقہی سیمناروں میں ان کی شرکت ان کا معمول تھا اور ان اسفار کے لئے وہ اپنی علالت سے بے نیاز ہوتے تھے۔ تفصیل مجلّہ جات:

شمار سیمینار	موضوعات	صفحات
اول	پگڑی بدل خلو اعضاء کی پیوند کاری	۴۰۸
	ضبط تولید	
دوم	کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت بنک	۵۷۵
	انٹریسٹ سودی لین دین	
سوم	بیع حقوق مرابحہ اسلامی بینکنگ	۶۹۴
چہارم	کرنسی انشورنس	۶۰۴
پنجم اول	زکوۃ فی سبیل اللہ	۵۱۸
دوم	مسائل الزکوۃ	۶۵۷
ششم اول	آراضی ہند کی شرعی حیثیت	۴۹۸
دوم	اسلام کا نظام عشر و خراج	۵۵۰
سوم	غیر مسلم ممالک میں عشر و خراج	۳۸۰
ہفتم اول	طبی اخلاقیات	۴۸۰
دوم	اوقاف	۵۶۴
ہشتم	ضرورت اور حاجت کا فرق	۵۷۰
نہم اول	ولایت نکاح	۴۴۳
دوم	اشتراط فی النکاح	۷۶۰
دہم اول	بیع بالتقسیط	۳۸۰
دوم	جدید تجارتی شکلیں	۴۳۶
گیارہ	حج اور عمرہ	۵۸۰

خطبات بنگلور سیرۃ النبی پر بنگلور میں قاضی صاحب کی تقریروں کا مجموعہ

مستقل کتاب	کلوننگ	۸۰
مستقل کتاب	اصطلاحات بینکنگ	۹۳
مستقل کتاب	اسلامی عدالت	۴۸۰
مستقل کتاب	مجموعہ قوانین اسلامی اردو	۴۱۲
	انگریزی	۱۹۰

ان میں سے بعض کتب کے قاضی صاحب نے عربی تراجم بھی شائع کرائے ہیں اور بہت سی عربی کتب کے اردو تراجم بھی کرائے ہیں جن میں فقہ ائمہ اربعہ کی تقابلی کتاب الموسوعہ کہ جو چالیس جلدوں پر مشتمل ہے اس کی بائیس جلدوں کا ترجمہ قاضی صاحب کی نگرانی میں مکمل ہو چکا ہے اور انشاء اللہ جلد ہی زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے گا۔ امارت شرعیہ بہار کے دور میں بھی قاضی صاحب نے بہت سی کتب مرتب کرائیں۔ بقیہ جلدوں کا ترجمہ بھی قاضی صاحب کی حیات میں ہی

مکمل ہو چکا تھا اب اس پر نظر ثانی ہو رہی ہے۔ قاضی صاحب کے مضامین کا ایک مجموعہ جناب خالد سیف اللہ صاحب نے مباحث فقہیہ کے نام سے مرتب فرمایا ہے جو چھپ چکا ہے اور بہت اہم موضوعات پر منتخب مضامین اس میں شامل ہیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ سے جناب قاضی صاحب کا تعلق اس کے قیام کے وقت سے ہی تھا۔ جناب قاری محمد طیب صاحبؒ صدر ہوئے اور جناب مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ جنرل سکریٹری نامزد کئے گئے تو قاضی صاحب ان کے معاون کار قرار پائے۔ اس کے بعد جناب مولانا علی میاں ندویؒ صاحب صدر اور جناب مولانا نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری تب بھی کاموں کا بیشتر بار جناب قاضی صاحب کی ذات گرامی پر ہی رہا۔

جناب مولانا علی میاں صاحب کے سانحہ وصال کے بعد جناب قاضی صاحب مسلم پرسنل لا بورڈ کے متفقہ طور پر صدر چنے گئے۔ قاضی صاحب اپنی علالت کی بنا پر دہلی میں قیام پذیر تھے لہٰذا بورڈ کا مرکزی دفتر بھی دہلی ہی منتقل ہو گیا۔ قاضی صاحب کا دور صدارت ایک طرف مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارتقاء کار کا دور ہے تو دوسری طرف ان کی علالت کی مجبوریوں میں اضافے کا بھی دور ہے مگر اسے کیا کیا جائے کہ اس مرد مجاہد نے اپنی کینسر جیسی بیماری شوگر اور بلڈ پریشر کے شکار ہونے کے باوجود مسلم پرسنل لا بورڈ کے کاموں پر بھرپور توجہ فرمائی اور اپنے لئے اچھے رفیق کار علماء کو اپنے پاس بلا کر ان سے علمی امور کی تکمیل کرائی۔

دوسرطرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بابری مسجد کے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لئے۔ اسلامی شریعت کے خلاف چل رہے مختلف عدالتوں میں مقدمات پر توجہ فرمائی۔ انہدام بابری مسجد کی تحقیق کرنے والے لبراہن کمیشن کے لئے خصوصی انتظامات فرمائے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے فوراً بعد قاضی صاحب نے راقم الحروف کو ہدایت فرمائی کہ میں بورڈ کے لیگل سیل کو منظم کروں اور لبراہن کمیشن کی کارروائیوں پر خصوصی توجہ دوں۔ چنانچہ میں نے ایک طرف تو لکھنؤ اور فیض آباد کے مقدمات کے جملہ فائل جناب ظفریاب جیلانی صاحب سے حاصل کر کے مجلد کرا کر بورڈ کے لیگل سیل میں محفوظ کئے دوسری طرف لبراہن کمیشن میں جس قدر حلف نامے اور بیانات داخل ہوئے تھے ان کی نقول جناب برقی صاحب ایڈوکیٹ سے حاصل کیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ اقسام کے اعتبار سے چھانٹ کر دفتر میں محفوظ کرایا۔ بورڈ کی لائبریری کے لئے ضرور قانونی کتب کی خریداری کی۔ اور پھر پابندی سے لبراہن کمیشن کی پیشیوں پر حاضر دی ہے۔ اس کی میری ۹۵ صفحات پر مشتمل رپورٹ طبع ہو چکی ہے اور حیدآباد اجلاس میں جملہ حضرات کو تقسیم کی گئی ہے۔

شاہ بانو کیس کے بعد اگر چہ ایکٹ ۸۶ء تو پاس ہو گیا لیکن باوجودیکہ اس کی تمہید میں یہ تحریر تھا کہ یہ قانون شاہ بانو کیس کے ذریعہ نقصان کی تلافی کے لئے پاس کیا جارہا ہے لیکن اس کی بعض عبارتی کمزوریوں کی بنا پر سپریم کورٹ کا شاہ بانو کیس کا فیصلہ عدلیہ کے لئے بطور نظیر برقرار رہا اور اس کی بنیاد پر مسلم پرسنل لا کے خلاف فیصلے ہوتے رہے۔ دہلی کی ایک عدالت نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ غیر معقول طریقہ پر دی گئی طلاق خواہ شریعت میں طلاق تسلیم کی جاتی ہو قانون اسے طلاق تسلیم نہیں کرے گا یہی صورت حاصل حالیہ اورنگ آباد میں مہاراشٹر ہائی کورٹ کی برانچ میں پیش آئی ہے اور بورڈ نے اس موضوع پر علماء اور وکلاء کی میٹنگ بلا کر غور کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اگست ۲۰۰۱ء میں سپریم کورٹ نے مسلم پرسنل لا سے متعلق مختلف عدالتوں میں چل رہے مقدمات کو اپنے یہاں لے لیا۔ اور پانچ جج کی دستوری بینچ کے سپرد کر دیا جس میں خود چیف جسٹس بھی شامل تھے۔ مسلسل چار دن تک ان ۱۸ مقدمات کے سلسلے میں بورڈ کی طرف سے جناب حاتم یوسف مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ اور دوسرے وکلا حضرات مثلاً مشتاق صاحب، برقی صاحب نے شریعت کے دفاع میں حصہ لیا لیکن اس کے باوجود سپریم کورٹ نے قرآنی آیت کی اپنی من مانی تفسیر کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ مفلوک الحال مسلم مطلقہ عورت متاع

بالمعروف کے تحت اپنے سابقہ صاحب استطاعت شوہر سے تاحیات متاع حاصل کرنے کی مجاز ہے یہ فیصلہ ۲۹ ستمبر ۲۰۰۱ء آیا جس نے قاضی صاحب کو بے حد پریشان کردیا اور وہ مسلسل اس کے تدارک کے لئے لوگوں سے مشورے کرتے رہے اور اسی کے پیش نظر انھوں نے مجموعہ قوانین اسلامی بعجلت ممکنہ طبع کرایا اور اس کا ترجمہ بھی انگریزی میں کرایا تاکہ عدالتوں میں پیش کیا جاسکے یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے دوایڈیشن ختم ہوچکے ہیں اور اب یہ مزید اضافے کے ساتھ تیسرے ایڈیشن کے طور پر زیر طباعت ہے۔

قاضی صاحب کی آخری دم تک یہ کوشش رہی کہ کسی طرح ان کے علمی امور پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ ذاکر باغ کے مکان میں بستر علالت پر دراز ہیں اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہے مگر تین چار علماء کرام ان کی ہدایت کے مطابق کام کررہے ہیں اور قاضی صاحب ایک ایک لفظ سن کر تصحیح کرارہے ہیں یہ تھا ان کا روزمرہ کا معمول۔

قاضی صاحب کے ذہن میں مختلف پلان رہتے تھے ایک طرف تو وہ ملی کونسل کے سکریٹری جنرل تھے اور ملت کے سیاسی افق پر ایک غیر متنازعہ رہنما ملت کے مستقبل کے لئے انتہائی فکرمند۔ لوگوں کو ضروری ہدایات کہ جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ ہند کسی ایک اتحاد کے ساتھ کام کرتی رہے تو دوسر طرف غیر مسلموں کی طرف سے ریشہ دوانیوں سے تحفظ کا اہتمام اللہ تعالی نے ان کو غیر معمولی ذہانت بخشی تھی۔ حالیہ شنکر اچاریہ کے جھانسے میں مسلم پرسنل لابورڈ کے نہ آنے میں قاضی صاحب کی رہنمائی شامل تھی ورنہ وہ لوگ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح متنازعہ آراضی پر مندر کی بنیاد رکھی جائے اور مسجد کی صرف تعمیر کا وعدہ ہی کرلیا جائے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ قاضی صاحب کو پرسنل لابورڈ کی صدارت کا بہت کم وقفہ ملا اور وہ چند ایسے رفقاء کار تیار نہ کرسکے جو ان کے بعد ان کے نامکمل امور کو مکمل کراسکیں اختتام مضمون کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک شعر نذر ہے:

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

اللہ کا شکر ہے کہ آج قاضی صاحب کی پوزیشن یہ ہے:

دن کو اک نور برستا ہے تری تربت پر
رات کو چار مہتاب تنی ہوئی ہے

یہ بھی اللہ کا شکر ہی ہے کہ اس نے منصب صدارت پر جناب مولانا رابع صاحب ندوی کو مامور فرمایا اور امید یہ ہے کہ مولانا قاضی صاحب کا بہتر بدل ثابت ہوں گے۔

آخر میں ایک ہدیہ عقیدت جو مختلف اشعار اپنے ہی ایک دوست زبیر رضوی کے ہیں مناسب ترمیم وتسخ کے ساتھ پیش ہے:

زندگی کون سا موڑ ہے یہ جہاں
میرے قدموں کی رفتار تھم سی گئی
جانے کیا شب کی ویرانیوں نے کیا
راہ چلتے مسافر کو نیند آگئی
زندگی کون سا موڑ ہے یہ جہاں
راہ ویران ہے کس کو آواز دوں
کوئی ایسا نہیں جو مری انجمن
فکر وفن کی شمعوں سے روشن کرے
آج پھر موت کی اک خبر سا گیا
ایک غم اک خلش اک چبھن دے گئی
مسکراتے لبوں کی ہنسی لے گئی
گاتے گاتے غزل کوئی چپ ہوگیا
پیتے پیتے کوئی بادہ کش سو گیا

علم و فن کے حسیں قافلے تھم گئے
وہ پرستار علم و ہنر اٹھ گیا
وہ نقیب گل و نسترن اٹھ گیا
آج پھر کاروان مہ و کہکشاں
سر جھکائے فضاؤں میں رک سا گیا
میری دھرتی کے ذروں سے کہنے لگا
وہ سراپا خلوص وفا اٹھ گیا
دین و ملت کا مدحت سرا اٹھ گیا
آج پھر موت کی یہ خبر ساتیا
کتنے چہروں کے صبحوں کو کمبلا گئی
کتنی آنکھوں کو ویرانیاں دے گئی
بزم خامشی داستاں بن گئی
زندگی موت کی میزبان بن گئی
آج کم خواب آنکھوں کو نیند آ گئی
زندگی گوشہ عافیت پا گئی

مناسب ہوگا کہ اس وقت میں قاضی صاحب کی زندگی کا اک پیغام بھی آپ کو دوں:

زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو
اس زمیں کی پستیوں پر آسماں بن کر رہو
یہ الم یہ ستم راستے پرخطر
راہرو تیرا ثابت رہے ہر قدم
مقام زندگی تعمیر کر موج حوادث میں
کناروں کا بھروسہ کیا کنارے ٹوٹ جاتے ہیں
رہروان راہ منزل رہ نہ جانا راہ میں
لذت صحرا نو روی دوری منزل میں ہے

☆☆☆

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

هم یه کنونشن ماضی کے کنونشنوں کی طرح اس لئے نہیں کررھے ھیں که سیکولرازم کی دھائی دے کر اور قوم پرستی و حب الوطنی کا واسطه دے کر ملك کے حکمرانوں سے مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ اور ان کی خیر وفلاح کی درخواست کریں ۔ کسی بھی ھندوستانی شھری سے کسی کو حب الوطنی اور سیکولرزم پر ایمان لانے کا مطالبه کرنے کا کوئی حق نھیں حب الوطنی انسانی فطرت کا ایك حصه ھے اور دوسروں کے دین و مذھب کی توھین و تذلیل یا اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ھردور کے صحیح الفطرت انسانوں نے نھایت برا اور ناگوار کام تصور کیا ھے ۔ اس لئے مسلمانوں کے کسی اجتماع کو اس طرح کی سند توثیق کسی سے طلب کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نھیں ۔ ھم یھاں ملت کے مسائل کی فھرست سازی کے لئے نھیں اکٹھا ھوئے ھیں ۔ نه ھم کسی عظیم و عالی مرتبت قائد کے ظھور کی اطلاع دینے یا اس کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ھوئے ھیں۔

ھم اجلاس کو اپنی آرزوؤں ، تمناؤں ، خوابوں اور خوش خیالیوں کے محشرستان تبدیل کرنے کے بھی قائل نھیں ، ھمیں حقائق کی کی زمین پر قدم رکھ کر گردو پیش کے احوال واقعی پر غور کرنا ھے ۔ ھمیں اقبال کے اس شعر میں جو حقیقت بیان کی گئی ھے اپنے سامنے رکھنا ھے۔ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ

(ماخوذ از خطبہ اتحاد امت کانفرنس، بمبئی)

حضرت قاضی صاحبؒ
کی مدرسہ امدادیہ سے وابستگی

عطاء الرحمٰن رضوی ایم کام ایل ایل بی
سکریٹری مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار)

یہ کائنات متضاد کیفیات اور حالات کی آئینہ دار ہے کائنات کا ہر ذرہ تغیر پذیر ہے، تغیر تبدل اس کائنات کے فطری تقاضے ہیں۔ اشیاء کی طرح انسان کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ حیات وممات کا سلسلہ روز ازل سے ہے ابد تک جاری رہے گا۔ یہ قانون قدرت ہے اور فطرت کا تقاضہ بھی۔ ہر ذی روح کے لئے موت اور ہر غیر ذی روح کے لئے فنا لازمی ہے۔ یہ احکام خداوندی ہے جو قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے۔ اس لئے اس پر ہر مومن کا ایمان ہے لیکن بقول علامہ اقبالؒ

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

ایسا ہی کچھ حال حضرت قاضی صاحبؒ کے سانحہ ارتحال پر محسوس ہوتا ہے، ان کی شخصیت عالم اسلام کے لئے محتاج تعارف نہیں، اندرون ملک امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے در و دیوار ماتم کناں ہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ماحول سوگوار ہے، فقہ اکیڈمی دہلی کا بھی ماحول دل فگار ہے اور آل انڈیا ملی کونسل دہلی اپنے بانی کی دائمی جدائی پر مرثیہ خواں ہے۔ ملک کے اندر پھیلے ہوئے دینی مدارس، مکاتب، ٹیکنیکل ادارے، شفا خانے، سب پر پژمردگی چھائی ہوئی ہے اور ان اداروں کے اراکین، عاملین اور ہمدردان سب کے سب ان کی مغفرت نیز بلندی درجات کے لئے دست بدعا ہیں اور ساتھ ہی پر امید بھی کہ اللہ تبارک وتعالی ان تمام، دینی، ملی، تعلیمی اور فلاحی اداروں کے لئے ان کانعم البدل عطا فرمائے آمین۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے میری وابستگی پہلی بار ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ ہوا یوں کہ اگست ۱۹۸۳ء میں جناب محمد شعیب صاحب سابق سکریٹری مدرسہ امدادیہ کے انتقال پر ملال کے بعد اس وقت کے صدر مدرسہ الحاج محمد اسحٰق صاحبؒ کے حکم نیز مجلس منتظمہ کے فیصلے کے پیش نظر اس بندۂ ناچیز کو مدرسہ امدادیہ کے سکریٹری کی حیثیت سے خدمت کا موقع اللہ پاک نے عنایت فرمایا، مدرسہ ہذا کے قیام کے سو سال پورے ہو چکے تھے، اس سلسلے میں صد سالہ جلسہ (پلاٹینم جوبلی) کا انعقاد ۲۶/ مارچ ۱۹۸۴ء کو ہوا جس میں صوبہ وبیرون صوبہ سے مہتم بالشان علماء کرام اور اکابرین عظام شریک جلسہ ہوئے، جن میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا سید نظام الدین مدظلہ العالی، اسی موقع پر مدرسہ ہذا کے ۳۹ فارغین حفاظ کرام کو جو سال رواں میں کامیاب ہوئے تھے، دستار فضیلت سے نوازا گیا اور اسی موقع پر ان علماء عظام واکابرین کی تقریریں ہوئیں، سب کی تفصیلات پیش کرنا مقصود نہیں ہے، فی الحال حضرت قاضی صاحبؒ کی تقریر کے چند الفاظ یہاں رقم کر رہا ہوں جو ان کی بصیرت افروز تقریر کا ماحصل تھا:

"علوم دینیہ میرے اسلاف کی اخلاقی قدروں کے ترجمان ہیں اور یہ دینی مدارس ان کا سرچشمہ، مگر صد افسوس کہ آج اس پر بھی دنیا وی تعلیم کا غلبہ اپنی گرفت مضبوط کئے جا رہا ہے اور ہم اپنے تاریخ کو خود اپنے ہاتھوں دفن کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اسکول اور کالجوں میں جس طرح تعلیم دی جا رہی ہے وہ غیر صحت مند نظر آ رہی ہے کہ لڑکے کتابوں کو چوتڑ کے نیچے رکھ کر امتحان ہال میں شریک ہو کر جعلی سند حاصل کر کے دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ آج میرا بھی یہی مزاج بنتا جا رہا ہے، مولوی کا مقام نائب رسول کا ہے، رسالت کی تکمیل ہو چکی اب اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کی ذمہ داری مولویوں کے سر پر آتی ہے۔ جس کا انحصار صحت مند تبلیغ پر ہے، لیکن ایسے مولوی کیا تبلیغ کر سکیں گے جو اسکول اور کالج کی طرح امتحان ہال میں اسلامی کتابوں، قرآن وحدیث کے شہ پاروں کے ساتھ بھی وہی حرکت کرتے آ رہے ہیں جو

اسکولوں اور کالجوں کی کتابوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، محض چند سکوں کی خاطر جعلی سند حاصل کر کے وہ بھی پوری قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں''۔ (ماخوذ از مجلہ الامداد در بھنگہ مطبوعہ ۱۹۸۵ء صفحہ ۲۵)

یہ تھے حضرتؒ کے الفاظ جو آج کے تناظر میں حرف بہ حرف سچ ثابت ہو رہے ہیں، ان کے انداز بیان اور بے پناہ علمی صلاحیت کا علم اسی پہلی ملاقات میں ہوا۔ پھر ان کا قیام اس شب مدرسہ امدادیہ کے مہمان خانہ میں رہا اور اس حقیر سے ہم کلام ہوتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مدرسہ امدادیہ ہمارے اسلاف کی زندہ و پائندہ یادگار ہے جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد گرامی پر ۱۳۰۰ھ میں ان کے خلیفہ و مرید حضرت حاجی منور علیؒ نستوی نے قائم کیا، جس کی حفاظت اور اس کے درس و تدریس کی ترویج و اشاعت امت مسلمہ پر فرض ہے۔ تمہاری حیثیت بحیثیت سکریٹری اس مدرسہ کے لئے خادم کی ہے، اس کی ہر ممکن خدمات کی ساری ذمہ داری اراکین منتظمہ نیز تم پر ہے اور تمہیں جوابدہ ہونا ہوگا۔ پوری مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ایماندارانہ طور بر انجام دیتے رہنا ہوگا، کیونکہ سو سال سے متجاوز اس مدرسہ کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے، اس کا ماضی شاندار اور پُر وقار رہا ہے جہاں سے مولانا سید سلیمان ندوی نے علمی پیاس بجھائی ہے۔ ان کے علاوہ اس صدی کے علماء عظام میں سینکڑوں نام ایسے بھی ہیں جو تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں، ان میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا حکیم زماں حسینیؒ، حضرت مولانا قاسم مظفر پوری مدظلہ، حضرت مولانا اویس قاسمیؒ، حضرت مولانا مفتی بلال بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا شمین الدینؒ ایم پی، حضرت مولانا عبدالسمیعؒ وزیر حکومت بہار، حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ، حضرت مولانا عبدالاحد جالویؒ، حضرت مولانا وہابؒ، حضرت مولانا عبدالرحیمؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظؒ، حضرت مولانا ہارون رشید قاسمیؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم شیدادو گھرویؒ، حضرت مولانا رضا احمد بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا محمد شعیبؒ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن قاسمیؒ وغیرہم۔ ان میں سے کچھ ہم سے سینئر تھے، کچھ ہم سبق اور کچھ جونیئر۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اپنے اساتذہ کرام کے متعلق آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظؒ، حضرت مولانا عبدالوہابؒ، کے چہرۂ مبارک اب بھی میری نگاہوں میں محفوظ ہیں۔ اسی مہمان خانہ سے متصل سامنے برآمدہ پر یہ حضرات گرامی معمولی چٹائی پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے اور طلباء بوریے پر بیٹھ کر حصول علم میں سرگرداں رہا کرتے تھے، کہاں گئے وہ اساتذہ اب تو صرف ان کی یادیں ہی باقی ہیں، اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ پھر آپ نے کہا میں علیم میاں باورچی کو بھی نہیں بھول پایا ہوں، جن کے ہاتھوں سے تیار کیا ہوا کچا پکا کھانا ہی ملا کرتا تھا، ان دنوں نہ تو سالن کا رواج تھا نہ ہی ترکاری کا، بس روٹی، چاول، دال، اور دال بھی ایسی کہ بالکل پانی، مسالہ بھی برائے نام، کئی بار ہم اور ہمارے ہم سبق طلبا ایک پیسہ کی لال مرچائی کو خرید کر جیب میں رکھا کرتے تھے، اس باورچی خانہ کی سلگتی چنگاری میں سیاہ مائل بھون کر ان کا چورن پیالہ میں ملنے والی بے مزہ دال میں انگلی سے ملا لیا کرتے تھے اور مزہ لے کر کھایا کرتے تھے۔ اسی روکھے پھیکے کھانے اور پھٹے پرانے ٹاٹ پر حصول علم کا جو معیار تھا وہ اب کہاں باقی رہا۔ اب تو تن آسانیاں آگئی ہیں۔ مدارس کے نظام میں نسبتاً پہلے سے زیادہ سہولتیں دستیاب ہیں، مسالہ دار سالن، ترکاری سب کچھ، مگر علمی صلاحیت انحطاط پذیر اب کہاں تیار ہوتے ہیں سید سلیمان ندوی، سید نظام الدین، مفتی بلال، مفتی یحییٰ، مولانا عبدالرب نشتر وغیرہ۔ میں تو مایوس ہوں اس انحطاطی دور کو دیکھ کر اور دست بدعا ہوں کہ اللہ ہمارے دلوں میں وہ جذبہ عطا فرمائے کہ یہ دینی مدارس اپنے اسی بوریہ نشینوں کے نقش قدم پر چل کر ایک بار پھر دین متین کی خدمات کما حقہ طور پر انجام دینے میں سرگرداں ہو جائیں۔ ان کی باتوں کو بغور سنتا رہا، درس حاصل کرتا رہا پھر آرام کے لئے ان کو چھوڑ کر میں مدرسہ کے دفتر میں واپس آگیا۔ اس پہلی ملاقات نے مجھے گرویدہ بنا رکھا تھا، جب بھی ان کا در بھنگہ کا سفر ہوتا یا پٹنہ جانے کا مجھے اتفاق ہوتا تو ان سے ملنے ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا اور بہت کچھ معلومات حاصل کر کے بے حد مسرور ہوتا ہوا لوٹتا۔

اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ۲۳/نومبر ۱۹۹۵ء سے ۳۰/نومبر ۱۹۹۵ء تک ''تحفظ شریعت ہفتہ'' کا انعقاد ملک گیر سطح پر ہوا۔ جس کا ماحصل تھا:

(۱) مسلمانان ہند یونی فارم سول کوڈ کے مخالف ہیں۔ (۲) ہندوؤں کا مذہبی طبقہ بھی اس سے اتفاق نہیں رکھتا۔ (۳) مسلمانوں کے

اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یکساں سول کوڈ مذہبی تعلیم سے متصادم ہے۔
اس کے نفاذ کے بعد عائلی اور شخصی زندگی میں قرآن وسنت کی ہدایات سے دستبردار ہونا پڑے گا اور ایسے قانون کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں مذہب کی مقرر کی ہوئی حدیں مٹ جائیں گی اور فرد کی شخصی زندگی سے حلال وحرام کا وجود مٹ جائے گا۔ مسلمان اس کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے کہ وہ ان قوانین کے ذریعہ اپنے عائلی اور شخصی معاملات ومسائل کا حل نکالیں، جن کا ہر ہر قدم پر مذہب سے ٹکراؤ ہوتا رہے۔ زعمائے قوم ورہبران ملت آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی ہدایات اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اصلاح معاشرہ کے زیر اہتمام مدرسہ امدادیہ کے وسیع وعریض میدان میں ۲۳ تا ۳۰/ نومبر ۱۹۹۵ء ''تحفظ شریعت ہفتہ'' کا انعقاد ہوا۔ کنوینر مولانا سید ابواختر قاسمی مدرس مدرسہ امدادیہ کی مساعی جمیلہ سے اس ایک ہفتہ کے دوران اصلاح معاشرہ کمیٹی کی کئی نشستیں طلب کی گئیں۔ اس کے تحت شہر ومضافات کی مساجد کے ائمہ کرام کی کانفرنسیں اور عمائدین ودانشوران کی مجالس شامل ہیں۔ ہفتہ کے آخیر دن ۳۰/ نومبر ۱۹۹۵ء بعد نماز مغرب تا عشاء طلبا امدادیہ کے ''بچوں کی کانفرنس'' کے تحت علمی مباحثہ اور یکساں سول کوڈ نافذ کئے جانے کے خلاف تقریریں ہوئیں۔ بعد نماز عشاء دوسری نشست میں ضلعی سطح پر کھلا عوامی اجلاس کے تحت پروگرام شروع ہوا، جس کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا، اس میں دربھنگہ وبیرون دربھنگہ کے قائدین ملت علماء نیز سیاستدانوں کی تقاریر کا ایک سلسلہ چل پڑا، جس میں مسلم وغیر مسلم سیاستداں ودانشوران بھی شریک ہوئے اور اہم مقررین میں جناب ڈاکٹر عبدالوہاب، جناب ڈاکٹر سید عبدالحلیم، جناب سلطان احمد انصاری، حضرت مولانا سید ابواختر قاسمی، حضرت مولانا صابر حسین قاسمی، پرنسپل مدرسہ امدادیہ وجناب ہری نندن یادو ایم، ایل، اے قابل ذکر ہیں اور ابنائے قدیم میں سے میری مراد حضرت قاضی صاحبؒ سے ہے۔ ان کی تقریر کے کچھ حصے آپ ملاحظہ فرمائیں:

''ہم مسلمان ہیں ملک سے محبت کرتے ہیں، ہندوستان کے دستور کو ماننے کے لئے پابندی عہد ہی نہیں بلکہ ایک فریضہ سمجھتے ہیں، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہمارے عائلی قانون میں کوئی مداخلت کرے اور یکساں سول کوڈ ہم پر لاگو کرنے کی کوشش کرے تو اس کو ہم برداشت بھی کرلیں، ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ کیونکہ ہم یہاں کے باوقار شہری ہیں، کوئی کرایہ دار نہیں۔ اور نہ ہی کسی کے محتاج ہیں، اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو وہ اپنے ذہن وفکر سے ان باؤں کو نکال دے۔ ہم نہ تو لابو پرساد کے بندھوا مزدور ہیں اور نہ ہی نرسمہا راؤ کے اجارہ دار بلکہ ہم صرف مسلمان ہیں۔ اور جس پل پیدا ہوئے اس وقت سے ابتک ہندوستانی ہیں اور ہندوستان کی جملہ دستور کی باتوں کو ماننا ہمارا فرض ہے۔ اس ئے آیئے بلاتفریق مذہب وملت، برادری اور عقیدہ کے ایک ساتھ قدم سے قدم ملا کر شانہ سے شانہ جوڑ کر ملک کی خدمت کریں اور فسطائی طاقت جو ہمارے خلاف سازش میں شریک ہیں ان کے ناپاک ارادوں کو ناکام کردیں، شریعت محمد کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اللہ مسبب الاسباب ہے، وہ ہماری حفاظت کرے گا۔ (ماخوذ مجلّہ الامداد، مطبوعہ جنوری ۱۹۹۶ء)

اس مرد مجاہد کے دل میں جہاں اسلامی اقدار کی حفاظت اور دینی تعلیم کی فکر تھی وہیں فلاحی کاموں کے تحت خدمت خلق کا جذبہ بھی موجزن تھا۔ ۲۱/ اگست ۱۹۸۸ء، ہولناک زلزلہ نے پورے دربھنگہ ضلع کو ہلا کر رکھ دیا۔ بالخصوص شہر دربھنگہ میں تو اور بھی تباہی دیکھنے کو ملی۔ مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ کی پوری عمارت زمیں بوس ہوگئی۔ سات طلبہ اور ایک مدرس مولانا محب رسولؒ نے ملبہ کے نیچے دب کر شہادت کا جام نوش فرمایا۔ مدارس امدادیہ کی چھتیں بھی زمین پر آگری۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کے بچے اور اساتذہ نماز فجر ادا کرنے جامع مسجد امدادیہ میں جاچکے تھے اور زلزلہ فجر کی نماز کے دو چار منٹوں کے بعد ہی ہوا تھا۔ شہر کی حالت انتہائی خستہ ہوگئی اور زلزلہ سے متاثر مصیبت زدگان کی راحت رسانی کے لئے فوراً ہی امارت شرعیہ بہار کی جانب سے مدرسہ امدادیہ میں دس دنوں کا راحت کیمپ لگا۔ جس میں حضرت مولانا سید منت اللہؒ، حضرت مولانا سید نظام الدین مدظلہ، حضرت مولانا احمد حسینؒ نائب ناظم امارت شرعیہ، حضرت مولانا مفتی نسیم قاسمی، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ودیگر حضرات گرامی بہ نفس نفیس دربھنگہ تشریف لائے۔ دوسرے دن جناب شاہد رام نگری مرحوم مدیر نقیب پٹنہ ودیگر قائدین ملت کے ساتھ حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی قیادت میں مدرسہ ہذا میں کیمپ کیا۔ اسی دوران پٹنہ، رانچی اور بھاگلپور سے کئی ٹرک نئے پرانے کپڑے اور غلہ جات مدرسہ امدادیہ میں

موصول ہوئے اور مصیبت زدگان کی مدد ہوتی رہی۔ مدرسہ امدادیہ کی ناگفتہ بہ حالت کے پیش نظر حضرت قاضی صاحب نے مدرسہ کے ملاحظہ رجسٹر پر اپنے تاثرات اس طرح مرقوم کئے:

''میں نے مورخہ ۱۱/ ستمبر ۱۹۸۸ء کو مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ کا معائنہ کیا۔ مجھے نہایت افسوس ہوا کہ یہ مشہور تاریخی مدرسہ شدید زلزلہ کی زد میں آ گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مدرسہ کی عظیم الشان عمارت منہدم ہوگئی ہے۔ مسجد بھی نا قابل استعمال ہوگئی ہے۔ لاکھوں روپئے کے مصارف ہیں۔ کام بظاہر بہت مشکل ہے لیکن اللہ کی قدرت کے سامنے میں بہت ہلکا ہے۔ میں اہل خیر حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ مدرسہ کی جدید تعمیر کے لئے فوری امداد کا ہاتھ بڑھائیں۔ آج طلباء کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ درسگاہیں ختم ہوگئی ہیں۔ مسجد بھی نا قابل استعمال ہے۔ ایک ہال محفوظ ہے، مدرسہ کے دارالحدیث میں نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہے۔ جو لوگ بھی اس کام میں تعاون کریں گے، عنداللہ اجر کے مستحق ہوں گے۔'' (فقط (دستخط) مجاہدالاسلام قاسمی، قاضی شریعہ بہار واڑیسہ پٹنہ مورخہ ۱۱/۹/۸۸ء)

اور اسی موقع سے امدادیہ مسجد پوری طرح شہید کر کے اس کی از سر نو تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ اول قسط امدادیہ مسجد کے لئے مبلغ چالیس ہزار روپئے دہلی کے ایک صاحب خیر سے دستیاب ہوئی۔ اسی سے کام کا آغاز ہوا۔ پھر دوسری قسط حضرت قاضی صاحبؒ نے خود مدرسہ کے دفتر میں تشریف لاکر پچاس ہزار روپیہ فراہم کرائی۔ اور تیسری قسط مبلغ تیس ہزار روپئے حافظ یوسف موضع بگھانے۔ کچھ رقم ہمارے مخلصین کی کاوشوں سے بذریعہ چندہ باہر سے فراہم ہوئیں۔ مسجد کے کاموں کے لئے اہالیان دربھنگہ کو اس لئے بھی زحمت نہیں دی گئی کہ یہاں کے تقریباً تمام محلوں میں مسجد کی تعمیری کام چل رہے تھے۔ اس طرح امدادیہ مسجد تیار ہوگئی۔ لیکن کچھ کام ابھی باقی رہ گیا ہے۔ مثلاً صحن کی تعمیر، وضوخانہ، اذان خانہ، برآمدہ کی تعمیر، بیرونی پلاسٹر وغیرہ۔ جس کے متعلق ملاحظہ کے بعد حضرت نے وعدہ فرمایا تھا کہ انشاء اللہ استکمال کے لئے انتظام کیا جائے گا۔ لیکن قدرت کو منظور نہ تھا کہ اس مسجد کے لئے کچھ اور بھی انتظام حضرتؒ کر سکیں۔ پھر ۱۹۹۵ء میں امارت شرعیہ ہی کے زیر اہتمام مدرسہ امدادیہ میں آئی کیمپ (آنکھوں کی موتیابند) کا مفت آپریشن کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر بلاتفریق مذہب وملت سینکڑوں افراد کے آنکھوں کا آپریشن دربھنگہ کے معروف ماہر امراض چشم پروفیسر راج شیکھر سریواستو اور پٹنہ سے آئے ہوئے ماہر ڈاکٹروں کے ذریعہ کیا گیا۔ مریضوں کو کھانا، اور چشمے مفت دیئے گئے بلکہ مریضوں کے درمیان ایک ایک کمبل بھی تقسیم کیا گیا۔ اس ایک ہفتہ کے لئے منعقد کیمپ میں تقریباً تین دنوں تک قاضی صاحبؒ خود ہی تشریف فرما رہے اور کیمپ کی نگرانی میں دلچسپی لیتے رہے۔ یہ تھا خدمت خلق کا جذبہ اور انسان سے والہانہ محبت کا اظہار۔ مزید ان کی تقریباً اس موقعہ کی پوری تفصیلات پیش کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مدرسہ امدادیہ سے حضرت قاضی صاحبؒ کی والہانہ وابستگی کے پیش نظر ان کی زندگی کا آخری موقعہ اپنی مادر علمی میں آنے کا تھا۔ ''آل انڈیا ملی کونسل کا تیسرا صوبائی انتخابی اجلاس ۲۵/نومبر ۲۰۰۰ء بمقام مدرسہ امدادیہ دربھنگہ'' جس کی تفصیلات مختصر ترین الفاظ میں اس طرح ہے:

''مورخہ ۲۵/ نومبر ۲۰۰۰ء مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے وسیع ہال دارالحدیث میں آل انڈیا ملی کونسل بہار کا تیسرا انتخابی صوبائی اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل دہلی منعقد ہوا جس میں پٹنہ، دربھنگہ، بھاگلپور، بہار شریف، سارن چمپارن، آرہ، مظفرپور، سہرسہ، مدھوبنی، پورنیہ اور صوبہ بہار کے دیگر حلقوں سے سینکڑوں مندوبین شریک اجلاس ہوئے۔ جلسہ کی کارروائی تلاوت قرآن حکیم سے شروع ہوئی۔ صدر استقبالیہ آل انڈیا ملی کونسل جناب سلطان احمد انصاری نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور اکابرین کی تقاریر کے بعد صوبہ بہار کے لئے مجلس عاملہ کے عہدیداران نیز اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔ آخر میں ایوان (ہاؤس) کی جانب سے ڈاکٹر شاکر خلیق متھلا یونیورسٹی دربھنگہ نے گیارہ نکاتی تجاویز پیش کی جس کی تائید مندوبین وحاضرین جلسہ نے کی۔ بالاتفاق آرا پاس شدہ تجاویز اور جلسہ کی کارروائی نیز خطبہ استقبالیہ دربھنگہ ضلع ملی کونسل کی جانب سے مطبوعہ ہے۔ اہل ذوق ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر دفتر ملی کونسل مدرسہ امدادیہ دربھنگہ سے مفت طلب کر سکتے ہیں۔ اس تاریخ ساز صوبائی اجلاس میں آل انڈیا ملی کونسل کے آفس سکریٹری جناب صفی اختر صاحب اور معاون انتظامی امور کے ناظم جناب وسیم احمد صاحب بھی دہلی سے تشریف لائے''۔

مورخہ ۴/ اپریل کو دربھنگہ میں ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کی

رہائش گاہ پر ایک ادبی نشست تھی۔ جہاں ادبا اور شعراء زینت محفل تھے ٹھیک سوا آٹھ بجے شب میری بیٹی شبانہ رحمٰن نے گھر سے مجھے فون کیا اور کہا کہ ابا ابھی ابھی دفتر ملی کونسل دہلی سے فون آیا ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ ابھی آدھا گھنٹہ قبل اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حاضرین مجلس پر سکتہ چھا گیا نشست ملتوی ہو گئی۔ فوراً اسی لمحہ ایک تعزیتی اطلاع مدیر قومی تنظیم پٹنہ کو فون پر ہی برائے اشاعت تحریر کرادی گئی۔ اپنے برادر خرد جناب سلطان احمد مقامی ایم ایل اے کو میں نے فون کیا۔ انھوں نے بھی اظہار تعزیت کی جو ۵/اپریل کے قومی تنظیم میں اس طرح ہے:

مورخہ ۴/اپریل (بذریعہ فون) دربھنگہ:

مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور مفکر اسلام حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے انتقال کے خبر ملتے ہیں پورا دربھنگہ سوگوار ہو گیا۔ اس سلسلے میں حافظ عبدالمنان طرزی (خالق رفتگاں و قائماں) کی رہائش گاہ پر ڈاکٹر ذاکر حسین ٹیچرس ٹریننگ کالج کے سکریٹری پروفیسر کاشف حسین کاش کی صدارت میں ایک تعزیتی نشست ہوئی۔ جس میں شرکاء جناب ڈاکٹر اجیر الحق، پروفیسر عبدالمنان طرزی، عطاء الرحمٰن رضوی سکریٹری مدرسہ امدادیہ، ڈاکٹر امام اعظم مدیر سہ ماہی "تمثیل نو" دربھنگہ، پروفیسر شوکت بزمی، جناب مولانا بدر عالم سلفی، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر ارشد جمیل اور شکیل احمد سلفی نے قاضی صاحبؒ کی دینی ملی قومی خدمات کا بطور خاص ایک اجمالی جائزہ پیش کیا اور دعاء مغفرت کی اور ان کے انتقال کو ملک و ملت کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا اور بعدہ اللہ تبارک تعالیٰ سے ان کی نیکیوں کو قبول اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمانے کی دعاء کی اور ساتھ ہی یہ بھی دعا کی کہ قوم و ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

برمزید دربھنگہ شہری حلقہ کے رکن اسمبلی جناب سلطان احمد نے بھی مولاناؒ کے انتقال کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کی خدمات عالم اسلام کے لئے قابل قدر تھی۔ ان کے انتقال سے جوامت مسلمہ کو صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ اس صدمہ کو برداشت کرنے کی صلاحیت عطا کرے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

(مطبوعہ قومی تنظیم پٹنہ مورخہ ۵/اپریل ۲۰۰۲ء)

حضرت کے سانحہ ارتحال کی یہ پہلی تعزیتی خبر تھی جس کی اشاعت قومی تنظیم میں ہوئی۔ جس سے پورے صوبہ کے معتقدین کو بروقت اطلاع مل گئی۔ اس کے بعد دوسرے ہی دن سے مختلف انجمن، ادارے، مدارس اور اسکول و کالج کی طرف سے تعزیتی پیغامات اخبار میں آتے رہے۔

مدرسہ امدادیہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کی یاد میں ایک دعائیہ و تعزیتی نشست مورخہ ۶/اپریل کو ہوئی۔ جس کی صدارت مدرسہ امدادیہ کے پرنسپل مولانا صابر حسین قاسمی نے کی۔ مدرسہ امدادیہ کے اساتذہ اور طلباء نے دعاء قرآن خوانی کے ذریعہ حضرت کی روح کو ایصال ثواب کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس سے قبل کی جنازہ اپنی آخری آرام گاہ تک پہنچتا جملہ اساتذہ، اسٹاف اور طلباء جنازہ دفن میں شرکت اور اپنے محبوب رہنما کے آخری دیدار کے لئے ٹوٹ پڑے۔ جہاں سے کل دیر رات تک واپسی کا سلسلہ۔ ہا۔ آج کی صبح بھی کم سوگوار نہیں تھی۔ صبح ہی سے قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

تقریباً ساڑھے ۹/ بجے صدر المدرسین، جملہ اساتذہ و طلبا بچشم نم قرآن خوانی کی مجلس جامع مسجد امدادیہ میں منعقد کی۔ قرآن خوانی کے بعد اجتماعی دعائیں کی گئیں۔ حضرت مولانا سید ابواختر قاسمی حضرتؒ کی حیات و کارنامے پر روشنی ڈالی اور مدرسہ امدادیہ سے ان کی وابستگی کا جائزہ پیش فرمایا اور کہا کہ حضرتؒ اس ادارہ کے قدیم طالب علم رہ چکے تھے بلکہ اس رشتہ کی رعایت سے تعلق رکھنے والے سے وہ بے حد محبت بھی کرتے تھے خاص طور پر مدرسہ کے موجودہ سکریٹری سے ان کا جووالہانہ تعلق تھا اس سے بھی سبھی واقف ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اساتذہ کرام نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور اجتماعی دعاء کی گئی کہ اللہ تعالی حضرت قاضی صاحبؒ کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے اور ترقی درجات سے نوازے۔ نیز امت مسلمہ جس عظیم رہنما سے محروم ہوئی ہے خاص طور پر ان پر آشوب و نازک ترین حالات میں ان کا نعم البدل عطا کرے اور ہر فتنہ و انتشار سے محفوظ رکھے۔

لیجئے ختم کہانی ہوگئی، عالم اسلام کا مہر درخشاں غروب ہو گیا۔ دربھنگہ کا نیر تاباں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، مدرسہ امدادیہ کا ایک روشن ترین باب نہ رہا۔

اور اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو لبیک کہا۔ اللہ ان کی تمام نیکیوں کو قبول فرمائے اور جوار رحمت میں خاص جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

امارت شرعیہ کمپلکس ، پھلواری شریف ، پٹنہ ، رجسٹریشن۔ 1952/83

جدید تعلیمی پیش رفت

دور جدید کے بدلتے ہوئے نظام تعلیم اور سائنس اور ٹکنالوجی کے نئے تجربات کے پیش نظر امارت شرعیہ کے ذریعہ چلنے والے مختلف شعبہ جات اور اداروں کی نگرانی کی غرض سے امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ کا قیام 1993 میں میں آیا اور تب سے آج تک ٹرسٹ اپنے فرائض کو بحسن خوبی انجام دے رہا ہے نئے اداروں کا قیام عمل میں آرہا ہے اور نئے کورسیز کی شروعات ہورہی ہے۔ حال ہی میں ایک ادارہ کا افتتاح راوڑ کیلا اڑیسہ میں کیا گیا ہے جہاں کمپیوٹر کی تعلیم دی جارہی ہے اور بلڈنگ کی تعمیر کا کام چل رہا ہے اور سال رواں میں آئی ٹی آئی کورسیز کی شروعات کی توقع ہے۔ بہار اور (NCVT) مرکزی حکومت سے منظور شدہ ٹرسٹ کے زیر نگرانی چلنے والے اداروں اور کورسیز کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) مولانا منت اللہ رحمانی میموریل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ

پھلواری شریف پٹنہ فون 257012/255581/251037

آئی ٹی آئی کورسیز

نمبر شمار	ٹریڈ	میعاد
(۱)	الیکٹرشین	۲ سال
(۲)	ڈرافٹسمین سول	۲ سال
(۳)	اے، سی ریفریجریشن	۲ سال
(۴)	الکٹرونکس میکانک	۲ سال
(۵)	پلمبر	۱ سال
(۶)	کوپا (کمپیوٹر)	۱ سال

(۲) امارت انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر الیکٹرانکس

امارت شرعیہ کیمپس، پھلواری شریف پٹنہ۔ ٹیلی فون ۔ 255581

(ماکھن لال چترویدی یونیورسٹی سے منظور شدہ جی سی مرکزی حکومت سے منظور شدہ۔)

نمبر شمار	ٹریڈ	میعاد
(۱)	پی جی ڈی سی اے	۱ سال
(۲)	ڈی جی ڈی سی اے	۱ سال

(۳) ایم ایم رحمانی پارامیڈیکل انسٹی ٹیوٹ

ڈی ایم ایل ٹی کورس

نمبر شمار	ٹریڈ	میعاد
(۱)	ڈپلوما ان میڈیکل لیباریٹری ٹیکنالوجی (پیتھالوجی)	۲ سال

(۴) سینٹر برائے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل حکومت ہند دہلی، امارت شرعیہ کمپلکس، پھلواری شریف، پٹنہ فون 255581

(۱)	ڈی سی اے اور کثیر لسانی ڈی ٹی پی	۱ سال

(۵) امارت مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ

مہدولی، پوسٹ شنکر پور ضلع دربھنگہ، ٹیلی فون۔ 20017-956272

نمبر شمار	ٹریڈ	میعاد
(۱)	فیٹر	۲ سال
(۲)	ڈرافٹسمین سول	۲ سال
(۳)	پلمبر	۱ سال
(۴)	ویلڈر	۱ سال

(۶) امارت ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ مظفرنگر گلاب باغ

پوسٹ کنڈوا، پورنیہ

نمبر شمار	ٹریڈ	میعاد
(۱)	فیٹر	۲ سال
(۲)	انسٹرومینٹ میکانک	۲ سال
(۳)	ویلڈر	۱ سال

(۷) ریاض آئی ٹی آئی ساٹھی

مدرسہ ریاض العلوم کمپلکس پوسٹ ساٹھی۔ ضلع مغربی چمپارن

نمبر شمار	ٹریڈ	میعاد
(۱)	الکیٹرونکس میکانک	۲ سال
(۲)	ڈرافسٹمین سول	۲ سال
(۳)	پلمبر	۱ سال
(۴)	ٹیلرنگ کٹنگ	۱ سال

تعلیمی لیاقت:

الکٹریشین، ڈرافسٹمین سول، الیکٹرونکس میکانک، انسٹرومینٹس کورسیز کے لئے امیدوار کا سائنس یا کامرس کے ساتھ انٹرمیڈیٹ ہونا لازمی ہے۔ پلمبر، ویلڈر اور ٹیلرنگ کے لئے امیدوار کا میٹرک یا فوقانیہ پاس ہونا ضروری ہے۔ پی. جی سی اے کے لئے امیدوار کا گریجویٹ ہونا لازمی ہے اور سی اے کے لئے انٹرمیڈیٹ ہونا لازمی ہے۔ این سی پی یو ایل (Urdu Computer) داخلہ کے لئے امیدوار کا میٹرک یا مساوی امتحان پاس ہونا لازمی ہے۔

امیدوار کی عمر:

۱۴ سال سے کم نہ ہو اور نہ 25 سال سے زیادہ۔

داخلہ کا طریقہ:

ہر سال جولائی کے پہلے ہفتہ میں داخلہ فارم پروسپیکٹس =/Rs. 100 دے کر ادارے کے کاؤنٹر سے یا Rs. 100/= بینک ڈرافٹ ادارے کے نام اور =/Rs. 30 کا ڈاک ٹکٹ بھی بھیج کر منگایا جاسکتا ہے۔ پر کردہ فارم مبلغ Rs. 50/= داخلہ ٹسٹ کے ساتھ ادارے کے پرنسپل کے نام جولائی کے آخری ہفتہ تک جمع کیا جاسکتا ہے۔ مقابلہ جاتی تحریری امتحان ہر سال اگست کے پہلے ہفتہ میں منعقد کیا جاتا ہے۔ ایڈمٹ کارڈ ایک روز قبل دفتر سے حاصل کیا جاسکتا ہے خواہش مند طلباء جلد از جلد متعلقہ اداروں سے رجوع کریں۔

(سکریٹری)

جو بادہ کش تھے پرانے اٹھتے جاتے ہیں

مولانا رضوان احمد ندوی
معاون ایڈیٹر ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف پٹنہ

۴؍اپریل ۲۰۰۲ء کی شام کو ایک ایسا مرد مجاہد دنیا سے رخصت ہوگیا جس نے اپنی تمام عمر میں کبھی ٹھہرنے اور ستانے کا نام نہیں لیا تھا۔ اس کا دماغ مشین کے پرزوں کی طرح ہمیشہ حرکت وگردش میں لگا رہتا، وہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے غم میں نڈھال ہو چکا تھا، واحسرتا کہ اب وہ اس مقام پر چلا گیا جہاں سے آج تک کوئی لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ یہ گوہر درخشاں، نابغہ روزگار شخصیت، ملک کی سب سے باوقار موقر تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت وقاضی القضاۃ، اسلامک فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی تھی، جو اپنی طویل علالت کے بعد دہلی کے اپولو اسپتال میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، بس یوں سمجھئے کہ قوم کی ایک مشترک دولت لٹ گئی۔

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ وبو، نغمے اداس
اک تیرے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہوگیا

حقیقت یہ ہے کہ بعض آفاقی شخصیات ایسی ہوتی ہیں، جو چرخ کے ہزاروں گردشوں کے بعد جنم لیتی ہیں اور چشم فلک جن کا صدیوں اور سالوں انتظار کرتی ہیں، وقت قدم قدم پر رک کر اور سنبھل کر ایسے افراد کو بناتا ہے، سنوارتا ہے اور تراشتا ہے، تب کہیں جاکر ایک گوہر نایاب اور مرد کامل جنم لیتا ہے، بلاشبہ حضرت قاضی صاحب ایسی ہی عالمی شخصیات میں سے تھے، وہ بیک وقت فقیہ بھی تھے اور متکلم بھی، بے مثال خطیب بھی تھے اور شیریں گفتار عالم دین بھی، بلکہ یوں کہئے کہ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند کرے۔

آپ کی ولادت ۹؍اکتوبر ۱۹۳۶ء کو دربھنگہ کے ایک مردم خیز قصبہ جالے میں ہوئی، اس قصبہ نے ماضی میں بھی بہت سی عظیم شخصیتیں پیدا کی ہیں اور شخصیتوں کے اعتبار سے تو یہ قصبہ ہمیشہ سرسبز وشاداب رہ چکا ہے، خود آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالاحد صاحب جید عالم دین، صاحب نسبت بزرگ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی کے خصوصی شاگرد اور تربیت یافتہ لوگوں میں تھے۔ آپ کی اس علمی وتہذیبی گھرانے میں پرورش و پرداخت ہوئی، گھریلو مکتبی تعلیم کے بعد مدرسہ محمود العلوم دملہ (مدھوبنی)، مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ اور دارالعلوم مؤناتھ بھنجن میں متوسطات تک کی کتابیں پڑھیں۔ پھر ۱۹۵۱ء میں علوم اسلامیہ کی تکمیل کے لئے ایشیا کی قدیم علمی وفکری درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور ۵ سال تک وہاں کے اکابر علماء اور ماہر فن باکمال اساتذہ سے فیض یاب ہوئے اور ہر فن میں کمال ومہارت پیدا کیا۔ ۱۹۵۵ء میں دیوبند سے فراغت حاصل کی، تو حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی کی دورس اور نگہ بلند نے آپ کی ذہانت وفطانت اور غیر معمولی صلاحیت کو بھانپ لیا، اور جامعہ رحمانی مونگیر میں درس وتدریس کی خدمات انجام دینے کی پیش کش کی۔ حضرت قاضی صاحب امیر شریعت رابع کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے مونگیر تشریف لے گئے اور ایک مدرس اور باکمال معلم کی حیثیت سے ۷ سال تک وہاں عربی کی متوسطات سے علیا تک کی تمام معیاری کتابوں کا درس دیا اسی درمیان جب ۲۵ مارچ ۱۹۵۷ء میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی بہار، اڑیسہ کے چوتھے امیر شریعت منتخب ہوئے تو امارت

شرعیہ کے شعبوں کو متحرک وفعال بنانے، تنظیم امارت کے دائرہ کار کو وسعت دینے اور نظام قضا کو پھیلانے کے لئے نہایت ہی دور اندیش، زمانہ شناس اور حد درجہ ذہین وفطین شخص کی ضرورت محسوس کی اور نظر انتخاب حضرت قاضی صاحب پر ہی پڑی۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں آپ کو امارت شرعیہ کا ناظم اور دارالقضاء کا قاضی مقرر فرمایا، چند سالوں کے بعد نظامت کا عہدہ تو مولانا سید نظام الدین صاحب (موجودہ امیر شریعت) کو سپرد کیا مگر تقریباً ۴۲-۴۳ سال تک قاضی کے عہدہ پر تاحیات فائز رہے اور ایک قابل تقلید، مثالی قاضی کی حیثیت سے ملک وبیرون ملک متعارف ہوئے، آپ کے فیصلوں کو فریقین اس طرح تسلیم کرتے تھے کہ گویا کہ فیصلے دونوں کے حق میں برابر ہوئے ہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج آپ کے فیصلوں کو بطور ریفرنس پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے جہاں نظام قضاء کو وسعت دی وہیں المعہد العالی للتدریب الافتاء والقضاء کا شعبہ قائم کیا۔ جس کے تحت تربیت یافتہ قاضیوں کی ایک ٹیم تیار کی۔ جو اس وقت بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کے علاوہ ملک کی مختلف ریاستوں میں قضاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے قاضیوں کی عملی رہنمائی کے لئے اسلامی عدالت کے نام سے اردو عربی میں ایک جامع علمی کتاب بھی مرتب کی جس میں فقہ اسلامی کی تدوین کی تاریخ اور متقدمین قضا کے نظام قضاء کے طریقوں پر بہت ہی مفصل ومدلل بحث کیا گیا ہے۔

حضرت قاضی صاحب ملت کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے اور ان کے درمیان نظم واتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے، اور اس سلسلہ میں امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے سینکڑوں دیہی وشہری علاقوں کا دورہ کیا۔ مسلمانوں کے ذہن ودماغ کی فکری آبیاری کی اور انھیں ذات وبرادری کی لعنت اور اونچ نیچ کی تفریق وامتیاز سے اوپر اٹھ کر کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک امت اور ایک جماعت بن کر زندگی گزارنے کی کامیاب کوششیں کیں، قدرت نے آپ کی زبان میں بلا کی تاثیر وقوت گویائی عطا کیا تھا، جس سے خاص وعام کو استفادہ کا موقع ملا، اس پس منظر میں جب ۱۹۶۵ء میں آل انڈیا مجلس مشاورت کی تشکیل عمل میں آئی تو آپ کو اس کا سرگرم وفعال ممبر بنایا گیا۔ اور آپ نے اس پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے اجتماعی نظام میں قوت عطا کی۔ مگر جب مجلس مشاورت کے مخلص وفعال رجال عمل ودین آہستہ آہستہ اٹھنے لگے اور مشاورت اپنی افادیت کھونے لگی تو یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ ایسا نہ ہو مسلمان موتی کے دانوں کی طرح منتشر ہو جائیں اور ان کی اجتماعی قوت بکھر جائیں۔ چنانچہ ان کی شیرازہ بندی کے لئے ۱۹۹۲ء میں آل انڈیا ملی کونسل کی تشکیل فرمائی، جس میں ملک گیر سطح پر ہر مکتب فکر کے ممتاز علماء ودانشوروں کو ایک دھاگے میں پرو دیا۔ پھر اس تنظیم کے ذریعہ ملک میں بڑے نازک مرحلوں میں ملت کی صحیح رہنمائی کرتے رہے۔ اس سے قبل جب حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی نے ۱۹۷۲ء میں مسلمانوں کے ایک متفقہ ادارہ اور تحفظ شریعت کے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کے قیام کا خاکہ تیار کیا تو اس خاکے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت قاضی صاحب کو ہی اپنا رفیق کار اور مشیر کار بنایا، اور اس میدان میں آپ ان کے خاص معین ومددگار رہے، پھر اس کے بعد آپ نے مسلم پرسنل لا کی شرعی اور قانونی حیثیت کی وضاحت کی اور ملک کے سامنے اس کا تعارف کرایا، مجھے یہ کہنے میں کوئی باک وتامل نہیں کہ وہ اس سلسلے میں اپنے معاصر علماء ودانشور اور اصحاب فکر ونظر پر بھی فوقیت لے گئے، جب آپ ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد کی مکہ مسجد میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا تعارف کرانا شروع کیا تو حضرت قاری محمد طیبؒ نے فرمایا کہ قاضی صاحب کی اس فکر انگیز تقریر کے بعد تقریر کرنا گویا قاضی صاحب کی تقریر کے اثر کو زائل کرنا ہے۔ پھر اس کے بعد کسی شخصیت نے تقریر نہیں کی۔ بورڈ کے سامنے چاہے متبنیٰ بل کا معاملہ ہو یا جبری نسبندی کا، مسلم مطلقہ کے نفقہ کا مسئلہ ہو یا یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا، ہر محاذ پر آپ نے بورڈ کی ایسی ترجمانی کی جس سے مسلمانوں کا بھی وقار

بلند ہوا، اور سچ یہ ہے کہ آپ کی انہیں جلالت علمی، دینی بصیرت اور مدبرانہ فراست وعزیمت کی بنا پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کے بعد ۲۳ راپریل ۲۰۰۰ء کو اتفاق رائے سے بورڈ کا صدر منتخب کیا، گرچہ آپ کا عہد صدارت بہت مختصر رہا۔ پھر بھی آپ نے اپنے دوسالہ عہد صدارت میں بورڈ کے اندر ایسی حرارت وتیزی لائی اور شریعت محمدی اور تشخص اسلامی کے تحفظ کے لئے جو عملی منصوبہ اور پروگرام بنائے اور برت کر دکھایا وہ آپ کی عظیم دینی خدمات کا نمایاں پہلو ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ فیصلہ اور کام کی راہ میں تکلف ومروت اور مراعات کو قطعاً حائل نہ ہونے دیتے تھے، جو شخص جس صلاحیت کا مالک ہوتا اس سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کام لے لیا کرتے تھے اگر موت مہلت دیتی تو یقین تھا کہ وہ بورڈ کے درپیش بہت سے پے چیدہ مسائل کو حل کردیتے۔ لیکن ہر کمال کو زوال ہے، لازوال صرف خدا کی ذات ہے۔ ان تمام خصوصیات و امتیازات کے ساتھ حضرت قاضی صاحب کا اصل عملی میدان فقہ اسلامی کو بدلتے ہوئے حالات وزمانے پر منطبق کرنا اور پیش آمدہ مسائل کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور فقہاء مجتہدین کے اجتہادات کی روشنی میں حل پیش کرنا تھا۔ اس کے لئے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد ڈالی، اور جدید مسائل پر بحث وتمحیص کے لئے ملک وبیرون ملک کے بلند پایہ فقہاء، نامور علماء، ومجتہدین، اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب فکر ونظر اور نوجوانوں کو ایک جگہ جمع کرکے متعدد سیمینار کئے۔ مقالات ومباحث اور مختلف آرا پر کھل کر بحث کی دعوت دی۔ آخر میں کسی ایک مسئلہ پر اتفاق کرکے ملت کو بہت سی دشواریوں سے بچایا، آپ نے اکیڈمی کے دائرہ کار کو وسعت دے کر بہت ہی عظیم علمی وفقہی کارنامے انجام دیئے، ان میں سب سے اہم کام قدیم مخطوطہ صنوان القضاء کو آڈٹ کیا اور الموسوعۃ الفقہیہ کویت کا اردو ترجمہ کرواکر علماء وفقہاء کو استفادہ کا موقعہ دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی وقیع علمی وفقہی اور معاشرتی کتابیں بھی مرتب کی ہیں۔ خاص کر ایام علالت میں تو آپ کی رہائش گاہ ذاکر باغ، نئی دہلی علم وتحقیق کا مرکز بنا ہوا تھا۔ علماء وفضلاء مدارس قلم وکاغذ سنبھالے ہیں اور حضرت قاضی صاحب ہیں کہ وہ اپنے علم وکمال کا دریا بہا کر انہیں سیراب کررہے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ بھی علمی کارنامے انجام دیئے یقین ہے کہ عنداللہ ان کے حق میں حجت ودلیل ثابت ہوں گے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت قاضی صاحب کی ہمہ جہت علمی شخصیت اور ان کے نام وکارناموں سے میں بہت پہلے سے متعارف تھا مگر شناسائی وملاقات ۱۹۸۰ء میں اپنے آبائی وطن جمال پور دربھنگہ میں ہوئی۔

کہاں سے چھیڑوں میں اپنا قصہ یہ درد فرقت کی داستاں ہے
سناؤں بھی میں یہ قصہ غم اگر تو آخر کہاں سے پہلے

میں انھیں ٹکٹکی باندھے بہت دیر تک دیکھتا رہا، یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ ہیں جن کی میں اس قدر شہرت سن چکا ہوں، میانہ قد، سادہ کرتا وپائجامہ، بارعب چہرہ، عینک سے جھانکتی روشن اور ذہین آنکھیں، شہد سے زیادہ شیریں زبان، گفتگو اس قدر پرکشش کہ ہر لفظ ناپ تول کر استعمال کررہے ہیں جملوں کی بندش ایسی کہ ان میں نہ کسی لفظ کے اضافے کی گنجائش، اور نہ تخفیف کی ضرورت، بس وہ تقریر فرمارہے ہیں اور میں بے ساختہ ان کی طرف کھینچا چلا جارہا ہوں، آج بھی ان کا وہ فکر انگیز خطاب میرے ذہن ودماغ پر نقش ہے انھوں نے فرمایا تھا کہ کوئی ملت اتحاد اور اجتماعیت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر جب ۱۹۹۲ء میں امارت شرعیہ سے وابستہ ہوا تو بہت قریب سے دیکھنے، اور سننے کا موقع ملا، متعدد اسفار میں رفیق سفر بھی بنا، آخری ملاقات ۱۰ رمارچ کو دہلی میں ہوئی، جس میں انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کو فعال بنانے کے سلسلے میں کئی مفید مشورے دیئے، آخر کار وقت موعود آپہونچا اور وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

آہ کتنی مشکل زندگی ہے؟ کس قدر آساں ہے موت

☆☆☆

ایک بیدار مغز قائد
جس کی لغتِ حیات میں لفظ شکست نہ تھا

ماسٹر اختر پرویز، مالیر کوٹلہ
رکن عاملہ آل انڈیا ملی کونسل

بلند مرتبہ عالم دین، ممتاز دانشور، دردمند مصلح، مدبرو مفکر، تجربہ کار رہنما، نکتہ سنج فقیہ، بے باک مقرر، جرأتمند قائد، ممتاز خطیب، عظیم قلمکار اور نمایاں انشاء پرداز۔ ان تمام کثیر الجہات خوبیوں کے مالک تھے۔ آل انڈیا ملی کونسل کے بانی سکریٹری جنرل اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قومی صدر مرحوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمی۔ ع

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مرحوم قاضی صاحب کی اس عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنے اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تأمل ہو رہا ہے کہ کہاں میں اور کہاں وہ بقعۂ نور علم وعرفاں۔

میں ان کی علمی بصیرت، بیدار مغزی، تحفظ دین و شریعت سے متعلق بے لچک موقف کے بارے میں سن چکا تھا، لیکن ان کی دید وشنید کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب شاہ بانو کیس سے متعلق تحریک تحفظ شریعت کے اجلاس میں شرکت کے لیے موصوف مالیر کوٹلہ تشریف لائے اور اپنے ایمان افروز خطاب سے اہل پنجاب کو محظوظ فرمایا۔ ان کی سادگی، بے تکلفی، پروقار شخصیت اور ملنساری نے ہر آدمی کو متاثر کیا۔

آل انڈیا ملی کونسل کے قیام کے بعد جب میرے برادر نسبتی آل انڈیا ملی کونسل کے مرکزی رہنما مولانا عبدالوہاب خلجی کے توسط سے اہل پنجاب کا رشتہ کونسل سے جڑا اور کونسل کے پروگراموں میں شرکت کے لیے ہمارا مختلف مقامات پر جانا آنا ہوا اور انہیں قریب سے دیکھا تو ان کی ہمہ جہت شخصیت سے میں ہی نہیں بلکہ ہر کوئی مرعوب ہوئے بنا نہ رہا۔

ملک وملت اور مسلم مسائل پر جس وقت وہ بولتے تو بالکل صاف گوئی، جرأت اور بے باکی سے بولتے ان کی بات، کسی تذبذب کا شکار نہ ہوتی ان کا موقف واضح اور غیر متغیر ہوتا، حق وانصاف کی حمایت اور اصول ورواداری میں بے دریغ بات کا سامنے والے پر ایسا نقش چھوڑتے جس سے سامع ان کا بن کے رہ جاتا۔ بلاشبہ وہ ایک ہوش مند صائب رائے، ملت کے ترجمان تھے

ان کی جرأت اور استقامت اور اصابت رائے ہی تھی جس نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کو فعال ومتحرک اور امت مسلمہ کی مؤثر آواز بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حق کی حمایت اور شریعت کے دفاع میں پیش پیش رہے، باطل کے سامنے سینہ سپر رہے۔ مصلحت اندیشی اور حکومت کی رضا وخوشنودی کے لیے کبھی اپنے صحیح اور ایمانی موقف سے ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹے۔

آل انڈیا ملی کونسل ان کے قومی جذبہ، ملی درد، ملکی احساس، اور مسلم مسائل میں ان کی محویت کا مظہر تھی، تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اس ہمہ گیر اور اجتماعی پلیٹ فارم سے اپنے

قومی وملی احساس کا لوہا منوایا اہم وسنگین مسائل پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حکمراں محاذ اور جماعتوں کے سامنے سینہ سپر ہوکر ڈٹ گئے۔ اپنی قوت ایمانی، جذبہ ملی اور مجاہدانہ عزم وحوصلہ کا ثبوت دیا۔

انہیں سماجی ضرورتوں، فلاحی کاموں کا بھی پورا پورا احساس تھا، وہ اپنے پہلو میں دردمند دل رکھتے تھے ان کی روح میں سوز تھا خون میں حرارت تھی، انسانی ہمدردی کے پیکر مجسم تھے، جنوری ۲۰۰۱ء میں آل انڈیا ملی کونسل کے اجلاس بمقام چنئی کے موقع پر جب ڈاکٹر تسلیم رحمانی، جناب موجی خاں اور مولانا عبدالاحد تاراپوری نے گجرات کے زلزلہ سے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی تو وہ تڑپ اٹھے۔ ان کی بے چینی اور اضطراری کیفیت ان کے چہرہ پر صاف ظاہر تھی، فوراً ہی دوسرا اعلیٰ سطحی وفد گجرات بھیجنے کا اعلان کیا، اور ایک ریلیف کمیٹی تشکیل فرمائی۔ ملی کونسل کے سرگرم رہنما میرے برادر عزیز حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب کو اس کا کنوینر مقرر کیا۔ پھر بھرے اجلاس میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے عزم وحوصلہ کا اظہار کیا، جو نہ صرف ان کے جذبۂ انسانی کا عکس تھا مولانا عبدالوہاب خلجی سے ان کی محبت وشفقت اور گہرے تعلق کا ثبوت بھی۔

ہم نے جو کچھ دیکھا سنا اور پایا اس کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندہ وسفیر تھے اور ملک وملت کے ایسے بے لوث قائد، جس کی لغتِ حیات میں لفظ شکست نہ تھا وہ زندگی کے آخری دم تک دین وملت کی سرخ روئی، تحفظ شریعت کے دفاع کی جنگ میں مصروف رہے ان کی دینی ملی اور ملکی خدمات ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کا روشن باب ہوں گی۔

بولہبی میڈیا

اے لوگو! یہ تھا ابولہبی میڈیا'' اور آج اسی میڈیا کی ترقی یافتہ صورت ہے جو امریکہ، انگلینڈ اور ہندوستان میں نظر آتی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ابولہب کا وہ میڈیا ناکام ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی سچائیوں اور حقیقتوں کے سامنے یہ میڈیا کارگر نہ ہوسکا۔ سچائی اپنا وجود رکھتی ہے۔ حقائق اپنا وجود رکھتے ہیں جن کے پاس حقیقت ہوگی ان کو میڈیا سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ابولہب کی یہ نعرہ بازیاں، جھوٹی نشر واشاعت اور جھوٹی پبلیسٹی، جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش مگر حقیقت پر مبنی دعوت پر نہیں ٹھہر سکی۔ انتہائی درجہ معتدل، ردعمل سے بچتے ہوئے، چوٹ سہتے اور حکمت عملی کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے ہوئے، کبھی چچا سے جھگڑے نہیں، کبھی الولہب کی بات کا جواب تک نہیں دیا• اپنا کام کرتے رہے، سچائیاں غالب ہوکر رہتی ہیں۔

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (الاسراء: ۸۱)

''حق آگیا، باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے کے لیے تو آیا ہی ہے۔''

لوگو! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے اور تمہارے لیے سوچنے کے لئے نہیں ہے۔ آج علم ودانش کے نام پر، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے نام پر، بڑے بڑے دماغوں کی پلاننگ کی بنیاد پر، اسلام اور رسول کی تصویر کو بگاڑنے کی جو بھی کوشش کرتے رہیں ہیں، ناکامی ہی ان کا مقدر ہے۔ سچائیاں اور حقائق غالب ہوکر رہتے ہیں۔ ہمیں ہمت ہارنے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ابولہب کا چراغ بجھ سکتا ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ چمک سکتا ہے اور ''سراج منیر'' بن کر پوری کائنات کو ضوفشاں کرسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج بھی وہی چراغ مصطفوی روشن نہ رہے اور کائنات کو اپنی کرنوں کا اسیر نہ بنالے۔''

قاضی مجاهد الاسلام قاسمی

ماخوذ خطبات بنگلور

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ڈاکٹر رضوان احمد
سکریٹری اردو اکیڈمی بہار

حالاں کہ اس خبر وحشت اثر کے لئے ذہنی طور پر خود کو کئی دنوں سے تیار کرلیا تھا مگر ذہن یہ دلاسہ بھی دیتا تھا کہ گزشتہ برسوں میں ان کے سامنے ایسے کتنے ہی جان لیوا مراحل آئے ہیں۔ اور انھوں نے منزلوں کو بہ آسانی عبور کرلیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار بھی ایسا ہی ہو کیوں کہ مجمع الامراض ہونے کے باوجود وہ بار بار موت کو شکست دے دیتے تھے۔ کبھی کبھی تو ان کے معالجین بھی حیرت میں پڑ جاتے تھے کہ آخر وہ زندہ کیسے ہیں۔ مگر اس بار ایسا نہیں ہوا اور موت نے انھیں ہم لوگوں کے درمیان سے اٹھالیا۔

مشیت نے اجل کو کام کیا سونپا زمانے میں
چمن سے توڑنا پھول اور ویرانے میں رکھ دینا

۵ر مارچ کو منحوس رات کو وہ خبر آہی گئی جس سے ہم سب خائف تھے۔ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ لیکن انھوں نے زمانے پر ایسے نقوش ثبت کئے ہیں کہ ان کی شخصیت کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صرف ایک جید عالم ہی نہیں تھے عالم باعمل تھے اور اس سے آگے بڑھ کر وہ ایک مفکر اور دانشور تھے۔ بحرانی دور میں امت مسلمہ ان کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھنے لگتی تھی کہ وہ اس مسئلے میں کیا نکتہ پیدا کریں گے۔ ان کی بات بات میں ایک بات ہوا کرتی تھی۔

گزشتہ ماہ آخری بار وہ صرف ایک دن کے لئے اسپتال سے گھر آئے تھے اور وہ دن ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں بہت اہمت کا حامل تھا۔ وہ چند گھنٹے بے حد قیمتی تھے۔ اس دن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا وفد کانچی کے شنکر اچاریہ سے گفتگو کرنے جارہا تھا۔ اپنی علالت کے سبب وہ اس گفتگو میں شریک نہیں ہوسکے۔ لیکن ان لوگوں کی جانب سے جو نکات پیش کئے گئے اس پر قاضی صاحب نے ہی ارکان کو بتایا کہ کیا کیا خامیاں ہیں اور ان ہی کے مطابق شنکر آچاریہ کو جواب دے دیا گیا۔ بس شاید قدرت نے انھیں اتنی ہی مہلت عنایت کی تھی کیوں کہ اس کے بعد وہ اسپتال گئے تو پھر واپس نہیں آسکے۔

میں یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتا کہ مجھے قاضی صاحب کی بہت زیادہ قربت حاصل تھی۔ یا ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کا زیادہ موقع ملا تھا۔ ویسے بھی ان کی زندگی بہت معروف تھی مختلف قسم کی معروفیات تھیں۔ دینی، ملی، تعلیمی، سماجی، سیاسی، ادبی، تحقیقی اور اس کے بعد کے مسلسل اسفار، کبھی اندرون ملک اور کبھی بیرون ملک۔ اس کے باوجود اس قدر کام کیسے کرلیتے تھے یہ دیکھ کر ہی حیرت ہوتی تھی۔ جب تک ان کا قیام پھلواری شریف میں رہا میں کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوکر روشنی حاصل کرتا تھا۔ لیکن گزشتہ ایک دہائی سے ان کا مستقر دہلی بن گیا تھا اور وہیں سے قومی و بین الاقوامی سطح پر ان کی خدمات جاری تھیں۔ پھر اس کے بعد علالت کا سلسلہ تھا۔ کیوں کہ ان کے امراض بھی بے شمار تھے۔ وہ علاج تو کرتے تھے لیکن پرہیز کبھی نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے علاج معالجہ کے باوجود امراض کنٹرول میں نہیں آتے تھے۔ ان سب کے باوجود وہ سال میں پانچ، سات بار پٹنہ ضرور تشریف لاتے تھے اور جب بھی آتے تھے اس حقیر فقیر کو بھی یاد فرماتے تھے۔ ان کی محفل کا عالم یہ ہوتا تھا

کہ ہمہ وقت درجنوں ارادت مند بیٹھے رہتے تھے۔ میرا معمول تھا کہ میں کسی کونے کھدرے میں چپ چاپ جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ لیکن وہ مستی میں بھی ہشیار آنکھ رکھنے والے انسان تھے جو بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑ لیتا ہے اسی لئے ان کی نظر مجھ پر ضرور پڑ جاتی تھی اور جب نظر پڑتی تھی تو فوراً ان کا حکم ہوتا تھا کہ تم آ کر میرے بغل میں بیٹھ جاؤ یہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا اکثر لوگ بھی حیرت زدہ ہو کر اس منظر کو دیکھتے تھے ایک بار سبھوں کے سامنے کہنے لگے کہ میں تمھارا کالم بہت شوق سے پڑھتا ہوں لیکن دشواری یہ ہے کہ دہلی میں مجھے پابندی سے یہ اخبار نہیں ملتا ہے اس لئے میں نے اپنے دفتر کو ہدایت دے رکھی ہے کہ تمھارا کالم مجھے فیکس پر بھیج دیا جائے اور اب میں پابندی سے اس کا مطالعہ کر رہا ہوں میرے لئے یہ بہت بڑی سند تھی جس پر میں تاعمر فخر کرتا رہوں گا مجھے اس وقت احساس ہوا کہ زندگی بھر کاغذ سیاہ کرنا ضائع نہیں گیا کیوں کہ ایک جید عالم نے بھری بزم میں میری ٹوٹی پھوٹی تحریر کی تعریف کی۔

مجھے ان کی مجلسوں میں بیٹھنا اس لئے اچھا لگتا تھا کہ وہ جو کچھ بولتے تھے وہ صرف علم ہوتا تھا ان کا ہر لفظ بہت سے مفاہیم لئے ہوئے ہوتا تھا۔ ہر جملہ بہت ہی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا تھا اس لئے میں ان کی تمام باتوں کو اپنے ذہن میں نوٹ کرتا رہتا تھا۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے اپنی زندگی میں بہت سے کارنامے انجام دیئے مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ دارالقضاء کا قیام ہے۔ انھوں نے نہ صرف اسلامی قوانین کی تدوین کی، اس موضوع پر کتابیں لکھیں، بلکہ اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ ان کی کوشش تھی کہ پورے ملک میں مسلمانوں کے دیوانی مقدمات کے فیصلوں کے لئے شرعی عدالتیں قائم کردی جائیں تاکہ نہ انھیں زیر بار ہونا پڑے اور نہ زیادہ پریشانیاں اٹھانی پڑے۔ امارت شرعیہ میں اس کا کامیاب تجربہ ہوا۔ جہاں اب تک کئی ہزار مقدمات کے فیصلے کئے جا چکے ہیں۔ اور کبھی کسی فیصلے پر انگلی نہیں اٹھائی گئی۔ نہ کوئی تنازعہ کھڑا ہوا۔ فریقین نے اسے بے چوں و چرا تسلیم کیا۔ اس نظام کو وہ پورے ملک تک پھیلانا چاہتے تھے اور اس میں انہیں کافی کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ بلکہ ایک بار تو ایسا ہوا کہ پانڈیچری کے وزیر اعلیٰ فاروق مار یکر صاحب پٹنہ تشریف لائے تو وہ میرے ہمراہ امارت شرعیہ دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ میں نے انھیں قاضی صاحب سے ملایا تو قاضی صاحب نے فاروق صاحب سے کہا کہ آپ اپنے یہاں بھی امارت شرعیہ قائم کیجئے۔ فاروق صاحب نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ کس کے لئے وہاں تو مسلمان ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ خود میرے حلقے میں صرف ۱۸ فیصد مسلمان ہیں جبکہ پانڈیچری کے ۱۰۰ فیصد سے بھی زیادہ مندروں کا صدر نشیں میں ہوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کے دل میں شرعی نظام کے قیام کی کیسی شدید تڑپ تھی۔

ان کا سب سے اہم ہدف ہندوستانی مسلمانوں کو عصری تعلیم سے آراستہ کرنا تھا۔ اسی لئے انھوں نے جہاں مدارس اور اسکول قائم کئے وہیں تکنیکی اداروں کا قیام عمل میں لائے۔ جہاں آج سینکڑوں طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ گزشتہ سال انھوں نے ایک روز مجھے فون کر کے بلوایا اور کہا کہ میں تعلیم کے موضوع پر یہاں ایک بین الاقوامی سیمینار کرنا چاہتا ہوں۔ تم اس کا ایک خاکہ تیار کردو۔ میں نے پوچھا اس کا موضوع کیا ہوگا تو انھوں نے فرمایا ''اکیسویں صدی علم کی صدی'' ان کی نظریں اکیسویں صدی کے اختتام بھی دیکھ رہی تھیں اور اس کا مکمل خاکہ ان کے ذہن میں تھا۔ لیکن ان کی علالت کے سبب اس کانفرنس کا انعقاد عمل میں نہیں آسکا۔

آج موت نے ہمیں ان سے چھین لیا ہے۔ میرے ذہن میں یادوں کا سیلاب موجزن ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کون سی بات درج کروں اور کسے چھوڑ دوں۔ اس موقع پر مجھے ایک دانشور کی کہی ہوئی وہ بات یاد آ رہی ہے کہ آپ کی طبعی کمی کا تو ہمیشہ احساس ہوگا لیکن اصل صدمہ تو اس علمی خزانے کا ہے جو آپ کے ساتھ دفن ہو رہا ہے۔

☆☆☆

قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ - وحدت امت کے داعی

غطریف شہباز ندوی
سب ایڈیٹر افکار ملی

لوگو! امت جسد واحد ہے، اس کو تفریق کی قینچیوں سے مت کاٹو، ہمارے حضورؐ امت کو ایک بنانے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو جوڑنے آئے۔ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے آئے اور ہم نے ٹکڑے کرنے کا سبق سیکھا ہے۔ نہ جانے کتنی تنظیمیں کن کن ناموں پر ہیں؟--- یہ الفاظ مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی ایک تقریر کا حصہ ہیں جن میں سیرت کی روح اور عطر نکال کر رکھ دیا گیا ہے اور ان کی عملی زندگی بھی اسی نصب العین کے حصول کی کوشش میں گزری، فقہ اکیڈمی اور ملی کونسل ہو یا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا پلیٹ فارم، سبھی سے انھوں نے اس مقصد کے لئے کوششیں کیں۔ذیل کی سطور میں اس سلسلہ میں کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ایک واقعی اور مثالی مسلم معاشرہ کا تصور کیا جائے تو اُس کا سب سے ابھرا ہوا جو پہلو سامنے آتا ہے وہ توحید کا وصف ہے۔اس کے نظری اور عقائدی پہلو اور ان کی اصلیت اور اثرات اپنی جگہ۔ اس کا اجتماعی اور معاشرتی پہلو یہ ہے کہ وہ وحدت رب اور وحدت انسان کے تصور پر مبنی ہے وہ کہتا ہے کہ تمام انسانوں کا خالق و مالک ایک ہی ہے۔اور اسی طرح تمام انسان ایک ہی فرد کی اولاد ہیں اس لئے منطقی طور پر تمام انسان برابر ہیں اور سب کو ایک ہی ہونا چاہیے۔اب ظاہر ہے کہ جو عقیدہ تمام انسانوں کو اصل کے اعتبار سے ایک قرار دیتا ہے جن میں اس کے ماننے والے بھی ہیں اور مخالفین بھی۔وہ اپنے ماننے والوں اور علمبرداروں میں اتفاق واتحاد کا کس درجہ قائل ہوگا یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے مابین وحدت ملی کو ایک خدا، ایک رسول اور ایک قانون پر استوار کیا ہے اور ان کے درمیان تمام خود ساختہ توارق وامتیاز کو یک قلم سے مسترد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے پیروؤں میں کسی اصولی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔اختلاف جو کچھ ہوسکتا ہے اور ہوا ہے وہ فروع میں ہوسکتا ہے۔یعنی وحدت ملی مسلمان معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، قرآن وحدیث کی متعدد نصوص اس حقیقت کی طرف رہ نمائی کرتی ہیں۔مثلاً قرآن کہتا ہے: إنما المومنون إخوة تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات-۱۰) اور وہ کہتا ہے إن امتکم امة واحدة وأنا ربکم فاعبدون تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں لہٰذا بس میری عبادت کرو۔ (انبیاء-۹۲) حدیث میں آتا ہے کہ ''مومن مومن کا آئینہ ہے، وہ اس کا سہارا بنتا ہے، اسے حالات کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتا اس سے بے وفائی نہیں کرتا'' (بروایت ابوہریرہؓ، ترمذی، مشکوۃ) ایک اور لمبی حدیث میں امت مسلمہ کو جسد واحد بتایا گیا ہے جس کے ایک عضو کو کوئی تکلیف ہونے سے پورے جسم کو اذیت پہنچتی ہے۔ (مشکوۃ باب الشفقۃ ۴۱۴) غرض یہ کہ دین میں وحدت ملی پر بہت زور دیا گیا ہے، اور اس کے فقدان سے دین کے متعدد اہم تقاضے اور مطالبات نظر انداز ہوجاتے ہیں۔

تاہم انسانی معاشرہ کا تاریخی اور نفسیاتی مطالعہ بتاتا ہے

کہ جس طرح انسان مدنی الطبع یعنی مل جل کر رہنے والی مخلوق ہے اسی طرح وہ اپنا الگ وجود بھی رکھتا ہے، وہ اپنی جگہ خود ایک چھوٹی سی دنیا ہے، اس کی اپنی ایک رائے ہے، اپنی انفرادیت ہے، یعنی جیسے انسان کی اجتماعیت پسندی ایک حقیقت ہے ویسے ہی طبائع اور رجحانات کا اختلاف بھی کائنات انسانی کی ایک بڑی سچائی ہے اور کسی بھی معاشرہ میں اس سے مفر نہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہیں، انسان کے فکر وخیال کو مہمیز لگتی ہے، تفکر کی صلاحیت بیدار ہوتی ہے ذہن تخلیق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اختلاف انسانی معاشرہ کا ایک وصف بھی ہے اور ایک ناگزیر ضرورت بھی۔ اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ انسان کی فکری تاریخ میں ہمیشہ اختلاف رائے رہا ہے ہر نسل پچھلی نسل سے اختلاف کرتی آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف اپنے حدود کے اندر رہے تو وہ ناپسندیدہ نہیں، اصل مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جب اختلاف کی آڑ میں خودرائی، ذاتی انا، شخصیت پرستی، عصبیت اور پارٹی بندی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، اور یہیں سے اختلاف مخالفت میں بدل جاتا ہے۔

اس نازک صورت حال میں قاضی صاحب مرحوم نے ہر مناسب موقع سے وحدت امت کی بات اٹھائی اور ہر محفل، ہر پلیٹ فارم کو اس کے لئے استعمال کیا، سیرت نبوی کے ایک خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بکریاں چرانے کا ذکر کیا تو دوسری اور باتوں کے تذکرہ کے ساتھ ہی انھوں نے بڑی خوبصورتی اور بلاغت سے وحدت کی بات چھیڑ دی ان کے الفاظ تھے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کی چرواہی کرنی تھی، جہاں ۲۴ گھنٹہ نگرانی بھی ہو اور جہاں نرمی، رفق اور لینت بھی ضروری تھی، بکریوں کا چرواہا زیادہ جانتا ہے کہ کس نرمی اور حکمت اور محبت کے ساتھ اسے پالا اور چرایا جائے، انسانوں کا چرواہا اس سے زیادہ اہمیت کے ساتھ نرمی، رفق اور حکمت کے ساتھ انسانوں کی نگرانی کی ذمہ داری پوری کرتا ہے، حضور کو اس کا تجربہ تھا کہ بکریوں کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے اس لئے ہمارے آقا نے فرمایا کہ لوگو! جب بکریوں کے ریوڑ پر بھیڑیا حملہ آور ہوتا ہے تو کون سی بکریاں اٹھا لیجاتا ہے، فرمایا کہ بیچ جھنڈ اور ریوڑ کے درمیان جو بکریاں ہوتی ہیں وہ نہیں لے جاتا، جو کنارے ہو جاتیں یا پیچھے رہ جاتیں، جو اس جھنڈ اور ریوڑ کو چھوڑ دیں، وہیں بھیڑیوں کا نشانہ بنتی ہیں، امت کو بھی شیطانی بھیڑیوں کا خطرہ ہوگا تو جو امت اور جماعت کے اجتماعی وجود سے کنارے ہو جائے گا، پیچھے رہ جائے گا وہیں شیطانی بھیڑیوں کا شکار ہوگا'' صلی اللہ علیہ وسلم'' ضمنی طور پر میں آپ کو یہ بھی کہتا چلوں کہ جماعت کو کبھی ٹوٹنے مت دو اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت سے کبھی علیحدہ مت ہونا، ورنہ خطرہ ہے اس کا کہ تم کو بھی بھیڑیا اٹھالے جائے''۔ (خطبات بنگلور ص: ۴۶)

آج مسلمانوں میں سیاسی وجماعتی اور مذہبی اختلاف تو ہے ہی وہ ذاتوں اور برادری واد کے چنگل میں بھی بری طرح پھنسے ہوئے ہیں، اس برائی کی طرف سیرت نبوی کی روشنی میں قاضی صاحب نے یوں اشارہ کیا: ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان اور برادریوں کی جنگوں کو مٹایا، کلمہ کی وحدت کی بنیاد پر امت میں وحدت پیدا فرمائی۔ یہ اتنی بنیادی اور اہم بات ہے کہ جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تم ذات اور برادریوں کی لڑائی لڑتے ہو۔ ابھی میں انگلینڈ گیا تو وہاں تماشہ دیکھا مسلمان تو ہیں لیکن یہ ہندی ہیں، یہ بنگلہ دیشی ہیں، یہ پاکستانی ہیں یہ وہاں انگلینڈ کے گورے ہیں، یہ حبشی ہیں، یہ عرب ہیں، یہ شامی ہیں اور یہ فلاں ہیں اور یہ فلاں ہیں۔ اور پھر گجراتیوں میں یہ سورت کے ہیں اور بھروچ کے ہیں........ میرے عزیزو اور دوستو! اس طرح برادریوں اور علاقائی تقسیم کی وجہ سے انگلینڈ میں جہاں بڑی تعداد میں تم آباد ہو چکے ہو، تمہاری کوئی اجتماعی حیثیت برقرار نہیں، حالانکہ وہاں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ تم اپنی اجتماعی

حیثیت پیدا کرو اور کلمہ کی وحدت کی بنیاد پر ایک بنو۔ یہاں بھی وہی لڑائی لڑتے ہیں۔ یہ شمال کا ہے اور یہ جنوب کا، یہ مشرق کا ہے اور یہ مغرب کا، یہ بہار کا ہے اور یہ بنگال کا، یہ آسام کا ہے یہ یوپی کا، یہ کرناٹک اور کیرالہ کا ہے اور تامل ناڈو کا اور یہ آندھرا کا ہے، لوگو! امت جسد واحد ہے اس کو تفریق کی قینچیوں سے مت کاٹو۔ ہمارے حضورؐ امت کو ایک بنانے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو جوڑنے آئے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے آئے، اور ہم نے ٹکڑے کرنے کا سبق سیکھا ہے۔ نہ جانے کتنی تنظیمیں کن کن ناموں پر ہیں؟ آج میرٹھ میں قریشی اور انصاری کی لڑائی تم نے کی۔ وہی میرٹھ جہاں ہاشم پورہ اور ملیانہ موجود ہے، مگر ہاشم پورہ اور ملیانہ سے عبرت نہ پکڑنے والوں نے ابھی ابھی ایک ایک کروڑ روپے مالیت کا نقصان کیا، اس جھگڑے میں کہ یہ قریشی ہیں اور یہ انصاری ہیں۔ اس کے بعد بھی تم چاہتے ہو کہ اللہ کی رحمت تم پر اترے'' (حوالہ سابقہ صفحہ ۸۱) یہ اتنا طویل اور لمبا اقتباس محض اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ اس میں بڑی خوبی اور بلاغت اور تاثیر سے بھرے اسلوب میں مقرر نے وہ ساری بیماریاں گن گن کر بیان کر دی ہیں جو دیمک کی طرح امت کی وحدت کی دیوار کو چاٹ رہی ہیں۔ اس میں وہ سب امراض آگئے ہیں جو آج امت کے لئے ناسور بن گئے ہیں، اس اقتباس کی دوسری اہم ترین بات یا ٹیپ کا بند امت کو کلمہ کی بنیاد پر وحدت کی طرف بلاتا ہے۔

قاضی صاحب مرحوم مسلکاً حنفی، مشرباً دیوبندی تھے لیکن وہ کہیں بھی نہ حنفیت کی دعوت دیتے ہیں نہ دیوبندیت کی طرف بلاتے ہیں دیکھا جائے تو یہی ایک نکتہ کہ امت کو کلمہ کی بنیاد پر جمع کرنا اور وحدت کی دعوت دینا ہی وہ صفت ہے جو مرحوم کے قد کو معاصرین میں ممتاز اور نمایاں کر دیتی ہے۔ یہاں پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس قدر لچک اور عملیت کے باوجود کیا قاضی صاحب اس مشن میں کامیاب ہو سکے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے، دوسرا سوال یہ ہے کیوں نہیں اس میں کامیابی ملی اور ملت کے مختلف ادارے، مسالک اور جماعتیں نظری طور پر وحدت امت کے قائل ہونے اور زبانی طور پر اس کی دعوت دیتے رہنے اور اس موضوع پر مضامین لکھنے، سیمینار، سمپوزیم اور جلسے وغیرہ کرتے رہنے کے باوجود بھی عملاً متحد و متفق کیوں نہیں ہوئیں؟

ملی قیادت کا بیشتر اور بہترین عنصر مدارس سے آتا ہے، علماء یہیں سے تیار ہوتے ہیں، اب اگر انہیں مدارس و مراکز میں طلبہ کو نفرت، عصبیت اور فرقہ بندی کا درس دیا جائے، ان کے فکر و نظر کے دریچے بند کر دیئے جائیں ان کے سوچنے سمجھنے اور معلومات حاصل کرنے کی صلاحیتوں پر پہرے بٹھا دیے جائیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ وہی نکلے گا جس کے مظاہر عام ہیں اور جس کی شکایت ہر زبان پر ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قاضی صاحب نے فقہ اکیڈمی اور فقہی سیمیناروں کے ذریعہ اس ناگفتہ بہ صورت حال کو بدلنے کی جمود کو توڑنے اور علماء میں توسع اور کشادہ ذہنی و کشادہ ظرفی پیدا کرنے کی کوشش، جو خاصی حد تک کامیاب رہی اور اس سے برف پگھلی۔ اکیڈمی کا دائرۂ اثر محدود علمی اور فقہی حلقوں تک تھا، اس فکر اور سوچ کو بڑے پیمانے پر وسیع کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے کلمہ کی بنیاد پر وحدت ملی کے اس پیغام کو معاشرہ کے عام طبقات تک بھی پہنچانے کی کوشش کی گئی، لیکن قاضی صاحب کی شدید علالت، حالات کے صبر اور رفقاء کار کے اضمحلال کے باعث ان کا یہ خواب ادھورا ہی رہ گیا۔ امید کی جانی چاہیے کہ فقہ اکیڈمی اور ملی کونسل دونوں قاضی صاحبؒ کی اس علمی اور فکری روایت کو آگے بڑھائیں گے۔

☆☆☆

ایسا کہاں سے لاؤں.....

محمد قمر عالم، ایٹہ
سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل، اتر پردیش

شام سات بجے کی ریڈیو کی خبروں سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل، صدر مسلم پرسنل لا بورڈ، قاضی امارت شرعیہ، بہار اڑیسہ، جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، درجنوں اداروں اور سوسائٹیز کے سرپرست، کئی بین الاقوامی وقومی سطح کے مدرسوں اور جامعات کے مشیر، متعدد غیر ملکی علمی اداروں کے اعزازی وحیاتی رکن اس جہان فانی سے منتقل ہوکر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ ایک جھٹکا لگا کچھ لمحے کے لئے سب کچھ ساکت ہوگیا گویا کہ اس دنیا میں صفر کے سوا کچھ نہ رہا۔ پھر دل کو سمجھایا کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ فون پر ملی کونسل کے دفتر، ذاکر باغ قاضی صاحب کی جائے قیام، ڈاکٹر منظور عالم صاحب کی رہائش، ڈاکٹر تسلیم احمد رحمانی کے گھر، موجی خاں صاحب کے مکان، کہاں کہاں رابطہ کی کوشش نہ کی گئی، لیکن ہر جگہ سناٹا، پھر خیال آیا تم بھی عجیب شخص ہو آج دوسرا دن ہی گزر رہا ہے تمام رفیق کار اپنا گریبان چاک کئے سر دھنتے ہوں گے۔ کون بتائے گا تمہیں اس مجاہد کے آخری سفر کی داستان۔ دوسرے دن ڈاکٹر تسلیم احمد رحمانی صاحب کے گھر رابطہ قائم ہوسکا ان کی اہلیہ نے مختصراً حالات بتائے۔ غم ایک ایسا احساس ہے جو متاثر بھی کرتا اور ختم بھی ہوجاتا ہے میرا بھی یہی حال ہوا لیکن یہ احساس آج بھی باقی ہے کہ چودھری محمد اللہ خاں صاحب (ساکن قصبہ سہاور، ضلع ایٹہ) کے بعد میں نے ایک اور سرپرست دوسری کھودیا۔

ملی اتحاد کے نائب مدیر جناب عبدالقادر شمس قاسمی صاحب کی اس فرمائش پر کہ اپنے تعلق کی بنیاد پر میں قاضی صاحب کے بارے میں کچھ اظہار خیال کروں یہ میری فہم وفراست سے دور ہے۔ مجھ جیسا حقیر آدمی ایسی عظیم ہستیوں کے بارے میں کیا تبصرہ کرسکتا ہے سوائے اس کے کہ اپنی عقیدت کا اظہار کردے۔ میں یہ ظاہر کردوں کہ میں بہت کم شخصیتوں سے متاثر ہوتا ہوں ایسے حضرات کی فہرست میرے پاس مختصر ہے جس میں قاضی صاحب سب سے اوپر تھے۔ وہ کتنے عظیم عالم تھے اس کا کوئی پیمانہ میرے پاس نہیں ہے، وہ کتنے مخلص ملی رہنما تھے کتنا درد تھا ان کے دل میں اس ظلم رسیدہ ملت کا اس کا علم مجھے ہے اور ان کے بعد مجھے کوئی اس درجہ پر نظر نہیں آتا (اللہ بہتر اسباب پیدا کرنے والا ہے) گھر چھوڑا، تن بدن کا ہوش نہیں، آخر کو ملت کی فکر میں ہی جان دے دی۔ میں کہوں کہ قاضی صاحب اقبال کے اس شعر کی تشریح تھے تو کوئی غلط بیانی نہیں ہوگی جس میں انھوں نے ایک مومن قائد کی صفات بیان کی ہیں۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

قاضی صاحب سے میری ملاقات بابری مسجد تحریک کے سلسلہ میں ستمبر ۱۹۹۰ء کے آخری ہفتہ میں دہلی جامع مسجد میں ہوئی تھی ان کے انداز گفتگو، اظہار رائے، تدبر اور مشورے سے

حاضرین متاثر ہوئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب مرکز میں قومی مورچہ کی سرکار تھی وزارت عظمیٰ کی کرسی پر جناب وشوناتھ پرتاپ سنگھ جلوہ افروز تھے اسی دوران لال کرشن اڈوانی جی رام مندر آندولن کے تحت سومناتھ سے ایودھیا کی یاترا موٹر رتھ پر سوار ہوکر کررہے تھے جس کی وجہ سے پورے ملک میں شدید نفرت کا ماحول پیدا ہوگیا تھا کئی مقامات پر مسلم مخالف فسادات بھی کرائے گئے تھے یہ یاترا دو ایک روز میں دہلی میں داخل ہونے والی تھی اسی کے مدنظر آل انڈیا بابری مسجد ایکشن کمیٹی کا اجلاس جامع مسجد میں بلایا گیا تھا تاکہ حالات کے تحت کوئی فیصلہ لیا جاسکے۔ احقر بھی بحیثیت رکن موجود تھا۔ معتبر ذرائع سے یہ بھی معلومات ہوئی تھی کہ مرکزی سرکار بابری مسجد کے سلسلہ میں کوئی اقدام کرنے والی ہے جس کے لئے اس نے اپنے حواریوں اور گماشتوں (نام نہاد مسلم رہنما) کے ذریعہ ملک بھر سے مسئلہ کے حل کے نام پر دانشور، علماء، ولی رہنما کو بلوا کر دہلی کے عالیشان ہوٹلوں میں ٹھہرا رکھا ہے تاکہ وقت ضرورت کام لیا جاسکے۔ اس وقت اتر پردیش میں شری ملائم سنگھ یادو صاحب کی سرکار تھی۔ اور جناب محمد اعظم خاں صاحب کنوینر ایکشن کمیٹی، وزیر کابینہ تھے جن کے ذمہ مختلف محکمہ جات کے علاوہ قلم دان مسلم اوقاف بھی تھا، وزیر اعلیٰ نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ بابری مسجد کے مسئلے میں ایکشن کمیٹی اور مسلمانوں کا جو موقف ہے میں اس کی حمایت کرتا ہوں۔ اسی دوران ایک روز رات کے ۹ بجے ایکشن کمیٹی کا وفد وزیر اعظم سے ملا شری اڈوانی کی رتھ یاترا کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ملک اور دستور کی سلامتی کے مدنظر اسے روکنے کا مطالبہ کیا اور یہ بھی معلومات چاہی کہ بابری مسجد کے مسئلہ کے سلسلے میں آپ کا یا آپ کی سرکار کا کیا ارادہ ہے؟ وزیر اعظم نے اپنی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کسی بھی اقدام سے انکار کرتے ہوئے ایکشن کمیٹی کے موقف کی تائید کی لیکن دوسرے روز صبح کے اخبارات سے علم ہوا کہ مرکزی سرکار نے بابری مسجد وملحقہ آراضی کو بحق سرکار تحویل میں لے لیا ہے اور ایسا ٹرسٹ بنانے کا فیصلہ کیا ہے جو کہ پورے طور پر آراضی نزاعی پر مالکانہ حق رکھے گا اور کسی کو بھی منتقل کرنے کا اختیار بھی ہوگا اخبارات میں شری اڈوانی دیگر وشو ہندو پریشد کے قائدین کے بیانات بھی تھے جس میں انھوں نے اس قدم کو سراہا تھا۔ ٹرسٹ کے مجوزہ مسودے کی تصدیق کرانے کے لئے ملک بھر سے علماء ودانشوران بلائے گئے تھے۔ معتبر ذرائع سے یہ بھی علم ہوا تھا کہ کچھ درباری قسم کے علماء نے اس اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے ٹرسٹ کے مسودے کی تصدیق بھی کردی۔ قاضی صاحب مرحوم کو بھی اسی سلسلے میں دہلی بلوایا گیا تھا۔ ایکشن کمیٹی کے رکن اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد محمد مقیم صاحب کو قاضی صاحب سے رابطہ قائم کرنے کا ذمہ سونپا گیا۔ مقیم صاحب کافی کوشش اور تگ ودو کے بعد قاضی صاحب موصوف تک پہنچے اور ان کو حالات سے واقف کراکر جامع مسجد تک لے آئے۔ یہ میرا ان سے ملاقات کا پہلا مرحلہ تھا جو کہ بہت مختصر لیکن اہم اور پر اثر تھا۔ قاضی صاحب نے ظفریاب جیلانی صاحب ومشتاق احمد صدیقی صاحب سے (جو کہ تحریک کی قیادت کے ساتھ ہی بابری مسجد مقدمہ کی پیروی بھی کررہے تھے) تحویل میں لئے جانے والے حکمت نامہ اور ٹرسٹ کے مسودے کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی اس کے مضمرات کو سمجھا اور جامع مسجد سے واپسی پر بہت اعتماد وعزم کے ساتھ فرمایا کہ ہم لوگوں کو وزیر اعظم نے تمہیدی اوراق ہی دکھائے تھے جو کہ انگریزی میں تھے جس کو بیشتر علماء سمجھ نہ سکے۔ میں اس کی بھرپور مخالفت کرتا ہوں اور ایکشن کمیٹی کے ہر اقدام کی پرزور حمایت وتائید کرتا ہوں اس کے بعد قاضی صاحب نے باوجود اس کے کہ بابری مسجد تحریک رابطہ کمیٹی میں ان کے کافی قریب اور ہم عصر حضرات تھے، ایکشن کمیٹی کے موقف واقدامات کی آخری دم

تک حمایت کرتے رہے جس کے لئے کئی باران کو دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اسی طرح جمیل الیاسی صاحب کی تنظیم ائمہ مساجد کے اس مطالبہ پر کہ ائمہ حضرات کو سرکاری طریقہ سے مقررہ تنخواہ دی جائے جس کے سلسلے میں انھوں نے لیبرا یکٹ کے تحت سپریم کورٹ سے ایک آرڈر بھی کرالیا تھا کہ ائمہ مساجد کو کل وقتی ملازم سمجھا جائے اور مقررہ تنخواہ بذریعہ صوبائی وقف بورڈ ادا کرائی جائے۔ بحیثیت رکن مسلم پرسنل لا بورڈ سخت لگام کسی اس کے نتیجہ میں بورڈ کا تاریخی فیصلہ آیا ''ائمہ مساجد کی عزت ووقار کو چند پیسوں کی خاطر کل وقتی با تنخواہ مزدور کی حیثیت میں نہیں بدلا جاسکتا''۔

مئی ۱۹۹۱ء میں آل انڈیا ملی کونسل کے قیام کے بعد سے میرا ان سے تعلق کافی قریبی ہوگیا جناب ظفریاب جیلانی صاحب کے توسط سے میرا نام ان تک پہونچا تھا جہاں تک مجھے علم ہے دہلی کے بعد ان سے دوسری ملاقات ۱۹۹۲ء کے آخر میں کونسل کے لکھنؤ میں منعقدہ پہلے اجلاس میں ہوئی تھی اور اس کے بعد یہ ملاقات ربط میں تبدیل ہوتی ہوئی قرابت کی شکل اختیار کرگئی۔ موصوف نے کئی اہم موقعوں پر مجھے اہم ذمہ داریاں سونپی جس کو میں نے ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کی بدولت بحسن خوبی انجام دیا۔ باوجود اس کے میری انتہائی قرابت تھی وہ مجھے ''ایٹہ والے دوست'' کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوسکتی تھی کہ ان کے حلقہ احباب میں میرے کئی ہم نام تھے۔ قاضی صاحب شخصیت شناس بھی تھے کس کو کیا ذمہ داری دی جائے وہ اس سے خوب واقف تھے۔ کونسل کی مجلس عاملہ کی میٹنگوں میں کئی بار ایسا ہوا کہ میں موصوف کے سامنے ہوتا تھا اور قاضی صاحب لوگوں کے نام دار ذمہ داری سونپ رہے ہوتے تھے۔ مجھے بھی تجسس ہوتا کہ قاضی صاحب کی نگاہ التفات میری طرف کیوں نہیں اٹھ رہی ہے دوسرے رفقاء بھی اشارہ کرتے اور قاضی صاحب فرماتے ''ہاں وہ میرے سامنے ہیں'' میں نے انھیں محفوظ رکھ چھوڑا ہے وہ میری شیروانی پہن کر پورے ملک میں دوڑا کریں گے'' یہ تو تھی ان کی مردم شناسی جہاں تک سخنوری کی بات ہے تو میری ۳۰ سالہ ملی زندگی میں عالمگیر و ملک گیر سطح کے درجنوں حضرات سے رابطہ وواسطہ رہا ہر ایک کا مقام اپنی جگہ تمام ہی محترم لیکن قاضی صاحب کے انداز بیان میں جو شگفتگی، جرأت، گیرائی وگہرائی میں نے پائی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے ان کے نظریات نہ صرف متاثر کرتے تھے بلکہ آمادہ عمل بھی کرتے تھے، ان کے علم وتدبر کا لوہا تمام اسلامی دنیا تسلیم کرچکی تھی اسلامک فقہ اکیڈمی، مسلم پرسنل لا بورڈ، وامارت شرعیہ کے ذریعہ موصوف کی جو تصانیف منظر عام پر آئی ہیں وسنگ میل کی حیثیت اختیار کرچکی ہیں۔

ملی کونسل کے سربراہ کی حیثیت سے قاضی صاحب نے مختلف مراحل وادوار میں جو مدبرانہ فیصلے کئے اس کے اثرات جلد مسلمانان ہند اور حکومتوں نے محسوس کئے۔ کاروان اتحاد، وکاروان آزادی کے ذریعے ملک وملت کے مسائل اور ان کے حل کی جو تجاویز پیش کی گئیں تھیں اس کے اثرات پورے ملک نے محسوس کئے ملت کو ایک ڈور میں باندھنے کی کوشش کی گئی برادران وطن کو اسلام کی تعلیم ومسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کیا گیا جس کے نتیجے میں برسوں میں برسوں سے چلی آرہی بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں ملک میں امن وسلامتی کا ماحول پیدا ہوا۔ ٹاڈا جیسے اقلیت کش قانون، مدرسوں پر سرکاری شکنجہ جیسے بہت سے معاملات میں موصوف کی رہنمائی میں نتیجہ خیز اقدامات کئے گئے اور کامیابی حاصل ہوئی۔ کئی حکومتیں پلٹیں کئی جماعتوں میں دڑاڑ آئی کئی قدآور بونے ہوئے لیکن مجاہد نہ مل سکا۔ ''کون ہے؟ کہ تجھ سا کہوں جسے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد موصوف کی قیادت میں ایک وفد اس وقت کے بدنام زمانہ وزیراعظم نرسمہاراؤ سے ملا

قاضی صاحب کے غصہ کا یہ عالم تھا کہ دوٹوک فرمایا ''آپ کی قیادت میں سرکار نکمی اور ناکارہ ثابت ہوئی، قانون ودستور و عدالت عالیہ کی دھجیاں اڑادی گئیں ملک پوری دنیا میں بدنام ہوگیا، ہمارہ جگر پارہ پارہ ہوگیا اور اعتماد کو ٹھیس پہنچی ہے۔اب آپ ایک منٹ بھی وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھنے کا حق نہیں رکھتے آپ کو استعفیٰ دے دینا چاہیے۔

قاضی صاحب تعمیری تنقید اور تنقیص کے پرزور حامی تھے۔ صحت مند مشوروں کو فوری قبول کرلیا کرتے تھے۔ایسے حضرات کی گفتگو جو کہ کئی حضرات کو ناگوار خاطر ہوتی تھی آپ اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے اور تبسم فرماتے تھے۔ایسے موقعوں پر ہمارے سب کے بزرگ اور مخلص دوست حکیم ظل الرحمٰن سے اکثر واسطہ پڑتا تھا۔ملی اتحاد کے ایک خصوصی شمارے میں ایک ایسا بھی مضمون چھپا جس میں قاضی صاحب پر براہ راست تنقید حملہ آور انداز میں کی گئی تھی لیکن آپ پڑھ کر مسکرائے اور عبدالقادر صاحب سے کہا ''یہ تمہاری صحافتی دیانتداری کا ثبوت ہے اس کو قائم رکھنا'' واہ! کیا رشک آمیز انداز تھا قاضی صاحب کا، کتنے لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

۲۸ر اپریل ۱۹۹۸ء کو نئی دہلی کے جے این یوٹی سینٹر میں ملی کونسل کے زیر اہتمام ایک سیاسی مشاورتی اجلاس منعقد ہو رہا تھا۔ موصوف اجلاس کی صدارت فرمارہے تھے (اسی اجلاس کی قرارداد کے ذریعہ آل انڈیا ملی پولیٹیکل فورم کا قیام عمل میں آیا تھا) میں اگلی صف میں بیٹھا ہوا تھا مجھے قاضی صاحب کے چہرے پر پریشانی محسوس ہوئی قاضی صاحب پہلو پر پہلو بدلتے ہوئے قابو پانے کی کوشش کررہے تھے۔کھانے اور نماز کے وقفہ کے لئے اجلاس کی کارروائی ملتوی کی گئی تو قاضی صاحب ڈائس سے نیچے آنے کے لئے اٹھے میں اٹھ کر ڈائس کی سیڑھیوں تک پہنچا تھا موصوف میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نیچے اترے اسی درمیان میں نے عرض کیا حضرت آپ کو کچھ تکلیف معلوم ہوتی ہے موصوف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ تم نے ٹھیک محسوس کیا مجھے بیٹھنے میں سخت تکلیف ہے اجلاس میں رخنہ نہ پڑے اس لئے میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ یہ قاضی صاحب پر بیماری کا پہلا حملہ تھا اسی روز شام کو میں دہلی میں ایفا بلڈنگ میں قاضی صاحب کی مزاج پرسی کے لئے گیا ملاقات ہوئی کافی بے چینی تھی اکیڈمی کے اہم ذمہ دار جناب امین عثمانی صاحب بھی موجود تھے۔ قاضی صاحب کی اجازت سے اپنے کرم فرما ڈاکٹر فریدی صاحب صدر شعبہ اطفال گروتیغ بہادر اسپتال دہلی (استاذ یونیورسٹی کالج آف میڈیکل سائنسز ماہر اطفال) کو فون کیا، کیفیت جاننے کے بعد فریدی صاحب نے فوراً کسی ڈاکٹر سے مشورہ لینے کے لئے کہا۔فوری طور پر ذاکر نگر کے ڈاکٹر اے آر خان سے رابطہ کیا گیا جو کہ کبھی کبھی قاضی صاحب کو دیکھتے بھی تھے۔ڈاکٹر صاحب نے آکر دیکھا، کچھ دوائیں اور مرہم لکھے اور گرم پانی میں تولیہ گرم کرکے سیکنے کی ہدایت دی۔ کافی التجا کے بعد ہم لوگوں سے مالش کرانے اور سیکوانے پر راضی ہوئے۔ میں نے اور امین عثمانی صاحب نے مالش اور سکائی کی جس سے کچھ آرام ملا اور نیند آگئی، ہم دونوں بیٹھے رہے تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی ہم لوگوں کو دیکھا اور فرمایا میں ٹھیک ہوں آپ کا احسان ہے آپ لوگ چلے جائیں میں نے کہا کچھ خدمت کا موقعہ مل رہا ہے آپ محروم نہ کریں۔ میں دوسرے دن پھر گیا کافی اصرار کے بعد پھر خدمت کا موقعہ ملا اور ساتھ میں دعائیں بھی۔یکم مئی ۱۹۹۸ء کو میں اپنے وطن ایٹہ واپس آگیا۔

۲۰ر مئی ۱۹۹۸ء کو پچاس سالہ جشن آزادی کے سلسلہ میں ضلع ایٹہ کے عظیم مجاہد آزادی (شہید وطن ۱۸۵۷ء) چودھری محمد علی خاں کی یاد میں قصبہ سہاور میں ایک جلسہ اور مشاعرہ کا اہتمام ملی رہنما چودھری محمد اللہ خاں صاحب کی نگرانی میں کیا گیا تھا حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب (اسسٹنٹ سکریٹری جنرل ملی

کونسل) مہمان خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے۔ مولانا موصوف کے ذریعہ علم ہوا کہ قاضی صاحب کو اپولو اسپتال میں داخل کیا گیا تھا ریڑھ کی ہڈی میں خرابی بتائی ہے۔ ڈاکٹروں نے سخت احتیاط اور آرام کی ہدایت دی، زیادہ ملاقاتوں کو منع کیا ہے، اور مسلسل علاج تجویز کیا ہے۔ لیکن واہ رے مجاہد، عش عش کریں ترے ہم عصر تجھ پر، ہزار زندگیاں نثار ہوں اس عالم میں بھی مذہب وملت کا کوئی کام نہ رکا، ڈاکٹر ہزار پابندی لگاتے رہے، سفر جاری رہا، قلم چلتا رہا، نام اور کام کا مجاہد ہر رکاوٹ کو دور کر کے آگے بڑھتا رہا، موت پیچھا کرتی رہی، وہ چکمہ دیتا رہا بالآخر اس نے جالیا نتیجہ "موت" لیکن ایک ایسی موت جو ہزاروں کو رشک پیدا کردے اور ہر ایک چاہے کہ مجھے بھی ایسی ہی موت آئے، لیکن ایسی موت صرف اس کو ہی نصیب ہوتی ہے جو اپنی زندگی کو اللہ کی امانت سمجھ کر اسے اس کے کاموں میں اس کی مرضی کے مطابق گزارے۔ دنیاوی موت کو اقامت دین وانسانی بھلائی میں صرف کرے بے شک قاضی صاحب نے اپنی زندگی کو اللہ کی امانت سمجھا اور وقت مقررہ پر اس کی طرف لوٹ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب، علم وعمل، فکر وتدبر کا سمندر تھے ان کی زندگی کھلی کتاب اور شفاف آئینہ تھی۔ ان کے رفقاء ہمدردان، اور نائبین وخلفاء کے سامنے ہر پہلو موجود ہے۔ ان کے لئے سب سے بہتر خراج عقیدت یہی ہوسکتا ہے کہ ان کا چھوڑا ہوا مشن چلتا رہے۔ ادارے، تنظیمیں، سوسائٹیز، ٹرسٹ بہ حسن خوبی اپنا کام انجام دیتے رہیں قاضی صاحب اپنا تمام تر سرمایہ ہماری رہنمائی کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ ہم آج ایک نازک مقام پر کھڑے ہیں ہر طرف یلغار ہے اور ہم اپنے کو بے سہارا محسوس کر رہے ہیں۔ دیکھیں کون آگے بڑھتا ہے اور مجاہد کے مشن کو پورا کرنے کا عہد کرتا ہے۔

قاضی صاحب چلتے چلتے مجھ پر ایک اور احسان کر گئے میرے ایک رفیق کے بیٹے کی خواہش تھی کہ اس کا داخلہ ایم بی بی ایس میں ہوجائے۔ اس نے کئی کالجوں میں ٹیسٹ دیا، انٹرویو میں شمولیت کی لیکن داخلہ نہ ہوسکا کسی نے انھیں کٹیہار میڈیکل کالج کا پتہ دیا اور ساتھ ہی میرا نام بھی بتادیا کہ ان کے ایسے ذرائع ہیں کہ داخلہ ہوجائے گا میں نے قاضی صاحب سے گزارش کی اس بیماری کے عالم میں بھی ہاتھ سے خط لکھا۔ فون کیا اور معلومات بھی کرتے رہے۔ کالج کے ڈائرکٹر صاحب کے سامنے جب مسئلہ آیا تو بے بس اور بلا کسی مطالبہ کے داخلہ کردیا۔ قاضی صاحب کو میں نے جتنا دیکھا اس کا اظہار کردیا۔ اس مضمون کے تحریر کرنے میں کتنے کرب سے گزرا ہوں یہ میں ہی جانتا ہوں دل یہ ماننے کو تیار نہیں کہ قاضی صاحب جنت نشیں ہوگئے۔ دماغ کہتا ہے کہ یہ حقیقت ہے ان دوسرے رفقاء سے پوچھو جو تجھ سے زیادہ برسوں سے ان کے قریب رہے ہیں ان پر کیا گزری ہوگی ایک بجلی سی نہ ٹوٹ پڑی ہوگی ان پر۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اس دنیا میں ہزاروں لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو ظاہری عزت واحترام ملتا ہے۔ اعزاز دیا جاتا ہے لوگ آنکھوں اور کندھوں پہ بٹھاتے ہیں، لیکن ان میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگ عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اپنا مخلص اور سچا رہنما وقائد سمجھتے ہیں اور اس کے جانے کے بعد کتنا یتیم اور بے بس ہوجاتے ہیں۔ یقیناً بہت کم! اور ان قلیل لوگوں کی صف میں ہی قاضی صاحب مرحوم کا شمار کیا جاسکتا ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو آتے ہیں سب ہی یہاں مرنے کے لئے

☆☆☆

بے مثال فقیہ اور باکمال مربیؒ چل بسا

مفتی محمد سعید الرحمان قاسمی
دارالافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

متبحر عالم دین، بے مثال فقیہ، بلند پایہ محقق، کثیر التصانیف مصنف، علم وفضل میں ممتاز، سادگی وبے نفسی اور عاجزی و انکساری میں علماء سلف کی زندہ یادگار، روحانی کمالات کے حامل، ملت اسلامیہ ہند کی متفق علیہ اور باوقار تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ ونائب امیر شریعت، آل انڈیا ملی کونسل اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بانی وسکریٹری جنرل، فیڈریشن آف مسلمس کی طرف سے سید ابوالحسن علی ندویؒ ایوارڈ پانے والے، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی کی جانب سے شاہ ولی اللہ ایوارڈ کے حامل، الامین ایجوکیشنل ٹرسٹ، بنگلور کی طرف سے کمیونٹی لیڈرشپ ایوارڈ یافتہ، مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے رکن اور دیگر بہت سے دینی، ملی وتعلیمی ادارے کے سرپرست۔ یہ تھی ہندوستان کی معروف ومشہور اور عالمی شہرت یافتہ شخصیت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ سے پہلی ملاقات ۱۹۸۷ء میں بہار کی مشہور ومعروف تعلیم گاہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں مسلم پرسل لاء کی جانب سے تدوین قانون اسلامی کے کام سے (جو طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے) تشریف لے گئے تھے، ہوئی تھی۔ راقم الحروف اس وقت جامعہ میں سال سوم عربی کا طالب علم تھا، میں نے خانقاہ رحمانی کی مسجد کے دکھن جانب صحن میں چارپائی پر ایک شخص کو جو درمیانہ قد، گول چہرہ، سادہ پوشاک تصنع سے عاری، سر پر دھاگہ کی بنی ہوئی جالی سفید گول ٹوپی، سر پر سفید رومال، آنکھوں پر عینک اور کالی صدری زیب تن کئے ہوئے دیکھا، ان کے اردگرد لوگوں کی ایک بھیڑ تھی، دیکھتے ہی یہ محسوس ہوا کہ یہ کوئی بہت بڑے عالم دین ہیں، میں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ یہی ہندوستان کی مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک ہیں، جنہیں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، میں نے ان سے بڑھکر ملاقات کی اور یہیں مجھے پہلی مرتبہ ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس وقت تو ان سے کسی علمی استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔

حضرت علیہ الرحمہ سے دوبارہ ملاقات ان کی قیام گاہ پر اس وقت ہوئی جب میں امارت شرعیہ تربیت افتاء میں داخلہ کی غرض سے حاضر ہوا، ان کا چہرہ بہت ہی بارعب تھا، دیکھتے ہی ہیبت سی طاری ہوگئی، لیکن جب قریب ہوا اور انہوں نے چند سوالات کئے اور پھر شفقت ومحبت سے پیش آئے تو یہ محسوس ہوا کہ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت بیان کی گئی کہ: "اذا راٰہ بدیہۃ ہابہ واذا خالطہ احبہ" (جب انہیں کوئی اچانک دیکھتا تو اس پر ان کی ہیبت اور ان کا رعب طاری ہوجاتا اور جب ان سے میل جول بڑھتا تو وہ ان سے محبت کرنے لگتا) کی جھلک آپ علیہ الرحمہ میں نظر آئی۔

الحمد للہ جب میرا داخلہ ہوگیا تو حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا، جو میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے، آپؒ سے باضابطہ حجۃ اللہ البالغہ، الاشباہ والنظائر اور ادب المفتی والمستفتی کے چند اسباق پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز بہت انوکھا اور نرالا پایا،

دوران درس بہت سلیس اور عام فہم زبان استعمال کرتے جس سے غبی سے غبی طالب علم بھی عبارت کے مفہوم کو بآسانی سمجھ لیتا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپؒ نے ''اللہم اعطنی لسانا سؤلا وقلبا عقولا کا ترجمہ کرایا، اے اللہ تو مجھے پوچھکڑ زبان اور بوجھکڑ عقل عطا فرمایا''۔ اللہ تعالی نے آپؒ کو افہام وتفہیم کا بے پناہ ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو منٹوں میں عام فہم زبان میں سمجھا دیتے تھے جس سے ہر طالب علم کے دل ودماغ میں عبارت کی پوری تشریح نقش کالحجر ہوتی چلی جاتی تھی، آپ بلاشبہ ایک عظیم مربی اور گرانقدر معلم تھے۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ سے زندگی کے آخری چار سالوں میں ترتیب فتاوی امارت شرعیہ کی وجہ سے زیادہ قریب رہنے اور خوب خوب استفادہ کا موقع ملا، میں نے دیکھا کہ آپ ہمیشہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر جہاں کہیں بھی آواز بلند کی جاتی آپ فوراً بے چین اور مضطرب ہو جاتے، راتوں کی نیند اڑ جاتی اور اس سازش کو ناکام اور اس کی بیخ کنی وسرکوبی کرنے کی تدبیر میں لگ جاتے اور اس سلسلہ میں علماء ودانشوروں سے مشورہ کر کے فوری اقدام کرتے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ جب سیمی پر پابندی لگائی گئی اور سیمی سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا جانے لگا اور اس کی اطلاع آپ کو رات کے وقت ہوئی تو آپ نے فوراً ہی علماء ودانشوروں سے فون پر رابطہ قائم کر کے دوسرے دن صبح میں میٹنگ بلائی اور اس میں ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا، ایسا کیوں نہ ہوتا آپ ایک دل دردمند کے مالک تھے جو ہمیشہ امت اسلامیہ کی فکر میں دھڑکتا رہتا تھا۔ آپ کا سینہ علوم ومعارف کا خزینہ اور قومی وملی تحریکات کے رازہائے سربستہ کا امین تھا اور آپ حضرت مولانا ابوالمحاسن رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کے ترجمان وحضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب علیہ الرحمہ کے سچے اور حقیقی جانشین تھے۔

آپ علیہ الرحمہ نے مہلک مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود ساری کتابوں کی ترتیب وتحقیق اور تصنیف کا کام انجام دیا، ان میں صنوان القضاء وعنوان الافتاء، کتاب الفسخ والتفریق اور فتاوی امارت شرعیہ جلد اول ودوم قابل ذکر ہیں ایک کتاب جہاں مکمل ہوتی مجھ سے فرماتے دوسری کتاب پر کام شروع کردو اور فرماتے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی انہی کاموں کی وجہ سے میری عمر میں اضافہ کردے اور جب کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر سامنے آجاتی تو فرماتے کہ یہ میری بیماری کا تحفہ ہے اور یہ نصیحت فرماتے کہ یاد رکھو ''کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے'' اس جملہ کو بار بار دہراتے اور واقعۃً آپ نے ایسا کر دکھایا۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ تعالی نے غضب کی ذہانت وفطانت عطاء کی تھی اور بے پناہ صلاحیتوں اور بے شمار کمالات وخوبیوں سے نوازا تھا، آپ کو عربی، فارسی اور انگریزی زبان پر پوری دست رس حاصل تھی، جس طرح اردو بلا تکلف بولتے تھے اسی طرح عربی، فارسی اور انگریزی بھی فراٹے سے بولتے تھے، ایک مرتبہ امارت شرعیہ میں ایران کے ایک صاحب تشریف لائے تو آپؒ نے فارسی میں لوگوں سے فی البدیہہ خطاب فرمایا۔ اسی طرح مجھے فقہ اکیڈمی انڈیا کے کئی سیمیناروں میں شرکت کا موقع ملا، پانچواں سیمینار جو جامعہ دارالسلام عمرآباد مدراس میں منعقد ہوا جس میں جدہ فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شیخ حبیب بن الخوجہ بھی تشریف فرما تھے، آپؒ نے عربی میں افتتاحی خطاب فرمایا تو ڈاکٹر شیخ حبیب بن الخوجہ نے آپؒ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں ہندوستان آرہا تھا تو بہت اجنبیت محسوس کر رہا تھا، لیکن حضرت کی تقریر نے اجنبیت کو دور کر دیا اور بہت سارے تعریفی کلمات بیان کئے۔

آپ کی نگاہیں بہت ہی دوررس تھیں، آپ فوراً ہی مسئلہ کی تہہ تک پہونچ جاتے تھے، آپ کا ذوق ہمیشہ علمی وتحقیقی رہا، آپ مطبوعہ کتابوں کے حوالہ پر بہت زیادہ اعتماد نہیں کرتے تھے، تمام مسائل میں اصل مراجع کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کی تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' کے ترجمہ کی نظرثانی کا کام قاضی عبدالجلیل صاحب قاضی امارت شرعیہ کر رہے تھے اور جب ''الاستبراء وھو طلب البراءۃ من خارج'' پر پہونچے تو ان کو ترجمہ میں دشواری پیش آئی، فوراً

حضرتؒ سے رجوع کیا، میں بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا، حضرت نے مجھ سے فرمایا موسوعہ میں شامی کا حوالہ دیا گیا ہے، شامی نکال کر اس عبارت کو دیکھو، میں نے شامی کی عبارت نکال کر پڑھی تو عبارت یوں تھی ''وھو طلب البراءۃ من الخارج بشی'' موسوعہ میں عبارت چھوٹ گئی تھی، ترجمہ فوراً حل ہوگیا، بعدہ حضرت نے فرمایا کہ اصل مراجع کی طرف ضرور رجوع کیا کرو۔ مراجع کو کبھی بھی فراموش نہ کیا کرو۔

درحقیقت آپ کی ذات مسلمانان ہند کے لئے قدرت کا ایک عظیم عطیہ تھی، آپ ایک انقلابی داعی فکر سلیم اور صحیح سمت میں صحیح اور فوری اقدام کی جرأت و جسارت رکھتے تھے، جس کام کو صحیح سمجھتے اس سے انہیں لوگوں کی ناراضگی کا خوف روک نہیں سکتا تھا، اسی کے ساتھ ساتھ عام طور پر فطرت انسانی کے تحت مضبوط قوت ارادی اور خود اعتمادی کے نتیجہ میں جو کبر و نخوت پیدا ہو جاتی ہے آپ کی ذات گرامی اس سے بالکل منزہ اور عاری تھی۔

اللہ تعالیٰ کا آپ پر لاکھ لاکھ کرم و احسان تھا کہ مہلک مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی آپ کے ذہن و دماغ اور حافظہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ بار بار یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس مرض کا براہ راست حملہ دل و دماغ پر پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ حافظہ پہلے کی طرح مضبوط تھا، چنانچہ جب انہوں نے اس حقیر کو امارت شرعیہ سے دہلی مجموعہ قوانین اسلامی کی شرح لکھوانے کے لئے بلوایا تو پہلے مسلم پرسنل لاء سے متعلق چند کتابوں کی رہنمائی کی جب میں نے ان سب کو جمع کرلیا اور یہ ساری کتابیں عربی زبان میں تھیں، اس کے بعد ہر ہر دفعہ سے متعلق تمام کتابوں کی عبارتیں مجھ سے پڑھواتے اور اخیر میں تمام کا خلاصہ بہت ہی مختصر مگر جامع اور مرتب انداز میں رقم کرواتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ درمیان تحریر میں نے قلم روک دیا تو انھوں نے فرمایا کیوں روکا؟ میں نے بہت ہی دبے لہجہ میں جواباً عرض کیا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو آپ لکھا رہے ہیں وہ ان کتابوں میں نہیں ہے۔ آپؒ نے بلا تامل برجستہ کہا کہ فلاں کتاب نکال کر اس کی عبارت پڑھو، جب پڑھا تو واقعی اس میں حضرت کی بات موجود تھی۔ یہ تھا ان کی ذہانت و فطانت اور ان کے علمی استحضار کا حال۔

انہوں نے مجموعہ قوانین اسلامی کے دفعہ ۱۷۱ تک کی شرح لکھوائی، آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکا، اللہ تعالیٰ کوئی ایسی عظیم ہستی پیدا فرمادے جو اس کام کو مکمل کر سکے، آمین اس مرض کی حالت میں بھی حضرت علیہ الرحمہ بیک وقت کئی کام انجام دیتے تھے، کسی کو کسی کتاب کی تحقیق لکھوا رہے ہیں تو کسی کو ملی و سماجی مسائل سے متعلق بیانات قلمبند کرا رہے ہیں تو کسی کو خط لکھوا رہے ہیں، اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ مضمون خلط ملط ہو جائے، بلکہ ہر کاتب کو وہی کچھ لکھواتے جو اس کے مکتوب الیہ کا تقاضہ ہے۔ ایک جملہ ایک کو بتلایا، دوسرا جملہ دوسرے کو اور تیسرے کو تیسرا جملہ۔ یہ حضرتؒ کی ذہنی قوت اور ارتکاز فکر کا ایک انمول نمونہ ہے۔ علم و تحقیق آپ کا اصل میدان تھا، آپ قانون شریعت کے رمز شناس اور فقہ اسلامی کے ماہر، احوال زمانہ سے واقف تھے، موجودہ دور میں ابھرنے والے پیچیدہ جدید مسائل کا حل فوراً کتاب و سنت اور اقوال فقہاء کی روشنی میں تلاش کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ لندن سے بذریعہ فیکس استفتاء آیا جس میں ٹسٹ ٹیوب کے ذریعہ حصول اولاد سے متعلق استفسار کیا گیا تھا، حضرت کی خدمت میں یہ حقیر موجود تھا، آپؒ نے مجھ سے از راہ تربیت پوچھا کہ اس کا کیا جواب ہے، میں نے کہا کہ منتخبات نظام الفتاوی میں ہے: ''یہ طریقہ نہایت بے شرمی اور بے حیائی کا ہے، جو شرعاً مذموم ہے، تقدیر اور قضاء و قدر پر قانع رہنا امر مستحسن ہے، باقی نفس جواز میں کلام نہیں جبکہ شوہر خود ہی یہ عمل کرے''۔

تو آپؒ نے فرمایا کہ اگر عورت کے عضو مخصوص پر زخم ہو جائے تو اس کو ڈاکٹر دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا ضرورۃً اس کی اجازت ہے، بعدہ آپؒ نے بڑے ہی حیرت و استعجاب کے عالم میں فرمایا کہ تم اس کو ضرورت نہیں سمجھتے؟ اس کے دل سے پوچھو جس کے پاس اولاد نہیں اس پر کیا گزرتی ہے، اور فرمایا کہ میرا رجحان یہ ہے کہ ''اگر شوہر کے مادہ منویہ کو بیوی کے رحم میں ٹسٹ ٹیوب کے ذریعہ ڈالا جائے تو بدرجہ مجبوری ایسا کرنے کی گنجائش ہے''۔

حضرت علیہ الرحمہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ سطحی علم مت رکھو، علم میں تعمق، گیرائی وگہرائی پیدا کرو تب جا کر تم فوراً ہی کسی مسئلہ کی تہہ تک پہونچ سکتے ہو، محض چند جزئیات کو محفوظ کر لینا کوئی کمال نہیں ہے، اور فرماتے کہ سارے مسائل کتابوں میں موجود ہیں، ایسا کوئی مسئلہ نہیں جو کتابوں میں نہ ہو۔ ایک مرتبہ حضرتؒ نے ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے مجھ سے فرمایا میں نے کتابوں کو دیکھا لیکن مجھے نہیں ملا، میں نے جواباً عرض کیا کہ یہ مسئلہ کتابوں میں نہیں ملا، تو آپؒ نے فرمایا کہ لاعلمی کا اظہار کر کے اپنی جہالت پر پردہ مت ڈالو، پھر انہوں نے رہنمائی کی اور مسئلہ بآسانی مل گیا۔

آپ نام ہی کے مجاہد الاسلام نہ تھے بلکہ آپ واقعۃً مرد مجاہد تھے، جرأت و بے باکی آپ کا طرۂ امتیاز تھی، کبھی بھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے خواہ وہ علم وادب یا سیاسی وسماجی اعتبار سے کتنے ہی بڑے عہدہ پر فائز کیوں نہ ہو، ہمیشہ آپؒ نے بلا خوف لومت لائم حق گوئی و بے باکی کا ثبوت دیا، ان کی حق گوئی و بے باکی کی زندہ و جاوید مثال یہ ہے کہ آپ نے مسلم پرسنل لابورڈ کی جانب سے بنگلور میں منعقد اجلاس جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک تھے آپ نے بانگ دہل، ڈنکے کی چوٹ پر ہندوستان کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی، وزیر داخلہ لال کرشن اڈوانی اور سدرشن کو قبول اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ ہزاروں معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود کے سامنے جھک جانا چاہئے، اسی میں کامیابی وکامرانی ہے۔

آپ علیہ الرحمہ کے دل میں امت مسلمہ کا درد وغم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ہمیشہ آپ کو امت کے اتحاد واتفاق کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں امت کے شیرازہ کو منتشر ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتے، جہاں کہیں بھی مسلمانوں میں مسلکی یا ذات وپات یا کسی اور وجہ سے اختلاف پیدا ہوتا تو آپ بے چین ہو جاتے اور اس کو دور کرنے کی حتی الوسع سعی پیہم کرتے اور جب تک اختلاف دور نہیں ہو جاتے چین کی نیند نہیں سوتے اور یہ کیوں نہ ہوتا: آپ اتحاد امت کے علمبردار تھے، آپ جہاں بھی جاتے لوگوں کو اتحاد واتفاق کا پیغام دیتے۔ ایک مرتبہ مدرسہ دینیہ دین بندھی ضلع سوپول میں امارت کانفرنس تھی، حسن اتفاق کہ راقم الحروف بھی اس میں شریک تھا، حضرت کی تقریر سے قبل اناؤنسر صاحب نے طلاق ثلاثہ کا مسئلہ چھیڑ دیا، جس کی وجہ سے مجمع میں اضطراب وبے چینی اور اختلاف کی کیفیت پیدا ہوگئی، حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ جب خطاب کے لئے تشریف لائے تو چہرے کا رنگ بالکل متغیر اور سرخ ہو گیا تھا، اناؤنسر صاحب کے اس بحث کو چھیڑنے پر بے انتہا افسوس اور رنج وغم کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جو موضوع سوچ کر آیا تھا اناؤنسر صاحب کی کرم فرمائی سے چھوڑنا پڑا۔ بعدہ آپؒ نے تین طلاق کے مسئلہ کو بہت ہی نرالے انداز میں سمجھایا جو اختلاف وانتشار مجمع میں پیدا ہونے والا تھا وہ فوراً ختم ہو گیا، اور آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے فروعی مسائل کو اجلاس میں موضوع بحث بنا کر امت میں اختلاف وانتشار نہ پیدا کیا جائے، تمام مسلمان محض کلمہ واحدہ کی بنیاد پر مسلکی وفکری اور ذات پات کی عصبیت سے بالاتر ہو کر ایک پلیٹ فارم پر زندگی گزاریں۔ حضرت علیہ الرحمہ مسلک ومشرب اور ادارہ وجماعت کی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد ملت کا پیغام پوری زندگی دیتے رہے۔ ایسی ہی عظیم شخصیت کے بارے میں کہا گیا ہے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

آہ! علم وفضل میں ممتاز، فقہ اسلامی کے رمز شناس اور زبان وقلم کے ماہر، علم وعمل کے ماہتاب وآفتاب، محرک وفعال، مدبر ومفکر، ملی، تنظیمی، سیاسی، تبلیغی، فلاحی اور وسیع النظر شخصیت مورخہ ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء جمعہ کی شب ۷ بجے پوری ملت اسلامیہ کو یتیم چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ ''موت العالم موت العالم'' کے سچے مصداق تھے۔ دوسرے دن ہزاروں عقیدت مندوں اور سوگواروں آنکھوں نے آپ کو محلہ مہدولی دربھنگہ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے محبوب حقیقی کے سپرد کر دیا۔

"تدمع العين و يحزن القلب ولا نقول الا ما يرضى به ربنا وانا بفراقك لمحزون"

ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

☆☆☆

بے مثال وسیع المشرب عالم دین

مفتی محمد سلمان منصور پوری
مدرسہ شاہی مرادآباد

ہندوستان کے مشہور وسیع المشرب، دقیق النظر، اور ملی وحدت کے جذبے سے سرشار ممتاز عالم دین حضرت مولانا ''قاضی مجاہد الاسلام'' صاحب قاسمی مورخہ ۴/اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات شام سات بجے دہلی کے اپولو اسپتال میں طویل علالت کے بعد واصل بحق ہوگئے۔ ''اناللہ وانا الیہ راجعون۔''

قاضی صاحب موصوف مسلمانان ہند کے سب سے محترم اور متفق علیہ ادارے آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر، اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی اور ملی کونسل کے سربراہ تھے، قاضی صاحب کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں ہوئی، آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۵ء میں فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا، اس کے بعد آپ نے جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعد ازاں آپ امارت شرعیہ بہار کے منصب قضاء پر فائز کئے گئے اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قضا کی خدمت میں گذارا، آپ نے نہایت جانفشانی سے دارالقضاء امارت شرعیہ بہار کو وسعت دی اور اس پر عوام کا اعتماد مضبوط کیا۔ آپ نے علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ہم عصر علماء کو جدید مسائل پر غور وفکر کی دعوت دینے کے لئے اسلامک آف آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی (اسلامی علوم کے معروضی مطالعہ کا مرکز) کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب کے تعاون سے اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد ڈالی جس کے زیر اہتمام اب تک تیرہ فقہی سمینار ملک کے مختلف شہروں میں منعقد ہو چکے ہیں اور متعدد اہم جدید مسائل پر فیصلے اور تجاویز مرتب ہوئی ہیں۔

ان سمیناروں میں قاضی صاحب نے قدیم علماء اور مفتیان کے ساتھ جدید علوم کے حامل دانشور اور ریسرچ اسکالروں کو یکجا بیٹھنے کا موقع فراہم کیا گو کہ موصوف کا یہ انداز فکر بہت سے حضرات کے لئے سخت ناگواری کا باعث بھی بنتا رہا تاہم یہ موصوف کے مشن کا ایک اہم جز تھا کیونکہ قاضی صاحب قدیم اور جدید طبقوں کی بڑھتی ہوئی دوریوں کو کم کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اسی بنا پر موصوف دونوں طبقوں میں قابل قبول شخصیت تصور کئے جاتے تھے۔

قاضی صاحب ہندوستان کے متعصبانہ ماحول میں محض وحدت کلمہ کی بنیاد پر ملی اتحاد کے پر جوش حامی تھے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، غالباً اسی جذبے نے آپ کو ''ملی کونسل'' جیسی تنظیم بنانے پر آمادہ کیا جس کے ارکان اساسیہ ملک کے مختلف طبقات فکر کے رہنماؤں پر مشتمل ہیں۔

قاضی صاحب اپنی وسیع المشربی، دانشمندی اور علمی مقام کی بنیاد پر ملک اور بیرون ملک میں وقعت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، عرب ممالک کے ممتاز علماء اور فقہاء سے آپ کے گہرے مراسم تھے، اور وہاں کے فقہی بحث وتحقیق کے اداروں کی رکنیت بھی آپ کو حاصل تھی، اللہ نے بے مثال ذہانت سے نوازا تھا، اسی بنا پر پے در پے اسفار اور کئی سال سے مسلسل علالت کے باوجود تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدوین کے مشاغل بھی آپ نے بدستور جاری رکھے، اس دوران آپ کی مرتب کردہ کئی کتابوں کے عربی تراجم منظر عام پر آئے، نیز آپ نے اپنی نگرانی میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام کویت سے چالیس جلدوں میں شائع شدہ ''الموسوعۃ الفقہیہ'' کے اردو ترجمہ کا منصوبہ بنایا جو بفضلہ تعالیٰ تکمیل کے قریب ہے۔

قاضی صاحب موصوف کا ذہن منصوبہ ساز تھا، پھر حسب ضرورت انہیں دنیوی وسائل بھی مہیا ہوتے گئے جس کی بنا پر مختصر مدت میں مختلف النوع خدمات انجام دہی کا شرف آپ کو حاصل ہوا، پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے بعد آپ کا اہم کارنامہ مجموعہ قوانین اسلامی (اردو اور انگریزی) کی اشاعت ہے، اس کتاب پر عرصہ دراز سے کام ہو رہا تھا، لیکن مسودے کی حد تک محدود تھا آپ نے خصوصی توجہ دے کر اس کی اشاعت کرائی اب یہ کتاب مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل میں ہندوستانی عدالتوں کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہر حال قاضی صاحب موصوف کی وفات ملت اسلامیہ ہند کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے ان جیسی شخصیات بار بار پیدا نہیں ہوتیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور امت کو موصوف کے نعم البدل سے نوازے، آمین۔

سنگلاخ وادیوں کا مرد مجاہد

اسد حسین
ہفت وار نئی دنیا، نئی دہلی

اس جہان فانی میں لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنا اتنا گہرا اثر معاشرے پر چھوڑ جاتی ہیں اور ان کی ذات ایک ایسے عہد کی تعمیر کرتی ہے جو ہمیشہ کے لئے ایک مثال بن کر تاریخ اور دلوں کے دریچوں میں زندہ رہتی ہے اور لوگوں کے لئے مشعل راہ ہوا کرتی ہے۔ جس کی تابناکی سے ایک عالم منور ہوا کرتا ہے۔ ان کی علمی عظمت، فکری بصیرت، سیاسی تدبر، جذبہ حب الوطنی، قوم اور ملت کے مسائل سے آگہی اور اس کے حل کی کامیاب کوششیں۔ بقائے انسانیت کے لئے ان کی خدمات ان کو حیات جاودانی عطا کرتی ہیں اور وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہوا کرتی ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت جو عالم اسلام کے افق کا درخشاں ستارہ تھی لاکھوں لوگوں کی آنکھوں کو اشکوں کی سوغات دے کر اس دار فانی سے کوچ کر گئی۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے وصال کے بعد ملت اسلامیہ میں ایک خلاء پیدا ہو گیا تھا جسے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ہمہ جہت، قدآور، جرأت مند اور اجتہادی طرز فکر کی حامل شخصیت نے بہت حد تک پورا کر دیا تھا جو نہ صرف ملک میں بلکہ بیرون ملک بھی نہایت اہم قومی و ملی خدمات انجام دیتے رہے۔ دردمندی ان کا خاصہ تھا اور وہ قوم کے لئے وقف تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں صوبہ بہار میں ہوئی تھی۔ آپ کے اسلاف مسلم دور حکومت میں عہدہ قضاء پر مامور رہے اور اسی نسبت سے آپ کے محلے کا نام قاضی محلہ تھا آپ کے والد حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ اپنے عہد کے ممتاز عالموں میں سے تھے جنھوں نے اپنی زندگی درس وتدریس اور تقریر و مناظرہ کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ سید عبدالفتاحؒ کی صاحبزادی تھیں جو اپنے وقت کے عارف اور خدا رسیدہ بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ایسے علمی و دینی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی پھر مدرسہ محمود العلوم دملہ، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، دار العلوم مئوناتھ بھنجن سے اور دار العلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں بطور مدرس خدمات انجام دیں جہاں ابتدائی درجہ سے لے کر اعلیٰ درجات کے طالب علموں نے آپ سے یکساں طور پر اکتساب فیض کیا۔ اور ان طالب علموں پر آج بھی ان کے درس کا گہرا اثر موجود ہے۔

بعد ازاں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی جوہر شناش نگاہوں نے آپ کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے آپ کو امارت شرعیہ کے شعبہ قضاء کی ذمہ داریاں سونپ دیں اس وقت امارت شرعیہ کی حالت دگرگوں تھی آپ نے بحیثیت قاضی القضاۃ امارت شرعیہ کو ایک باوقار اور بااعتماد حیثیت عطا کی۔ اس کے علاوہ تاحیات آپ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے نائب امیر شریعت کے عہد پر بھی فائز رہے۔ یہ ذمہ داریاں آپ کو اس وقت سونپی گئی تھیں جب امارت شرعیہ کے دست و بازو مفلوج تھے بیت المال خالی تھا اور اس کا دائرہ کار بھی بہت محدود ہو چکا تھا۔ آپ نے صبر آزما حالات میں بے پناہ استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے انتہائی نامساعد حالات میں اس دینی ادارے کو سنبھالا اور اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں کا

مظاہرہ کرتے ہوئے شبانہ روز جدوجہد جاری رکھی اس کے لئے افرادی قوت کو مجتمع کیا۔ گاؤں گاؤں قریہ قریہ کا سفر کیا اور امارت شرعیہ کو عام لوگوں سے جوڑا۔ بیت المال کی آمدنی کے ذرائع تلاش کئے اور علاقائی سطح پر دارالقضاء اور دارالافتاء قائم کیا۔ آپ کی انتھک کوششوں نے رنگ دکھانا شروع کیا اور امارت شرعیہ ایک بار پھر ایک بااعتماد ادارہ بن گیا اور بہتر طریقے سے ملت کی خدمات انجام دینے کے قابل ہوگیا۔

دارالقضاء اور دارالافتاء کے سلسلے میں آپ نے مستقل افرادسازی کی ضرورت کو بھی محسوس کیا تا کہ یہ سلسلہ ابدالاباد تک جاری رہ سکے اس کے لئے امارت کے زیر انتظام ''المعہد العالی لتدریب القضاء والافتاء'' کے نام سے ایک مستقل ادارہ بھی قائم کیا۔ آپ دینی تعلیم کے فروغ اور اس کے معیار کو بہتر بنانے کی کوششوں میں تاحیات لگے رہے۔ اور ابتدائی سطح سے ان کوششوں کا آغاز کیا کیونکہ ہندوستان جیسے ملک اور اس میں بہار واڑیسہ جیسی پسماندہ ریاستوں میں مسلمان بچوں کے لئے بنیادی دینی تعلیم کی ضرورت کو قاضی صاحب کی دوررس نگاہیں ہی محسوس کرسکتی تھیں۔ آپ نے امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے اس تحریک کو گاؤں گاؤں تک پہنچایا، مکاتب کا قیام کیا، درجنوں مدارس کھولے اور ان کی سرپرستی فرمائی۔ نصاب تعلیم بھی آپ کی دلچسپی کا مرکز رہا اور اس میں بھی آپ نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ جہاں آپ نے دینی تعلیم کو فروغ دیا وہیں عصری ضرورتوں کو محسوس کرتے ہوئے جدید تعلیم پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی اور دربھنگہ میں ایک وسیع ایجوکیشنل کیمپس کا قیام کیا جس میں پرائمری سے لے کر ڈگری سطح تک اور پروفیشنل کورسز کا اہتمام کیا گیا۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ادارے قائم کئے بلکہ لوگوں میں خود اپنی تعلیم کا جذبہ بیدار کیا بلکہ عصری تقاضوں کے پیش نظر نوجوانوں کی تکنیکی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کئے جنھوں نے بلالحاظ مذہب وملت سینکڑوں بے روزگار نوجوانوں کی روزگار فراہمی میں اہم کردار ادا کیا۔

بہار کے لرزہ خیز فرقہ وارانہ فساد میں اور سیلاب کی تباہ کاریوں کے موقع پر امارت شرعیہ نے قاضی صاحب کی سرپرستی میں اہم کردار ادا کیا اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی مالی، اخلاقی، قانونی وسیاسی امداد کی امارت شرعیہ کے زیر اہتمام ان علاقوں میں میڈیکل کیمپ قائم کئے گئے جن سے ان مصیبت کے ماروں کو کافی راحت ملی۔

آپ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تاسیسی رکن اور مجلس عاملہ کے سرگرم کارکن کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۵ء میں قائم ہونے والا ''آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت'' جس کی تشکیل ملت کے تعلیمی، ثقافتی اور معاشی وسیاسی مسائل کے لئے ایک متحدہ پلیٹ فارم کی حیثیت سے ہوئی تھی لیکن یہ آپسی انتشار کی وجہ سے اپنے مقاصد کی عملی تکمیل نہیں کرسکی۔ قاضی صاحب جہاں اس انتشار سے رنجیدہ تھے۔ وہیں ان کی دوررس نگاہیں کسی ایسی تنظیم کی ضرورت شدت سے محسوس کررہی تھیں جو بلا لحاظ عقیدہ امت کی جامع اور ہمہ جہت ترقی کے لئے کوشاں ہو اور اس سلسلے میں انفرادی وعلاقائی طور پر کام کررہی قوتوں کو باہم مربوط کرکے بہتر تعاون کے ساتھ ملکی سطح پر ان میں اتحاد پیدا کرے تا کہ امت کے مسائل کو پراثر طور پر سیاسی تعلیمی ثقافتی اور معاشی سطح پر حل کیا جاسکے۔ امت کو متحد کرکے اس کی بہتری کے لئے کوششیں کرے اور ان کو ان کے ہونے والے نقصانات سے آگاہ کرکے اس سے بچنے کی تدابیر کرے نیز مسلمانوں کے ہر مسئلہ پر حکومت سے ایک متحدہ نمائندہ کے طور پر بات کرے۔ اس کے لئے قاضی صاحب نے ۱۹۹۲ء میں ''آل انڈیا ملی کونسل'' کی تشکیل کی جو آج ملک بھر میں ان کے خوابوں کی تکمیل کررہی ہے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے دوسرے صدر شہرہ آفاق عالم دین حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی رحلت کے بعد سب کی نگاہیں اس اہم ترین عہدے کے لئے جس شخص کی جانب مرکوز ہوئیں وہ حضرت قاضی صاحب کی قدآور اور جید شخصیت تھی لہٰذا اتفاق رائے سے آپ کو بورڈ کا تیسرا صدر منتخب کیا گیا۔ اور آپ نے اپنی سنگین اور مسلسل علالت کے باوجود اس جلیل القدر اور اہم

منصب کی تمام تر ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھائیں اور بورڈ کے کردار کو فعال بنایا انھوں نے بورڈ کے صدر دفتر کو جدید اور عصری سہولتوں سے آراستہ کیا اور اسلامی شریعت سے متعلق فقہی اور قانونی کتب پر مشتمل لائبریری کا بھی قیام کیا۔ انھوں نے مسلم مسائل سے میڈیا کو آشنا کروایا اور آج کے دور کے اس اہم ذریعہ ترسیل کے مدد سے مسلمانوں کے مسائل سے حکومت اور عوام کو آشنا کروایا۔ انھوں نے ملی مسائل کے حل کے لئے اپنی معذوری کے باوجود ہر وقت فعال رہنے کی کوشش کی۔

حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کو خطابت میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ اپنی خطابت میں سامع گروپ کا پورا لحاظ رکھتے تھے جو ماس میڈیا (ذرائع ترسیل وابلاغ) کا ایک اہم نکتہ ہے۔ آپ کی تقریریں دل سے نکل کر دل پر اثر کرنے والی ہوتی تھیں۔ کیونکہ ان میں تصنع نہیں ہوتا تھا بلکہ ٹھوس دلائل کی بنیاد پر حالات حاضرہ سے ہم آہنگ دور بیں نگاہوں سے کیا گیا تجزیہ ہوتا تھا جو لوگوں کو محصور کردیتا تھا۔

بحیثیت ایک محقق بھی قاضی صاحب کی صلاحیت مسلم تھی بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا کہ آپ کا اصل میدان علم وتحقیق ہی تھا۔ مشکل اور دقیق مسائل کو انتہائی سہل اور عام فہم انداز میں بیان کرنے اور سمجھانے کا آپ میں خاص ملکہ تھا۔ اپنے مشغول ترین روز وشب کے باوجود آپ نے تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ ان کی تصانیف کی تعداد اگرچہ قلیل ہے لیکن اپنی اہمیت، موضوع اور انداز بیان کے لحاظ سے اسے گرانقدر سرمایہ کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے بانی امارت شرعیہ مولانا محمد سجاد کے فتاویٰ کو ایک جگہ مجتمع کرکے ان کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کردیا۔ اس تالیف کے علاوہ قضاء کے موضوع پر ایک کتاب ''صنوان القضاء'' پر بھی چار جلدوں میں تحقیق کا کام کیا اور ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' کے اردو ترجمے کا کام بھی آپ کی نگرانی وسرپرستی میں انجام دیا جارہا تھا۔ آپ کی دو عربی تصانیف بھی ہیں جن کا نام ''الوقف'' اور ''النظام القضائی الاسلامی'' ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں ایک نہایت اہم کتاب ''اسلامی عدالت'' جس میں قضاء سے متعلق تمام تر بحث حوالہ جات کے ساتھ دفعات کے تحت جمع کردی گئی ہیں۔ اسی سلسلے کی دوسرا حصہ ''دعویٰ اور شہادت'' ہے، جس کا کام وہ اپنی زندگی میں پورا نہیں کرسکے۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو زبان میں فقہ پر اصولی بحث، تحقیقی مقالات، اہم فتاویٰ، مقدمات کے دارالقضاء میں فیصلوں اور اہم علمی شخصیات سے عام لوگوں کو متعارف کرانے کے لئے ایک سہ ماہی مجلہ ''بحث ونظر'' بھی شروع کیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد اور ملی ضرورتوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور اس لحاظ سے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ نے ہمیشہ انفرادیت کے بجائے اجتماعیت پر زور دیا اور راہ اعتدال اپنایا اور اپنانے کی تلقین کرتے رہے کیونکہ آپ اجتماعی قوت کی اہمیت سے واقف تھے لہٰذا زندگی بھر ملت کے اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ آپ اجتہاد کے حامی تھے جو ہر زمانے کی اہم ضرورت اور دین کو زندہ رکھنے کے لئے لازمی ہے۔ ان کی شخصیت ہمہ گیر تھی ملت اسلامیہ کی فلاح، دین حق کی دعوت وحمایت اور احیاء کے لئے ان کی کاوشیں اور اخلاص بے مثال تھا۔ دنیائے اسلام اور اس کے مسائل سے آگہی، قوم وملت کی دردمندی، اور خیر خواہی رکھنے والی شخصیت کے ساتھ ساتھ وہ ایک باشعور، دور بیں اور بیدار ذہن کے مالک تھے جس کی بناء پر انھیں بلاشبہ ملت کا دھڑکتا دل قرار دیا جاسکتا ہے۔

عالم اسلام کی اس عظیم ہستی نے آخر طویل علالت کے بعد اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردی اور اس کے ساتھ ہی ایک دور کی بھی موت ہوگئی۔ ان کی وفات بلاشبہ ''الموت العالِم الموت العالَم'' کے مصداق ہے۔ اور ملت کا نقصان عظیم بھی۔ ایسی ہی شخصیات کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نسلیں جنہیں یاد کریں گی

سلطان احمد ایم،ایل،اے (راجد)

۱۔مال روڈ، پٹنہ

یہ دنیا دارالمحن ہے کلیہ حیات وممات کے پیش نظر آنے اور جانے کا سلسلہ روز ازل سے ہے اور قیامت تک جاری رہے گا آنیوالا آتا ہے اور چلا جاتا ہے لیکن ان جانیوالوں میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے کارنامے ملک وملت پر اپنا ایک نقش چھوڑ جاتے ہیں اور اپنے محمود واحسن کارناموں کی بدولت آنیوالی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں اور ان کی یادیں بدیر قائم رہتی ہیں۔

آج ہمارے درمیان حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ موجود نہیں ہیں لیکن مجھے اس بات کا فخر حاصل ہے کہ میرے ذہن وفکر نے ان کو سراہا ہے۔ ان سے کچھ سیکھا ہے ان کے ساتھ نشست و برخواست کی سعادت حاصل ہوئی ہے، میری ان آنکھوں نے انہیں دیکھا ہے جس کی بنا پر آنیوالی نسلیں مجھ پر واقعی رشک کریں گی بقول فراقؔ۔

آنیوالی نسلیں تم پر رشک کریں گی ہم عصرو
جب تم ان سے ذکر کروگے میں نے فراقؔ کو دیکھا ہے

حضرتؒ سے میری پہلی ملاقات ۲۵ / مارچ ۱۹۹۴ء میں ہوئی۔ ملی کونسل دربھنگہ کے زیر اہتمام، عمائدین، دانشوران اہل علم وفن وملی کاموں سے وابستہ حضرات گرامی کی ایک خصوصی نشست زیر صدارت حضرت قاضی صاحبؒ محلہ مہدولی میں بعد نماز مغرب منعقد ہوئی جس میں نشست کی کارروائی کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ اس مجلس میں نشست طلب کرنے کی غرض ومقاصد پر حضرتؒ نے فرمایا۔

"آج مسلمانوں کی زبوں حالی، افلاس وبدحالی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے نقش قدم کو چھوڑ کر اغیار کے سامنے کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں۔ اور اغیار کی طرف پرامید ہیں کہ وہ ہمارے مسائل حل کر دیں گے جو ایک سراب سے کم نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت نہ یہ کہ ضلعی پیمانہ پر، ملکی پیمانہ پر، بلکہ عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے لئے ان کے خلاف منصوبہ بند طریقوں پر سازشوں کا جال بنا جارہا ہے، آنیوالی نسل کو نہایت ہی خطرناک اور بھیانک انجام کا سامنا کرنے کے لئے تیار ومستعد اور چاق و چوبند ہونا ہوگا۔ ہمیں تعلیمی، معاشرتی ومعاشی محاذ پر جنگ کے لئے آمادہ ہونا ہوگا۔ ملت کے نوجوان بچے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی دربدر کی ٹھوکر کھارہے ہیں، ذریعہ معاش نہ ملنے کی وجہ کر اوباش ونا کارہ گلی کوچوں میں یونہی بیکار پھرا کرتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ملت کے عمائدین، دانشوران، علم وفن اور ملی کاموں سے وابستہ حضرات ان نوجوان نسلوں کی گرتی ہوئی دیوار کو سنوارنے کا کام انجام دیں ان ہی نظریات و اصول کے تحت امارت شرعیہ بہار کے ارکان مختلف جگہوں پر ٹیکنیکل سینٹر کے قیام کی کوشش کررہے ہیں اس سلسلے میں پہلا تجربہ پھلواری شریف پٹنہ سے شروع کیا گیا۔ بحمد اللہ مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہورہی ہے دوسری جگہوں پر بھی اس کے قیام وتشکیل کی کوشش جاری ہے اپنے انہی کثیر المقاصد ارادوں کے تحت دربھنگہ میں بھی ملی کونسل ضلع دربھنگہ کے زیر اہتمام ایک ٹیکنیکل سینٹر کے قیام وتشکیل کی غرض سے ملت کے افراد یہاں جمع ہوئے ہیں۔ جس میں مجھے آپ کے تعاون اور مشوروں کی ضرورت ہے"۔ حضرت مولاناؒ کی اس تمہیدی تقریر کے بعد جمیع حاضرین نے ٹیکنیکل سینٹر کے قیام کی تائید اور ہر طرح

کے تعاون کا یقین دلایا۔

اس طرح ٹیکنیکل سینٹر کے قیام کی تجویز پاس ہوگئی جس میں ان کاموں کو پایہء تکمیل تک پہونچانے کے لئے ایک کمیٹی بنادی گئی اس کے کنوینر جناب عطاء الرحمٰن رضوی متفقہ طور پر منتخب کئے گئے۔ مالیات کی فراہمی کے لئے حضرت مولاناؒ کی مساعی جمیلہ کو بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔

(ماخوذ از کارروائی رجسٹر مورخہ ۲۵ر مارچ ۹۴ء بہ شکریہ جناب عطاء الرحمٰن رضوی کنوینر ٹیکنیکل سینٹر)

اس کے بعد مختلف مراحل سے گزر کر وہ مجوزہ ٹیکنیکل سینٹر کا خواب پورا ہوا یہ ننھا پودا آج ایک ثمر آور درخت کی شکل میں امارت مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ محلہ مہدولی کے نام سے موسوم و معروف ہے اور امارت شرعیہ ویلفیر ایجوکیشنل ٹرسٹ پٹنہ کے زیر سرپرستی وہدایت رواں دواں ہے حضرت قاضی صاحبؒ انسٹی ٹیوٹ کے بانی وصدر تھے فی الوقت نشست خالی ہے، الحاج محمد صالح انجنیئر سکریٹری اور جناب عطاء الرحمٰن رضوی صاحب خازن ہیں۔

فی الحال چار ٹریڈس چل رہے ہیں۔

(۱) ڈرافٹ مین سول (۲) فٹرس (۳) پلمبرس (۴) ویلڈرس۔

جو حکومت ہند کے NCVT پروگرام کے تحت سرکار سے منظور شدہ ہے اس کی سند پر یہاں کے سیکڑوں فارغین میں سے اکثر طلبا مختلف جگہوں پر ملازمت کرکے معاش حاصل کررہے ہیں۔

۲۸ر شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۲۰۰۰ء کو مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں آل انڈیا ملی کونسل بہار کا تیسرا صوبائی انتخابی اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت قاضی صاحب نے صدارت فرمائی ان کی نیز اس جلسہ میں شریک جملہ مندوبین علماء عظام اراکین ملی کونسل کی خدمت میں بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا ملی کونسل ضلع دربھنگہ کی جانب سے خطبہ استقبالیہ پیش کرنے کا ناچیز کو موقع ملا۔ یہ اللہ کا کرم تھا۔

آپ کی اطلاع کے لئے پیش ہے۔

''میں بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ آپ تمام حضرات کا گرم جوشی سے استقبال کرتا ہوں کہ آپ مندوبین وشرکاء جلسہ نے دور دراز سے صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے آل انڈیا ملی کونسل کے اس انتخابی اجلاس میں شرکت فرما کر اپنی ملی بیداری کا ثبوت فراہم کیا۔ میں اپنے بزرگ محترم حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل دہلی کا بصد ادب و احترام استقبال کرتا ہوں کہ خرابیء صحت کے باوجود آپ نے اس اجلاس میں شرکت کی غرض سے قدم رنجہ فرمایا۔ اور وہ بھی کیوں نہ ہو اول تو یہ ہے کہ یہ اجلاس دربھنگہ میں منعقد ہورہا ہے جو آپ کی مادر گیتی ہے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ مدرسہ امدادیہ جو آپ کی مادر علمی ہے میں سمجھتا ہوں کہ آپ آئے نہیں بلکہ مادر گیتی کے سوز اور اور مادر علمی کے ساز کی تڑپ آپ کو کشاں کشاں یہاں لے آئی ہے۔

آج آپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جذبہ اگر صادق ہو تو قدرت بھی مدد فرماتی ہے۔ یہ جذبہ صادق اور اللہ کی مہربانی ہی تھی کہ آپ ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود بھی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے حالیہ اجلاس بنگلور میں تشریف لے گئے۔ بذریعہ ٹیلی ویژن اور اخباری میڈیا سے بنگلور کانفرنس میں جناب والا کی تقریر سے قوم وملت کو ایک نئی روشنی عطا ہوئی۔ حوصلوں کو جلا بخشی، ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

نگہہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

اللہ تبارک وتعالی آپ کے سایہ کو قوم وملت پر بدیر قائم رکھے اور صحت کلی عطا فرمائے آمین۔

''حضرات گرامی! یہ شہر دربھنگہ بڑی ہی تاریخی جگہ ہے اس کی وجہ تسمیہ بقول استاذی حضرت شاداں فاروقی دربھنگہ ایک قدیم شہر ہے، بہت ہی قدیم، یہ جنگل کاٹ کر آباد ہوا تھا سنسکرت میں در کے معنی جنگل کے ہیں اور بھنگ کاٹنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح دربھنگہ مرکب ہوکر در بھنگ ہوا پھر دربھنگہ کہلایا''۔

دربھنگہ جسے متھلا کی سرزمین بھی کہتے ہیں۔ اس باغ میں

نہ جانے کتنی بلبلیں چہکیں اور کتنے پپیہوں نے صدائیں لگائیں اور انقلاب زمانہ کے ساتھ اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ گئیں۔ آج بھی ودیا پتی کے نغمے صرف متھلا والوں ہی کو نہیں بلکہ غیروں کو بھی عزیز ہیں اگر ماضی کے اوراق پریشاں نہ ہوتے تو معلوم نہیں کتنے ودیا پتیوں کو ہم روشناس کرا سکتے لیکن افسوس کہ جب وہ بساط الٹی تو تمام مہرے پٹ چکے تھے تغیر زمانہ کے ہاتھوں نے تاریخ کا دوسرا ورق پلٹا تو ہمارے سامنے اردو کے ممتاز ادباء وشعراء کا ہجوم نظر آیا جس میں داغ دہلوی اور صغیر جیسی شخصیتیں ہیں جو پیغمبر پور ضلع دربھنگہ کے نواب سعادت علی خاں اور ان کے نورتنوں میں سے تھے جن سے اہل دربھنگہ اور صاحب علم وادب واقف ہیں۔

اردو ادب کی اس مقدس سرزمین پر حضرت مولانا بہرام شاہ، حضرت مولانا صلاح خاموش، جناب بسمل دربھنگوی، جناب کامل دھرپوری اور جناب آرزو جلیلی وغیرہم کے ساتھ کچھ اور بھی ہیں جنہیں آج کم ہی لوگ پہچانتے ہیں یہاں پر ان سب کے تذکرے مقصود نہیں اور نہ ہی اس کا موقعہ ہے........ جناب والا ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب کے بعد جب مسلمانوں کے لئے زمین سخت اور آسمان دور ہوتا نظر آیا تو عین موقعہ پر سرسید احمد خاںؒ نے عصری تعلیم کے پیش نظر انگریزی پر زور ڈالا تو دوسری طرف حضرت مولانا قاسمؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈال دی ان دونوں ہی نے مادیت کے بڑھتے ہوئے عفریت کا گلا گھونٹ دیا اور علم وعرفاں کی موسلا دھار بارش نے ہمارے خشک سوتے کو جلا بخشی جن سے مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں دنیا تھی تو دوسرے ہاتھ میں دین، علم وعرفان کے اس امتزاج نے ہندی مسلمانوں کی آبرو رکھ لی ......حضرات گرامی! آپ جس احاطہ میں تشریف فرما ہیں یہ ہمارے مقدس اکابرین کی زندہ و پائندہ یادگار ہے جو قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ارشاد گرامی پر ان کے خلیفہ حضرت مولانا منور علی نستویؒ نے ۱۳۰۰ھ میں اس کی بنیاد رکھی۔ اور سبھوں کا تعلق اس ادارہ سے رہا ہے خواہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہوں یا حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ یا حضرت رشید احمد گنگوہیؒ ہوں یا حضرت قاری محمد طیبؒ یا حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اور عصر حاضر میں حضرت مولانا محمد سالم ہوں یا حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ العالی۔

صرف یہی نہیں بلکہ علمی تشنگی سے سیراب ہونے والوں یعنی یہاں کے طالب علموں میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر حسن گیلانیؒ، مولانا حکیم محمد زماں حسینیؒ، حضرت مولانا سید نظام الدین مدظلہ العالی موجودہ امیر شریعت بہار، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ، حضرت مولانا عبدالسمیع ندویؒ سابق وزیر حکومت بہار، مولانا شمین الدین انصاریؒ سابق ایم۔پی۔ بھاگلپور کے اسماء گرامی تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں اب میں ان تفصیلات کو مختصر کرتے ہوئے آپ کی توجہ اس اجلاس کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرونگا۔

قبل اس کے میں بات آگے کی طرف بڑھاؤں ایک شعر سے اس کی ابتدا کرنا چاہتا ہوں۔

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی عشرت کو زوال آتا ہے

حضرات! آج ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی، تعلیمی، سماجی، سیاسی حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ قوم پچھلی صدی سے تا ایں دم اتنی آزمائش و پریشانی کے دور سے شاید پہلے دو چار نہیں ہوئی ہے۔ ایک طرف فسطائی طاقتوں کا حملہ، حکومت کا تیور بدلا ہوا، میڈیا کا مزاج مخالف، اغیار تو اغیار اپنے بھی مخالف کہیں دیوبندی بریلوی کا جھگڑا تو کہیں شیعہ سنی کا فساد، کہیں ٹاڈا کی بدلی ہوئی شکل میں نئے مجوزہ قانون کی تلوار ہمارے سروں پر، کہیں دستور میں تبدیلی کا خوف تو کہیں عبادت گاہ بل کے نام پر ہراساں کرنا، غرض کہ ہر طرف حملے ہی حملے۔ آج ہم ان تمام خار دار راہوں اور دشوار گزار گھاٹیوں سے گزر رہے ہیں۔ اور وراں حالیکہ دستور ہند میں دفعہ ۲۵/۲۹ اور ۳۰ کے ذریعہ مذہبی اقلیتوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ انہیں اپنے مذہب کی تعلیم، مذہبی عبادت گاہوں کی تعمیر اور مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے۔ لیکن اس کے

ساتھ دفعہ ۴۴ میں دیگر باتوں کے ماسوا حکومت کو اس بات کا بھی مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ پورے ملک کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کی کوشش کرے یہ مذہبی جذبات پر ایک تازیانہ ہے جس کے نتائج دوررس اور نہایت ہی خطرناک ہیں۔ ان پر اعتراضات اس وقت بھی ہوئے تھے لیکن دستور کا مسودہ تیار کرنے والے جناب بھیم راؤ امبیڈکر اور اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے قوم کو یقین دہانی کرائی تھی کہ یہ ایک تجویز ہے ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو، بلکہ بقول ان کے یہ کوئی پاگل حکومت ہی ہوگی جو مسلمانوں کے مسلم پرسنل لاء کی جگہ یکساں سول کوڈ لانے کی کوشش کرے گی۔ لیکن آج خطرہ منڈلا رہا ہے۔ موجودہ حکومت واقعی سنک گئی ہے جو دستور ہند پر نظر ثانی کے بہانے مسلمانوں اور دیگر اقلیتی مذاہب کے بنیادی مراعات وحقوق کو سلب کرنے کی در پردہ سازش میں مبتلا نظر آرہی ہے۔ جو مسلمانوں کے مذہبی تشخص کو تباہ کرنے کے مترادف ہے، اس دستور پر نظر ثانی کے لئے سابق چیف جسٹس ایم۔ این وینکٹ چلیا کی سربراہی میں گیارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی جا چکی ہے اب ہمیں کمیشن کی سفارشات کا انتظار ہے اور مشاہدہ کرنا ہے کہ کمیشن کے افراد شوریدہ سر ہیں یا کہ صحیح الدماغ مسلمان بہر جہت یکساں سول کوڈ کو کسی بھی طرح منظور نہیں کریں گے جو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذہبی اقلیات پر بھی ضرب کاری ہوگی۔ خود برادران وطن کے مذہبی عقائد جو لاکھوں خداؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ خود ان کے اندر اس سلسلے میں بے چینی ہے۔ مزید تفصیلات سے ہمارے اکابرین جو یہاں تشریف فرما ہیں ان کے مواعظ حسنہ سے استفادہ کریں گے۔

ایسے آزمائش کے دور میں ہماری نگاہیں اپنے موجودہ اکابرین وعلماء کرام پر ہے کہ ماضی میں بھی انہوں نے ہماری رہنمائی کی ہے اور آج بھی ہم پرامید ہیں اگر ان کی قیادت ورہنمائی ملتی ہے تو انشاء اللہ اغیار ہمارے بال بیکا نہیں کر سکتے ہیں۔ آیئے :۔ اس بات کا عہد کریں کہ ہم سب آپس میں مل کر ایک بنیں اور نیک بنیں۔ اپنے اکابرین کا احترام کریں۔ ان کی قیادت پر بھروسہ کریں کیونکہ ہمارے اکابرین اور علماء کرام ودانشوران سے ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اب یہ خصوصیات سیاسی مسلم قائدین میں عنقا ہے۔

آیئے: قدم سے قدم ملا کر اپنے اکابر کے ساتھ چلیں۔ ان کی قیادت کا احترام کریں۔ اور اس اجلاس کو بحسن وخوبی اختتام تک پہونچانے میں دست بہ دعا ہوں۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اقبالؒ

(ماخوذ از مطبوعہ خطبہ صدارت بشکریہ ملی کونسل دربھنگہ)

جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ دربھنگہ صدیوں سے علم وادب کا گہوارہ رہا ہے، تعلیم میں بھی ایک مقام رہا ہے، دور مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر اور ان کی شہزادی زیب النساء کے اتالیق کا یہ مسکن بھی رہا ہے، بہادر شاہ ظفر کے انحطاطی دور کے بعد ان کے پوتا شہزادہ زبیر بخت گورگانی نے مہاراجہ دربھنگہ کے دربار میں ان کی دعوت پر یہاں سکونت پذیر رہ کر کئی کتابوں کی تصنیف کر کے اردو ادب میں ایک اہم مقام حاصل کیا اور اسی دربھنگہ میں پیوند خاک ہوئے اولیاء، ادبا، شعرا اور دانشوران نے اس سرزمین کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور زمانے پر اپنے علم وآگہی کا سکہ جمایا ہے۔ ان ہی ناموں میں ایک نام کا اور اضافہ ہوگیا ہے جو اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ لیکن ان کی یادیں، ان کی ملی خدمات، مذہبی رجحانات اب بھی دربھنگہ والوں کے دلوں اور ذہن وفکر میں باقی ہیں اور وہ نام ہے حضرت قاضی صاحبؒ کا جن کی جائے پیدائش موضع جالہ براہ جوگیارہ ضلع دربھنگہ ہے۔

انہیں دربھنگہ سے والہانہ محبت تھی، کیونکہ یہاں وہ پیدا ہوئے، یہیں ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ میں ہوئی، یہیں پروان چڑھے اور یہیں محلہ مہدولی میں ایک بزرگ خاندان کی نیک صفت بی بی سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے یہ وہی مہدولی ہے جو اپنی جگہ اسم بامسمیٰ ہے۔ اولیاء کرام کا گہوارہ رہا ہے اور اسی مہدولی میں اپنی بیگم محترمہ کے لئے ایک چھوٹا سا مسکن تقریباً ۳ سال قبل تعمیر کرایا

تھا کیونکہ انہیں آگاہی تھی، وہ ایسا محسوس کررہے تھے کہ اس عالم فانی کا آب ودانہ میرے لئے مختصر ہے۔ مہدولی کی خاک سے بھی اس قدر محبت تھی کہ آپ کی خواہش ہوئی کہ کاش یہاں کی مٹی بھی نصیب ہوجائے۔ مورخہ ۴راپریل ۲۰۰۲ء کو آپ کی روح سعید قفس عنصری سے پرواز کرگئی اناللہ وانا الیہ راجعون۔ شب کے پونے آٹھ بجے تھے دلی میں زعماء قوم، ان کے دوست اور مختلف اداروں کی مجلس شوریٰ کی نشست طلب کی گئی کہ انہیں کہاں لے جایا جائے، شوریٰ کا فیصلہ ہوگیا کہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ان کی آخری آرامگاہ ہوتا کہ ملک و بیرون ملک کے زائرین جب کبھی پھلواری شریف آئیں تو ان کے مرقد پر فاتحہ کا موقعہ بھی انہیں مل جائے۔ اسی دوران ان کے رفیق کار اور دست راست جناب ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے ذہن میں فوراً ایک بات منعکس ہوئی کہ ان کی اہلیہ محترمہ سے رائے اور اجازت لی جائے بعد استفسار کے محترمہ نے حضرتؒ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دربھنگہ لے جانے کی استدعا کی، سبھوں نے محترمہ کے جذبات واحساسات کا احترام کرتے ہوئے دربھنگہ پہونچانے کی ذمہ داری قبول کی، فیصلہ ہوچکا۔ عقیدت مندوں کا جم غفیر دہلی کے گوشے گوشے سے جمع ہونے لگا اور طے پایا کہ ایک جنازہ دہلی کے ہوائی اڈہ پر ہونا ضروری ہے کیونکہ قرب وجوار سے ان کے معتقدین نیز طلباء دیوبند کا قافلہ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے چل چکا ہے باقی کچھ لوگ کل صبح پہونچ جائیں گے چنانچہ شوریٰ کے فیصلہ کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد میں ساڑھے سات بجے صبح اور پھر تقریباً ۱۲ربجے دن دہلی کے پالم ہوائی اڈہ پر نماز جنازہ ادا کی گئی اور جہاں سے پھر سہارا انڈیا کے ہوائی جہاز سے تقریباً چالیس نفری وفد نے اپنے ساتھ پھلواری شریف پٹنہ کے لئے پرنم آنکھوں سے دہلی کو الوداع کہا۔ اسی دن صبح سے ہی ادھر بہار کے ہر گوشہ گوشہ سے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی۔ ارباب اقتدار وسیاستدانوں کی بھیر بھی امڈ پڑی۔ پہلے جسد خاکی کو مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل کی ایمبولینس گاڑی سے دربھنگہ لے جانے کی بات ٹھہری تھی معاً راجد کے قومی صدر، اور حضرتؒ کے معتقد جناب لالو پرشاد یادو نے فوراً ہی پروگرام تبدیل کرتے ہوئے چھ سیٹ والی اسٹیٹ ہوائی جہاز کا انتظام کیا اور طے پایا کہ ہوائی جہاز سے انہیں دربھنگہ پہونچایا جائے۔ فوراً جناب عبدالباری صدیقی وزیر کابینہ کو ہدایت ملی کہ آپؒ کے جسد خاکی کے ساتھ دربھنگہ جائیں۔

مجھ کو ہدایت ملی کہ دربھنگہ ہوائی اڈہ پر موجود رہ کر انہیں ریسو کرو!

چنانچہ دن کے بارہ بجے پٹنہ سے بذریعہ کار میں دربھنگہ پہونچا، یہاں مہدولی حاضری دی۔ گھر آیا وہاں سے دربھنگہ کے ڈی ایم۔ ایس ڈی اور دیگر آفیسران سے رابطہ قائم کیا معلوم ہوا کہ یہ لوگ ہوائی اڈہ جاچکے ہیں۔ پھر اپنے بڑے بھائی جناب عطاء الرحمٰن رضوی کو ساتھ لیا۔ وہاں ڈی ایم ایس پی، دیگر آفیسران اور مہدولی سے حضرت کے برادر نسبتی جناب عبدالولی نعمان اور ان کے ساتھ جناب اشرف آعظم صاحبان منتظر جہاز تھے تقریباً پندرہ منٹوں کے بعد سوا چار بجے فضا میں گنگناہٹ محسوس ہوئی ہم لوگوں کی آنکھیں جہاز پر گئیں۔ آخرش لینڈ کیا۔ ہوائی جہاز کا دروازہ کھلتے ہی پہلے ناظم امارت شرعیہ جناب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی اترتے ہوئے نظر آئے پھر جناب عبدالباری صدیقی پر نظر پڑی ان کے بعد حضرت مولانا سید نظام الدین مدظلہ امیر شریعت جہاز کے کھلے دروازہ پر ہی کھڑے رہے آنے کا اشارہ کیا، جہاز کے اندر اپنے بڑے بھائی جناب عطاء الرحمٰن رضوی کے ساتھ داخل ہوا نیچے سے ولی بھائی اور اشرف بھائی بھی آگے بڑھے ہم چاروں نہایت ادب سے جسد خاکی کو نیچے لائے اور فوجی گاڑی میں رکھا گیا۔ ارباب اقتدار وآفیسر نے پھول مالائیں چڑھائیں، وہاں سے تقریباً پندرہ سولہ گاڑیوں کے قافلہ کے ساتھ مہدولی کے لئے روانہ ہوئے ایک گھنٹہ کی مسافت طے کرنے کے بعد قلعہ گھاٹ پہونچے یہاں منظر ہی کچھ عجیب تھا مدرسہ حمیدیہ سے مہدولی تک پیدل جانا دشوار تھا۔ گاڑی جانی تو دور کی بات تھی۔ کیونکہ دربھنگہ اور قرب وجوار کی آبادی سمٹ کر مہدولی آچکی تھی، ادھر پھلواری شریف پٹنہ سے جناب لالو پرشاد یادو کی ہدایت پر وزیر توانائی جناب شیام رجک

نے دس بسیں اسٹیٹ کی فراہم کرائی تھیں، ان بسوں پر بہار کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے معتقدین پھلواری شریف سے دربھنگہ پہونچ چکے تھے، بسیں اور گاڑیاں روڈ پر جام تھیں اور جن کو جگہ نہ مل سکی تھی بس میں آنے کی۔ وہ حضرات گرامی پھلواری شریف میں رک کر ہی بعد نماز جمعہ حضرتؒ کی تیسری نماز جنازہ میں شرکت کر لی تھی۔ لیکن تجہیز و تکفین کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ خیر کسی طرح سے انتظامیہ نے روڈ کو کلیر کیا اور حضرت کے مسکن پر گاڑی پہونچی۔ اپنے پرائے خویش و اقارب اور معتقدین کی افسردہ آوازوں سے میری بھی آنکھیں نم تھیں۔ جسد خاکی کو ان کے مسکن کے کمپاؤنڈ میں اتارا گیا اور سرکاری اعزاز کے ساتھ پولیس کے اکیس جوانوں نے اپنی رائفلیں زمین کی طرف سرنگوں کر کے سلامی دی اور حکومت کی طرف سے پھول مالائیں ان کی جسد خاکی پر نچھاور کی گئیں۔ لوگ آتے گئے، دیدار کرتے گئے، کچھ لوگوں کی گاڑیاں پھلواری شریف سے آنے میں تاخیر کی، خود ان کی محترمہ کو بھی بذریعہ کار ہی پھلواری شریف سے دربھنگہ لایا جارہا تھا کیونکہ وہ اس قدر دل فگار تھیں کہ ڈاکٹر نے ہوائی جہاز سے دربھنگہ انہیں لے جانے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔

بہر حال جب محترمہ اور ان کے قافلہ کی گاڑیاں مہدولی پہونچیں تو اس کے بعد ہزاروں افراد نے چوتھی مرتبہ ہونے والی نماز جنازہ میں شرکت کر کے تقریباً دس بجے شب اللہ کی دی امانت کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ اور آج اسی اولیاء کرام کی مقدس سرزمین مہدولی میں اپنے مسکن کے کمپاؤنڈ کے ایک گوشہ میں وہ آرام فرما ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ اسی مرقد سے متصل پختہ روڈ پر ہر آنے جانے والے مسافروں کے دل سے دعاؤں کے چند بہتر کلمات ہی ملتے رہیں گے یقیناً اس سے مجھے فائدہ ہوگا اور اسی نظریہ اور حسن طلب کی خاطر ایک بار دربھنگہ کے قیام کے دوران اپنے کمپاؤنڈ میں آخری آرامگاہ کے لئے ایک گوشہ پالینے کی خواہش ظاہر تھی جسے اللہ نے قبول فرمالیا۔ اور ان کے اعزہ و اقارب نے ان کی خواہش کی تکمیل کر دی۔

میری خوش قسمتی تھی کہ دربھنگہ شہری حلقہ سے اسمبلی انتخاب کے لئے ٹکٹ نصیب ہوا۔ حضرت کو بڑی مسرت ہوئی کامیابی کے لئے دعاؤں کے ساتھ بساط بھر کاوشیں بھی کیں اللہ کا کرم شامل حال رہا۔ عوام کے تعاون، دوستوں کے خلوص اور بزرگوں کی دعاؤں سے رب العزت نے کامیابی عطا کی کامیابی کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ہدایت دی کہ عوامی کاموں میں دیانتدارانہ طور پر منہمک ہو جاؤ۔ جہاں شہر کے شاہراہوں کو درست کرنے کی کوشش کررہے ہیں ضروری گلی کوچوں کو بھی فراموش ہرگز نہیں کرنا۔ اسی ضمن میں ان کا حکم ہوا کہ بازید پور، چوک سے براہ مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ مہدولی کی مسجد تک کی سڑک ڈھال دو۔ وعدہ کر لیا میرے ساتھ میرا بیٹا حافظ ندیم اشرف جوان دنوں حضرتؒ کے گراں قدر مشورہ و ہدایت پر دارالعلوم دیوبند میں فضیلت کی تکمیل میں سرگرداں ہیں انہیں کہا کہ یہ اگر بھول جائیں تو یاد دلاتے رہنا اور اس کام کو اول ترجیح دلانا۔

چنانچہ حضرتؒ کے حکم کے مطابق مورخہ...... کو روڈ کی تعمیر کے لئے تقریب سنگ بنیاد عمل میں آئی اور پہلی اینٹ سے حضرت نے افتتاح فرمایا دوسرے ہی دن امارت شرعیہ پٹنہ گئے وہاں سے پھر بغرض علاج دلی روانہ ہو گئے ان کے جانے کے ایک ماہ کے اندر ہی روڈ ڈھال دی گئی اور میری دلی خواہش تھی کہ حضرت لوٹ کر آئیں اور روڈ کو مکمل دیکھ کر دعاؤں سے نوازیں لیکن میری آرزوئیں مبدل بہ حسرت ہو گئیں اور وہ لوٹے کب؟ جب ہم لوگ ان کے جسد خاکی کو لے کر مہدولی ان کے مسکن پر گاڑیوں کے قافلہ کے ساتھ پہونچے۔ آج ساری مخلوق انہیں دعائیں دے رہی ہے کہ جاتے جاتے وہ اپنی ایک اور یادگار چھوڑ گئے اور میں اپنی بدقسمتی پر افسردہ ہوں کہ کاش حضرت کچھ اور ہی حکم دیتے تو اس کی تکمیل کی مزید کوشش کرتا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

بس اب اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ اللہ اپنے حبیبؐ کی نیک دعاؤں کے طفیل میں انہیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے اور پس ماندگان نیز ان کے معتقدین و ہمدردان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ایک مجاہد جو میدان جنگ ہی میں دم توڑ گیا

ڈاکٹر محمد رضوان الحق ندوی
صدر شعبہ اردو، مارواڑی کالج کشن گنج (بہار)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جن کے نام کے ساتھ اب تک ہم لوگ بصد احترام "مدظلہ العالی" لکھتے رہے، اب "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنے میں ہاتھ لرزاں اور قلب وجگر شق ہورہا ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے، **کل نفس ذائقة الموت**، وقت موعود آن پہونچا۔ طویل علالت کے بعد ۴راپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستانی مسلمانوں کو گھمسان لڑائی کے میدان میں اللہ کے بھروسے چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جاملے۔ **ان للہ وانا الیہ راجعون**. نعش مبارک دہلی سے پٹنہ لائی گئی جہاں ۵راپریل ۲۰۰۲ء کو بعد نماز جمعہ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی امیر شریعت نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر ریاستی سرکار کے فراہم کردہ ہیلی کاپٹر سے نعش دربھنگہ پہونچائی گئی اور مہدولی، دربھنگہ میں جو قاضی صاحب کا سسرالی وطن ہے، ان کی وصیت کے مطابق اپنے تعمیر کردہ مکان کے احاطے میں انھیں سپرد خاک کردیا گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت قاضی صاحب کی وفات کی خبر کیا تھی گویا بجلی کا ایک کڑکا تھا، سکتہ طاری ہوگیا، ذرا حواس بحال ہوئے تو بے ساختہ زبان سے نکلا "مجاہد قائد میدان جنگ ہی میں دم توڑ گیا" اب اس مسلمہ ہندیہ کا کیا ہوگا؟

ابھی گزشتہ ۱۵رمارچ کو اجودھیا میں جو ہونا طے تھا اس سے تمام مسلمان سہمے ہوئے تھے۔ سنگھ پریوار کے ظاہر وخفیہ عزائم سے ہر طرف خوف وہراس کا ماحول تھا۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تنظیمی ومعنوی طور پر ایک ایک مسلمان کو ملکی سطح پر جوڑے ہوئے تھے

اور قضیہ کے سلسلے میں عدالتی فیصلے کے موقف پر ڈٹے رہے، نیز عدالت میں درخواست گزاری کرکے "مسلم پرسنل لا بورڈ" کو قضیہ میں بحیثیت فریق شامل کروایا۔ دوسری طرف حکومت پر سنگھ پریوار کا سخت دباؤ تھا ادھر کارسیوکوں کا ریہرسل اور آنا جانا جاری تھا کہ اچانک گجرات کا فساد پھوٹ پڑا۔ پھر جو کچھ ہوا اور ابتک ہورہا ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔ بازآبادکاری اور راحت رسانی میں قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی سبھی ادارے فوراً حرکت میں آگئے۔ امارت شرعیہ کا راحت کاردستہ فساد زدہ علاقوں میں پہونچ گیا اور مستقل ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھانے، جلے اور اجڑے ہوئے گھروں کو بسانے، فوری طور پر ان کی بنیادی ضرورتوں کھانے پینے کے سامان اور کپڑے مہیا کرانے میں مصروف ہے۔ اُدھر آل انڈیا ملی کونسل ہندوستان گیر پیمانے پر گجرات کے مظلوموں کے لئے جی توڑ محنت میں مصروف ہے۔ راحت رسانی کے کام کی نوعیت یہ ہے کہ ملک کے مسلمانوں سے اٹھنی چونی چندہ کرنا اور مظلوموں تک پہونچانا، یہ سب کچھ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہورہا تھا۔ ہر ناگہانی آفت کے وقت قاضی صاحب اسی طرح انتہائی بے چین ہوجایا کرتے تھے اور اپنے تمام ادارے، وسائل وذرائع کو مظلومین کی امداد میں لگادیتے تھے۔ ابھی کام جہاد کے انداز میں ہورہا تھا اور یہ مجاہد بڑی قوت، انتہائی فراست، بے مثال تنظیمی صلاحیت کے ساتھ میدان کارزار میں تھا کہ وقت موعود آن پہونچا۔ وامصیبتاہ۔

(مہاراشٹر) میں "اتحاد ملت کانفرنس" ہوئی جس میں ایک متحدہ پلیٹ فارم کے قیام کا بڑے خلوص کے ساتھ فیصلہ ہوا۔ یہ ترازو میں زندہ مینڈک کو تولنے کا عمل تھا۔ قاضی صاحب نے اس انہونی کو کر دکھایا۔ ابتدائی اور دستوری تیاریوں کے بعد ۲۹ر۳۰رنومبر ۱۹۹۲ء کو

کرناٹک کے تاریخی شہر ٹیپو سلطان شہید کے دارالسلطنت میسور میں وہ تاریخی اجلاس ہوا جس میں یہ تمام تر مساعی ''آل انڈیا ملی کونسل'' کی شکل میں دستوری وجود پایا۔ راقم بھی اس اجلاس میں کشن گنج سے بہار کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک تھا۔

مسلمانوں کی فلاح و بہبود، تعلیمی فروغ، اقتصادی ترقی اور سب سے اہم اتحاد واتفاق کو قائم اور مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے دستوری طور پر ''آل انڈیا ملی کونسل'' کو تشکیل دے کر ہندوستان کے کونے کونے سے آئے نمائندے اپنے گھروں کو پہونچ کر رخت سفر کھول بھی نہ پائے تھے بلکہ کتنے تو ابھی راستے ہی میں تھے کہ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو وہ سانحہ عظیم پیش آیا جس میں پورے ملک کی فاشسٹ قوتوں نے تاریخی بابری مسجد کو ایودھیا میں شہید کردیا۔ ریاست اتر پردیش میں فسطائی طاقت کی سیاسی ونگ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت تھی، شری کلیان سنگھ وزیر اعلیٰ تھے۔ (آج کلیان جی کو پارٹی کی طرف سے انعام میں پارٹی سے نکل جانا پڑا) لیکن مرکز میں شری نرسمہاراؤ جی کی قیادت میں کانگریس کی حکومت تھی۔ دو سال قبل ہی جب بی جے پی کے اس وقت کے صدر شری لال کرشن اڈوانی جی نے جو آج مرکزی حکومت میں وزارت داخلہ کے کلیدی قلمدان کو سنبھالے ہیں، رتھ یاترا کے ذریعہ پورے ملک کو مشتعل اور فسطائی جذبات سے ہنگامہ خیز بنادیا تھا، ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کا سانحہ لاشعوری طور پر ہر فرد کے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ تمام مسلم رہنما، تنظیموں نے اپنے احساس اور فکرمندی سے حکومت اور سیکولر ہندوستان کو آگاہ کردیا تھا اور کرتے رہتے تھے کہ ۶ر دسمبر کا سانحہ پیش آگیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ جو ملی کونسل کے پہلے سکریٹری جنرل میسور میں منتخب ہوئے تھے۔ سنگین حالات کے گھیرے میں آگئے، بابری مسجد کے شہید کردینے کے ساتھ ہی پورے ملک میں مسلمانوں کے صفایا کا عمل بھی شروع ہوگیا۔ ہر طرف فساد پھوٹ پڑا۔ مسلمانوں کی جان، مال، عزت وآبرو سب کی لوٹ شروع ہوگئی، جلانا، مارنا بس یہی ہر طرف شروع ہوگیا۔ قاضی صاحب دہلی میں کونسل کے ذمہ داروں کے ساتھ جم گئے۔ تمام مسلمان ممبر پارلیامنٹ کو اکٹھا کیا وزیر اعظم اور تمام سرکاری مشنری پر دباؤ بنایا، خیر کسی طرح ملک کا فساد قابو میں آیا لیکن ملک گیر پیمانے پر مسلمان پست ہمت اور خوف وہراس کا شکار ہوئے۔ کسی بھی قوم کا حوصلہ ہار دینا اس کی فنا کا پیغام ہے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ملک گیر پیمانے پر مسلمانوں میں حوصلہ بحال کرنا اور ان سے خوف وہراس کی نفسیات کو دور کرنا جیسا اہم فریضہ ادا کرنا تھا، سیاسی محاذ پر حالات کو ایک مقام پر لادینے کے بعد وہ مسلم نفسیات کی تعمیر میں لگے، ہر مذہب وملت اور فرقہ کے لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور پھر ملک گیر پیمانے پر ''کاروان اتحاد'' نکالا، یوپی میں بڑا لمبا کاروان نکلا، ملک کے ہر گوشے میں کارواں نکالا گیا۔ یہاں پورنیہ کمشنری (بہار) میں بھی ایک عظیم کارواں نکلا جس کی شروعات کشن گنج ضلع کے صدر مقام سے ہوئی۔ پورے کشن گنج، ارریہ، پورنیہ اور کٹیہار اضلاع میں کل آٹھ دنوں تک یہ کارواں اتحاد، امن وسلامتی، بھائی چارگی اور بقائے باہم کا پیغام پہونچایا اور سہمے مسلمانوں کے حوصلہ کو بحال کیا۔ ہر جگہ کارواں کی قیادت خود حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ ۱۹۹۳ء کو پورا سال اسی نیک اور اہم کام میں لگا۔ کشن گنج کا کارواں دسمبر ۱۹۹۳ء میں نکلا راقم نے ملی کونسل کے ضلع یونٹ کے جنرل سکریٹری ہونے کی وجہ سے پورے سفر میں شریک رہ کر اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی صاحب کی معاون سکریٹری جنرل جو خود شریک کارواں تھے، خصوصی سرپرستی اور نگرانی رہی، حضرت قاضی صاحب نے ان قیامت خیز حالات میں صاحب ایمان قوم کے حوصلہ شکستہ ہونے کا بروقت علاج کیا۔ یہ قاضی صاحب کی ذہانت وفراست تھی جس نے مسلمانوں کو بچایا، ورنہ خدانخواستہ مسلمان ملی وثقافتی لحاظ سے خود سپردگی کی راہ پر چل کر شاید ارتداد کی راہ اختیار کرلیتے۔ حالات بڑے نازک تھے اللہ تعالیٰ نے بروقت ایک مجاہد کو مستعد کیا۔ اب وہ مجاہد جاتا رہا وا حسرتاہ۔

۹۲ء کے حادثہ اور سانحہ سے پہلے ہی ہندوستان گیر پیمانے پر مسلمانوں کے وجود کے انکار کی مہم عملاً شروع کی گئی۔ بہار و بنگال کے علاقے اس سے بالخصوص متاثر ہوئے۔ آبادی کی آبادی اور خاندان کے خاندان کو غیر ملکی اور بنگلہ دیشی قرار دے کر ''شہریت'' سے محروم کرنے کی عملی کوشش شروع ہوئی، ووٹر لسٹ سے مسلمان کے نام خارج کرنے کا کام شروع ہوا۔ پشتہا پشت سے رہ رہے لوگوں کی شہریت بیک جنبش قلم ختم! کیا مصیبت تھی! اللہ بچائے، گھر مالک خانہ کو پہچاننے سے انکار کردے! حالات اس حد تک ستم ظریف ہوگئے تھے۔ بہار و بنگال میں اس مسئلہ کو پیدا کرنے میں خاص طور پر فسطائی طاقتوں کو شمالی بنگال کے ''میتابنڈ'' اور گنگا ندی پر بنے فرا کا بیرج''

سے بے گھر ہوئے ایک بڑی آبادی کی وجہ سے بہانہ ہاتھ آیا۔ یہ بے گھر ہوئے لوگ جہاں تہاں آباد ہوئے۔ یہ کل کے کل یا بیشتر بنگلہ بولنے والے مسلمان ہیں۔ یہ شیر شاہ آبادی یا بھٹیا کہلاتے ہیں۔ مسلکا زیادہ تر اہل حدیث ہیں۔ بس کیا تھا، زبان کیوجہ سے ان کو بنگلہ دیشی دراندازقرار دے کر ہندوستانی شہریت سے محروم کرنے کا عمل شروع ہوگیا۔ یہاں کشن گنج میں بھی ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست بنی جن کو شہریت سے محروم کرنے کا عمل شروع ہوا۔ راقم السطور کے پاس بھی اس فرضی فہرست کی ایک کاپی اب تک موجود ہے۔ ضلع دفتر سے لے کر دور دراز دیہی علاقوں تک بڑی دوڑ دھوپ کی تھی۔ حضرت قاضی صاحب نے ملک گیر پیمانہ پر بڑی قوت سے اس ناپاک مہم کے خلاف تمام مخلصین کو لے آواز بلند کی اور عملاً امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تعاون سے ستمبر ۱۹۹۲ء میں پٹنہ میں سب سے پہلی ''شہری بچاؤ'' کانفرنس کا انعقاد کیا۔ راقم سطور بھی شریک تھا، کانفرنس سے لوٹ کر ضلع سطح پر اس ناپاک مہم کو ناکام بنانے کی مقامی مخلصین کی مدد سے بڑی کامیاب کوشش کی۔ بہرحال پٹنہ کانفرنس کے بعد اعلیٰ سطح پر مسلمان جانفشانیوں کے بعد حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس فسطائی مہم کو ناکام کیا، ویسے اب یہ مہم غیر ملکی دہشت گرد کے خول میں پھر سر ابھارنے لگی ہے۔ ہائے افسوس! قاضی صاحب تو ہمیں بیچ بھنور میں چھوڑ کر جاچکے۔ اللہ حافظ

تعلیم، ثقافت، مذہب، سیاست اور سماجیات ہر محاذ پر فسطائی جماعتیں آسیب زدہ فرد کی طرح سرگرم ہوگئیں اور ملک کی جمہوریت کو سرے سے نابود کرنے کے لئے کام شروع کیا۔ حضرت قاضی صاحب جو ملت اسلامیہ کے ساتھ پوری انسانیت کا درد اپنے کلیجے میں رکھتے تھے، انھوں نے ملک کے سیکولر کردار کے ختم کرنے کی اس ناپاک سازش کو پوری طرح بھانپ لیا اور بلاتفریق مذہب وملت ملک کے سیکولر افراد جماعتوں اور دانشوروں وہمدردوں کو اس طرف متوجہ کیا۔ پوری تیاری کے بعد آل انڈیا ملی کونسل کے زیر اہتمام ۱۱ر اگست ۲۰۰۱ کو ''دیش بچاؤ کنونشن'' منعقد کیا گیا، کنونشن کا مقصد ملک کو درپیش خطرات اور اس کے سیکولر وجود پر ہورہے حملوں سے باخبر کرنا تھا۔ اس سے پہلے ہندوستان کی آزادی کے گولڈن جوبلی کے موقعہ پر بھی ملک گیر پیمانے پر ''کاروان آزادی'' نکالا گیا تھا جو کوئی پچاس ایام کی مدت میں ملک کے کوئی ایک سو اہم شہروں سے گزرتا ہوا دار السلطنت دہلی میں اختتام پذیر ہوا تھا۔ اس میں آزادی کے بعد پچاس برسوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیا گیا تھا جبکہ دیش بچاؤ کنونشن میں درپیش خطرات سے آگاہ کیا گیا تھا۔

قاضی صاحب نے اپنی ایک ٹیم بنائی تھی۔ اصلاً علم دین سے ان کا ہمہ وقتی اشتغال، منصب قضاء پر ایک مدت تک فائز رہنا، اسلامی نظام قضاء کو ملک کے گوشے گوشے تک پھیلانے کے لئے قضاۃ کا تربیتی نظام چلانا وغیرہ مشاغل نے ملک میں پھیلے ہوئے باصلاحیت مخلص افراد کو ان سے قریب کردیا تھا اور ایسے لوگوں کو وہ ذاتی طور پر پہچان گئے تھے۔ بیسوی صدی کی اسی کی دہائی سے ملک میں جو ایک بیّن موڑ آیا اور جس نے ان کو ملکی اور مسلم مسائل میں کود پڑنے پر مجبور کیا، اس مرحلہ پر انھوں نے ایسے باصلاحیت مخلص افراد سے کام لیا۔ اس لئے اس ٹیم کے ممبران کی ایک بڑی لمبی فہرست ہے۔ ویسے ہمہ وقتی ان کے دست وبازو میں ان کے معاون خاص حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی صاحب معاون سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل، ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب چیرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز (جو قاضی صاحب کی صحت کے زیادہ خراب ہوجانے کے بعد سے کچھ دنوں سے کارگزار سکریٹری جنرل کی حیثیت سے کام کررہے تھے) مولانا سید نظام الدین امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ پٹنہ، مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ پٹنہ، مولانا سجاد نعمانی لکھنؤ، مولانا عبدالوہاب خلجی جماعت اہل حدیث، ڈاکٹر سید عبدالباری وغیرہ مقتدر، باشعور اور صاحب فہم وبصیرت لوگ تھے۔

ملت کا یہ کارواں بڑی محنت اور اخلاص سے رواں دواں تھا ملک میں فسطائی طاقتوں نے ہر محاذ کو کھول دیا تھا اور ہر چہار طرف سے یلغار کا سلسلہ نہایت خطرناک صورت میں جاری تھا۔ یہ مجاہد، بیدار مغزی سے میدان کارزار میں کمان سنبھالے تھا۔ ہر وار کو کید متین، اور جمہوری وسیکولر اسلحہ سے ناکام کرنے کے لئے تمام تدابیر بروئے کار لارہے تھے۔ امت مسلمہ ہندیہ پریشان لیکن پُر اعتماد نگاہوں سے معرکہ کے انجام کو دیکھنے کے لئے ٹکٹکی لگائے ہوئی تھی کہ اچانک مجاہد میدان جنگ ہی میں دم توڑ گیا۔

☆☆☆

ایک جلتا ہوا چراغ

ارشد الف
ٹیچر آزاد اکیڈمی ، اردیہ

یوں تو اس دنیائے رنگ و بو میں بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں اور اس دار فانی سے کوچ کر جاتے ہیں، مگر کچھ ایسی شخصیات ہوتی ہیں جنہیں دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ جن کے وداع ہو جانے کے بعد دنیا کا ایک ایک ذرہ آنسو بہاتا ہے، دنیا کی ہر ایک شئے غم واندوہ میں ڈوب جاتی ہے جن پہ دنیا ناز کرتی ہے، جن کے علمی قلمی وسیاسی جوہر کے چرچے نہ صرف اپنے بلکہ غیر بھی کیا کرتے ہیں۔

ایسی ہی نادر ونایاب شخصیتوں میں ایک تھے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قاضی القضاۃ، فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل، محسن ملت حضرت الحاج قاضی ومولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔ شاید ایسی ہی شخصیت کے لئے شاعر مشرق علامہ اقبال نے وہ شعر کہا تھا کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کا پیکر، آپ کی عبقریت ومجاہدات اور علمی وعملی کمالات بے مثال ومنفرد تھی، زبان ایسی سلیس کہ ہر خاص وعام سمجھیں، بیان ایسے پراثر کہ لوگ مسحور ہو جائیں اور عمل پہ کاربند ہو جانے کو مجبور ہو جائیں، فقیہانہ بصیرت ایسی کہ امام اعظمؒ کی یاد دلائے۔

ناچیز کی حضرت قاضی صاحب سے واقفیت دوران تعلیم انٹرمیڈیٹ وگریجویشن دربھنگہ میں ہوئی۔ میں ایک دفعہ دربھنگہ لہریا سرائے باقر گنج کی مسجد میں تبلیغی جماعت کے اجتماع میں شریک تھا کہ ایک نماز کے وقت شور ہونے لگا قاضی صاحب آگئے، قاضی صاحب آگئے میں چونکا کون قاضی صاحب؟ کون ایسی شخصیت کے لوگوں کے درمیان ہلچل ہو جائے، ان سے ملنے ان سے مصافحہ کرنے ان کی دعائیں لینے کے لئے لوگ اُمڈ پڑے جارہے تھے میں کوتاہ قد باوجود کوشش کہ نہ مصافحہ کرسکا اور نہ دیدار کرسکا۔ مگر میری یہ خواہش پوری ہوئی، بعد نماز ظہر حضرت قاضی صاحب کا خطاب عام ہوا۔ لوگ دیدار وسخن گوہر سننے کے لئے بے تاب وبے قرار تھے میں بھی دل تھامے تھا۔ اچانک ایک عام سابندہ کرسی پر آ بیٹھا، چہرے پر داڑھی بھی نظر نہ آئے اور خطاب عام کے لئے ممبر پر جلوہ افروز ہو جائے میں سوچنے لگا کہ جلد قاضی صاحب کا دیدار ہو اور ان کی گفتگوئے لعل وگوہر سے فیضیاب ہوں مگر میں اس وقت حیرت زدہ وششدر رہ گیا جب ایک صاحب نے تعارف کرایا اب آپ کے سامنے حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب دین و اسلام کی باتیں پیش کریں گے۔ میں سخت متعجب تھا، یہ کوتاہ قد، نحیف ولاغر شخصیت، بن داڑھی والا بھلا قاضی شریعت ہوسکتا ہے؟ مگر یہ حقیقت تھی یہی شخصیت علم وفہم کے سمندر اور حکمت وبصیرت کے دریا حضرت قاضی صاحبؒ تھے۔

حضرت قاضی صاحب کا قیام مہدولی میں ہوا کرتا تھا۔ اور اب بھی جائے دفن مہدولی شریف ہی ہے۔ اس خطاب پُراثر سے فیضیاب ہونے کے بعد دوران تبلیغی سفر کئی بار مہدولی شریف میں حضرت سے شرف ملاقات حاصل کرتا رہا اور آپ کی علمی وفقہی بصیرت سے آشنا ہوتا رہا۔ پھر امارت شرعیہ پھلواری شریف جانے کی سعادت نصیب ہوئی وہاں کی پُرشکوہ عمارت اور منظم طور طریقے دیکھ کر بے اختیار دل عقیدت ومحبت کے جذبے سے سرفراز ہوا۔ بعد میں حضرت کی کوششوں سے اس دینی ادارہ میں جدید تکنیکی ادارہ

آئی ٹی آئی قائم ہوا پھر مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت قاضی صاحب نے اپنے پیدائشی گاؤں جالے میں بچوں کا اسکول اور کالج قائم کیا جو بہتر تعلیم و تربیت کی آماجگاہ تھا اس ادارے میں ناچیز کے کئی قریبی رفقاء محترم عبید صاحب کیمسٹری و محترم مظہر صاحب جغرافیہ میں استاد ہوا کئے باوجود ہزار ہا کوشش کے جالے جانے کی سعادت اب تک نہ ہوئی۔

ایم ایس سی کی تعلیم سے فراغت کے بعد اپنا وطن ارریہ آگیا اور الشمس ملیہ کالج میں کیمسٹری کا کلاس لینے لگا وسیع و عریض کمپلیکس میں کچھ صاحب خیر کی تحریک پر ملیہ کالجیٹ اسکول کا قیام کیا جہاں دینی ماحول میں عصری تعلیم کا انتظام تھا اور ایک نئے طرز تعلیم سے ناچیز نے شہر کو متعارف کرایا۔ اتفاق سے انہیں دنوں دارالعلوم رحمانی منور نگر ارریہ میں اجلاس دستار بندی میں قاضی صاحب کی آمد ہوئی ناچیز حاضر خدمت ہو کر اپنا تعارف کرایا اور اسکول کے اغراض و مقاصد سے روشناس ہوئے، حضرت قاضی صاحب بہت خوش ہوئے اور میرے اسکول تشریف لائے بچوں کی تلاوت نعت تقاریر و انگریزی اسپیچ سے بہت متاثر ہوئے۔ حسن اتفاق یہ کہ دوسرے ہی سال یعنی ۵/ اپریل ۱۹۹۴ء کو آل انڈیا ملی کونسل صوبہ بہار کا صوبائی اجلاس الشمس ملیہ کالج کے وسیع و عریض میدان میں منعقد ہوا جس میں ناچیز کو اسکول کے اساتذہ و طلباء کے ساتھ خوب خوب خدمات ادا کا موقع ملا۔ اس موقع پر گوکہ قاضی صاحب مفتی نسیم احمد قاسمی سکریٹری حضرت مولانا نظام الدین صاحب اس وقت کے ناظم امارت شرعیہ بہار، مولانا شفیق عالم قاسمی، مدرسہ اسلامیہ، اسلام پور پورنیہ وغیرہ حضرات سے شناسائی ہوئی ہماری کارکردگی پر بہار کے گوشے گوشے سے آئے مہمانان نے مسرت کا اظہار کیا۔ مفتی نسیم احمد صاحب نے مجھے پھلواری شریف طلب کیا اور یہ پیش کی کہ اسکول کو ملی کونسل کے زیر نگرانی لے آؤں۔

کچھ ہی دنوں کے بعد میں پروفیسر رقیب احمد جنرل سکریٹری ملی کونسل ضلع ارریہ و مولانا عبدالقادر شمس قاسمی اسسٹنٹ سکریٹری ملی کونسل ضلع ارریہ (نائب مدیر ملی اتحاد) کے ہمراہ پٹنہ حاضر ہوا۔ ۲۴/ جولائی ۱۹۹۴ء کو حضرت قاضی صاحب کی رہائش گاہ ایفا بلڈنگ پھلواری شریف میں حضرت قاضی صاحب کی صدارت میں منعقدہ مجلس عاملہ کی میٹنگ میں ملیہ کالجیٹ اسکول کو ملی کونسل کے زیر اہتمام لانے کی بات طے ہوئی یہ الگ بات ہے کہ اسکول تو ملی کونسل کا سمجھا جانے لگا مگر کونسل کی جانب سے کوئی مدد نہیں ہوئی۔ ۱۹۹۳ء میں گلاب باغ پورنیہ میں آئی ٹی آئی کے افتتاحی اجلاس میں بھی قاضی صاحب کی عظیم شخصیت اور لوگوں کی ان سے محبت و عقیدت کا نظارہ دیکھا، ایسا لگ رہا تھا کوئی مختار کل کسی کام کا اشارہ کرتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ علماء و عام لوگ محبت و عقیدت سے سرشار تھے میں بھی حضرت کا مداح اور عقیدت مند ہو گیا پھر تو بارہا ملی کونسل کے ملکی و صوبائی اجلاس میں الہ آباد، لکھنو، حیدر آباد، بنگلور، مدراس اور دہلی وغیرہ جاتا رہا اور میرے مخلص دوست و دوست عبد القادر شمس کے توسط سے ملی کونسل و ملک کے دوسرے علمی و سیاسی شخصیات سے آشنا ہوتا رہا۔ ڈاکٹر منظور عالم کی ہمہ جہت شخصیت سے بھی بارہا ملتا رہا۔ ملی کونسل کے ہی طفیل بنگلور کے مولانا مفتی اشرف علی، مولانا مصطفے رفاعی ندوی، لکھنو کے مولانا سجاد نعمانی، میرٹھ کے مولانا عبداللہ مغیثی، بمبئی کے شبیر بھائی شہزادہ، مشہور وکیل جناب مچھالہ بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے روح رواں ظفریاب جیلانی وغیرہ سے ملتا رہا۔ کئی اجلاس میں ملک کے وزرائے اعظم شری چندر شیکھر، شری دیوگوڑا و شری گجرال سے ملاقات ہوئی اور یہ دیکھنے کو ملا کہ حضرت قاضی صاحب کے عقیدت مند نہ صرف اپنے بلکہ وقت کے حکمراں بھی ہیں۔ بہار کے وزیر اعلیٰ لالو پرساد یادو کو ناچیز نے کئی بار حضرت قاضی صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے دیکھا اور قاضی صاحب کی ایماء و اشارے پر مسلمانوں کے لئے فلاحی پروگرام کے لئے حامی بھرتے ہوئے سنا۔

بہر حال سراپا علم و فہم کا وہ مجسمہ اب ہمارے درمیان نہیں مگر ان کی یادیں، ان کے چھوڑے ہوئے بے شمار تحریکات و تصنیفات ہماری رہبری کے لئے موجود ہیں۔ ایک سچا عقیدت مند کو چاہئے کہ حضرت کے مشن کو لے کر آگے بڑھے اور دنیا میں اسلام و انسانیت کا پیغام عام کیا جائے۔ ملت کو کامیابی و سرفرازی کے بام عروج تک پہونچائے۔ آمین ثم آمین

اللہ مجھے اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

قاضی صاحب کے معالجوں کے تاثرات

پیش کش: وسیم احمد فہمی
معاون انتظامی مرکزی دفتر آل انڈیا ملی کونسل

میں ان چند خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں جس نے رات ودن فقیہ ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی خدمت کا موقع ملا۔ جب موصوف بستر علالت پر گئے تو مجھے ان کی بے لوث خدمات کا موقع ملا اور میں ان کی خدمات پر مامور رہا اس دوران ملک کی اور بیرون ملک کی نہایت اہم شخصیات سے ملنے کا اتفاق ہوا اور بات کرنے کا موقع ملا اور حضرت موصوفؒ کے متعلق ان کے خیالات کو جاننے اور سمجھنے کا بہت زیادہ موقع ملا۔

اگر چہ الگ الگ موضوع پر مولانا موصوفؒ سے وابستگی رکھنے والے باصلاحیت اور باوقار حضرات اپنے اپنے تأثر کا اظہار اس ملی اتحاد کے قاضی مجاہدؒ نمبر کے علاوہ اور کئی رسالہ اور مجلہ میں کررہے ہیں اور کر چکے ہیں جو باقی وہ کرتے رہیں گے۔ میں چند ڈاکٹروں کے تأثر قلمبند کر رہا ہوں۔

چنانچہ اس وقت میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اسپتالوں میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام زیر علاج قاسمیؒ جن ماہر ڈاکٹر وں کے زیر علاج تھے، ہندوستان میں واقع مشہور اسپتال ''اپولو'' اور ہندوستان سے باہر امریکہ میں نیویارک وغیرہ کے چند نامور ڈاکٹروں کے خیالات کو قلمبند کر کے آپ قارئین کی نظر کر رہا ہوں، ان ڈاکٹر وں میں بیشتر ڈاکٹر ملک اور بیرون ملک میں شہرت کے حامل ہیں ان کی اپنے پیشوں کے ساتھ ساتھ دیانتداری کے سبب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ بھی بہت زیادہ متاثر تھے اس ضمن میں سب سے زیادہ ڈاکٹر راکیش چوپڑا اور ڈاکٹر ایس کے واگنو کے خیالات کو قلمبند کر رہا ہوں کیونکہ حضرت قاضی صاحبؒ کے مخصوص ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا تھا اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام کے لئے ان کا ہر لمحہ وقف رہتا تھا۔

ان دونوں حضرات کے علاوہ ڈاکٹر مارٹن کول مین چیف آف لیمفوما اینڈ مائلوماٹیکشن آف کرنیل میڈیکل سینٹر، نیویارک U.S.A.، ڈاکٹر کانتی رائے چیرمین وہیڈ آف لونگ آئی لینڈ جیوش میڈیکل سینٹر، نیویارک U.S.A.، ڈاکٹر انور رشید، نیویارک U.S.A.، ڈاکٹر آر، دین، مکرو۔ ڈائریکٹر، ڈپارٹ مینٹ آف ٹرانسفیوزن میڈیسن اپولو ہاسپٹل نئی دہلی، ڈاکٹر ندھی گوئل میڈیکل آفیسر ڈپارٹ مینٹ آف کنسلٹینٹ اینڈ میڈیسن اپولو ہاسپٹل نئی دہلی، ڈاکٹر کول اکھل مشرا، سینیر کنسلٹینٹ اینڈ نیفرولوجسٹ اپولو ہاسپٹل۔ یہ سب حضرات حضرت قاضی صاحبؒ کو الگ الگ مرض کے لئے متعین تھے اور برابر نگاہ رکھتے تھے آیئے ان سبھی حضرات سے حضرت قاضی صاحب کے متعلق سنتے ہیں۔

قاضی صاحب منفرد شخصیت کے مالک تھے

ڈاکٹر راکیش چوپڑا:

Dr.Rakesh Chopra

☆Aditorial Board Journal of Clinical Oncology.U.S.A.

☆Executive,American Society of Clinical Oncology.U.S.A.

☆Vice President of Indian Society of Medical Peadretirc Oncology H.O.D. Oncology ,Apollo,

☆Advisor, Govt of India & Govt of Nepal.

قاضی صاحب ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے وہ ایک خدا ترس انسان تھے اور ان کا یقین تھا کہ ہر مصیبت سے نجات دلانے والی ذات محض خدا کی ذات ہے۔ قاضی صاحب جس مرض میں مبتلا تھے اس کی تشخیص تب ہوئی جب بیماری ایڈوانس اسٹیج میں پہنچ چکی تھی اور ڈاکٹروں کی امید مثبت نہیں تھی۔ وہ بہت ہی مزاحیہ مزاج کے مالک تھے جب بھی ان سے میری ملاقات ہوئی مزاحیہ انداز میں ملے۔ ان کے پاس علم کا ذخیرہ تھا اور ہمیشہ اس کا استعمال موقع اور ماحول کے مناسبت سے کرتے تھے۔ وہ اپنے اطراف کے لوگوں میں ہمیشہ مشکلات کا خندہ پیشانی سے سامنا کرنے کی طاقت بھر دیتے تھے، انہوں نے کبھی بھی دنیوی مال واسباب کی تمنا نہیں کی بلکہ ان کی خواہش دوسروں کو منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد کرنے کی رہا کرتی تھی۔ وہ بغیر کسی ذاتی مفاد کے انسانیت کی خدمت کے لئے پیش قدمی کیا کرتے تھے۔ ان کا اصل مقصد علم کی روشنی پھیلانا تھا اور شدید علالت کے باوجود اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک منٹ صرف کرتے رہے۔

جب وہ امریکہ میرے ساتھ علاج کے سلسلے میں گئے تو وہاں کے ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ یہاں علاج کرائیں۔ لیکن انہوں نے منع کردیا اور کہا کہ مجھے انڈیا ہی لے چلیں اپنے وطن میں ہی جو کچھ کرنا ہے کریں گے۔ مجھے اپنی کتابیں پوری کرنی ہے وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ اس وقت انہوں نے کچھ کتاب کا نام بتایا تھا جو مجھے یاد نہیں ہے۔

اگرچہ قاضی صاحب کا تعلق قدامت پسند خیال والے سماج سے تھا لیکن ان کا ذاتی نظریہ اور سوچ ترقی پسند اور ماڈرن تھا۔ وہ روایتی قدروں کو بغیر فراموش کئے ہوئے ماڈرن نظریہ سے سوچتے اور وقت کے مطابق کام کرتے۔ وہ کافی ذہین اور تقریباً اپنی زندگی کے آخر تک چست اور چاک وچوبند تھے۔ ان میں کسی بھی مسئلہ کو بہت ہی کم وقت میں سمجھنے کی اہلیت تھی۔ ان کے ذہن میں تذبذب نہیں تھا بلکہ ان کی واضح ذہنیت قابل داد تھی۔ انہوں نے اپنی بیماری سے متعلق مطالعہ کیا اور اپنے معالجہ کے بارے میں بہت ہی دلیری اور ہمت سے خود ہی فیصلہ لیتے تھے۔ وہ ملک اور غیر ملک کا کافی سفر کر چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی فکر کافی وسیع ہوگئی تھی قاضی صاحب ایک ایسے انسان تھے جو بغیر کسی مذہب، عمر، ذات اور نسل کے تفریق کے لوگوں میں پیار اور محبت بانٹا کرتے تھے۔

قاضی صاحب دوستی کرنے میں ماہر تھے اور دشمن کو بھی دوست بنا لیتے تھے۔ وہ ماہر فقہ تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لئے اسلامی قوانین کی ماڈرن نظریہ کے مطابق ترجمانی کیا۔

مجھے ذاتی طور پر ان کی کمی کا احساس ہوتا رہے گا میں اپنے ذہن میں ان کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کی یاد کو انمول خزانہ کی طرح محفوظ رکھونگا کیونکہ وہی وہ شخص ہے جس نے مجھے زندگی کا مطلب سمجھایا، جس نے مجھے یہ بتایا کہ اس مادی دنیا کے علاوہ بھی کوئی بڑی طاقت ہے اور وہ طاقت اللہ، ایشور، اور گاڈز ہے جو سب کا رکھوالا ہے۔ پروردگار ان کو جنت عطا فرمائے۔

قاضی صاحب کا سلوک متاثر کن تھا

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ واگنو:۔

Dr.S.K.Wagnoo
Member of
Aroetican diabetic
Association Sencor
Conste Cordinator
Dept of Endoerinology
& Diabetic,Apollo Hospital
New Delhi.

حضرت قاضی صاحبؒ اس بیماری میں تقریباً ۲۰ سال سے مبتلا تھے۔

ڈاکٹر واگنو جو Diabetese کے ماہر ڈاکٹروں میں سے ایک جو ملک اور بیرون ملک میں اس بیماری کے علاج کے لئے ماہر مانے جاتے ہیں فرماتے ہیں:

قاضی صاحب سے سب سے پہلے ملے تو میں جس چیز

سے امپریس ہوا تھا وہ ان کا ''انسانی سلوک'' تھا۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے ملتا ہے اور کیسے ملنا چاہئے دوسرے یہ کہ شوگر کی بیماری کی اتنی جانکاری تھی کہ وہ کبھی کبھی ایسے سوال پوچھا کرتے تھے کہ ہم سوچتے رہ جاتے تھے کہ ان کو اتنی معلومات کیسے ہے۔

جب پہلی بار ملاقات ہوئی 1998 میں تو بولے کہ یہ بیماری مجھے شوگر کی وجہ سے نہیں ہے کمر میں درد کی وجہ کچھ اور ہے ہم کسی ہڈی کے ڈاکٹر کو دکھانا چاہتے ہیں، یہ بیماری ان کو پہلے ہی سے معلوم تھی ان کے کہنے کے مطابق Dr.Vaish کو دکھایا گیا نہ کہ کسی اور ڈاکٹر کا مشورہ تھا۔ اور ان کو جس چیز کا شک تھا وہی ہوا۔

ان چار سال میں Sugar ہونے کے باوجود یا شوگر سے پیدا ہونے والی Complication ہونے کے باوجود اس بیماری سے لڑنے کی صلاحیت تھی۔ میں نے ایسا نہ کبھی کسی مریض کو دیکھا اور نہ شاید اب دیکھنے کو ملے گا۔

بیماری کا پتہ لگنے کے بعد میں جو پڑھنے لکھنے یعنی کتابیں لکھنے کی صلاحیتیں تھی، جس کو Medical Language میں will Power کہتے ہیں وہ شوگر کے مریض میں دیکھنے کو نہیں ملتی ہے یہی ایک وجہ ہے کہ اتنے Advance بیماری ہونے کے باوجود بھی وہ چار سال اچھی طرح سے گزار سکے۔

ساری دوائیاں ایک سال قبل ہی فیل ہو چکی تھی Dosage بڑھایا جارہا تھا لیکن Body کا Resistence کم ہوتا جارہا تھا اور ہم لوگ حیران تھے کہ یہ کیسے زندہ ہیں۔ اور بالکل ٹھیک طرح سے کام کر رہے ہیں اسے Will Power کہتے ہیں اس کا Will Power اتنا Strong تھا کہ یہ چار سال اتنا Advance بیماری ہونے کے باوجود وہ قوم کی خدمت کرنے میں الگ الگ پلیٹ فارم سے کام کرتے رہے اور آخری وقت تک ان کا ذہن کام کرنے کے لئے تیار تھا۔ ان کے چہرے پر کبھی مایوسی نہیں دیکھی اور نہ ہی کبھی ان کو موت سے ڈر لگا۔ اور اپنے علمی کاموں کے ساتھ ساتھ انسانی خدمت کرنے میں مصروف تھے مجھے ذاتی طور پر شوک لگا جب وہ ہم سے جدا ہو گئے میں کوشش کروں گا کہ ان کے پہلی اپریشن کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے حیات تک یاد کرونگا اور عمل کروں گا اور اپنے جاننے والوں کو بھی ان کی بتائی گئی بات کو عمل کرنے کے مہم چلاؤنگا۔

قاضی صاحب حقوق انسانی کے ماہر تھے

ڈاکٹر مارٹن کولمین:

Dr.Morton Colman:

Chief of Lymphoma & Myloma Section of Cornell Medical Centre New York U.S.A.

ڈاکٹر Colman وہی ڈاکٹر ہیں جو شہنشاہ ایران اور دیگر بڑی ہستیوں کا علاج کر چکے ہیں۔ فرماتے ہیں:

خاص طور سے میں قاضی صاحب کے علاج کے غرض سے ہندوستان گیا اور اس کے بعد ہمیشہ ان کے علاج میں ڈاکٹر راکیش چوپڑا کے ساتھ مشورہ کر کے دوائیاں چلاتا رہا۔ میں ہمیشہ قاضی صاحب کی صحت کے بابت دریافت کیا کرتا تھا اور ان کے لئے کافی فکر مند رہتا تھا۔ میں ان کی باتوں سے کافی متاثر ہوا تھا وہ مسلم لاء کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے ماہر تھے۔ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں

قاضی صاحب کی وفات کا دکھ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا

ڈاکٹر کانتی رائے، امریکہ

Dr.Kanti Rai;

-Chairman & head of long island Jewsh Medical centre.New York U.S.A.

قاضی صاحب سے جب Newyork میں ملاقات ہوئی تو بہت امپریس ہوا مجھے پہلے سے ملاقات نہیں تھی لیکن ڈاکٹر چوپڑا صاحب کے ذریعہ تعارف ہو چکا تھا ان کے بارے میں کافی کچھ سن چکا تھا اور ان کی بیماری کے بارے میں برابر ہم لوگوں میں بحث ہوتی رہتی تھی اور نتیجہ نکال کر انڈیا میں ڈاکٹر راکیش چوپڑا سے مشورہ کر کے دوائیاں چلائی جاتی رہی تھیں، میں برابر ان سے

خیریت پوچھا کرتا تھا اور میل وفیکس کے ذریعہ ان کے حالات کا جائزہ لے کر ڈاکٹر کولین اور ڈاکٹر انور رشید سے مشورہ کر کے دوا کا بڑھانا اور گھٹانا چلتا رہتا تھا۔ ان سے ملنے کے لئے بے چین تھا کیونکہ ڈاکٹر چوپڑا نے کافی کچھ بتا رکھا تھا۔ جب وہ امریکہ آئے مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں کافی جوش وخروش سے ملا اور مل کر بہت متاثر ہوا دیکھ کر حیران رہ گیا وہ خود ہی اپنی بیماری کے بارے میں ساری باتیں ڈاکٹروں سے کررہے تھے عام طور پر ایسی بیماری مریض سے چھپائی جاتی ہے اور Attendent کو مشورہ بتا دیا جاتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے deal کرنا ہے۔ یہ ان کا Will Power تھا جو ان کو یہاں کھینچ کر لایا اور پھر واپس انڈیا جا کر کافی دنوں تک اپنے علمی کاموں کو پورا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ 4/اپریل کو جب پتہ چلا کہ وہ دنیا سے چل بسے تو ذاتی طور پر وطن کے ہونے کے ناطے بھی بہت دکھ ہوا۔ اپنے دکھ کا اظہار میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔

وہ دوسروں کی فکر میں ڈوبے رہتے تھے

ڈاکٹر انور رشید، امریکہ

Dr.Anwar Rasheed

میرا تعلق حضرت قاضی صاحب سے بہت پرانا تھا وہ ہمیشہ میرے یہاں ہی قیام کیا کرتے تھے جب امریکہ آئے تو ہم لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی اور ہم سب لوگ مل کر دینی باتوں اور اپنے وطن کی گفتگو میں مشغول رہتے تھے۔ میرا تعلق ان سے پروفیشن کے علاوہ رشتہ کا بھی تھا وہ میرے پھوپھا لگتے تھے اور ذاتی طور پر بہت گہرا مراسم تھا۔ جنہوں نے میری ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور برابر انڈیا سے فون پر رابطہ رکھتے تھے۔ اور خیر وعافیت پوچھا کرتے تھے اپنی فکر کم کیا کرتے تھے اور دوسروں کی فکر میں ڈوبے رہتے تھے، خواہ وہ انڈیا ہو یا غیر ملک۔ افراد سازی میں مہارت حاصل تھا یہاں بھی لوگ بڑی تعداد میں ان سے عقیدت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

وہ کتنے عظیم انسان تھے

ڈاکٹر آر۔این۔مکرو، نئی دہلی

Dr.R.N.Makroo

Director:Dept of Transfusion Medicine

Apollo Hospital New Delhi.

جب مجھے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب 101 میں ہیں تو میں ملاقات کے لئے گیا لیکن بدقسمتی سے گفتگو نہیں ہو پائی کیونکہ وہ اس حالت میں نہیں تھے دوبارہ جب گیا تو بہت دیر ہو چکی تھی وہ وینٹیلٹر پر جا چکے تھے۔ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جو ان کے لئے استعمال کروں کیونکہ وہ اتنے عظیم انسان تھے اس کا اندازہ مجھے اس وقت لگا جب لوگ دور دراز علاقے سے اپنی خوشی اور خلوص سے خون کا عطیہ دینے آتے تھے اور خاص طور پر پلیٹ لیٹ جو ایک افراد تین تین مرتبہ دینے کو تیار رہتے تھے، میں ہر آنے والوں سے ان کے خلوص اور محبت کے بارے میں پوچھتا کہ اس سے پتہ لگتا تھا کہ کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود اتنے ہجوم میں ہزار کیلومیٹر کا سفر طے کر کے ان کی عیادت اور خون کا عطیہ دینے آتے تھے اور بینک کا کام آسان کرنے میں ان کے خادموں کا بڑا اہم رول رہا ہے جنھوں نے دن رات ایک کر کے ان کی خدمت کی اور ہم احسان مند ہیں ان کے کہ بلڈ بینک کے کاموں کو آسان بنا دیا۔ ورنہ جس طرح سے آخری وقت میں ان کو خون اور پلیٹ لیٹ کی ضرورت ہورہی تھی تقریباً ۵ سے ۱۰ یونٹ کا خرچہ روزانہ کا تھا ہمیں مشکل ہوسکتی تھی لیکن پروردگار نے ان کے توسط سے کام کو آسان کردیا اور ان کے چاہنے والے اور عقیدت رکھنے والے جوق در جوق آکر خون کا عطیہ دیا۔ میں قاضی صاحب کو بہت دنوں سے تو نہیں جانتا تھا لیکن جب سے جانا۔ وہ بہت کچھ جانا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا کرے میری دعا ہے جہاں ہوں گے خوش رہیں گے۔

خون کا عطیہ دینے والوں کا اتنا ہجوم میں نے کبھی نہیں دیکھا

ڈاکٹر ندھی گوئل، اپولو ہاسپٹل

Dr.Nidhi Goel

Medecal officer: Dept of Transfusion

Medicine,Apollo Hospital New Delhi-

قاضی صاحب اس ہاسپٹل میں چار سال سے زیر علاج تھے لیکن میری جانکاری اس وقت ہوئی جب دور دراز سے لوگ خون کا عطیہ دینے آئے تھے میں چونکہ بلڈ بینک میں رہتی تھی اور ہر آنے جانے والوں سے ان کے بارے میں پوچھتی تھی۔ دہلی کے علاوہ پٹنہ، دربھنگہ، آسام، کلکتہ، کیرالہ، ممبئ اور مہاراشٹر و کرناٹک تک کے لوگ خون کا عطیہ دے کر قاضی صاحب کو بڑی آسانی سے دیتے تھے، خون کا عطیہ دینے والوں کا لگن دیکھ کر اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک عظیم انسان تھے مجھے افسوس ہے کہ میں ان سے نہیں مل پائی مجھے ملنے کا بہت شوق تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی اور میں افسوس کے علاوہ کچھ نہیں کر پائی۔ میں قاضی صاحب کو ہمیشہ یاد رکھونگی کیونکہ خون کا عطیہ دینے والوں کا اتنا بڑا ہجوم کبھی نہیں دیکھا۔ جو قاضی صاحب کو لوگ خون دینے کے لئے آیا کرتے تھے ان کے لئے جو جذبہ لوگوں میں اور خدمت کرنے والوں میں تھا جنہوں نے رات دن ایک طرح سے ان کی خدمت میں لگے رہتے تھے وہ قابل تعریف ہیں ہم لوگ دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے اور آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ کاش ہم لوگ بھی قاضی صاحب سے مل کر کچھ باتیں کچھ تعلیم حاصل کر لئے ہوتے میں اکثر ٹیلی فون پر ICU میں ڈاکٹر اور نرسوں سے ان کی خیریت معلوم کیا کرتی تھی۔ 4/اپریل ۲۰۰۲ کو اچانک ان کے انتقال کی خبر سن کر شوک لگا۔ مجھے بہت افسوس ہوا جس کا بیان میں لفظوں میں بیان نہیں کر پاؤں گی۔

کتنا اچھا تھا قاضی صاحب کا پریم

ڈاکٹر کول، اکھل مشرا

Dr.(Col) Akhil Mishra.V.S.M.

M.D.(Med)D.M.(Neph)

Senior consultant Nephrologist

قاضی صاحب کے بارے میں اپولو کے ڈاکٹروں سے سن رکھا تھا ملنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن ۲۰/فروری ۲۰۰۲ کو ڈاکٹر چوپڑا کے زیر علاج قاضی صاحب کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ان سے مل کر ایسا لگا کہ ایک میں بالکل اپنے قریب والوں سے مل رہا ہوں جبکہ پہلی ملاقات تھی۔

میں پہلی بار تو یوں ہی ملاقات کے لئے گیا تھا لیکن ان سے دوبارہ علاج کے سلسلے میں ملا۔ ان کا پریم دیکھ کر ایسا محسوس ہوا، اتنی بھیانک بیماری کے باوجود وہ برابر شانتی (Peace) بنا کر رکھتے تھے ڈاکٹروں کو پورا تعاون کرتے تھے تاکہ ڈاکٹر اچھی طرح علاج کر سکیں۔

ان سے بات چیت کے دوران محسوس ہوا کہ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبان پر کنٹرول ہے۔ وہ برابر مجھ سے گفتگو کرتے تھے اور ہم اکثر ان سے دعائیں لینے پہنچ جاتے تھے۔ 7/مارچ کو ہماری طرف سے اطمینان ہو کر گئے تھے لیکن 11/مارچ کو پھر داخل ہوئے تو کڈنی کام کرنا بند کر چکا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کو کوئی تکلیف ہو یا ان کے علاج میں کوئی کمی آئے۔ وہ بہت محبت والے انسان تھے کبھی کبھی تو ہم لوگوں کو ایک مریض ہو کر پانی کا گلاس بڑھا دیا کرتے تھے۔

ہم لوگ بھی اکثر ان سے کچھ اچھی باتیں سننے کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔ وہ بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ یہ اونچے انسان ہونے کی نشانی تھی ان کے جدا ہونے سے ہم لوگ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو جنت نصیب کرے اور وہاں ہمیشہ خوش رہیں۔

☆☆☆

حضرت قاضی صاحبؒ دردمند انسان تھے

مولانا حکیم حبان رحیمی
مہتمم دارالعلوم محمدیہ لائر پالیہ بنگلور

نہ ہر کسی کے آنے پر عالمی جشن ہوتا ہے اور نہ ہی جانے پر عالمی سوگ ہوا کرتا ہے، ہاں کچھ انقلابی اور اجلہ شخصیات ہوتی ہیں کہ جن کی زندگی، دنیا کے لئے پیغام اور مقصد عظیم کا درجہ رکھتی ہے۔ان کی مشغولیت، اور زندگی کی ہمہ ہمی اپنے لئے نہیں بلکہ دوسرے کے لئے ہوا کرتی ہے، ایسے روشن اور تابناک ستاروں سے تاریخ کے اوراق جگمگار ہے ہیں ان کی قربانیوں اور کارناموں سے دین وملت کو قوت اور شعور حاصل ہوتا ہے جو صدیوں تک باقی رہتا ہے۔حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نوراللہ مرقدہ کا بھی انہی زندہ جاوید شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔جس طرح طریقت اور تصوف کے میدان میں قدوۃ السالکین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اور تحفظ شریعت اور بدعات اور رسومات کی بیخ کنی کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔اسی طرح حضرت قاضی صاحبؒ نے فقہی خدمات انجام دی ہیں کہ جس کی نظیر ماضی قریب اور مستقبل میں بھی نہیں مل سکے گی۔قاضی صاحبؒ ایسے دردمند دل کے انسان تھے کہ امت کے لئے وہ ہر وقت تڑپتے تھے اسی درد اور کڑھن کو لے کر انہوں نے آل انڈیا ملی کونسل کی بنیاد ڈالی اور بلا لحاظ مسلک، مسلمانان ہند کو ایک پلیٹ فارم پر جوڑنے اور متحرک کرنے کے لئے خواہاں رہے اور پھر اللہ تعالی کی رحمت سے اس میں کافی کامیابی بھی ملی۔اور ملت میں سیاسی شعور پیدا ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت تھانویؒ سے قاضی صاحبؒ کو ایک خاص نسبت حاصل ہے، وہ یہ کہ ان دونوں بزرگوں کو اللہ تعالی نے جسمانی اولاد کی تربیت اور پرورش کے جھگھٹے سے دور رکھا اور روحانی اولاد بے شمار عطا فرمائی کہ ان کا سلسلہ تو انشاء اللہ قیامت تک چلے گا۔اسی طرح قاضی صاحبؒ بھی جسمانی اولاد سے تو محروم رہے لیکن الحمد للہ آپ کے شاگردوں کی تعداد اور آپ کا دینی وملی فیض کا سلسلہ بڑا طویل نظر آرہا ہے۔آپ نے اپنے پیچھے ایسی جماعت تیار کردی ہے جو آپ کے بقایا کاموں کو بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہونچا سکتی ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا فقہی اور ملی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ چند صفحات چند مضامین اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بنگلور میں حضرت قاضی صاحبؒ کی مسلسل آمدرہی اور بہت سے پروگراموں پروہ چھائے رہے اہالیان بنگلور کو جب بھی معلوم ہوتا کہ قاضی صاحبؒ کی آمد ہے تو سیل رواں کی طرح ابل پڑتے، خصوصا سبیل الرشاد بنگلور سے آپ کا ربط اور تعلق گہرا تھا دارالقضاء بھی آپ ہی کی توجہات کا ثمرہ ہے جس سے ہزاروں مظلومین کو فریادرسی کا موقع ملتا ہے شریعت کے دائرہ میں ان سے انصاف کیا جاتا ہے، یہ دوسری سب سے بڑی کوشش حضرت قاضی صاحبؒ نے فرمائی کہ آپ نے دارالقضاء بھی قائم فرمائے اور ''اسلامی عدالت'' نام کی معرکۃ الآرا کتاب بھی تصنیف فرمائی۔اور دارالقضاء اور اسلامی عدالتوں کو ایک خط امتیاز عطا کیا۔

بندہ کو یوں تو حضرت قاضی صاحبؒ سے ملاقات کا متعدد بار شرف حاصل ہے۔لیکن ۱۹۹۶ء میں ایک اہم مسئلہ پر گفتگو کرنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا وجود علماء کا وقار اور ہندوستان کا افتخار اور عالم انسانیت کا اعتبار تھا وہ اپنی سادگی میں بھی بلا کی جاذبیت رکھتے تھے۔ان کے لہجے اور ان کے تکلم کی موسیقیت ان کے تبسم کی جلادت اور خاندانی کی علمی وجاہت اور مزاج کی بے نظیر شرافت، بے مثال تھی وہ ایک دردمند ایسے انسان تھے جو اس کرۂ خاکی پر صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ آج ملت کے درمیان سے اٹھ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔لیکن ان کی خدمات ان کا متعین کردہ راستہ ہمارے سامنے ہے۔ اللہ تعالی ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔☆☆☆

نازاں تھی جس پہ شمع وہ پروانہ چل بسا

عبدالواحد قاسمی
ایڈیٹر ماہنامہ ''نقوش عالم'' بنگلور

لیل ونہار کے ہنگاموں میں یوں تو نہ جانے کتنے لوگوں کے بارے میں خبریں ملتی ہیں کہ وہ ہم سے رخصت ہوگئے، کتنوں کے بچھڑ جانے سے دل میں رنج وغم ہوتا ہے لیکن ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جن کی وفات کی خبر بجلی گرادے اور انسانیت کانپ اٹھے اور پورا عالم روشنی سے محروم ہوجائے .... مجاہد اعظم، عزم وہمت کا سنگ میل، اہل باطل پر شمشیر برہنہ اور اہل حق کے لئے رحمت، حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے .... حضرت قاضی صاحبؒ کل نفس ذائقة الموت کے تحت ہم سے جدا تو ہوگئے مگر دلوں کی دنیا اور یادوں کی بستی سے آپ کا نقش جمیل مٹ جانا ممکن نہیں۔ آپ کے پیکر میں آپ کی عبقریت، مجاہدات شاقہ اور علمی وعملی کمالات بے مثال و منفرد تھے، زبان ایسی عام فہم کہ سب سمجھیں، بیان ایسا پُر اثر کہ دل مانے، فقیہانہ بصیرت ایسی کہ امام اعظمؒ کی یاد دلائے، میں نے اکابر علماء سے اکثر کہتے ہوئے سنا کہ قاضی ابو یوسف کی مثال دیکھنی ہو تو حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کو دیکھو۔ آپ کی تواضع و سادگی کا یہ عالم کہ بے تکلف ہونے کے لئے بس ایک ملاقات کافی تھی۔ حضرت صرف ایک عالم دین، مصنف و قاضی ہی نہ تھے بلکہ زمانے کے نبض شناس، وقت کے تقاضوں اور حالات سے باخبر تھے۔ آپ مذہبی، اصلاحی، قومی، ملی، تعلیمی اور اجتماعی جدوجہد کے ہر محاذ پر سرگرم اور متحرک دکھائی دیتے تھے۔ آپ کو مسلمانوں کی موجودہ پستی وزبوں حالی کا پوری طرح احساس تھا اور اس کے ازالے کے لئے ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے۔

آزاد ہندوستان میں مسائل میں الجھے مسلمانان ہند پر شور و غوغہ مچانے، لچھے دار باتیں اور دھواں دھار تقریریں اور پر جوش تحریریں لکھنے والے تو بہت سارے لوگ ہیں لیکن ان پر قاضی صاحبؒ کی طرح تڑپنے اور درد وکرب میں مبتلا ہونے والے بہت کم لوگ ہیں۔ آپ مسلمانوں کی فلاح کے لئے دعائیں بھی کرتے رہتے اور ملک کے گوشے گوشے کی خاک بھی چھانتے رہتے تھے۔ قاضی جی امارت شرعیہ بہار کے محکمہ عدل و انصاف کے چیف جسٹس، فقہ اسلامی ماہر کے ''بحث ونظر'' کے مدیر اور ایسے مدیر کہ اداریہ خون دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھتے۔ فقہی قوانین کے ایسے رسیا کہ شاید ہی کوئی اصول اور قاعدہ ایسا ہو کہ آپ کے ذہن میں اپنی جگہ نہ بنا سکا ہو۔ آپ خوش آشنا کے بجائے غم آشنا زیادہ تھے۔ ہنستے ہنستے غم کے سمندر میں غوطہ لگانے اور یکا یک مسکرا دینے والی آنکھیں ہر وقت ملت کے مسائل پر مرکوز رہتیں۔ میری ان گنہگار آنکھوں نے قاضی جیؒ کا دیدار سب سے پہلے مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں کی تھی۔ دارالعلوم میں حاضری سے پہلے ہی قاضی صاحبؒ کی تصویر اور ان کی ملی کوششوں کی تفصیل اخباروں میں پڑھتا رہتا تھا۔ سن 1994ء میں جب حضرت والا دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو آپ سے شرف ملاقات کے لئے طلبہ کی بھیڑ لگ گئی۔ دارالحدیث کی پرشکوہ عمارت میں مجھ جیسے پستہ قد طلبہ اپنی اپنی جگہوں سے اچکنے لگے۔ ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ میرے کوتاہ ذہن میں قاضی صاحب کی یہ تصویر تھی کہ لمبے قد کے ہوں گے سر پر عمامہ ہوگا، جسم پر لمبی چوڑی قبا ہوگی، ہاتھ عصائے موسوی پر ٹیک

لگائے ہوگا۔ لوگ ہٹو، بچو، کرنے والی کیفیت میں ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب آپ کی ذات پر نظر پڑی تو وہ سارا ذہنی اختراع ختم ہوگیا۔ درمیانہ قد، گول چہرہ، متوسط جسم، موٹے تاگے کی جالی دار ٹوپی، سفید کرتا، کھلتا پائجامہ اور موٹے فریم کا چشمہ اور چشمہ کے اندر سے چمکتی دور بیں نگاہیں، تکلف وتصنع سے پاک آدمی، محض آدمی۔

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

۱۹۹۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت قاضیؒ کے حکم پر جب میں امارت شرعیہ پٹنہ گیا اور امارت شرعیہ میں میری بحالی ہوئی تو حضرت قاضی صاحبؒ کو بہت قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا اور آپ کی مجلس و درس میں گاہے ماہے بیٹھنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی اور آپ سے نرم وگرم نصیحتیں بھی سننے کو ملیں۔ اس درمیان میں نے دیکھا کہ بڑے بڑے ماہرین فن اور صاحب علم و دانش حضرت کے پاس آتے اور اپنے اپنے مسائل بیان کرتے حضرت منٹوں میں مسئلہ کی گتھیوں کو سلجھا دیتے اور ہر آنے والا شخص مطمئن ہوکر واپس جاتا۔ حضرت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسلمانوں کے روز مرہ مسائل پر خصوصیت کے ساتھ سماجی مسائل جیسے نکاح، طلاق، خلع، میراث وغیرہ اور دیگر سیاسی مسائل کو سلجھانے اور دور کرنے پر آپ پوری طرح متوجہ رہتے۔

آپ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ کو دربھنگہ کے جالے نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں پائی اپنے والد کی طرح اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور امتیازی کامیابی کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔ تدریسی خدمات کے لئے بہار کی مشہور خانقاہی و دینی درسگاہ جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے جہاں ایک عرصہ تک قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر کا درس دیتے رہے بعدہ، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے انتخاب پر آپ امارت شرعیہ کے قاضی بنائے گئے۔ ۱۹۸۹ء میں قاضی صاحبؒ نے اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی اور تادم حیات آپ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری رہے۔ اس اکیڈمی کے تحت اب تک ملک کے مختلف صوبوں میں تیرہ فقہی سمینار ہوئے جن میں ملک بھر سے ممتاز علماء کرام وفقہاء عظام نے چالیس سے زائد مسائل ومشکلات پر غور و خوض کر کے اجتماعی فیصلے کئے۔ اکیڈمی ہی کے تحت چالیس جلدوں پر مشتمل فقہی انسائیکلو پیڈیا کا اُردو میں مکمل ترجمہ کروایا جو اشاعت کے لئے تیار ہے۔ آپ نے بابری مسجد کے انہدام کے بعد مسلمانوں کی کشمکش کے پیش نظر آل انڈیا ملی کونسل قائم فرمائی۔ تاکہ مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے آواز بلند کیا جاسکے۔ آپ نے مختلف فقہی موضوعات پر اُردو، عربی انگریزی میں ۳۴ سے زائد کتابیں تصنیف کی آپ کی شاہکار تصنیف ''اسلامی عدالت'' پوری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے بعد قاضی صاحب ایک ایسے عالم دین تھے جن کو تمام مکتب فکر کی حمایت حاصل تھی خصوصاً نئی نسل کے درمیان آپ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ قاضی صاحب مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کی ابتدائی مہم سے لے کر اپنی وفات تک اپنی علمی فکری اور عملی جدو جہد کے ذریعے بورڈ کو تقویت پہنچاتے رہے۔ بورڈ کے سامنے پیش ہونے والے مختلف چیلنجوں کا دندان شکن جواب دیا اور بورڈ کی سرگرمیوں میں وہ شروع ہی سے شریک وسہیم رہے۔ کیوں کہ بورڈ کے قیام کا خیال جب اس کے بانی امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی کے ذہن میں آیا تھا تو اس وقت حضرت قاضی صاحبؒ مولانا کے دست وبازو کی حیثیت سے ان کے جملہ علمی وفکری کاموں کو انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ بورڈ کے قیام کے سلسلے میں جو خصوصی میٹنگ دیوبند میں بلائی گئی تھی حضرت قاضی صاحب اس میٹنگ میں موجود تھے

اس تاریخ ساز میٹنگ میں تاریخی تجاویز بھی آپ ہی نے پیش کی تھی۔ پھر جب شاہ بانو کیس مسئلہ سامنے آیا تو بورڈ کے قائدین کے ساتھ حضرت بھی چونک پڑے اور شریعت میں مداخلت تصور کر کے اس قانون کو ختم کرنے کے لئے بورڈ کے وفد کے ساتھ کشمیر سے کنیا کماری تک اور پنجاب سے لے کر آسام تک ملک کے چپہ چپہ کا دورہ کر کے ایک کہرام مچا دیا۔ کہیں مفکر اسلام علی میاں ندویؒ کے ساتھ تو کہیں مولانا منت اللہ رحمانی کی شراکت میں اور بہت سی جگہوں پر خود میر کارواں رہے اور اپنی علمی بصیرت، مخصوص لب و لہجہ اور انداز خطابت سے ایک انقلاب برپا کر دیا جس کے نتیجے میں ہزار مخالفتوں کے باوجود پارلیمنٹ کو قانون ''حقوق مسلم مطلقہ ۱۹۸۶ء'' پاس کرنا پڑا۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے انتقال کے بعد ۲۳ اپریل ۲۰۰۰ء کو جب ارباب حل وعقد نے باتفاق رائے قاضی صاحب کو بورڈ کا صدر منتخب کیا تو ملک و بیرون ملک کے علماء قائدین نے ''حق دار راحق برسید'' کہا اور نہایت اطمینان کا اظہار کیا۔ صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہی موصوف نے بورڈ کو متحرک اور فعال بنانے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔

حضرت والا کا بنگلور کا آخری سفر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تاریخ ساز چودھواں اجلاس (منعقدہ ۲۸۔۲۹ اکتوبر ۲۰۰۰) کے موقع پر ہوا اس اجلاس کے موقع پر آپ نے ملک وقوم کے نام جو مؤثر پیغام دیا تھا۔ آیئے اس کو بھی سنتے چلیں۔ آپ نے فرمایا.......... ''سچائی کی کوئی سرحد نہیں ہوتی، اس کو جغرافیائی حد بندیوں میں نہیں کیا جاسکتا جب کوئی قوم داعی بنا کر پیدا کی جائے اور وہ اپنا کام چھوڑ دے تو مدعو بن جائے گی آپ کا کام دعوت تھا جب آپ نے اپنا کام چھوڑ دیا تو دوسروں کے دسترخوان کے طفیلی بن گئے۔ آج غیر اسلامی تہذیت کو قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ جس سچائی کے ہم امین ہیں اس کو دنیا تک پہنچائیں۔ آرایس ایس کے سدرشن ہو یا واجپائی اور اڈوانی، ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام جس سچائی کا داعی ہے وہ اس کا مطالعہ کریں اور اس بات پر غور کریں کہ ہزاروں خداؤں کی پرستش کے بجائے ایک مالک کے سامنے سر جھکانا بہتر ہے یا ہزار معبودوں کو رب ماننا۔ ہم کسی سے نفرت نہیں کرتے ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں وہ درحقیقت اسلام کی ابدی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ آپ غور کریں کہ ہمارے ملک میں جہاں ذات برادری کی تفریق نے انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام کہ ہر انسان برابر ہیں، ایک خدا کی مخلوق ہیں اس میں نہ کوئی برہمن ہے نہ کوئی دلت، نہ کوئی بڑا ہے اور نہ کوئی چھوٹا۔ پس یہ اتنی بڑی سچائی ہے۔ جس کو قیامت تک قائم رہنا ہے،،۔ ابھی گزشتہ ماہ فروری میں سید امین الحسن رضوی (رکن ملی کونسل و مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی وفات پر آپ نے تعزیت کے جو پیغام دئے تھے وہ بھی پڑھتے چلیے۔ آپ نے کہا کہ سید امین الحسن رضوی چل بسے جن کی حیثیت ہمارے لئے بعض معاملات میں دست وبازو کی تھی۔ بس اب سوائے اس کے کہ ان کے لئے دعا خیر کی جائے اور اپنے لئے بھی مغفرت کی جائے۔ میں عمر وصحت کی اس منزل میں ہوں کہ اب خود میرا حال ٹھیک نہیں۔ آج تم کل ہماری باری ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔ بس فکر ہے تو یہی کہ جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد۔ یعنی اعمال موجود نہیں بس حضور کی شفاعت کی ہی امید ہے۔ امید ہے کہ ایمان جو رائی کے برابر بھی ہو یا جو کلمہ لا الہ اللہ زبان سے ادا ہو۔ حضور کی پکار امتی! امتی! پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی شاید اس فہرست میں میرا بھی نام آجائے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کا سانحہ ارتحال ملک وملت کا عظیم خسارہ ہے۔ جس کی تلافی کا امکان مستقبل قریب میں دور دور تک نظر نہیں آتا۔ پروردگار حضرت قاضی صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے اور ملت کو آپ کا نعم البدل عنایت کرے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے آمین۔ ☆☆☆

عبرتیں روتی ملینگی تجھکو میری خاک پر

کچھ یادیں ـــ کچھ باتیں

محمد قاسم ندوی
جنرل سکریٹری ملی کونسل مغربی چمپارن

ایک ایسی عظیم شخصیت جو ایک دیہات میں پیدا ہوئی، محلہ، شہر، ملک میں بتدریج اپنی فراست اور صلاحیت کی بنیاد پر ایک بین الاقوامی، قابل صد احترام شخصیت بن گئی۔ حضرت قاضی شریعت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۶۵ء میں ہوئی جب وہ حلقۂ دیوراج میں امارت شرعیہ کے فراہمی مالیات کے دورہ میں تشریف لے گئے تھے ـــ بات ہوئی کچھ گھنٹوں ساتھ بھی رہا بات چیت، خطابت کے اسلوب سے متاثر تو ہوا مگر معتقد نہ ہو سکا، اس دوران مسلم مجلس مشاورت کا کافی چرچا تھا اور میں اس کا ایک ادنی خادم اور رکن بھی تھا پھر دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ میں نے ''ندائے ملت لکھنؤ'' میں امارت شرعیہ پر قدرے تنقید کی تھی یہ ملاقات جھریا میں ہوئی۔ اس وقت حضرت قاضی شریعت کی گفتگو کا انداز تھا، نہ دل میں کدورت تھی، نہ نفرت، نہ امارت پر تنقید کا تذکرہ، صرف ملی مسائل پر گفتگو، باہمی مشورہ سے مسائل کا حل، ان کے جگر میں ایک مضطرب اور تڑپتا ہوا درد پایا پھر کیا کہنا، ملاقاتوں، گفتگو، تبادلہ خیالات، مکتوبات کا سلسلہ بڑھتا گیا، ہم ایک دوسرے سے بالکل قریب آگئے اور بے تکلفی بھی ہوگئی، سفر میں یا کسی مجلس میں انکا بیان بڑا ہی مدلل اور علمی ہوا کرتا تھا، گفتگو میں متانت، سنجیدہ ہوا کرتی تھی، سوالوں کے جواب میں عجلت نہ تھی، گھنٹوں کسی بات پر خاموش رہ کر پھر خود یاد دلا کر اس کا مکمل اور مدلل جواب دیکر ذہنی تطہیر کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالی نے ان کو تفقہ فی الدین کی کسبی اور وہبی صلاحیت بھی عطا کر دی تھی۔

علمی، ادبی، سیاسی، جس موضوع پر گفتگو کیجئے، کسی پہلو میں آپکو تشنگی نہیں ملیگی، نہ گفتگو میں تلخی، نہ ترشی بڑے بڑے مخالفین کو دیکھا جو انکو گالیاں دیتے، ان کی ہتک عزت میں کوئی شوشہ نہیں چھوڑا، جب ان سے ملاقات ہوئی تو چہرے پر بشاشیت، نہ لعن، نہ تشنیع، نہ ماضی کا ذکر، پرسکون ماحول، اخوت ومحبت کے ماحول میں گفتگو پھر وہ ان کی مجلس سے متاثر ہو کر ہی اٹھتا تھا۔

حضرت قاضی شریعتؒ کہ دل میں اصلاح ملت، کا بے پناہ جذبہ کارفرما تھا وہ مسلمانوں میں جنگ وجدال سے بہت کبیدہ خاطر رہتے، ان کی اصلاح اور تعمیر ملت کے لئے اپنا قیمتی وقت دیکر مفاہمت، اور اصلاح وآشتی کی راہیں پیدا کر دیا کرتے تھے، خود میری بستی ''تیل پور'' میں پندرہ دنوں تک قیام کر کے سالہا سال کی مقدمہ بازی کو ختم کرایا جسکو لوگ آج تک یاد کرتے ہیں۔ فیصلہ کا عجیب انداز تھا، نہ رعونت تھی، نہ علمی تکبر تھا، ہر مریض کی تشخیص اس کے مزاج اور ماحول کے اعتبار سے کرتے،

جو سنت ، اور احادیث ، سے متصادم نہیں ہوا کرتی ۔ ایک مرتبہ میرے خاندان کے لوگوں نے تلک وجہیز کے دوبارہ مطالبہ پر فسخ نکاح، کا مقدمہ ان کے دارالقضاء میں دائر کیا، میں بھی اپنے خاندانو کے خیالات کا گہرا ہمنوا بن گیا۔ حضرت قاضی صاحب خود میرے یہاں اس مقدمہ کے فیصلہ کے سلسلہ میں تشریف لائے، دوران سماعت گرما گرمی تھی ،ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گولی بندوق چل جائیگی ، لاشوں کا ڈھیر لگ جائے گا ، اللہ تعالی نے ان کو بے پناہ معاملہ فہمی کی صلاحیت دے رکھی تھی ، حضرت قاضی صاحب نے میرے سخت تیور اور انداز کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے ایک بند کمرے میں بیٹھا کر کہا کہ میں قرآن کی یہ آیت پڑھتا ہوں اس کا مطلب سمجھ کر آپ پانچ منٹ خاموش رہ کر پھر جواب دیں انہوں نے یہ آیت تلاوت کی ، **عسی ان تکرھوا شیئا فھو خیر لکم وعسی ان تحبو شیئا فھو شر لکم** (جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہوں ، کہ اس میں اللہ تعالی تمہارے لئے خیر رکھا ہو اور جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی اسمیں تمہارے لئے شر رکھا ہو)

پھر پانچ منٹ کے بعد انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے، میں بھی جذبات میں بھرا ہوا تھا میں نے کہا بالکل سمجھا، میری گفتگو کا انداز بدل گیا جیسے گرم لوہے پر پانی گر کر ٹھنڈا ہوتا ہے، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ قرآن کی آیت میرے دلوں کو چیرتی جارہی اور قلب کی گرمی کو برودت دیتی جارہی ہے۔

تب حضرت قاضی شریعت نے فرمایا، جاؤ تم اپنے گھر کے ذمہ داروں کو سمجھاؤ ،لیکن یہ قرآنی آیت بار بار پڑھتے جاؤ میں کمرہ سے نکلا ، پہلا لفظ کہا کہ اب صلح ہوگی ۔ کیا کہنا تھا کہ میرا چچیرا بھائی چھت سے کود کر گھر جا کر خود میری بندوق المار ی سے توڑ کر نکالی کے مجھے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا جائے کہ'' مولوی مولوی سے مل گیا'' حضرت قاضی شریعت نے مجھے پھر کمرہ میں بند کرلیا۔ جب پھر کچھ گرم ماحول ٹھنڈا ہوا تو مجھے گھر والوں کو آمادہ کرنے کے لئے بھیجا۔ رات بھر گرم ماحول ٹھنڈا ہوگیا۔ فسخ نکاح، کا مقدمہ خوشگوار صلح میں تبدیل ہوگیا، حضرت قاضی کے اندر ایک عجیب جادوگری کی صلاحیت تھی کہ معاملات کو اپنے تدبر اور تفقہ سے حل کرلیا کرتے تھے۔ یہ ملکہ تجربہ کاری بہت کم لوگوں کا حاصل ہوا کرتی ہے۔

حضرت قاضی صاحب کے ساتھ بہت سے مقدمات کے فیصلہ اور سماعت میں شرکت کا موقع ملا لیکن ہر جگہ ایک نرالا انداز پایا۔ جب کبھی انکا ذہن تفکرات سے خالی رہتا تو بڑے ہنس مکھ انداز میں آجایا کرتے ، اور مجھے کہتے کہ'' کہو مجاہد دیوراج'' تمہارا کیا حال ہے،ہم دونوں بے تکلف ہوکر بات کرتے۔

ملی کونسل کے قیام اور تشکیل کی بات آئی تو انہوں نے مجھے پٹنہ طلب کیا، باتیں ہوئیں اسکے اغراض ومقاصد بتائے اور فرمایا کہ تم کو میسور کے اجلاس میں ہر حال میں شامل ہونا ہے تا کہ اس کے قیام وتشکیل کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے اور ایک ملک گیر تنظیم کی حیثیت سے اسکی شاخیں قائم کردی جائیں۔

حضرت قاضی شریعت کا دماغ ہمہ وقت جاگتا اور بیدار رہتا تھا، ملت کے مسائل کے حل کے لئے وہ بے چین رہا کرتے تھے وہ سیاسی ،مذہبی ،دینی ،فکر رکھتے تھے۔

امارت شرعیہ کا ایک وفد ۱۹۸۰ء میں حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کی قیادت میں دیوراج (مغربی چمپارن) آیا **بقیہ** صفحہ: ۲۹۸ پر

آہ... ملت کے نام پیغام دینے والا چلا گیا!

حافظ سید چاند حسینی
رائے موہ ضلع بیڑ مہاراشٹر،
رپورٹر ملی اتحاد دہلی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کی سماجی، تعلیمی اور سیاسی ضرورتوں اور تقاضوں پر ان کی اہمیت کے مطابق نظر رکھتے تھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ مخاطب سے اس کی زبان اور فہم کے مطابق بات کرتے تھے اتحاد ملت اور اصلاح امت آپ کا مشن تھا۔ وہ آج اپنے ملک وقوم اپنی ملت اور اپنے قدردانوں سے جدا ہو گئے ہیں لیکن اپنے پیچھے اپنے کاموں اور اپنی خصوصیات و صفات کے روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں جن کو قائم رکھنا اور آگے بڑھانا ان کے قدردانوں کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہماری اجتماعی وانفرادی بھلائی مضمر ہے آپ کی حیات وسوانح اور آپ کے کارناموں پر نہ معلوم کتنے قلم ابھی جنبش میں ہیں اور نہ جانے کتنے اصحاب قلم آئندہ بھی لکھیں گے اور لکھتے رہیں گے میرا نہ یہ موضوع ہے نہ میں اس کا اہل ہوں میں تو ایک ادنیٰ حقیر عقیدت مند ہوں چند بکھرے ہوئے موتی ہیں جو میرے لئے سرمایۂ حیات اور شاید دوسرے ارادتمندوں کو بھی ان میں کچھ کام کی بات ملے حضرت علیہ الرحمۃ بڑے مفکر اور مدبر تھے ملت کے لئے ہمہ وقت فکر مند رہا کرتے تھے حضرت علیہ الرحمۃ نے مختلف مقامات پر بیداری ملت کے لئے جو پیغام دیا وہ ملی اتحاد کے قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

امارت شرعیہ بہار نے جمشید پور میں دو روزہ تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا اس میں قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں مسلمان تعلیم میں پیچھے ہے ۱۵، فیصد تعلیم یافتہ ہیں جب کہ ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کے دین یا تو جہالت کی وجہ سے جاتا ہے یا غربت کی وجہ سے یہ دونوں ناسور ہے اس لئے جہالت کو مٹانے کے لئے ہر جگہ دینی مکاتب، مدارس، اچھے اقامتی اسکولوں اور تکنیکی تعلیم کے ادارے قائم کئے جائیں حضرت نے فرمایا کے وہ لوگ مجرم ہے جو وسائل کے باوجود اپنے بچوں اور بچیوں کو عصری تعلیم دلاتے ہیں مگر دینی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں اسی طرح وہ سب مجرم ہے جو بچوں کی کمائی کی وجہ سے ان کو تعلیم سے محروم رکھتے ہیں جہالت، بے دینی اور غربت کی وجہ سے آج مسلمان ارتداد کی طرف جارہے ہیں بعض علاقہ میں مسلمانوں کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو دین سے پھیرنے کی سازش کی جارہی ہے ضرورت ہے کے ایسی آبادیوں میں مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کیا جائے اُن کی جہالت وغربت کو دور کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات کئے جائیں!

مورخہ ۱۳ر مئی ۲۰۰۱ء کو شہر رانچی کے مشن گراؤنڈ میں عظیم الشان تاریخی اجتماع ہوا جس میں خطہ جھارکھنڈ کے بائیس اضلاع و

علاقہ کے پچاس ہزار سے زیادہ علماء و دانشور سیاسی و سماجی رہنما اور عوام و خواص نے شرکت کی اس تاریخی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کے ہمارے سارے مسائل و مشکلات کا حل اجتماعی قوت میں پوشیدہ ہے اگر مسلمان اندر سے ٹھیک ہوں گے تو باہر کے مسائل خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے کیوں کہ ٹوٹی اور بکھری اینٹوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی پس اے مسلمانو! تم کنگھی کے دندانوں کی طرح متحد و منظم ہو جاؤ برادری و مسلک کے جھگڑوں کو اپنے سماج و معاشرے سے مٹاؤ اور ایک رائے ہو کر قوت سے فیصلہ کرو اگر تم بکھرے رہو گے تو تمہاری طاقت کمزور ہو جائے گی۔ آخر میں قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نے مسلمانوں کو اپنی آواز میں قوت پیدا کرنے کے لئے اتحاد و اجتماعیت کو فروغ دینے کی تلقین کی اور یہ پیغام دیا کے ہرگز امت کو ٹوٹنے نہ دینا، حضرت علیہ الرحمۃ خصوصا نوجوانوں کی بہت فکر کرتے تھے۔

۷/اپریل ۹۶ء کی شب میں مغربی چمپارن کی قدیم دینی درسگاہ مدرسہ اسلامیہ بتیا کیمپس میں وفد امارت شرعیہ کے دورہ کے موقع پر ایک بڑے اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے حضرتؒ نے نئی نسل کے نوجوانوں سے فرمایا، اپنے بزرگوں کی اخلاقی قدروں کو اپنائیں اور بزرگوں کو نئی نسل کے جوش عمل سے فائدہ اٹھانا چاہئے! ایک موقع پر مسلم نوجوانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کے یہی نوجوان ہمارا مستقبل ہیں مگر افسوس یہ نوجوان گوئٹے، گاندھی، امبیڈکر کو تو جانتے ہیں لیکن عثمانؓ و عمرؓ کو نہیں جانتے ایسی نسل کیا بن سکتی ہے کچھ بھی نہیں بن سکتی! کلکتہ میں قیام دار القضاء کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا اسلام نے شادی بیاہ کے لئے رشتوں کے انتخاب میں صرف دین و اخلاق کو معیار قرار دیا ہے اس سے روگردانی کی صورت میں دنیا میں فتنہ اور فساد پیدا ہوتا ہے اس کو چھوڑنے کی وجہ سے ہمارے سماج میں لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ اہم اور مشکل بن گیا ہے۔ ہم نے خود اپنے عمل و کردار سے آسان کو مشکل اور حلال کو حرام بنالیا ہے معاشی اعتبار سے ہماری ملت کمزور اور پسماندہ ہے مگر قدرت کی طرف سے جن لوگوں کو دولت اور وسائل دئے گئے ہیں ان کی دولت ملت کی تعمیر و ترقی ملی مسائل اور فلاح انسانیت کے کاموں پر خرچ ہونے کے بجائے اونچے مکانات کی تعمیر اور غلط کاموں میں صرف ہو رہی ہے۔ قانون شریعت پر چلنا اس لئے ضروری ہے کہ اس میں ہماری نجات اور فلاح ہے۔

یکم اپریل ۹۷ء کو پھلواری شریف پٹنہ میں امارت شرعیہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام علیہ الرحمۃ نے ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی اس کا کچھ اہم حصہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔ سازشوں پر نگاہ رکھئے کے ہمیں مسلک اور برادری کے نام پر بانٹنے کی کوشش ہو رہی ہے افسوس ہے کہ در پردہ کوئی اور ہمارے بھائیوں کو برادری کے نام پر بانٹنے کے لئے مشتعل کر رہا ہے اس کو سمجھئے اور بیدار مغزی کے ساتھ تعلیم کے محاذ پر کام کیجئے دعوت و تبلیغ کا کام کیجئے مسلمانوں میں شعوری بیداری لائیے بلا شبہ ہمارے سامنے بہت سے مسائل ہیں ہر محاذ پر ہوش مندی کے ساتھ کام کرنا ہماری ذمہ داری ہے! حضرت علیہ الرحمۃ کے اس طرح کے پیغامات اگر سب لکھنے کا ارادہ کیا جائے تو ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے اس لئے انہی چند پیغامات کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے!

دامان نگہ تنگ و گل تو بسیار
گلچین بہار تو از تنگی داماں گلہ دارد۔

☆☆☆

یہ کون چلا گیا!

تنظیم عالم قاسمی
بارا ہاٹ، بانکا، بہار

اس خبر نے پوری دنیا میں بے چینی کی لہر دوڑا دی کہ ملت اسلامیہ کے مایہ ناز فرزند، برصغیر ہند و پاک کے ممتاز عالم دین آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر، ملی کونسل، کے بانی، اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی اور جنرل سکریٹری، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب امیر شریعت ورئیس القضاۃ الفقہیہ اسلامی جدہ کے واحد ہندوستانی رکن اور رابطہ عالم اسلامی کے ممبر مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعرات سارے علماء کو یتیم بنا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول بطحاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت صحابہ کرام کے درد و کرب کو ہم الفاظ میں پڑھتے تھے مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کرناٹک جیسے ناخواندہ علاقوں میں بھی حضرت قاضی صاحبؒ کی رحلت کی خبر سن کر لوگ زار وقطار رو رہے تھے، جو جہاں بیٹھے تھے بیٹھے ہی رہ گئے، جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے، مسرت و شادمانی کی فضاء منٹوں میں مایوسی اور بے چینی میں تبدیل ہو گئی، ہر ایک پر سکتہ طاری تھا ساری توانائیوں کے باوجود زبانیں گنگ ہو گئیں۔ آہ.......... یہ کون تھا جس کے جاتے جاتے چمن لٹ گیا، کھلتی کلیاں مرجھا گئیں، ادارے اور اکیڈمیاں ویران ہو گئیں، تمام علمی حلقوں کے حوصلے پست ہو گئے، ساری تمنائیں یکلخت مٹ گئیں منزل کی طرف رواں دواں قدم لڑکھڑانے لگے، اگر موت میں کسی طرح تاویل کی گنجائش ہوتی تو تاویل دے کر دل کو تسلی دے لیتے، مگر افسوس.... قدرت نے موت کے سلسلہ میں تاویلات کی تمام راہیں بند کر دی ہیں، اس لئے اب یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

جی ہاں دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے کے لئے آیا ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، بہت سے لوگ جا چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی تیار بیٹھے ہیں مگر بعض لوگوں کی موت کچھ اس طرح ہوتی ہے جو دنیا کو جھنجوڑ کر رکھ دیتی ہے، ان ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے موت العالم موت العالَم، بلاشبہ قاضی صاحب بھی ان ہی اشخاص میں سے تھے جن کی رحلت پورے عالم اسلام کو نہ ختم ہونے والا غم رستا ہوا زخم اور لا متناہی فکر و کرب ورثہ میں دے گئی، وہ ایک محور تھا جس کے ارد گرد سینکڑوں علمی چکیاں گردش کرتی تھیں، فقہی سیمینار، دار القضاء، ملی کونسل، امارت شرعیہ، مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس طرح کے نہ جانے کتنے علمی نالے جواب ماتم کناں ہیں۔

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ان کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کشادہ ذہن اور فراخ دل انسان تھے، مسالک کے اختلاف کی پرواہ کئے بغیر توحید کی بنیادوں پر امت کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کرنا ان کا نمایاں وصف تھا اور اس طرح تعالوا إلی کلمة سواء بیننا

وبینکم پر ان کا خاص عمل تھا۔ جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں — مسکراتا چہرہ، خندہ پیشانی، بلاء کی فراست کہ ایک نظر میں صلاحیت تاڑ جاتے اور تمام کل پرزوں کو صحیح جگہ فٹ کردیتے جس کی وجہ سے ان کا ہر شعبہ متحرک اور فعال نظر آتا تھا، جس پر بھی ان کا سایہ پڑا اس کی تقدیر بدل گئی، برسہا برس سے بوسیدہ، سست رفتار برق رفتاری میں تبدیل ہوجایا کرتی تھی، اور مولویوں کی طرح سست، کوتاہ نظر، تنگ نظری اور دقیانوسیت کے ہرگز شکار نہیں تھے، بلکہ وہ وسیع الظرف، معاملہ فہم،، صاحب فکر وتحقیق، بیدار مغز اور روشن خیال تھے، اسی وجہ سے بعض حلقوں سے مسلسل مخالفت وتعصب کے باوجود ملک وبیرون ملک میں ہمیشہ ان کی مقبولیت کا گراف اٹھتا ہی چلا گیا، اور شب وروز کی مسلسل تگ ودو، اپنی فراست، تدبر وتحقق، جہد مسلسل بالخصوص تفقہ فی الدین میں ورک اور شریعت کی گتھیوں کو سلجھانے کی بصیرت جو اللہ نے انھیں عطا کی تھی، اس کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں اس نے ایک شناخت بنائی تھی، زبان سے بھلے اقرار نہ کرے مگر دل تو ہر ایک معترف تھا، دنیا سے جانا تھا وہ چلے گئے مگر حضرت نے علمی، تحقیقی اور ملی محاذ پر جو گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے وہ صدیوں زندہ رہے گا، اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح بات تو یہی ہے کہ ان کی حیات کے ایک ایک شعبہ پر لکھنے کے لئے سینکڑوں صفحات کی ضرورت ہے، جو انشاء اللہ اپنے وقت پر لکھا جائے گا فی الوقت ان کی تعزیتی تحریر میرے پاس الفاظ نہیں بس خلاصہ یہ کہ قاضی صاحب کی رحلت ملک وملت کا اتنا بڑا نقصان ہے کہ دور دور تک اس کی تلافی کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

☆☆☆

(بقیہ ص ۲۹۳ کا)

جس میں استاذی المحترم حضرت مولانا نظام الدین صاحب امیر شریعت اور مرحوم مولانا قاضی مجاہد الاسلام بھی شامل تھے، اپنے رہائشی مکان کا سنگ بنیاد ان مبارک ہاتھوں سے رکھوایا اس موقع پر ایک ظہرانہ کا انتظام بھی تھا دسترخوان لگ گیا وفد کے ارکان ارد گرد بیٹھ گئے ۔ ایک مبلغ برابر اور لوگوں کو دسترخوان کی طرف بلاتے رہے آیئے بیٹھئے کھایئے۔ یہ باتیں حضرت قاضی صاحب کو بری لگیں، آداب اکل وشرب کے خلاف بھی۔ انہوں نے زور سے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا کہ دسترخوان مہمان کا نہیں ہوتا ہے میزبان کا ہوتا ہے، میزبان ہی کسی کو دسترخوان پر بلاسکتا ہے،، بہرصورت کبھی کبھی غصہ میں آجاتے لیکن ''اصلاح'' کا پہلو اسمیں شامل رہتا یہ غصہ چند منٹ کے لئے ہی ہوتا۔

قاضی صاحب کی شخصیت پرکشش تھی، زمانہ کے نشیب وفراز سے واقف تھے۔ آخری ملاقات ایک سال قبل پٹنہ میں ہوئی دوران گفتگو فرمایا کہ ملت اسلامیہ اسوقت نازک حالات سے گزر رہی ہے اب اسکا بوجھ آپ لوگوں کو ہی اٹھانا ہے،، میں چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں، پھر ملاقات ان سے نہیں ہوسکی البتہ ایک بار فون پر چند منٹ حالت اور خیریت سے متعلق بات ہوئی انہوں نے آخری جملہ سلام کے بعد فرمایا میرے لئے دعاء کرتے رہیں آج ان کی رحلت کیوجہ سے پوری قوم غمزدہ ہے اور صدیوں تک ان کی کمی محسوس کی جاتی رہیگی

موت مرہم رکھ چکی ہوگی دل صد چاک پر
عبرتیں روتی ملینگی تجھکو میری خاک پر

☆☆☆

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اشرف اعظم

جنرل سکریٹری

بہار پردیش راشٹریہ جنتا دل

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی پر برسوں تک لکھا جاتا رہے گا ان کی شخصیت اور زندگی کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی ہوتی رہے گی۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت پر مختلف زاویہ نگاہ سے قلم اُٹھائے جاتے رہیں گے۔ تصویر نکھرتی جائے گی اور پرت در پرت نئی شباہت سامنے آتی رہے گی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے برسوں سے تعلقات کی مدت کے درمیان آئینہ نگاہ میں نے بھی مختلف چہرے دیکھے۔

وہ جس سے ملتے انتہائی احترام اور اخلاق کے ساتھ محبت سے ملتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص یہ مدعی رہا کہ قاضی صاحب کے ساتھ جو قربت اس کو حاصل ہے، وہ دوسروں کو نہیں ہے زندگی کے نشیب وفراز کے مختلف موقعوں پر قاضی صاحب کا برتاؤ اور پر خلوص مشورے بھلانے کی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ ہماری نسلوں کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

دوسری جانب قاضی صاحبؒ جید عالم اور مستند فقیہہ تھے، ان دونوں خصوصیات کا استعمال انہوں نے بڑا ذمہ داری کے ساتھ کما حقہ، تا عمر کیا اور ملت اسلامیہ کو ہمیشہ صحیح سمت عطا کرتے رہے۔ حضرتؒ کو اللہ نے تحریری اور تقریری دونوں صلاحیتوں سے نوازا تھا، جس کا بھرپور فائدہ افراد ملت کو پہونچا، اور سنوارنے والوں نے اپنی دنیا اور آخرت سنواری۔ مقرر کی حیثیت سے ان کی گفتگو میں جہاں قرآن واحادیث کی تفہیم وتشریح اعلیٰ معیار کی ہوتی تھی، وہیں حالات حاضرہ کے ضروری پس منظر کا تذکرہ سامعین کے لئے علم ودانش کا بحر زخار ہوتا تھا۔ موقع ومحل کے لحاظ سے زباندانی میں وہ خوبیاں ہوتی تھیں کہ بیک وقت اہل علم اور کم علم دونوں قسم کے حضرات اکتساب فیض کر لیتے تھے۔ موجودہ جدید وسائنسی دور میں جو عملی انقلاب برپا ہوا ہے، جس کے تحت بہت سارے فقہی سوالات کھڑے ہوگئے، ان کے حل کے لئے آپؒ کی فقہی کاوشیں امت مسلمہ یاد رکھے گی۔ اس سلسلے میں بیرون ملک کے علمائے کرام نے بھی آپ سے استفادہ کیا ہے۔ آپ کی گرانقدر تصانیف سے اہل علم استفادہ کرتے رہے ہیں۔

ملک وبیرون ملک کی سیاسی صورت حال پر بھی قاضی صاحبؒ کی گہری نگاہ ہی تھی اور موقعہ بہ موقعہ عامۃ المسلمین کو سیاسی حالات سے روشناس کراتے رہے۔ اور ضرورت پڑنے پر سیاسی مشوروں سے بھی نوازتے رہے۔ اسی سیاسی شعور کی وجہ سے میدان سیاست کی قدآور ہستیاں قاضی صاحب کے سامنے زانو کے ادب تہہ کرتی رہیں۔ بڑے نازک حالات میں مولاناؒ کے سیاسی مشورے بڑے قیمتی ثابت ہوتے رہے۔ امارت شرعیہ، ملی کانسل اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم کو انتہائی بصیرت کے ساتھ ہمیشہ استعمال کیا۔ اور ان اداروں کو باوقار کیا۔

قاضی شریعت کی حیثیت سے فقہی فیصلے امت کے لئے ہمیشہ مشعل راہ رہیں گے۔ اتفاق واتحاد بین المسلمین کے لئے آپ کی جدو جہد اور آپ کی کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ انہیں وجوہات کی بنا پر قاضی صاحب کی رحلت نے سارے ملک کے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ مہدولی دربھنگہ میں آپ کی جنازے کی نماز میں مسلمانوں کا تاریخی اژدحام آپ کی مقبولیت کا زندہ ثبوت تھا۔ قاضی صاحبؒ کی وفات سے ایک عہد کا اختتام ہوا ہے۔ اللہ رب العزت حضرت قاضی صاحبؒ کو آخرت کی نعمتوں سے نوازیں اور ہمیں بھی اس مرد مجاہد کا نعم البدل عطا فرمائیں۔ آمین۔

قاضی صاحب کا ایک دن

صفدر زبیر ندوی
اسلامک فقہ اکیڈمی، نئی دہلی

ان کی وفات کی خبر پر لوگ امڈے چلے آرہے ہیں، میں بھی کھڑا ہوں، مختلف لوگ ہیں، مختلف آواز ہیں، کوئی کہہ رہا ہے، مجھے فلاں مسئلہ میں مشورہ لینا تھا اب کیا ہوگا؟ کوئی کہہ رہا ہے: امت اس وقت بہت ہی نازک حالات سے گزر رہی ہے کیا انھیں اتنی جلدی جانا تھا، اب کون ہوگا؟ کسی طرف سے یہ آواز آرہی ہے کہ بابری مسجد کا بحیثیت امت دعوی کرنے والا راستے سے ہی بچھڑ گیا، اب کیسے ہوگا؟ کسی گوشہ میں کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ مظلوموں کی طرف سے آواز اب کون اٹھائے گا؟ کوئی یہ سرگوشی کررہا ہے کہ میرے دکھ درد کون سنے گا اور پھر اس کا مداوا اب کون کرے گا؟ اور کوئی دبی زبان میں یہ کہہ رہا ہے اب کون بیانگ دہل یہ اعلان کرے گا کہ اسلام ایک سچائی ہے جسے سرحدوں میں قید نہیں کیا جاسکتا اور سچائی کو سبھوں کو قبول کرنا چاہئے، اب کون یہ فیصلہ کرے گا کہ کسی مسجد سے اس کو بت خانہ بنانے کے لئے دستبردار نہیں کیا جاسکتا اور اب کون یہ خبر لیگا کہ کہ فلاں الیکشن میں کتنے مسلمان کامیاب ہوئے، فلاں جگہ پر مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے، ان کی حالت کیسی ہے، وہاں مسجد یا مدرسہ ہے یا نہیں۔ لوگ کچھ نہ کچھ بول رہے ہیں، میں بھی بولنا چاہتا ہوں، لیکن کیا بولوں؟ سوچتا ہوں کچھ لکھوں، لیکن پھر سوچتا ہوں کیا بات لکھوں؟ ان کی پیدائش لکھوں یا وفات لکھوں، کارنامے لکھوں یا حیات لکھوں، ان کی کتابوں کا ذکر کروں یا خطابات کا، صرف قضاء وافتاء کا ذکر کروں یا پورے شرعی امارات کا، ان کے فیصلوں پر نظر ڈالوں یا فقہیات پر، صرف ملت پہ نظر ڈالوں یا پوری سیاسیات پر، بورڈ کا عہد صدارت لکھوں یا بحث و نظر کا عہد ادارت لکھوں، ان کی خدمات جلیلہ کا ذکر چھیڑوں یا ان پر اعتراضات رذیلہ کا، عنوانات بھی ہیں اور خیالات بھی، لوگ بھی ہیں اور حالات بھی، پھر سوچتا ہوں کیوں نہ مشاہدات لکھوں، ان سے ایک دن کی ملاقات لکھوں۔ رہائش گاہ کیا تھی آمد و رفت کا مرجع تھی، کوئی بغل میں فائل دبائے چلا آرہا ہے، کوئی مسکین صورت پوچھتا ہے کہ کیا قاضی صاحب یہیں ہیں، کوئی مسودہ لئے داخل ہو رہا ہے تو کوئی کتابیں لے کر نکل رہا ہے، کوئی غمگین صورت داخل ہوتا ہے اور ہنس مکھ چہرہ لئے باہر آتا ہے، مسائل کا جمگھٹا ہے، ایک ایک سے پوچھتے ہیں اور سلجھاتے ہیں،،،،، آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ جی فلاں مدرسہ سے آیا ہوں، کیا بات ہے؟ اس کے ہاتھ میں رسید دیکھی اور سمجھ گئے کہ ضرورت کیا ہے کسی سے کہا کہ ذرا تکیہ کے نیچے دیکھو تو کچھ ہے، کچھ نکلا اور اسے دیدیا، اور کہا کسی اہل خیر کے نام سے رسید کاٹ دو......دوسری طرف متوجہ ہوئے، ہاں آپ صاحب کون ہیں؟ جی میں فلاں جگہ سے آیا ہوں، آپ کے تصدیق نامہ کی ضرورت ہے، کاغذات ہیں آپ کے پاس؟ ٹھیک ہے، اے لڑکے ادھر کیا دیکھ رہے ہو ایفا میں فون لگاؤ، .....ہاں ایک آدمی جارہا ہے اسے تصدیق نامہ کی ضرورت ہے، کاغذات دیکھ کر ایک تصدیق نامہ تیار کروادیں، آپ ایفا چلے جائیں اور وہاں فلاں صاحب سے تصدیق نامہ حاصل کرلیں، اتنے ہی میں فون کی گھنٹی بجی، آپ کیسے ہیں مولانا......کہاں سے بول رہے ہیں......کب تشریف لائے.....ٹھیک ہے شام کو چھ بجے آجائیں اسی وقت آپ سے گفتگو ہوگی، آہٹ پر دروازے کی

طرف دیکھا، اچھا آپ آگئے، میٹنگ کب ہے..... ہال کی بکنگ ہوگئی.....لوگوں کو دعوت نامے چلے گئے.....ٹھیک ہے یہ کام جلد ہی کر لیجئے۔ کسی کتاب کے ترجمہ کی خواندگی ہورہی ہے، کوئی ترجمہ پڑھ رہا ہے، خود ہی عربی مسودہ پر نظر رکھے ہوئے ہیں، بیچ بیچ میں ترجمہ کی تصحیح کرا رہے ہیں، کہیں تعبیرات بدلی جارہی ہیں، کہیں الفاظ کی تبدیلی ہورہی ہے، اور کہیں بریکٹ میں تشریحی جملے لکھوا رہے ہیں، اور کہیں کہیں عربی عبارتوں کی اصل مراجع کی کتابوں سے تصدیق بھی کرا رہے ہیں، باہر ڈرائنگ روم میں بھی کچھ لڑکے تحقیق کا کام لئے بیٹھے ہیں، بیچ بیچ میں کبھی کسی کو بلواتے ہیں، اس کا کام دیکھتے ہیں اور اس سے متعلق مشورہ دیتے ہیں، اور جہاں غلط ہے اس کی تصحیح کرتے ہیں، اور مزید ہدایات دے کر اسے اپنی جگہ پر واپس بھیج دیتے ہیں۔ پھر ان کے لفظ ''ہوں'' کے ساتھ ہی ترجمہ کی خواندگی جاری ہوجاتی ہے، یہ سلسلہ چل ہی رہا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد نگاہ اٹھائی اور پوچھا: ہاں آپ کا کیا مسئلہ ہے؟ جواب ملا: دارالقضاء میں ایک مقدمہ آیا ہے، پھر مقدمہ سنا اور مختلف حوالوں اور مختلف پہلوؤں سے اس کی تفصیلات سمجھانے لگے، اتنے ہی میں کسی نے آکر خبر دی کہ فلاں صاحب آئے ہوئے ہیں، ان کے لئے کرسی لگوائی اور کہا بلالاؤ، ان سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوئیں اور پھر وہ رخصت ہوگئے۔ اے لڑکے ذرا ایفا میں فون لگاؤ، ہاں آپ کیسے ہیں، بہت دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہورہی ہے.....تھوری دیر کے لئے اگر فرصت ہو یہاں آجائیں......سیمینار کے سوالنامے پر بھی بات کرنی ہے، مولوی صاحب بھی موجود ہیں.....کافی تاخیر ہورہی ہے.....ٹھیک ہے آپ آجائیں تب پھر بات ہوگی۔ ہاں آپ کی فائل میں کیا ہے؟ کچھ خطوط ہیں جن کا جواب جانا ہے، خطوط پڑھوا کر سنے اور کہا! فلاں صاحب کو یہ لکھدو، فلاں صاحب کو یہ جواب دیدو اور فلاں صاحب کو یہ لکھ دو اور صحت کے لئے دعاؤں کی درخواست بھی کردو۔ ابھی اب بیٹھا نہیں جارہا ہے، آرام کرونگا، اب تم لوگ جاؤ۔

پانچ بجنے کے بعد لوگوں کی آمد شروع ہوجاتی ہے، آنے والوں کو اندر بلالیا جاتا ہے، اندر کمرے میں لوگوں کی بھیڑ ہے، کسی سے خیریت پوچھ رہے ہیں، کسی سے اس کے علاقے کے حالات پر گفتگو کررہے ہیں، کسی سے اس کے گھر کی خبر خیریت لے رہے ہیں، پھر پوچھتے ہیں کہ کیا لڑکے باہر کام کررہے ہیں؟ فلاں کو بلاؤ، ہاں جی کام کہاں تک پہنچا......لاکر دکھاؤ.....ٹھیک ہے اس کو ایسے کرلو، اور جہاں سمجھ میں نہ آئے فوراً کتابوں سے رجوع کرو، ٹھیک ہے جاؤ کام کرو۔ کسی نے پوچھا فلاں عبارت حل نہیں ہورہی ہے، کیا ہے پڑھو، ٹھیک ہے فلاں فلاں کتاب المبارک سے نکالو، اس کے فلاں باب کے تحت یہ عبارت ملے گی۔ آپ کا کیا مسئلہ ہے؟ جی میں نے یہ کتاب لکھی ہے، آپ سے اس پر مقدمہ لکھوانا چاہتا تھا، اسی وقت کتاب کو مسودہ الٹ پلٹ کر دیکھا، اس پر مقدمہ لکھوایا اور حوالہ کردیا۔ کسی کی صورت دیکھی، پوچھا بچی کی شادی ہوگئی؟ جواب ملا: فلاں تاریخ کو ہے، صدری میں ہاتھ ڈالا، پھر نکالا، اس نے مٹھی بند کی اور نکلا چلا گیا،

صبح کے مقابلہ میں شام کے وقت میں علمی کام کم ہی انجام دئے گئے، بس کسی سے ملک کے حالات پر گفتگو ہوئی تو کسی سے بین الاقوامی حالات پر، کوئی اپنا ذاتی مسئلہ حل کروا رہا ہے تو کوئی کسی کا سفارشی بن کر آیا ہے۔ غرض صبح سے دوپہر تک اور شام سے رات تک کچھ کہا جارہا ہے، کچھ لکھا جارہا ہے، مشورے دئے جارہے ہیں، تعاون کیا جارہا ہے، کوئی مضمون پڑھ رہا ہے تو کوئی حوالے تلاش کررہا ہے، کبھی امارت شرعیہ کی فائل سامنے ہے تو کبھی مسلم پرسنل لاء بورڈ کی، کبھی فقہ اکیڈمی کی فائل سامنے ہے تو کبھی ملی کونسل کی، اور کبھی دارالافتاء والے سامنے ہیں تو کبھی دارالقضاء والے، غرض وہ شخص اپنی ذات میں ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن تھا، ان کی رہائش گاہ ان کی آرام گاہ نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے مسائل کی آماجگاہ تھی۔ میری طرف دیکھا، کہا بہت دیر سے ہو، کس لئے آئے ہو، کوئی بات تھی، میں نے کہا غرض بس ملاقات تھی.

بہار کا ایک عظیم سپوت

سید اوصاف النبی
دھرمپور، سمستی پوری بہار

کچھ لوگ تھے جو وقت کے سانچے میں ڈھل گئے
کچھ لوگ ہوئے جو وقت کے سانچے بدل گئے

دنیائے فانی میں کچھ ایسے لوگ آتے ہیں جنھیں تاریخ بناتی ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو خود تاریخ بناتے ہیں۔ جنھیں تاریخ ساز کہا جاتا ہے بے شک قاضی القضاۃ مجاہد ملت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ ساز شخصیت کے حامل تھے۔

آپ نے اپنے ۳۵ سالہ سفر "قضاۃ" میں مسلمانوں کی بے شمار عائلی مسائل کا تصفیہ کیا اور امارت شرعیہ کو ایسا فعال اور متحرک بنایا کہ عالم اسلام کی آئندہ نسل بجا طور پر اس پر فخر کر سکتی ہے۔ قاضی صاحب نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی داغ بیل ڈال کر مدارس اسلامیہ کے فارغ التحصیل کو کام کرنے کی خاطر ایک نادر مرکز فراہم کیا۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام مجاہد ملتؒ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔ قرآن وسنت کی روشنی دور حاضر کے مسائل کا حل تلاش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ قاضی شریعتؒ کا ہی کمال ہے کہ انھوں نے ان امور ومسائل میں اجتماعی اجتہاد کا راستہ اختیار کر کے فقہی اختلافات اور مسلکی جھگڑوں کا راستہ مسدود کرنے کی حتی الامکان کوششیں کیں۔ آج اسلامک فقہ اکیڈمی دور حاصل کے مسائل کا شریعت کی روشنی میں اجتماعی طور پر حل تلاش کرنے کا ایک قابل اعتماد پلیٹ فارم بن چکا ہے۔ بابری مسجد کی انہدام سے کچھ روز قبل ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر محمد منظور عالم کو ساتھ لے کر وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ملی کونسل کی بنیاد ڈالی پورے ملک کا طوفانی دورہ کر کے بیشتر مکتبہٴ فکر کی دانشوروں اور سیاسی وغیر سیاسی شخصیات کو ملی کونسل سے منسلک کیا۔ مسور کے اجلاس میں اتفاق رائے سے اس ادارہ کے سکریٹری جنرل منتخب ہوئے اور تادم وفات سکریٹری جنرل کی حیثیت سے قوم وملت کی خدمت کرتے رہے۔

گزشتہ اپریل ۲۰۰۰ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدر منتخب کئے گئے یہ قاضی شریعتؒ کی ہی شخصیت تھی کہ متنازعہ بابری مسجد مسئلے کو سلجھانے کی خاطر مرکزی حکومت کی جانب سے حکومت ہند کی نمائندہ سابق صدر مملکت ڈاکٹر آر وینکٹ رمن اور صحافی کلدیپ نیر کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر سے گفتگو کی ذمہ داری سونپی گئی تو ان لوگوں کو قاضی صاحب کے دربار میں حاضر ہو کر گفتگو کرنا پڑا۔

آپ کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ایک باوصف قائد ورہنما بھی تھے جو ہر سطح اور مواقع پر ملت کی راہنمائی کرنے کا فن بحسن وخوبی جانتے تھے۔ موصوف دوررس نگاہ، بلند پایہ مفکر، دین کے داعی، بے باک وحق گو قائد کی حیثیت ملک عزیز کی مسلمانوں کی قیادت کرتے ہوئے ہر محاذ پر امت کی قیادت کو صحیح فیصلہ ماننے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی سیاسی بصیرت اور زمانہ شناسی نے سیاسی میدان میں بھی آپ کو منفرد مقام عطا کیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم سیاست دانوں میں بھی مجاہد ملتؒ بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے

ایک واقعہ یاد آرہا ہے آج سے چند سال قبل سمستی پور صدر سے ۵ کیلومیٹر جنوب مشرق قومی شاہراہ ۲۸ کے قریب ساتن پور موضع میں جلسہ سیرت النبی منعقد ہوا اس جلسہ میں مہمان خصوصی قاضی شریعت تھے ان دنوں یہاں برسات کا موسم ہونے کے باوجود بارش نہیں ہو رہی تھی اور لوگوں میں اضطراب کا عالم تھا قاضی شریعت رحمۃ اللہ علیہ آپ کی حیات طیبہ پر بہت ہی پر اثر تقریر کیا۔ لوگوں کی استدعا پر قاضی شریعت نے بارگاہ ایزدی میں بارش کے لئے اجتماعی دعا مانگی۔ لوگوں نے یہ نظارہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ابھی دعا ختم بھی نہیں ہوئی اور اتنی زبردست بارش اللہ جل شانہ کی حکم سے ہوئی کہ لوگ جھوم اٹھے۔ قاضی صاحب جیسی شخصیت صدیوں میں جنم لیتی ہے۔

☆☆☆

باب سوم

قاضی صاحب کی یادگار تحریریں



فکر 'تیری' گہر اندوز اشارات کثیر
کلک 'تیری' رقم آموز عبارات قلیل
'تیرے' ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح
'تیرے' اجمال سے کرتی تراوش تفصیل

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا ایک اہم پیغام

جنا ب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض "تم لوگ ھمارے بعد کفر اور گمراھی میں مبتلا مت ھوجانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے)۔ بات بات پر ایک دوسرے کو کافر ، فاسق اور ضال ومضل قرار دینا بھی دراصل معنوی اعتبار سے گردن مارنے اور قتل کردینے ھی کے درجہ میں ھے۔

حضور ﷺ نے ایک دعا میں فرمایا کہ اے اللہ ! میری امت کو قحط کے عذاب میں برباد مت کیجئے گا، ایسا نہ ھو کہ ایسا قحط پڑے کہ لوگ بھوکے مر جائیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میرے حبیب! میں نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ کی امت کبھی بھی قحط اور اکال کے عذاب میں برباد نہیں ھوگی۔

دوسری دعا فرمائی کہ امت کی گردن پر غیروں کی تلوار مسلط نہ کیجئے گا، اللہ تعالی نے فرمایا کہ اے رسول آپ کی یہ دعا بھی قبول مگر ایک شرط کے ساتھ، جب تک آپ کی امت خود اپنی تلوار اپنے بھائی کی گردن پر نہیں اٹھائے گی، تب تک آپ کی امت پر غیروں کی تلوار مسلط نہیں ھوگی۔

مگر ھم نے خود اپنی قوت اپنے خلاف استعمال کی ھے جبکہ آقانے دلوں کو جوڑا ھے، توڑانھیں!

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کہ ٹوٹے ھوئے دل جوڑنے والے

پس اے حضور کے نام لیوائو! تم بھی ٹوٹے ھوئے دلوں کو جوڑنے کا کام کرو۔ جن مسائل پر امت کا اتفاق ھے وہ بھت زیادہ ھیں اور جن مسائل میں امت کے درمیان اختلاف ھے وہ بھت کم ھیں۔ پھر کیوں ان مسائل کو چھیڑ کر امت کو ٹکڑیوں میں بانٹتے ھو جو مسائل تفریق و اختلاف کا باعث بنتے ھیں، کیوں نھیں ان مسائل کو مضبوطی سے تھامتے ھو جن سے امت ایک رھے، خاص کو موجودہ حالات میں اور خاص کر ھندوستان میں۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

قاضی مجاہدالاسلام قاسمی

''کتاب ہدایت'' کا پہلا صفحہ!

فاتحہ:

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، الرحمن الرحيم، ملك يوم الدين، إيّاك نعبد وإيّاك نستعين، إهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين أنعمت عليهم، غير المغضوب عليهم ولا الضآلين.

(میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس شیطان (کے گمراہ کن اثرات سے) جو مردود بارگاہ ہے)۔ (میں اللہ کے نام سے ابتداء کرتا ہوں جو بے انتہاء مہربان، بڑا رحم کرنے والا ہے)۔

''تمام تعریفیں'' اللہ کے لئے ہیں جو رحمٰن ورحیم ہے، جو بدلے کے دن کا مالک ہے (اے آقا) ہم سب تیری ہی پرستش کرتے ہیں (کسی اور کی نہیں) ہم سب تجھی سے مدد چاہتے ہیں (کسی اور سے نہیں، اے خدا!) ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، ان لوگوں کی نہیں جن پر آپ کا غضب نازل ہوا، اور نہ ان لوگوں کی جو گمراہ ہیں''۔

تشریحات

تعوذ:

کتاب اللہ کا پہلا صفحہ کھولنے سے پہلے دعاء کر لیجئے اور اپنے کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی ''زبردست'' کی پناہ میں دیدیجئے، کہ آپ کا ذہن غیر الٰہی اثرات سے خالی رہے، آپ کے دماغ وروح پر غیر الٰہی طاقتوں کا راج نہ ہو۔ بڑے سے بڑے سمجھدار لوگ ''عقل وخرد'' کے عظیم عطیہ سے نوازے گئے ہیں، لیکن جب ''ہدایت'' کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو وہ کورے معلوم ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ ''عقل وخرد'' کے یہ سارے خزانہ اس وقت کام دیتے ہیں جب کہ انسانی ذہن غیر الٰہی اثرات سے الگ ہو کر ''الٰہ واحد'' کی زبردست پناہ میں آچکا ہو، اور سب سے قطع نظر کر کے صرف اللہ کے بھروسہ پر اپنی زندگی کے طریقہ کار پر غور کرنے چلا ہو۔

بسملہ:

اس کے بعد عبد اپنے اس مالک کے نام سے ''کتاب ہدایت'' کا پہلا صفحہ لوٹتا ہے، جس کے بارے میں اس کا عقیدہ ہے کہ وہ بے انتہاء رحمتوں اور مہربانیوں کا سرچشمہ ہے، اس کا ایک ایک لفظ دل کے خلوص ضمیر کی صفائی اور روح کی بالیدگی کو ظاہر کرتا ہے، وہ پورے اعتماد کے ساتھ کہنا چاہتا ہے کہ میں ''اللہ'' کا نام لیتا ہوں ''اللہ'' کیا ہے؟ ایک ایسی ہستی کا نام ہے جو تمام کمالات کا سرچشمہ ہے تمام اچھائیوں کا مرکز ہے، تمام محاسن کا مرجع ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے انتہاء رحمتوں اور شفقتوں کا مالک ہے، جس کی رحمت کا تیز دھارا بلند وپست، قریب وبعید سب پر ہو کر گزرتا ہے، اور دوسری طرف اس کی کچھ خصوصی نوازشیں بھی ہیں، جو بار بار ہوتی ہیں، اور خاص طور پر آخرت میں ان بندوں پر ہوں گی جو اس دنیا میں اس کی ''آقائیت'' کے سامنے گردن جھکا چکے ہیں۔

الحمد لله:

''کتاب ہدایت'' کا پہلا صفحہ اور پہلا لفظ اپنے پڑھنے والوں سے ایک ''فطری حقیقت'' کا اعتراف کرانا چاہتا ہے اور ''بندہ'' کو سب سے پہلے اس کا احساس دلانا چاہتا ہے، کہ اس کائنات کی ہر ''کثرت'' ایک ''اکائی'' پر جا ٹوٹتی ہے، کائنات کا ہر ہر کمال اس کا ہر ہر حسن، بزبان حال اپنے خالق کی مدح سرائی کر رہا ہے، چوں کہ تمام کمالات کا حقیقی سرچشمہ اسی مالک کی گرامی ذات ہے، اس لئے اگر کسی انسان کے پاس علم کے خزانے ہیں تو اصل میں ''علم کے خالق'' کا کمال ہے، جس کے دم سے علم کی یہ نہریں جاری ہوئیں، اگر کسی کے پاس عقل وخرد کی بہتات ہے تو حقیقتاً وہ ذات قابل تعریف ہے، جس نے اُسے عقل وخرد بخشی، اگر کوئی ''ماہر فن صناع'' ہے، تو اصل میں وہ ''صانع'' قابل ستائش ہے، جس نے اپنی ''صناعی'' کے خزانے سے چند دانے اس انسان کے سپرد کر دئے ہیں، غرض یہ کہ اس کائنات کے جس فرد میں کوئی قابل تعریف بات نظر آتی ہے: حقیقتاً ان سب کا مرجع وہی ''ذات گرامی'' ہے۔

حمد را با تو نسبتے ست درست / بر در ہر کہ رفت بر در تست

''توحید'' کی یہی وہ اساسی تعلیم ہے، جس پر پوری ''کتاب ہدایت'' کی بنیاد ہے، اس عقیدے کا ماننے والا شخص ''خالص موحد'' ہوگا، اس لئے کہ اس کے نزدیک ''مخلوق'' کا بڑے سے بڑا کمال بھی ''مخلوق اور عطیہ'' ہے، ایک ''خالق'' کا، جس کی عظمت کا وہ پہلے سے معترف ہے۔ پس ایسا شخص نہ مشترک ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ''مخلوق'' کو اس

کے "عارضی کمال" کی بناء پر "کمال کا حقیقی سرچشمہ" سمجھنے لگے، اور نہ "ملحد" کہ اس کے نزدیک "مخلوق" اپنے بڑے سے بڑے کمال میں بھی مجبور محتاج ہے، "خالق" کا یہ مختصر سا لفظ اپنی وسعتوں کے اندر جن گہرے معانی کو سموئے ہوئے ہے انہیں کے پیش نظر بعض علماء کا خیال ہے کہ کلمہ "الحمد للہ" کلمہ "لا الہ الا اللہ" سے افضل ہے۔ اس لئے کہ "لا الہ الا اللہ" سے صرف "توحید" معلوم ہوتی ہے، اور الحمد للہ سے توحید وحمد دونوں۔

رب العالمین:

ہر ہر عالم کا مربی اس کی دیکھ ریکھ کرنے والا، اس کے بھلے برے کا خیال رکھنے والا، انسان ہوں یا جنات وملائکہ، حیوانات ہوں، یا نباتات وجمادات، ہر ایک کی نشو ونما اس کی تدریجی ترقی، اس کو اس کے اصلی کمال تک پہونچانا حقیقت میں اسی مالک کا کام ہے، جس کو ہم "اللہ" کہتے ہیں، ظاہراً بچہ کو دودھ ماں پلا رہی ہے، بیج کاشتکار ڈال رہا ہے۔ لیکن ان تمام ظاہری ہاتھوں کے پیچھے ایک حقیقی ہات ہے جسے ہم "دست قدرت" کہتے ہیں، جیسا کہ عرض کیا گیا "عالمین" کے لفظ سے قرآن اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جس کو تمام پچھلی قوموں نے بھلا رکھا تھا۔ اسلام جس "رب" کا تصور پیش کرتا ہے وہ کسی ملک کسی قوم کسی مذہب، کسی مسلک کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ انسانوں میں مقید نہیں، وہ حیوانات ونباتات کا پابند نہیں، بلکہ اس کی ربوبیت کے چشمہ سے کائنات کا ایک ایک ذرہ سیراب ہوتا ہے، وہ اپنے ماننے والوں کا ہی "رب" نہیں بلکہ جس طرح وہ ایک مسلمان کی تربیت کرتا ہے بعینہ اسی طرح غیر مسلموں کی بھی۔ اس کے خزانے سے جس طرح انسانوں کی تربیت کا سامان کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسری مخلوقات کی تربیت کا بھی، غرض یہ کہ اسلام اس "رب" کی عبادت کی طرف دنیا کو بلا رہا ہے جو پوری کائنات کا محسن، مربی اور پالنہار ہے، اور اس کی اسی "عمومی ربوبیت" کا تقاضہ ہے کہ پوری کائنات اس کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ یہی وہ عظیم تصور ہے جو اسلام کو دوسرے تمام مذاہب کے مقابلہ میں "عظمت وجلالت" کے عظیم "منارہ" پر جا بٹھاتا ہے۔

الرحمن الرحیم:

اسلام جس "رب" کی طرف بلا رہا ہے وہ رحمٰن بھی ہے، اور رحیم بھی (رحمٰن) جس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں اور "رحیم" جو رحم کرتا ہے اور بار بار اس کی شان رحمانیت کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک کو اس کے اندازہ کے موافق رزق مل رہا ہے، زندگی کا سامان مل رہا ہے، جہاں ایک بڑے سے بڑے طاقتور جانور کی روزی کا سامان کیا گیا ہے، وہاں ایک کمزور کیڑے کے لئے بھی سامان موجود ہے، اگر ایک "سمجھدار انسان" اپنی عقل وخرد سے روٹی کھا رہا ہے تو معمولی عقل کا شخص بھی اس سے محروم نہیں ہے، اور اس کی شان "رحیمیت" کا پورا مظاہرہ تو آخرت میں ہوگا جب کہ وہ اپنے ناقص سے ناقص بندوں کو بھی محض اپنے فضل سے بڑے سے بڑے انعام سے نوازے گا، انشاء اللہ۔

مالك يوم الدين:

آگے یہ بھی بتا دیا گیا کہیں رحمانیت ورحیمیت کو دیکھ کر اس کی عبادت واطاعت سے غافل نہ ہو جانا کہ وہ یوم الدین (بدلہ کا دن) کا شہنشاہ اور مالک ہے، (یوم دین) جو یوم الفصل ہے یعنی جس دن تمام انسانوں کی قلعی کھل جائے گی، ہر شخص کا کھرا کھوٹا، سامنے آجائے گا، اور جس کا جو عمل ہے وہ اس کے نتیجہ سے دوچار ہوگا۔

"فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره، ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره"۔

(جو ایک ذرہ برابر بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا، اور جو ایک ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا)۔

اياك نعبد:

جب اتنی بات واضح ہے کہ اے مالک! تو ہی کائنات کا مربی ہے، تو ہی رحمت وشفقت کا سرچشمہ ہے اور تو ہی روز جزا کا مالک ہے اور اسی لئے تو ہی ساری تعریفوں کا مرجع ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک "غلام" کے لئے کیسے جائز ہوگا کہ وہ تیرے سوا کسی اور کے دروازے پر جبیں ٹیکے، کسی اور کی چوکھٹ پر پیشانی رکھے۔ پس اے ہمارے آقا! ہم اور ہمارے ساتھ پوری صالح کائنات تیری غلامی کے لئے حاضر ہے، اس لئے ہم تو صرف تیری ہی پوجا کرتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کرتے۔

اياك نستعين!

جب ہر طرح کی قوت تیرے ہی پاس ہے، ہر چیز کا تو ہی مالک ہے، جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ تیری ہی نظر کرم کا نتیجہ ہے، تو ہم کسی دوسرے کا دروازہ کیوں کھٹکھٹائیں، کسی اور کے سامنے دست سوال کیوں دراز کریں، جب کہ سب ہی تیرے محتاج اور تیرے در کے بھکاری ہیں، اس لئے اے میرے آقا! ہم دنیا کے مجبوروں اور تجھ سے ہی مانگنے والوں کے بجائے تجھ سے اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں، اور ہر طرح کی مدد چاہتے ہیں، یہاں تک کہ اس عبادت وغلامی میں بھی جس کا ابھی تجھ سے وعدہ کیا ہے، تیری ہی توفیق اور تیری ہی مدد کے طالب ہیں۔ **وما توفيقي الا بالله۔** ☆☆

نئے مسائل کے حل کی اساس

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

علمی تحقیق وتنقید زندگی کی علامت ہوتی ہے اوراس سے علم وقوم کو جلاملتی ہے، یہ اس امت کا امتیازی وصف ہے۔ اوراس کی پوری تاریخ میں یہ تسلسل مختلف سطحوں پر جاری رہا ہے اور مستقبل میں بھی زندگی کے ساتھ اسلامی شریعت کی ہم آہنگی اسی علمی تنقیح وتحقیق سے وابستہ ہے۔

آج جس طرح کے انتہائی پیچیدہ مسائل سے ہم دو چار ہیں اور امت مسلمہ جن جدید مشکلات کے شرعی حل کے لئے علماء امت کی طرف دیکھ رہی ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اسلامی شریعت میں ایسے اصول وہدایات اور ایسی بنیادی رہنمائیاں موجود ہیں جن سے ان مسائل ومشکلات کا حل نکالا جاسکتا ہے ہمارے لئے یہ بھی مقام اطمینان ہے کہ اسلام کے دوراولیں اور صحابہ کرام وتابعین عظام سے لے کرائمہ مجتہدین، فقہاء ومحدثین اور اسلاف امت تک نے نئے مسائل کے حل کے باب میں ہمارے لئے واضح نقوش راہ چھوڑے ہیں، اور ہم کو آج بھی ان راہوں پر چل کر اوران مناہج کو اپنا کر مسائل کا حل نکالنا چاہئے۔

مسائل پر غور وخوض میں سب سے پہلا مرحلہ مسائل کی تنقیح وتصویر کشی کا ہے، اس پہلو سے ہم دیکھتے ہیں کہ جو مسائل ہمارے سامنے پیش آرہے ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں:

ایک قسم ان مسائل کی ہے جو آج کی پیداوار نہیں بلکہ قدیم ہیں لیکن وہ آج نئے نام کے ساتھ اورنئی شکل میں سامنے آئے ہیں، جیسے حرام مشروبات کی نئی اقسام، سودی کاروبار کی نئی شکلیں، ظلم واستحصال کے نئے ہتھکنڈے۔

دوسری قسم ایسے مسائل کی ہے جو پہلے سے موجود تھے لیکن ان سے شریعت کا جو مقصود تھا آج وہ پورا نہیں ہورہا ہے بلکہ اس کے برعکس عدل کی جگہ پر ظلم مرتب ہورہا ہے، جیسے اولیاء کے اختیارات، شوہروں کے ظالمانہ تصرفات، کرنسی کی قوت خرید میں گراوٹ سے پیدا ہونے والی مشکلات۔

تیسری قسم میں ایسے مسائل ہیں جو عرف اور رواج کی تبدیلی سے پیدا ہوئے ہیں، پہلے جو عرف تھا اس کے مطابق احکام دئے گئے تھے، لیکن اب عرف بدل گیا ہے جیسے معاملات اور تجارت میں نئے نئے عرف کا عموم، نکاح سے متعلق مختلف امور میں بدلتا عرف وغیرہ۔

چوتھی قسم ان مسائل کی ہے جو اصلاً تو قدیم ہیں لیکن ان کے وسائل اور ذرائع جدید ہیں، جیسے سفر کے جدید ذرائع اوران سے پیدا ہونے والے مسائل، کھانے پینے کے جدید وسائل، ثبوت وتفتیش کے جدید طریقے، اعلان واشتہار کے جدید وسائل وغیرہ۔

پانچویں قسم میں ایسے مسائل آتے ہیں جو جدید نظام حکومت اور مخلوط آبادیوں میں اصولی نوعیت کے پیدا ہورہے ہیں جیسے غیر مسلم حکومت کے ماتحت بسنے والی مسلم اقلیتوں کے متنوع مسائل۔

چھٹی قسم ایسے مسائل کی ہے جو جدید ترقیات کے نتیجہ میں نئے پیدا ہوئے ہیں، قدیم اسلامی معاشرہ ان سے ناآشنا تھا، جیسے میڈیکل سائنس کے میدان میں ہونے والی حیرت انگیز ترقیاں، کلوننگ، مصنوعی بار آوری، اعضاء کی پیوند کاری،

انشورنس، شیئرز، بلڈ بنک سے آگے بڑھ کر منی بنک، تجارت کے جدید تصورات، قبضہ کی نئی شکلیں، معاہدات کے جدید طریقے، جنگ وحرب میں استعمال ہونے والے نئے آلات واسلحے، دفاع اوراحتجاج کے جدید طریقے وغیرہ۔

ان مختلف قسم کے مسائل میں اسلامی حل کی جستجو وتلاش یکساں نہیں ہوگی، بلکہ ہر قسم کی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت کے اصول وکلیات اور روح ومزاج کے مطابق احکام دئے جائیں گے۔

اہل علم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ شریعت پوری کی پوری عدل ومصلحت پر مبنی ہے، احکام شرع لوگوں کے مصالح کے لئے مرتب ہوئے ہیں، مشہور عالم وفقیہ علامہ شاطبی لکھتے ہیں: ''ان الاحکام شرعت لمصالح العباد''

(بے شک احکام شرعیہ بندوں کے مصالح کے لئے مشروع ہوئے ہیں) (الموافقات ۲/۲۶۸)۔

علامہ ابن القیم کی یہ عبارت آپ کے پیش نظر ہوگی: ''فان الشریعة مبناها واساسها علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد، وهی عدل کلها ورحمة کلها ومصالح کلها وحکمة کلها، فکل مسئلة خرجت عن العدل الی الجور وعن الرحمة الی ضدها وعن المصلحة الی المفسدة وعن الحکمة الی البعث فلیست من الشریعة وان ادخلت فیها بالتاویل ''(اعلام الموقعین ۳/۱۱)۔

(بے شک شریعت کی اساس وبنیاد بندوں کی ان مصلحتوں اور حکمتوں پر ہے، جوضروریات زندگی اورآخرت میں پیش آتی ہیں۔اور یہ پوری شریعت عدل، رحمت، مصالح اور حکمت ہے۔ چنانچہ کوئی بھی مسئلہ عدل سے نکل کرظلم کی طرف اور رحمت سے اس کی ضد کی طرف، اورمصلحت سے بگاڑ کی طرف اور حکمت سے بیکاری کی طرف چلا جائے تو وہ شریعت میں سے نہیں رہے گا۔خواہ اس کو تاویل کر کے شریعت میں داخل کردیا گیا ہو (اعلام الموقعین)

تمام احکام شرع کا مقصود صرف پانچ مقاصد کی تکمیل ہے یعنی انسان کے دین، جان، مال عقل اور آبرو کا تحفظ۔ نیز احکام شرع تمام کے تمام یکساں مرتبہ ودرجہ کے نہیں ہیں، بلکہ شرعی احکام کے مراتب اورمدارج مختلف ہیں، اوران کی رعایت میں ذرا سی کوتاہی شریعت کی روح سے بہت دور لے جاسکتی ہے، ان مدارج احکام کا تعلق حالات کے فرق اور اشخاص کے فرق سے بھی ہے، تمام احوال کے لئے اور تمام اشخاص کے لئے ایک ہی مسئلہ میں احکام یکساں نہیں ہوسکتے۔

تیسری اہم ترین بات یہ ہے کہ شریعت کا جو سرمایہ ہمارے سامنے ہے ان میں کچھ مسائل منصوص ہیں اور کچھ غیر منصوص واجتہادی، جن میں اجتہاد جاری رہے گا، نہ تو منصوص مسائل کو غیر منصوص کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور نہ غیر منصوص کومنصوص کا، منصوص مسائل میں بھی کچھ ایسے ہیں جن کی بنیاد کسی علت یا کسی عرف پر ہے اوراس علت یا عرف کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آسکتی ہے۔

علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں ایسی متعدد احادیث کو یکجا کیا ہے جن میں صاحب شرع علیہ الصلاۃ والسلام نے احکام کے علل اوران میں مؤثر اوصاف کا ذکرفرمایا ہے، ابن القیم کے الفاظ ہیں: ''وقد ذکر النبی صلی الله علیه وسلم علل الاحکام والاوصاف المؤثرة فیها لیدل علی ارتباطها وتعدیها بتعدی اوصافها وعللها ''

(اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام کی علتوں اورایسے اوصاف کو بیان فرمادیا ہے جواحکام میں موثر ہیں تاکہ احکام کے ساتھ ان کے ارتباط اور اوصاف وعلل کے متعدی ہونے سے احکام بھی متعدی ہونے پر وہ دلالت کرے) آگے وہ لکھتے ہیں کہ: ''وقد کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یجتهدون فی النوازل ویقیسون بعض الاحکام علی بعض ویعتبرون

النظیر بنظیرہ" (اعلام الموقعین ۱/۱۵۵)۔

(اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ اور جدید مسائل میں اجتہاد کرتے تھے اور بعض احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے۔ اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کا اعتبار کرتے تھے)۔

احکام پر عادات ورواج کی اثر اندازی سے متعلق علامہ شاطبی تحریر فرماتے ہیں: العوائد أیضا ضربان بالنسبة الی وقوعها في الوجود، أحدهما العوائد العامة التي لا تختلف بحسب الأوالحزن عصار والأمصار والأحوال كالأكل والشرب والفرح والحزن. و الثاني العوائد التي تختلف بحسب الأعصار والأمصار والأحوال كهيئات اللباس والمسكن وأما الثانی فلا أن يقضي به على من تقدم البتة حتى يقوم دليل على الموافقة من خارج فإذا ذاك يكون قضاء على ما مضى بذلك الدليل لا بمجرى العادة" (الموافقات ۲/۲۰۹)۔

(خارج میں وقوع کے اعتبار سے عادات ورواج کی دو قسمیں ہیں۔) ان میں پہلی قسم وہ عام عادات ہیں جو حالات و زمانے اور شہروں کے اعتبار سے نہیں بدلتے ہیں، جیسے کھانا، پینا، خوشی وغمی۔ اور دوسری قسم وہ عادات ہیں جو احوال وزمانے اور شہروں کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں جیسے لباس ومسکن کی کیفیات..... رہی دوسری قسم تو یقینی طور پر گزرے ہوئے پر اس کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہاں کہ خارج سے اس کی موافقت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔ پس یہ اس دلیل کے ذریعہ گزرے ہوئے پر فیصلہ کرنا ہوگا نہ کہ عادات کے جاری ہونے سے)۔

اور علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں: إن فی نزع الناس عن عاداتهم حرجا عظيما " (بلاشبہ لوگوں کو ان کی عادات سے نکالنے میں حرج عظیم ہے) (نشر العرف)۔

دوسری جانب ہمارے شرعی سرمایہ میں جہاں کچھ ایسے مسائل ہیں جن پر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہے، اور ان میں کوئی نئی رائے اپنانا خرق اجماع ہوگا، وہیں کچھ دوسرے مسائل بھی ہیں جن میں علماء امت میں اختلاف رہا ہے، ایک مسئلہ میں دورائیں یا متعدد آراء رہی ہیں اور ہر رائے کے قائلین میں بڑے مجتہدین اور ان کے دلائل ہیں، بلکہ متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں دور صحابہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی شاہکار تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں صحابہ کے اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ: فرأى كل صحابي مايسره الله له من عبادته وفتاواه وأقضيته فحفظها عقلها وعرف لكل شئ وجها من قبل حفوف القرائن به فحمل بعضها على الإباحة وبعضها على النسخ لأمارات وقرائن كانت كافية عنده "۔ آگے لکھتے ہیں:" فكثرت الوقائع ودارت المسائل فاستفتوا فيها فأجاب كل واحد حسبما حفظه أو استنبط وإن لم يجد فيما حفظه أو استنبط ما يصلح للجواب اجتهد برايه وعرف العلة التی رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها الحكم في منصوصاته فطرد الحكم حيثما وجدها لا يألو ا جهدا في موافقة غرضه عليه الصلاة والسلام فعند ذلك وقع الاختلاف بينهم (حجة الله البالغة ۱/۱٤۱)

(پس ہر صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ کی عبادت، آپ کے فتاوے اور آپ کے فیصلوں میں سے جو کچھ اللہ نے میسر کیا ان کو دیکھا پھر انہوں نے اسے یاد کیا اور اسے سمجھا ہر شی کی دلیل کو اس کے قرائن کی مدد سے جانا)

چنانچہ انہوں نے آپ کے بعض اعمال کو اباحیت پر محمول

کیا اور بعض کو نسخ پر ان علامات اور قرائن سے جو ان کے پاس مہیا اور کافی تھے۔

پھر واقعات کثرت سے پیش آنے لگے اور پے در پے مسائل پیش ہونے لگے ان سے مسائل میں دریافت کیا گیا تو ہر ایک نے اس کے مطابق جواب دیا انہوں نے محفوظ یا استنباط کیا تھا اور اگر اپنے محفوظ اور استنباط کئے ہوئے میں ایسا نہیں پایا جو جواب کے لائق ہو تو اپنی رائے سے کوشش کی اور اس علت کو تلاش کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان کردہ احکام کی بنا رکھی تھی، پس جہاں کہیں وہ علت ملی حکم کو وہاں نافذ کیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ کی غرض تک پہونچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور یہیں سے مسائل میں اختلاف واقع ہوا)

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی نے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے تابعین اور بعد فقہاء کے مابین دلائل کی بنیاد پر متعدد مسائل میں اختلافات واقع ہوئے، وہ لکھتے ہیں: ''وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة ومنهم من لا يقرؤها ومنهم من يجهر بها ومنهم من لا يجهر بها وكان منهم يقنت في الفجر ومنهم من لا يقنت في الفجر ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ من اكل لحم الإبل ومنهم من لا يتوضأ من ذلك'' (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۹)

(اور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں بعض حضرات بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔ اور ان میں سے بعض بسم اللہ جہراً پڑھتے اور بعض جہراً نہیں پڑھتے۔ بعض فجر میں دعاء قنوت پڑھتے اور بعض قنوت نہیں پڑھتے۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جو قئی کرنے، نکسیر پھوٹنے اور حجامت سے وضو کرتے تھے اور بعض ان چیزوں سے نہیں کرتے تھے اور ان میں سے بعض مس ذکر اور شہوت کے ساتھ عورت کو چھونے سے وضو کرتے تھے، اور بعض ان چیزوں سے وضو نہیں کرتے تھے ان میں سے بعض اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے)۔

بلکہ علامہ ابن القیم نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ دور رسالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی صحابہ کرام نے مختلف مسائل میں حسب ضرورت اجتہاد کیا اور آپ نے انہیں منع نہیں فرمایا، ابن القیم کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''وقد اجتهد الصحابة في زمن النبي صلى الله عليه وسلم في كثير الأحكام ولم يعنفهم۔''

(نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ نے بہتیرے احکام میں اجتہاد کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا اور نہ ان کے ساتھ سختی کی)۔

اس کے بعد ابن القیم نے مثالیں دی ہیں کہ غزوہ احزاب میں صحابہ کو حضور نے ہدایت دی کہ قبیلہ بنو قریظہ میں نماز عصر پڑھیں اور اس حکم کی تطبیق میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بچہ پر تین اشخاص کے جھگڑے میں قرعہ اندازی سے ایک کے لئے بچہ اور بقیہ دو کے لئے پہلے شخص پر ایک ایک تہائی دیت کا فیصلہ کیا۔ بنو قریظہ کے مسئلہ میں حضرت سعد بن معاذ نے فیصلہ کیا۔ دو صحابہ کو سفر میں وضو کی ضرورت پیش آئی اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں نے نماز پڑھ لی، پھر وقت کے اندر پانی ملا تو ایک نماز کا اعادہ کیا اور دوسرے نے نہیں۔ ان تینوں معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے تائید فرمائی اور ان کے اختلاف پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا (اعلام الموقعین ۱/۱۵۵)۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلاف رائے ہوا، جس کے مختلف اسباب رہے، لیکن چونکہ سبھوں کے پیش نظر اتباع شریعت تھی، اور ہر صاحب رائے کسی شرعی دلیل پر ہی اپنی رائے کی بنیاد رکھتا تھا اس لئے یہ اختلاف بڑی خوش دلی سے گوارا کئے جاتے رہے جب بھی اپنی رائے کے خلاف دوسری رائے زیادہ قوی اور کتاب وسنت سے اقرب نظر آئی، بلاکسی تاخیر کے انہوں نے دوسری رائے قبول کرلی، لیکن جب تک اپنی رائے ہی مدلل اور راجح محسوس ہوتی رہی اپنی رائے پر اصرار کے باوجود دوسروں کی آراء کا بھرپور احترام کیا جاتا رہا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: ''ومع هذا فكان بعضهم يصلى خلف بعض مثل ما كان أبو حنيفة وأصحابه والشافعي وغيرهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم وإن كانوا لا يقرأون البسملة لا سراً ولا جهرًا، وصلى الرشيد إماما وقد احتجم، فصلى الإمام أبويوسف خلفه ولم يعد، وكان أفتاه الإمام لا بأنه مالك وضوء عليه، وكان أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة، فقيل له: فإن كان الإمام قد خرج منه الدم ولم يتوضا هل تصلى خلفه؟ فقال كيف لا أصلى خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب، وروى أن يوسف ومحمد كانا يكبر ان في العيدين تكبير ابن عباس لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده... وفي البزازية عن الإمام الثاني وهو أبو يوسف أنه صلى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام وصلى بالناس وتفرقوا، ثم أخبر بوجود فارة ميتة في بئر الحمام فقال: إذا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا'' (حجة الله البالغة ۱/۱۵۹)۔

اس کے باوجود بعض حضرات بعض کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جیسے حضرت امام ابوحنیفہ، اور ان کے اصحاب اور امام شافعی وغیرہ ائمہ مدینہ یعنی مالکیہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ یہ حضرات بسم اللہ نہ سراً پڑھتے تھے اور نہ جہراً۔ اور ہارون رشید نے امامت کی درانحالیکہ انہوں نے پچھنہ لگوا رکھا تھا۔ پس امام ابویوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز نہیں دہرائی۔ امام مالک نے یہ فتوی دیا تھا کہ پچھنہ لگوانے سے وضو لازم نہیں ہوتا۔ اور امام احمد بن حنبل کی رائے یہ تھی کہ نکسیر پھوٹنے اور پچھنہ کے بعد وضو کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ اگر امام کے جسم سے خون نکل گیا ہو اور اس نے وضو بھی نہ کیا ہو تو ایسے امام کے پیچھے آپ نماز پڑھیں گے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں۔ اور مروی ہے کہ امام ابویوسف اور امام محمد عیدین میں ابن عباس والی تکبیر کہتے تھے اس لئے کہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر پسند کرتے تھے۔

اور فتاوی بزازیہ میں امام ابویوسف سے منقول ہے کہ انہوں نے حمام میں غسل کرکے جمعہ کی نماز پڑھی اور امامت بھی کی، پھر لوگ ادھر ادھر چلے گئے۔ اس کے بعد کسی حمام کے کنواں میں مرے ہوئے چوہے کی خبر دی، تو انہوں نے کہا کہ اس وقت ہم اپنے بھائی یعنی اہل مدینہ کے اس قول کو اختیار کریں گے کہ ''إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا'' (جب پانی کی مقدار دو قلے ہو تو وہ ناپاک نہیں)۔

ان مقتدی اسلاف کی پاکیزہ سیرت میں خوشہ چینان علم کے لئے بڑا درس اور سبق ہے، انہوں نے اپنے عمل اور طریقہ سے سکھایا ہے کہ امت کی بہت سی دشواریوں اور مشکلات کے ازالہ میں اسلاف کی ان مختلف آراء سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اگر امت کسی حرج اور تنگی میں ہے تو شریعت اس حرج کو دور کرتی ہے، "الحرج مدفوع" (تنگی دور کی جائے گی) فقہی قاعدہ ہے، جو قرآن کریم کی اس ہدایت پر مبنی ہے کہ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (حج/۷۸) (اللہ تعالی نے تمہارے دین میں کوئی حرج وتنگی پیدا نہیں کیا ہے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو یہی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: تھا "بشرا ولا تنفرا یسرا ولا تعسرا" (خوشخبری سناؤ اور تنفر مت کرو۔ آسانی وسہولت کا معاملہ کرو اور تنگی وحرج مت پیدا کرو) اور اسی کی روح فوت ہوتی محسوس کر کے آپ نے حضرت معاذ کو تنبیہ فرمائی تھی کہ "افتان یامعاذ"

پس امت سے حرج کا ازالہ اور تنگی کی دوری اہل علم کی ذمہ داری رہی ہے اور علماء دین نے ہر عصر میں اپنے عظیم وسیع فقہی سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ذمہ داری کو انجام دیا ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نصوص محدود ہیں اور واقعات لا محدود تو ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ روز مرہ زندگی میں ایسے واقعات اور مشکلات پیش آسکتی ہیں جن کا صریح حکم نصوص شریعت میں موجود نہ ہو، اور اسی طرح یہ بات تو بدرجہ اولی ممکن ہے کہ کسی ایک مجتہد وفقیہ یا ایک فقہی مسلک کی آراء سے تمام مسائل زندگی کا احاطہ نہ ہو رہا ہو، ہم اپنے اسلاف کی تحقیقات اور ان کی آراء کا مطالعہ کریں تو ایسے مسائل ہمارے مطالعہ میں آئیں گے جن میں ایک فقہی رائے جو اگر چہ کسی وقت بہت مناسب وہم آہنگ رہی ہو لیکن حالات کی تبدیلی کے نتیجہ میں اس رائے سے امت کی مشکلات اور حرج کا ازالہ نہیں ہوتا، وہیں پر دوسری فقہی رائے ایسی موجود ہے جس سے حرج دور ہو جاتا ہے، یہ صورت حال فقہی مسلک کی مختلف آراء کے درمیان بھی پیش آسکتی ہے اور مختلف فقہی مسالک کے درمیان بھی۔

اصحاب علم و دانش اچھی طرح واقف ہیں کہ خود ہندوستان میں محقق وبالغ نظر علماء کرام نے اپنے وقت کے پیچیدہ مسائل اور سخت مشکلات میں اختلاف آراء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسئلہ کا حل نکالا ہے اور بسا اوقات لوگوں کو ارتداد کا شکار ہونے سے بچالیا ہے، مجدد وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ہندوستان اور حجاز کے معاصر علماء کے مشورہ سے مظلوم خواتین کے متعدد مسائل کا حل فقہ مالکی کی روشنی میں نکالا، جنہیں "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" میں دیکھا جاسکتا ہے، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بالغ نظر رفقاء کرام نے دارالقضاء امارت شرعیہ میں فسخ وتفریق کے متعدد مسائل میں دیگر فقہی آراء سے استفادہ کرتے ہوئے مظلوم خواتین کی جہنم زار زندگیوں کو اسلامی نظام رحمت کا خوشگوار سایہ عطا کیا۔

آج جن حالات میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ مشکلات اور مسائل بھرے حالات ہیں، آج صرف بہت سارے عرف اور رواج بدلتے جارہے ہیں، حالات میں تبدیلی آرہی ہے بلکہ انسانی سوچ اور تصورات میں بھی انقلاب آرہا ہے، ایسے ایسے واقعات پیش آرہے ہیں جن کا پہلے تصور بھی محال تھا، اسلام نے جن امور میں اجتماعی نظم قائم کر کے اور فرائض، حدود کی ترتیب بنا کر عادلانہ نظام پیش کیا تھا، آج ہم ان اجتماعی ذمہ داری اٹھانے والے عناصر سے محروم ہیں، غیر اسلامی نظام کو

حکومت کے تحت پیش آنے والے مسائل ومشکلات ان پر مستزاد ہیں، یہ صورت حال ہمارے اصحاب افتاء اور فاضل علماء کرام سے مخفی نہیں ہے، حالات کی سنگینی کا اندازہ انہیں یقیناً ہے، اور چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں فقہ اسلامی کا جو عظیم الشان اور قیمتی سرمایہ ہمارے اسلاف عظام نے تیار کیا ہے (اللہ ان کی روحوں پر رحمتیں وبرکتیں نازل فرمائے) ان کی روشنی میں انشاء اللہ یہ مسائل اور مشکلات بھی حل ہوتی رہیں گی۔

اس وقت کا سب سے عظیم مسئلہ تہذیبی یلغار ہے اور ذرائع ابلاغ کا استعمال کرکے اسلام کی شبیہ بگاڑنے کا ہے، مغربی تہذیب، بلکہ اب مشرکانہ تہذیب بھی حملہ آور اور اقدامی پوزیشن میں ہے اور مسلمانوں کو معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کرنے پر مجبور کررہی ہے، علماء وفقہاء اسلام کے لئے یہ وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک اور حکومتیں جو ہار چکے سو ہار چکے لیکن وحی نبوت کے ذریعہ ملنے والی ان تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو کسی قیمت پر ضائع نہیں ہونے دیں، حکومتوں کی ہار سے زیادہ بڑا مسئلہ تہذیبوں، اعتقادات اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی ہار کا ہے۔

مسئلہ کی سنگینی اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ جدید تہذیب سے خود مسلم آبادی اس طرح متاثر ہوئی ہے کہ ہم علمی زندگی میں ان تمام اقدار کو قبول کر چکے ہیں، جو مغرب سے آئی ہیں یا شرک مراکز سے آئی ہیں، عمل پہلے بگڑا ہے تو پھر اعتقادات کی حفاظت بہت مشکل ہے، پس شریعت سے گریز، اس کی احکام پر عمل درآمد سے فرار اور تہذیب حاضر کی چکا چوند کی وجہ سے جو گمبھیر مسائل پیدا ہوئے ہیں اور ان میں امت کی صحیح رہنمائی کرنا ہمارا فرض ہے اور جو مشکلات پیدا ہورہی ہیں شریعت کے ڈھانچہ میں رہتے ہوئے ان کو دور کرنا ہماری ذمہ داری ہے، ضرورت ہے تنقید اور تمحیص کے ذریعہ صالح عناصر کو مضر عناصر سے چھانٹ کر کیا قابل قبول ہے اور کیا قابل رد اس کا فیصلہ کیا جائے۔

بہر حال وقت کے اس عظیم الشان چیلنج کو گہرے مطالعہ اور شعور کے ساتھ اور اس فکری طوفان کو بہت غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے جس کے لئے حضرات علماء کو متوجہ کرنا ہی اپنا بڑا فرض سمجھتا ہوں۔ ☆☆☆

ازدواجی زندگی کے سلسلے میں
قاضی صاحب کے فرمودات

قرآن کی رہنمائی کا ماحصل یہ ہے کہ مرد کو انتقام کی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ اصلاح کی روش اپنانی چاہیے ظاہر ہے کہ انتقام اندھے جذبات پیدا وار اور غضب کا مظہر ہے، جذباتیت اور غیظ و غضب، اعتدال، ترتیب اور اس فہم وتدبر کے ساتھ نہیں چل سکتے، جو قومیت اور حاکمیت جیسی نازک ذمہ داری کے تقاضے ہیں۔

اس لئے قرآن نے مرد کو ہدایت کی کہ اگر عورت کی طرف سے نافرمانی محسوس کی جائے تو مرد کو اولا افہام وتفہیم اور وعظ وتذکیر کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔

سماجی مشاغل مساوات اور آزادی کے نام پر عورتوں کی شرکت ظاہر ہے کہ مغربی تہذیب وہ کے مفاسد ہیں جو عورت کی تخلیق کے مصالح کو مجروح کرتے ہیں، کلبوں اورر قص گاہوں میں عورت کی نمائش اور اس کااپنے گھر کی ذمہ داریوں سے فرار، مغربی تہذیب کا وہ منحوس تحفہ ہے جو آج پورے سماج کو خودکشی کے راستے پر لے جارہا ہے، اسلام ان رجحانات کی تائید کسی طرح نہیں کرسکتا۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

بیوی کی تادیب کے شرعی حدود

قرآن کریم نے عورت اور مرد کے تعلقات کی کیا نوعیت بتائی ہے؟ اس پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ''خاندان'' جو عورت اور مرد کے ازدواجی رشتے سے تشکیل پاتا ہے، اس میں مرد کی حیثیت قوام اور رئیس خانہ کی ہے اور کسی بھی خاندان میں شرعاً مرد کی حیثیت اس نقطہ مرکزی کی ہے، جس کی وجہ سے خاندان کی وحدت اور اس کا نظم برقرار رہتا ہے، اور اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو مرد کی بعض فطری اور خلقی صلاحیتیں جو خدا کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ اسے ملی ہیں، اور دوسرے ''مال'' جسے قرآن نے بعض مقامات پر ''قیاما'' (یعنی وہ ریڑھ کی ہڈی جس پر انسان کا نظام معاش قائم ہے) کہا ہے، مرد اسے حاصل کرتا اور خرچ کرتا ہے، یہی مفہوم ہے جسے قرآن نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ'' (سورۃ النساء/۳۴)۔

(مرد عورت پر قوام ہیں ان وجوہ کی بناء پر جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت عطاء کی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

اور عورتوں میں جو صفات مطلوب ہیں وہ ہے ان کی صلاح [illegible]ت و فرمانبرداری، رازداری اور عصمت کا تحفظ، یہ چند صفات اگر عورتوں [illegible] اور ''قوامیت'' کی وجہ سے جو ذمہ داریاں شوہر پر عائد ہوتی ہیں، وہ ان [illegible] کرے تو پرسکون زندگی کا حصول آسان ہو جائے گا۔

''فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ'' (النساء/۳۴)۔

(نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت گزار اور مرد کی عدم موجودگی میں مال و عصمت کی حفاظت کرنے والی ہیں، جیسا کہ اللہ نے ان کی حفاظت کی ہے)۔

لیکن عموماً یا تو اس وجہ سے کہ مرد اپنی قوامیت کے نشہ میں عورتوں سے حقوق تو طلب کرتا ہے، لیکن فرائض کو نہیں نبھاتا، یا اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑ دیتا ہے اور کبھی عورت صلاح کے بجائے فساد اور اطاعت کے بجائے نشوز کی راہ اختیار کرتی ہے، ایسی صورتوں میں ''گھر'' میں فساد اور ازدواجی زندگی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ عورت کی فطری کمزوری کے پیش نظر بار بار قرآن نے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے حقوق کی رعایت اور ان سے حسن سلوک کی فہمائش کی ہے، اور قرآن پاک نے اس غلط ذہن کی بھی بیخ کنی کر دی ہے کہ عورت صرف مرد کی اطاعت کے لئے پیدا ہوئی ہے، اور خود اس کے کچھ احساسات و جذبات اور حقوق نہیں جن کی رعایت مرد پر ضروری ہو۔

قرآن کہتا ہے کہ مرد کو فضیلت اور ایک درجہ قوامیت کا ضرور حاصل ہے، لیکن جہاں تک تعلق حقوق اور واجبات کا ہے وہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے مردوں پر ہیں۔

قرآن نے ایک جگہ کہا ہے:

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ'' (البقرہ/۲۲۸)۔

(عورتوں کے حقوق بھی اسی طرح ہیں جس طرح معروف طریقہ پر ان کے واجبات اور ذمہ داریاں ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک گونہ تفوق حاصل ہے)۔

اور دوسری جگہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

"وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا" (النساء/۱۹)۔

(ان کے ساتھ معروف طریقہ پر زندگی بسر کرو، اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالی اس میں بڑا خیر پیدا فرمادے)۔

معلوم ہوا کہ عورت میں اگر کچھ نقص بھی ہو تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے:

"عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: اکمل المؤمنین ایماناً، أحسنهم خلقا، وخيار كم خيار كم لنساء هم" (ترمذی ار۲۰۸، کتاب الرضاع)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ، آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے کامل الایمان وہ شخص ہے جو سب سے بہتر اخلاق کا حامل ہو اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک روا رکھنے والے ہوں)۔

نافرمان بیوی کی اصلاح کا اسلامی طریقہ:

مسئلہ کا ایک رخ تو یہ ہوا، لیکن اگر عورت کی طرف سے نشوز اور بے راہ روی کا خطرہ ہو تو مرد کیا کرے، اس بارے میں قرآن پاک نے اپنا حکیمانہ فیصلہ دیا ہے جو مرد کی قوامیت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، یعنی اولا وعظ ونصیحت اور سمجھانے کی راہ اختیار کرنی چاہئے، پھر اگر اس طرح عورت نہ سنبھلے تو اس کے احساسات کو جھنجھوڑنے کے لئے الگ سوئے، جس سے عملا اس کی ناراضی کا ظہور ہو، پھر اگر خدانخواستہ اس طرح بھی معاملہ اصلاح پذیر نہ ہو تو آخری درجہ میں تادیبا مارنے (ضرب) کی اجازت دی گئی ہے، لیکن واضح رہے کہ شریعت نے اسے آخری درجہ پر ہی گوارہ کیا ہے، قرآن کہتا ہے:

"وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ" (النساء/۳۴)۔

(جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو اور ان کی خواب گاہ الگ کردو اور ان کو مارو)۔

مگر اس کی اجازت کے ساتھ قرآن پاک نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ اگر اس طرح عورت اطاعت کی راہ پر لگ جائے تو خواہ مخواہ عورت پر ظلم وزیادتی کا بہانہ اور موقع مت تلاش کرتے رہو، قرآن نے اس تنبیہ کے ذریعہ انسانی فطرت کے ایک خاص نقص پر بند لگا دیا کہ کہیں ضد وعناد میں آکر مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانے لگے۔

"فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا" (سورۃ النساء/۳۴)۔

(اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف حیلے بہانے تلاش نہ کرو)۔

اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا کہ عورت پر جو ایک درجہ بڑائی تمہیں حاصل ہے اس کے استعمال کے وقت اللہ کی برتری اور کبریائی کو نہ بھولنا:

"اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا" (النساء/۳۴)۔

(بلاشبہ اللہ تعالی بہت بلند وبرتر ہے)۔

سرزنش کی اجازت ہے مگر بہتر نہیں:

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے لئے زود وکوب ضروری ہے، یا محض جائز، اور اگر محض جائز ہے تو اولی ضرب ہے، یا ترک؟

خازن نے متعدد روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اولی ترک ضرب ہے:

"ففی هذه الأحاديث دليل على أن الأولى ترك الضرب للنساء" (خازن)۔

(ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عورتوں کو مار پیٹ نہ کی جائے)۔

اور فقہائے حنفیہ نے اس کے محض جائز ہونے کی بنیاد پر جزئیہ مستنبط کیا ہے کہ اگر شوہر کی تعزیر وتادیب سے عورت ہلاک

ہو جائے تو اس کا خون ہدر نہیں ہوگا، اس لئے کہ مرد کے لئے عورت کی تادیب واجب نہیں، بلکہ محض مباح ہے اس لئے اس کی رعایت ضروری ہوگی کہ اس کو کوئی جسمانی نقصان نہ پہونچے، درمختار میں ہے:

''جس پر حد شرعی جاری کی گئی اور وہ ہلاک ہو گیا تو اس کا خون ہدر ہوگا، سوائے اس عورت کے جس کی اس کے شوہر نے مذکورہ طریقہ پر سرزنش کی اور اس کا انتقال ہو گیا، اس لئے کہ اس کی تادیب محض جائز ہے، لہذا سلامتی کی شرط کے ساتھ اس کی اجازت ہوگی، مصنف کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ شوہر کے لئے بیوی کو اصلا ضرر پہونچانا جائز نہ ہوگا''۔

سرزنش کب کرے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کون ایسے امور ہیں کہ اگر عورت ان کا ارتکاب کرے تو مرد کو حق حاصل ہوگا کہ وہ عورت کو زدوکوب کے ذریعہ تنبیہ کرے، اس بارے میں فقہاء نے تفصیلی بحث کی ہے، اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ:

الف۔عورت کے لئے شریعت اسلامیہ نے جس حد تک زینت و آرائش کی اجازت دی ہے وہ اس پر قدرت کے باوجود نہ کرے۔

ب۔غسل جنابت نہ کرے۔

ج۔شریعت نے عورت کو جن مواقع اور جن حقوق کی بناء پر شوہر کا گھر چھوڑنے کی اجازت دی ہے، ان کے موجود نہ ہوتے ہوئے بھی عورت گھر سے باہر نکل جائے۔

د۔عورت باوجودیکہ پاک ہے اور کوئی عذر شرعی موجود نہیں ہے، پھر بھی وہ شوہر کو اپنے نفس پر قدرت نہ دے۔

ان کتابوں سے جو متن کا درجہ رکھتی ہیں ان چار حالتوں میں شوہر کو ضرب کی اجازت ملتی ہے، بشرطیکہ سمجھانے پر بھی عورت اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے، بعض لوگوں نے ان چار اسباب کے ساتھ اور اضافہ بھی کیا ہے، مثلاً: عورت اپنے چھوٹے بچے کو رونے پر زدوکوب کرے، یا شوہر کی باندی کو غیرت اور جذبہ رشک میں زدوکوب کرے، یا شوہر کو سب وشتم کرے، یا اس کے کپڑے پھاڑ دے، یا لوگوں کو سنانے کے لئے زور سے بات کرے، یا غیر محرم سے پردہ نہ کرے، یا شوہر کے گھر کی ایسی چیزیں لوگوں کو بلا اجازت دے دے جن کے دینے کا عام رواج نہیں، اور بعض فقہاء نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ ایسی معصیت کے ارتکاب پر جس میں حد شرعی مقرر نہیں ہے، شوہر کو تادیب کا حق حاصل ہوگا۔

اور فقہاء نے اس کی بھی صراحت کر دی ہے کہ اگر عورت اپنے کھانے، کپڑے کا مطالبہ شوہر سے کرے اور اس میں انتہائی اصرار سے پیش آئے جب بھی مرد کو حق زدوکوب کا نہ ہوگا۔

ترک صلوۃ پر زدوکوب کا حق شوہر کو ہوگا، یا نہیں؟ اس میں اختلاف رائے ہے اکثر لوگ جواز کی طرف گئے ہیں، اور بہت سے لوگوں نے ناجائز ہونے کو ترجیح دی ہے،'' درمختار'' کی حسب ذیل عبارت ذہن میں رکھی جائے:

''آقا اپنے غلام اور شوہر اپنی بیوی کی سرزنش کرے گا، گو کہ وہ نابالغ ہی ہو، جیسا کہ عنقریب آئے گا جب کہ بیوی شرعی اعتبار سے جائز زینت اس پر قدرت کے باوجود چھوڑ دے، یا غسل جنابت نہ کرے، گھر سے اپنے کسی حق اور ضرورت کے بغیر نکلے، حیض سے پاک ہونے کے باوجود ہمبستری کے لئے آمادہ نہ ہو، اپنے نابالغ بچے کو رونے کے وقت مار پیٹ کرے، یا اس کی باندی کو حسد میں مارے اور اس نصیحت کا اثر قبول نہ کرے، یا اسے برا بھلا کہے، مثلاً: کہے اے گدھے، یا اس پر بددعا کرے، یا اس سے ایسی گفتگو کرے جو اجنبی لوگ سن لیں، یا اپنا چہرہ غیر محرم لوگوں کے سامنے کھولے، یا کسی غیر محرم سے گفتگو یا بدزبانی کرے، یا وہ چیزیں دے دے جو عادتاً بلا اجازت دی نہیں جاتیں، اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ گناہ جس میں کوئی مقررہ شرعی سزا نہیں ہے، تو شوہر اور آقا کو سرزنش کا حق ہوگا، لیکن اگر بیوی اپنا نفقہ یا کپڑا طلب کرے اور الحاح وزاری کرے تو شوہر کو سرزنش کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے کہ صاحب حق کو مطالبے کا حق ہے، اور نہ نماز چھوڑنے پر تعزیر کا حق ہے، اس لئے کہ اس کی منفعت کا تعلق مرد سے نہیں ہے، بلکہ خود عورت سے ہے'' (درمختار ۳/۷۷-۷۸)۔

مصنف کا قول "لا تتعظ بوعظه" پر شامی نے لکھا ہے کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ اولا تعزیر نہ کرے، بلکہ پہلے فہمائش کرنی چاہئے "وقوله لا تتعظ بوعظه مفاده انه لا يعزرها اول مرة"۔

واضح رہے کہ صاحب ''فتح القدیر'' نے شوہر کے ساتھ بدتمیزی اور اساءۃ ادب کو بھی ان مواقع میں داخل کیا ہے جہاں مرد کو حق زدوکوب کا حاصل ہے۔

سرزنش کی حدیں:

"یعزز المولی عبده، قال فی الفتح واذا اساء العبد الأدب حل لمولاه تادیبه و کذا الزوجة" (شامی ۴/۷۷)۔

(آقا اپنے غلام کی سرزنش کرے گا، ''فتح القدیر'' میں لکھا ہے کہ جب غلام اپنے آقا کے ساتھ بے ادبی کرے تو اس کے آقا کے لئے اس کی تادیب جائز ہے، اور ایسے ہی بیوی کی تادیب بھی درست ہے)۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد ایک اور اہم سوال رہ جاتا ہے کہ شوہر کو جس زدوکوب کی اجازت حاصل ہے اس کی کچھ حدود ہیں یا نہیں، اور اگر ہیں تو وہ کیا ہیں؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے ''ترمذی'' کی اس روایت کو سامنے رکھا جائے جس میں آنحضور ﷺ نے قرآن کریم کی مذکور الصدر آیت کو تلاوت کرتے ہوئے ضرب کو ''ضرب غیر مبرح'' کی قید کے ساتھ پابند فرمادیا ہے، آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بہت سی اور ہدایات کے ساتھ عورتوں سے حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے کہ تمہیں ان کے ساتھ اچھا ہی برتاؤ کرنا چاہئے، الا یہ کہ وہ کسی کھلے فاحشہ اور بے حیائی کا ارتکاب کرے، ایسی صورت میں ارشاد ربانی کے مطابق ان سے الگ سونے اور زدوکوب کرنے کی اجازت دی گئی ، لیکن فرمادیا گیا کہ یہ زدوکوب سخت نہیں ہونی چاہئے، اور نہ ان پر ظلم و زیادتی کے بہانے تلاش کرنا چاہئے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن سلیمان بن عمرو بن الأحوص قال: حدثنی أبی انه شهد حجة الوداع مع رسول الله فحمد الله وأثنی علیه، وذکرو وعظ فذکر فی الحدیث قصة، فقال: ألاوستوا صوابالنساء خیرا فانما هن عوان عندکم لیس تملکون فیهن شیئا غیر ذلك، الا أن یاتین بفاحشة مبینة، فان فعلن فاهجروهن فی المضاجع واضربوهن ضربا غیر مبرّح، فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا" (ترمذی ۱/۱۵۰، کتاب الرضاع)۔

سلیمان بن عمرو سے مروی ہے کہ مجھ سے میرے باپ نے نقل کیا ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے تھے، آپ ﷺ نے حمد و ثنا بیان فرمائی وعظ و نصیحت کی، پھر راوی نے حدیث میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے ، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا! عورتوں کے بارے میں میری نصیحت قبول کرو، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، وہ تمہارے پاس ہیں، تم ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھتے ، سوائے اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کریں، اگر وہ ایسا کریں تو ان سے بستر الگ کرلو، اور مارو جو تکلیف دہ نہ ہو، پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف حیلے بہانے تلاش نہ کرو۔

تکلیف دہ مار کی ممانعت:

اس روایت سے اتنا معلوم ہوا کہ مطلق ضرب کی اجازت نہیں، بلکہ ضرب غیر مبرّح کی ہے اور ضرب غیر مبرّح کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس طرح اپنی بیوی کو نہ مارے جیسے کوئی غلام یا باندی کو مارتا ہے۔

"عن عبد الله بن زمعة قال: قال رسول الله ﷺ: لا یجلد أحدکم امرأته، جلد العبد ثم یجامعها فی آخر الیوم، وفی روایة: فیجلد امرأته جلد العبد فلعله یجامعها فی آخر یومه" (متفق علیہ)۔

عبداللہ بن زمعہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو کوڑا نہ لگائے ، جیسے غلام کو کوڑے لگاتا ہے، پھر اس سے دن کے آخیر میں مباشرت کرے، اور ایک روایت میں ہے کہ اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ لگائے کہ شاید اس سے دن کے اخیر میں ہم آغوش ہوگا۔

اور دوسری روایت میں آنحضور ﷺ نے ابتدائی مرحلہ میں وعظ و نصیحت کی ہدایت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ باندیوں کو

جس طرح مارتے ہو اس طرح بیویوں کو مت مارو:

"عن لقيط بن صبرة قال: قلت: يا رسول الله ﷺ إن لي إمراة في لسانها شئ، يعني البذاء، قال طلقها، قلت، ان لي منها ولدا، ولها صحبة، قال: فمرها، يقول: عظها، فان يك فيها خيرا فستقبل، ولا تضربن ظعينتك ضربك أمتك" (ابوداؤد)۔

لقیط بن صبرہؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! میری ایک بیوی ہے جو بدزبان ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے طلاق دے دو، میں نے کہا: مجھے اس سے لڑکا ہے اور اس سے قدیم صحبت ہے، فرمایا: اس کو نصیحت کرو، اگر اس میں کچھ بھلائی ہوگی تو تیری نصیحت قبول کرے گی، اور اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مارو۔

اس روایت میں اس نکتہ پر ضرور نگاہ رکھی جائے کہ آنحضور ﷺ نے عورت کی بدزبانی پر طلاق دینے کی اجازت تو دی، لیکن شدید زدوکوب کو برداشت نہ فرمایا، اور یہ عین تقاضہ حکمت ہے کہ اگر حسن سلوک کے ساتھ ازدواجی تعلقات کا قیام ممکن ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ علیحدہ کر دینا اور رشتہ کا انقطاع اس سے بہتر ہے کہ عورت کو شدید زدوکوب کیا جائے، اور اپنی قوامیت کا ناجائز استعمال کیا جائے کہ اس طرح نفرت تو بڑھ سکتی ہے، اصلاح حال نہیں ہو سکتی۔

دوسری روایت میں آنحضور ﷺ نے چہرہ پر مارنے سے اور ایسی ضرب سے منع فرمایا ہے جو اسے داغ دار بنادے اور باعث قبح ہو اور خواب گاہ کی علیحدگی میں بھی پابند کر دیا کہ ایک گھر میں رہ کر عورت سے اظہار ناراضگی کے لئے الگ سوؤ لیکن گھر سے اسے باہر نہ کرو۔

"عن حكيم بن معاوية القريشي من أبيه قال: قلت: يا رسول الله ﷺ ما حق زوجة احدنا عليه قال ان تطعمها اذا طعمت و تكسوها اذا كتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا في البيت" (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ مشکوۃ)۔

حکیم بن معاویہ قریشی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، خود پہنو تو اسے بھی پہناؤ، چہرہ پر نہ مارو، نہ برا بھلا کہو، خواب گاہ علیحدہ کرو تو بھی گھر سے باہر نہ کرو۔

امام طحاوی نے "مشکل الاثار" میں اجازت ضرب و منع ضرب کی متعدد روایات بیان کرنے کے بعد یوں تطبیق دی ہے کہ ضرب مبرح کی ممانعت ہے اور ضرب غیر مبرح کی اجازت مخصوص حالات میں ہے (مشکل الآثار ۳/۲۱۰)۔

تفسیر خازن میں ارشاد ربانی "واضربوھن" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ضرب سے مراد ایسی مار ہے جو سخت نہ ہو اور عیب دار بنانے والی نہ ہو اور ضرب غیر مبرح کی مثال بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے مسواک، یا اس جیسی چیز سے مارنا بتایا ہے۔

بغویؒ نے اس قول کو سیدنا عطاء ابن ابی رباح کی طرف منسوب کیا ہے، خازن نے یہ بھی لکھا ہے کہ ضرب کسی ایک ہی حصہ جسم پر مسلسل نہ ہو اور چہرہ پر نہ مارے اور دس کوڑے سے زیادہ نہ مارے، اتنا کہنے کے بعد علماء کا قول نقل کرتے ہیں، رومال، یا ہاتھ سے مارے، کوڑے اور لاٹھی سے نہ مارے، اور خلاصہ یہی ہے کہ اس باب میں زیادہ سے زیادہ تخفیف ملحوظ رکھی جائے۔

"(واضربوھن) انہیں مارو، یعنی اگر خواب گاہ کی علیحدگی سے ان کی اصلاح نہ ہو سکے تو مارو ایسی مار کہ تکلیف دہ نہ ہو، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسواک وغیرہ سے مارو، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مارنا جائز ہے اور نہ مارنا بہتر ہے"۔

پس ان احادیث میں دلیل ہے کہ عورتوں کو مار پیٹ نہ کی جائے، پھر اگر تادیب کے لئے مارنے کی ضرورت ہی ہو تو زیادہ مار پیٹ نہ کرے، مار پیٹ مختلف جگہوں پر ہو، ایک ہی جگہ پر مسلسل نہ مارے، چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے، اس لئے کہ مظہر محاسن ہے اور مارنے کی مقدار دس کوڑوں تک نہ پہنچا دے جب کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ مناسب ہے کہ رومال اور ہاتھ سے مارے کوڑے، یا لاٹھی سے نہ مارے، حاصل یہ ہے کہ آخری درجہ تخفیف اس قضیہ میں بہتر

ہے" (تفسیر خازن)۔

اور شامی نے ایک مسئلہ کے ذیل میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ مرد کو ضرب فاحش کی کسی حالت میں اجازت نہیں ہے، لکھا ہے کہ ایسی ضرب جس سے ہڈی ٹوٹ جائے چمڑا پھٹ جائے داغ پڑ جائے اور جسم کالا ہو جائے ضرب فاحش میں داخل ہے۔

"قوله ضربا فاحشاً قيد به؛ لأنه ليس له ان يضربها فى التأديب ضربا فاحشا، وهو الذى يكسر العظم ويخرق الجلد، أو يسوده، كما فى التاتار خانيه" (شامی ۴/۷۷)۔

ضرباً فاحشاً کی قید لگادی گئی، اس لئے کہ اس کو تادیب میں "ضرب فاحش" کا حق حاصل نہیں ہے اور ضرب فاحش سے مراد ایسی مار پیٹ ہے جس سے ہڈی ٹوٹ جائے چمڑے پھٹ جائیں، یا سیاہ ہو جائیں، جیسا کہ فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہے۔

ان ساری تصریحات کے بعد اس کو ذہن میں رکھا جائے کہ مذکور الصدر مواقع جن میں شریعت نے مرد کو اجازت زدوکوب کی دی ہے، اگر ان میں شوہر نے حد مقرر سے زیادہ مارا، یا بغیر ان اسباب کے زدوکوب کیا جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان ہر دو صورتوں میں شوہر مستحق تعزیر ہوگا، شامی نے "بحر" کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"وصرحوا بانه اذا ضربها بغير حق وجب عليه التعزير .... اى وان لم يكن فاحشا" (حوالہ سابق)۔

فقہاء نے صراحت کردی ہے کہ بیوی کو ناحق مارے تو شوہر کی سرزنش کی جانی واجب ہے، گوکہ شوہر نے زیادہ نہ مارا ہو۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کا حق شرعی یہ ہے کہ اس کے نشوز پر اولاً اسے سمجھایا جائے نہ مانے تو ترک تعلق، یعنی ہجران کے ذریعہ اس کو سدھارنے کی کوشش کی جائے، یہ بھی کارگر نہ ہو تو مخصوص حدود کے اندر زدوکوب کیا جائے، عورت کا یہ شرعی حق ہے کہ بغیر حق اسے زدوکوب نہ کیا جائے، اور اگر عورت نشوز اور اوپر ذکر کئے گئے اسباب کے صدور کی وجہ سے شوہر کو زدوکوب کا حق حاصل ہو جائے تو حد مقررہ سے زیادہ زدوکوب نہ کرے، یہاں تک کہ اگر معمولی زدوکوب سے بھی وہ نہ سدھرے تو یا تو مرد اس کے اس نقص کے ساتھ بھی نباہ کرے، ورنہ طلاق دے کر علیحدہ کردے، مگر ضرب فاحش کی اجازت اسے نہیں دی جاسکتی۔

اب اس روشنی میں معاملہ زیر بحث کو ملاحظہ فرمایئے کہ بقول آپ کے شوہر کو اس کا اقرار ہے کہ اس نے ہاتھ سے، جوتے سے اور لاٹھی سے عورت کو زدوکوب ہی نہیں کیا، بلکہ باندھ کر لٹکا دیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ یہ ضرب غیر مبرّح کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، جب کہ میرے خیال میں یہ قطعاً بہیمانہ فعل ہے، اور باندھ کر لٹکا دینا تو ایسا ذلت آمیز فعل ہے جس کی کسی حالت میں شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی۔ یہ تو مرد کا اپنے اختیار کو ناجائز استعمال کرنا ہے، اور اللہ کے کمزور بندوں پر ظلم کے لئے راہیں نکالنے کے مرادف ہے، اللہ نے "معاشرت بالمعروف اور امساک بالمعروف" کا حکم کیا، آنحضور ﷺ نے عورت کے حق میں خیر کی وصیت فرمائی ہے، یہ حرکات ان ساری حدود کو توڑتی ہیں، لاٹھی کی مار ضرب مبرح ہے، اس سے اعضاء کے ٹوٹ جانے اور چمڑے کے پھٹ جانے کا خطرہ ہے، داغ کا پڑ جانا، جلد کا سیاہ پڑ جانا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے، اگر ایسی زدوکوب شوہر نے کسی حق اور جنایت پر بھی کیا ہو تو وہ مستحق تعزیر ہے، چہ جائے کہ یہ امر خود قابل بحث ہے کہ جسے وہ عورت کا قصور کہتا ہے، حقیقۃً قصور ہے بھی یا نہیں؟ اور پھر زدوکوب کے اقرار کے ساتھ ساتھ کہنا کہ فلاں قصور پر مارا محتاج ثبوت ہے کہ واقعۃً وہ قصور عورت سے صادر بھی ہوا یا نہیں، جس کے اثبات کی ذمہ داری مرد پر ہے کہ وہ اس معاملہ میں مدعی کی حیثیت رکھتا ہے، پس میرے نزدیک یہ صریح ظلم ہے جس کا رفع فریضہ قاضی ہے، اور اگر عورت اس ظلم وزیادتی سے عاجز ہو کر میکے میں رک جائے اور تسلیم نفس نہ کرے تو اس کا یہ اقدام منع واحتباس نفس بحق ہے، لہٰذا وہ ناشزہ نہیں ہوگی اور مستحق نفقہ ہوگی، اور اگر مرد نے نفقہ ادا نہیں کیا ہے تو عدم انفاق بھی باعث فسخ نکاح ہوگا، امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد مسئلہ صاف ہوگیا ہوگا۔

☆☆☆

قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

مرد اور عورت

یورپ نے کیا کیا؟ مرد کو فل سوٹ پہنایا اور عورت کو ننگا کرکے بازار میں گھمایا۔ آپ میں سے کوئی جائے گا تو یہ تماشا اس کی نظر سے دس بار گزرے گا، نہ موسم کا اس پر کوئی اثر ہے نہ کسی اور چیز کا۔ یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتے ہیں اور عدل کے معنی ہیں ہر شئی کو اس کے مناسب اس کا حق ادا کرنا۔ ہر چیز کی جو حقیقت ہے، جو اس کے تقاضے ہیں۔ جو اس کی اصل فطرت کے مناسب ہے وہ ذمہ داری سونپنا اور صحیح حق، حق دار تک پہنچا دینا۔ یہ دراصل عدل ہے، اسی لئے مرد یعنی شوہر (میں لفظ خاص کرکے بول رہا ہوں، اس لئے مرد بیٹا بھی ہے، باپ بھی اور شوہر بھی لیکن جب مردوں اور عورتوں کی بات چلتی ہے تو لوگ زندگی کے تمام دوسرے رشتوں کو بھول جاتے ہیں۔ وہ ماں جس کے پیروں تلے جنت رکھی گئی اور وہ بہن جس کی عزت و آبرو کا محافظ بھائی کو بنایا گیا، اور وہ بیٹی جس کی بہت بڑی ذمہ داری باپ پر ڈالی گئی ہے، اور جس کی محبت کے ساتھ پرورش کو جنت کی ضمانت قرار دیا گیا ہے۔ ان سب کو لوگ فراموش کر جاتے ہیں) پر ذمہ داری رکھی کہ تم کو کمانا ہے، تم ''قوام'' اور گھر کی ذمہ داری کے کفیل ہو، تم جاؤ کماؤ عورت کی کفالت کرو۔ یہ بات چاہے ہماری بہنیں کتنی ہی ناپسند کریں لیکن یہی فطرت انسانی کا تقاضہ ہے، جس معاشرہ میں عورتوں نے اس اصول سے انحراف کیا ہے وہاں عورتوں کی زبوں حالی کھلا ہوا واقعہ ہے۔ مرد نے جب عورت کا استحصال کیا اور اس کو اس کے جائز حقوق سے محروم کیا مرد نے عورت کو فیکٹریز میں پہونچا دیا اور خود ریٹائرمنٹ لے کر بیٹھ گئے۔ سوشل سیکوریٹی کا پیسہ کھا رہا ہے۔ غرض مرد اپنی ذمہ داریوں سے بھاگ رہا ہے، عورت بہت خوش کہ میں کمانے لگی۔ اس نے یہ نہیں سمجھا کے بچوں کی پرورش کون کرے گا؟ اب بچوں کے لیے گھر تلاش کیا جانے لگا۔ غیر عورتوں کے ہاتھ میں ہمارے بچے ڈال دئے گئے۔ یہ مغربی تہذیب کی وہ مصیبت ہے کہ بچوں کو ماں کا پیار نہیں مل پاتا اور کتنی ہی زبردست کرایہ پر لائی ہوئی عورت ہو، وہ بچوں کو ماں کی شفقت اور ماں کا پیار نہیں دے سکتی۔ اس کو کوئی بھی عورت اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر سمجھ سکتی ہے۔ کوئی غیر نہیں دے سکتا، اگر ماں نہیں دیتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آنے والی نسل برباد ہو رہی ہے۔ وہ منشیات میں اور گانے بجانے میں لگ رہی ہے۔ وہ ہپی بن رہی ہے مگر اس کا کوئی غم نہیں۔

میرے عزیز دوستو! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی قید نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انسانی نسل کی اس بربادی پر اگر آنکھ میں آنسو آسکتے ہیں تو حضور اقدسؐ کے آسکتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے جس ہمدردی، خیر خواہی اور انسانیت کی، دنیا و آخرت کی، فلاح و بہبود کی بات کہی وہ ساری کائنات انسانی کے لئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے دسترخوان بچھایا ہے، بلایا ہے سب کو۔ کوئی آیا اور کوئی نہیں آیا۔ نہیں آنے والوں کی فلاح کے لئے ہمارے آقا پریشان ہیں۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد۔ آج ہندوستان کی ہزاروں بیٹیاں تلک اور جہیز کی رسموں میں جلائی جا رہی ہیں۔ یہ جلائی جانے والی بیٹیاں بھی اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں جس طرح فاطمہ زہراء بیٹی ہیں، جس طرح آپ کے گھر کی کوئی خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہے۔ حضورؐ کا غم سب کے لئے ہے۔ حضورؐ کا دکھ سب کے لئے ہے۔ ☆☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

خطبات بنگلور

ضرورت نبوت

میرے دوستو! اس مسئلہ کے ایک اہم پہلو کی طرف آپ کو لے جانا چاہتا ہوں۔ آخر نبی کی ضرورت کیوں؟ ہمیں اللہ نے عقل دی، سمجھ دی۔ بے شک انسان فطری طور پر متمدن ہے۔ آج کی دنیا میں اس کو Social Animal کہتے ہیں۔ ابن خلدون نے اس کو مدنی الطبع لکھا ہے۔ یعنی کوئی آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ آدمی دس لوگوں کے بیچ رہنا چاہتا ہے اور ٹھیک بھی ہے۔ اس کو کھانا چاہیے، اس کو پانی چاہیے بیمار پڑے تو دوا چاہیے اور کوئی حملہ کرے تو مدافعت کا سامان چاہیے، رہنے کا گھر چاہیے، اکیلے سب کچھ کر نہیں سکتا ہے، بنا بنایا اگر گیہوں بھی مل جائے ہمیں تو اس گندم سے روٹی تیار کرنے کے لئے ضرورت ہے چکی کی، کہ اس میں پیسیں۔ برتن ہو جس میں گوندھیں اور چولہا جو جس پر پکائیں۔ تو ضرورت ہے لوہار کی، بڑھئی کی بھی، اس کی بھی جو برتن ڈھال دے، اس کی جو بھی پانی فراہم کرے اور اس کی بھی جو اینٹ اور مٹی کے چولہے سے لے کر گیس کے چولہے تک بنا دے۔ صنعت وحرفت کا کوئی شعبہ نہیں ہے جس سے انسان کو بے نیازی ہو۔ شیر کے پاس طاقت ہے، وہ اپنے دشمن کو خود مارتا ہے اور اپنی غذا فراہم کر لیتا ہے، چھوٹے چھوٹے جانوروں کو پہلے سے دفاع کا اور اپنے بچاؤ کا سامان دیا گیا ہے۔ تمہارے پاس تو کچھ نہیں۔ ہاتھ ضرور ہے، لیکن اس سے کتنا دفاع کرو گے۔

یہیں سے ضرورت پڑتی ہے ایک ایسے حاکم اور مالک کی جو دانا ہے، جو بصیر ہے، جو سمیع بھی ہے اور خبیر بھی، جو صاحب عدل ہے، جو ہم سب سے بالاتر ہے، جس کی بات ہم کو ماننا پڑے۔ اس خالق و مالک پر اعتقاد اور یقین اور اس کے ذریعہ حدود وحقوق اور تمہاری ذمہ داریوں کا تعین ضروری ہے۔ ''عقل انسانی'' ہوس اور غرض سے خالی نہیں ہوتی، جب اس کو قانون بنانے بٹھاؤ گے تو آج پارلیمنٹ میں قانون پاس ہوگا۔ اس سے پہلے وہ اپنی جائداد کا انتظام کرلے گا کہ کل کی تحدید کا اثر ہماری جائداد پر نہ پڑے۔ کچھ نہ کچھ ایسی رعایتیں رکھنا چاہے گا کہ جس سے اس کا گھاٹا نہ ہو۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ انسان انصاف قائم نہیں کرسکتا۔ دنیا کا دوسرا بڑا مسئلہ ہے امن اور سلامتی کا، جب یہ آپ کے تنافسات اور اغراض کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو امن اور سلامتی خطرہ میں پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک مافوق البشر خالق و مالک پر ایمان ضروری ہوتا ہے۔ پھر نبی آتا ہے۔ نبی تمہارے اندر سے ہوتا ہے یعنی وہ ایک انسان ہی ہوتا ہے، اسی لیے قرآن مجید نے کہا: **اذ بعث فیھم رسولا منھم** (آل عمران:۱۶۴) لیکن وہ اللہ کی طرف سے تعلیمات کا مجموعہ لے کر آتا ہے، نبی وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ میری فکر نہیں ہے، یہ میرا سوچا ہوا نہیں ہے۔ یہ میرے دماغ کی تخلیق نہیں ہے۔ میں اس کی بات کہتا ہوں جس نے ہم کو اور تم سب کو پیدا کیا۔ **انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین** (الانعام:۸۰) وہ کہتا ہے کہ میں اپنا کچھ لے کر نہیں آتا ہوں۔ میری زبان سے جو کچھ نکلے اسے میرا بول نہ سمجھنا۔ **وما ینطق عن الھوی** (النجم:۳) وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بولتا۔ **ان ھو الا وحی یوحی** (النجم:۴) وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بولتا، **ان ھو الا وحی یوحی** (النجم ۴) وہ اللہ کے پاس سے آئی ہوئی وحی بیان کرتا ہے۔ پس انسان نبوت سے اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغام سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اس کائنات میں امن کے قیام کے لئے سلامتی، عدل کے قیام کے لئے، ہر حقدار کو حق پہونچانے کے لئے ہر شخص کے ساتھ انصاف کے لئے، آدمی اور آدمی کے درمیان صحیح حقوق وحدود کو قائم کرنے کے لئے اس بالا ہستی کی طرف سے آیا ہوا پیغام ضروری ہے، جو ایک سچے اور امانت دار شخص کی زبانی آئے، جس کو نبی کہتے ہیں۔ جو اپنا کچھ نہ ملائے، جو کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے وہی بات کہے۔ ☆☆

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

خطبات بنگلور

کائنات کا نظام اتفاقی نہیں!

اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے انسانوں کی پرورش کے لئے سارا انتظام کیا ہے، یہ ساری کائنات بنی ہے انسانوں کی پرورش کے لئے، یہ سورج، یہ چاند تارے، یہ زمین، یہ برستے ہوئے بادل، جو کچھ بھی ہم دیکھ رہے ہیں، اس کائنات میں پھیلے ہوئے جانور اور تمام مخلوق، ہر چیز انسان کی خدمت، انسان کی پرورش اور انسان کی نگہداشت میں لگی ہوئی ہے۔ سورج اس لئے نکلتا ہے کہ وہ زندگی کی حرارت پیدا کرے، سورج کی گردش اور ۲۴ گھنٹہ اس کا سفر، یہ سفر یقین کیجئے اتفاقی نہیں ہے، چاند کا نکلنا اور غروب ہوجانا اور دوسرے ملکوں میں اس کا دکھائی پڑ جانا، تھوڑی سی دیر کے لئے زمین اور چاند کے درمیان سورج کا آجانا اور چاند کا دکھائی نہ دینا، اور پھر ایک ہلال بن کر عیاں ہونا، روزانہ آسمان پر تاروں کے قمقے کا جگمگانا، سمندر کا گرم ہونا، پھر بادلوں کا وہاں سے پانی اٹھانا اور دور دور کا سفر کرنا، کیا یہ سب بے ضرورت ہے؟ معاذ اللہ! کیا یہ سب کچھ اتفاقی ہے، یا اس کے پیچھے کسی حکیم کی حکمت اور مدبر کی تدبیر اور کسی رحمان کی رحمت، کسی رحیم کی مہربانی اور کمزوروں پر رحم کرنے والے اور ہماری فطرت وخلقت کو جاننے والے اس مالک کا کرم ہے جو علیم و خبیر اور سمیع وبصیر ہے اور وہ اپنے علم وخبر سے ہماری ضرورتوں کو جانتا ہے اور اپنی قدرت وحسن تدبیر سے اس پوری کائنات کی تخلیق فرما کر ہماری خدمت، نوکری اور چاکری میں اس نے پوری کائنات کو مشغول کر دیا ہے۔ ساری کائنات کی یہ خدمت گزاری اور تم اس کائنات کے بادشاہ، لگتا ہے کہ اے انسان! سب تمہارے کام میں لگے ہوئے مشغول ہیں، یہاں تک کہ شہد کی مکھی بھی کہتی ہے کہ مجھے بیکار نہ سمجھے گا، میں آپ کے لئے بڑی میٹھی اور مفید غذا بناتی ہوں اور میسور سلک، بہت خوبصورت اور نرم ونازک حریر دیبا کہتا ہے کہ مجھے پہچانتے ہیں آپ! کہ میں خدا کی ایک حقیر سی مخلوق ریشم کے کیڑوں کی پیداوار ہوں، یہ بھی آپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور سانپ، کیڑے پکار کر کہتے ہیں کہ مجھے بھی خالی مت سمجھئے، میں تو کلینز (Cheaner) ہوں، میں تو فضاء کی نا پاکیوں کو لے کر اپنے اندر سموتا ہوں تا کہ وہ زہر آپ کو نقصان نہ پہونچا جائے، مجھے آپ جتنا بھی زہریلا کہیں، یہ دراصل آپ کی حفاظت کا انتظام ہے، ورنہ آپ کے جسم اور آپ کی صحت کو نقصان پہنچے گا، میں جو یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں ایسے مواقع پر ایک سیدھا سا سوال پیدا ہوتا ہے کے اس ساری کائنات سے آخر کیوں آپ کی اتنی خدمت کرائی جائے؟ آپ میں کیا خوبی ہے آپ سے کیا مقصود ہے؟ کیوں شہزادوں کی طرح آپ کی پرورش ہو رہی ہے؟ کیا آپ صرف اس لئے آتے ہیں کہ کھایئے، پیجئے اور مریئے، نہیں یہ بات نہیں ہوسکتی اور نہ یہ بات درست ہوسکتی ہے کہ نیچر نے، سب کچھ بنا رکھا ہے، نیچر پرست ایک ایسے جامد خدا کو مانتا ہے جس میں نہ احساس ہے نہ شعور

ہے، نہ تدبیر، نہ فکر ہے، نہ علم ہے، نہ خبر، نہ سمع ہے، نہ بصر ہے۔

وہ ایک زندہ اور حی وقیوم خدا کو ماننا نہیں چاہتے، نیچر اور فطرت کی بات کرکے حی وقیوم خدا کا انکار کیوں کر عقل قبول کرتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے خالق، مدبر اور اس کا انتظام کرنے والے نے سب سوچا ہے، سمجھا ہے، بتایا ہے، اس نے کہا ہے کہ الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان الشمس والقمر بحسبان ''سورج اور چاند کی یہ رفتار اور ان کی یہ حرکت یہ سب حساب سے ہے، اور آج کی سائنس نے اس کا حساب کیا ہے، نہایت درست حساب ہے سورج اور چاند کی رفتار کا، اسی کو قرآن نے کہا'' الشمس والقمر بحسبان '' آج کی سائنس نے یہ بتادیا کہ یہ اتنا پختہ حساب ہے کہ جس میں کوئی کمی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی زیادتی، یہ سارا انتظام یوں ہی ہے۔ لوگوں! ہر چیز اتفاقیہ نہیں ہوتی، ہر شئی پر غور کرو تو اس کے پیچھے کوئی تدبیر نظر آتی ہے۔ اور کوئی فکر، کوئی قدرت آتی ہے، کوئی حکمت اور کمال نظر آتا ہے، وہ عقل کے اندھے ہیں جو اس ساری کائنات کو اتفاق کہہ کر اور مردہ نیچر کہہ کر اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرنا چاہتے ہیں، پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بنیاد یہی ہے، جس کو ہم توحید کہتے ہیں، افسوس ہے کہ ہم نے قرآن کو اور اللہ کی بتائی ہوئی چیزوں کو منتروں کی طرح پڑھنا شروع کیا ہے، ان کی حقیقتوں تک ہماری رسائی نہیں ہوتی، صرف اسماء حسنی پر اگر غور کرلو، ہر نام میں کتنی بڑی بات چھپی ہوئی ہے؟ آیت الکرسی کا کام تمہارے نزدیک محض یہ ہے کہ رات کو پڑھ لو تو جنات اور بھوت تم پر حملہ نہ کرے، میں نہیں کہتا کہ یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آیت الکرسی کی جو حقیقت ہے اس پر تم نے کیوں غور نہیں کیا۔

الله لا اله الا هو الحى القيوم لاتاخذه سنة ولا نوم ،له مافى السموات وما فى الارض من ذا الذى يشفع عنده الا باذنه يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم ولا يحيطون بشئى من علمه الا بما شاء وسع كرسيه السموات والارض ولا يؤده حفظهما وهو العلى العظيم (پارہ۳ آیت ۲۵۵)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ قائم ہے سب کا تھامنے والا، اسے نہ اونگھ آسکتی ہے اور نہ نیند، زمین وآسمان کی ساری چیزیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا ہے، کوئی ایسا نہیں جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے، وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے، جو خلقت کے روبرو ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ سب احاطہ نہیں کرسکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا وہی چاہے۔ گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو، اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا وہی سب سے برتر اور عظمت والا۔

وہ حی ہے یعنی حیات اس کے اندر سے ہے، اس کی حیات مانگی ہوئی نہیں ہے، حیات خود اس کے اندر ہے، قیوم ہے، اس کے بل پر سارا سنسار کھڑا ہے، تمام نظام کائنات قائم ہے۔ لاتاخذہ سنۃ ولانوم نہ اونگھ آتی ہے، نہ اس کو نیند آتی ہے، وہ ایسا اعلیٰ وعظیم خدا ہے کہ اس کی قدرت کائنات پر حاوی ہے، کوئی شئی اس سے باہر نہیں جاسکتی۔

میرے عزیزو! اگر قرآن کا اور خاص اسماء حسنی کا مطالعہ کریں نیز آیتوں کے آخر میں اللہ تعالی کی صفتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں، تو پھر اس لذت تک پہنچیں گے جس لذت کے بعد قرآن کے بغیر پھر آپ کو کوئی لطف اور کوئی مزا نہیں آئے گا۔ ☆☆☆

شخصی تعارف

نام : (قاضی) مجاھد الاسلام قاسمی

والد کا نام : مولانا عبدالاحدؒ قاسمی (شاگرد رشید شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ)

تاریخ پیدائش : ۹ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

عہدے اور ذمہ داریاں:

۱۔ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۲۔ بانی و سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

۳۔ چیف قاضی امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ

۴۔ سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل

۵۔ اکسپرٹ ممبر انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی، جدہ

۶۔ ممبر اسلامک فقہ اکیڈمی مکۃ المکرمہ

۷۔ نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، جھارکھنڈ

۸۔ چیرمین وفاق المدارس الاسلامیہ، بہار

۹۔ رکن اساسی شرعیہ بورڈ آف الامین اسلامک فائنانشیل فاؤنڈیشن

۱۰۔ ممبر المجمع العلمی العالی دمشق، شام

۱۱۔ رکن اعزازی الہیئۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، کویت

۱۲۔ سکریٹری مولانا سجاد ہاسپٹل، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

۱۳۔ ممبر گورننگ باڈی انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

۱۴۔ بانی و صدر المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ

۱۵۔ صدر مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، پھلواری شریف

۱۶۔ چیف ایڈیٹر، سہ ماہی بحث و نظر، نئی دہلی

۱۷۔ سرپرست ماہنامہ ملی اتحاد، نئی دہلی

تصنیفات و تالیفات:

۱۔ الوقف — بیروت، لبنان سے شائع شدہ (عربی)

۲۔ نظام القضاء فی الاسلام — بیروت سے شائع شدہ (عربی)

۳۔ قضایا فقہیہ معاصرہ (عربی)

۴۔ فقہ المشکلات (عربی)

۵۔ الذبائح (عربی)

۶۔ صنوان القضاء وعنوان الافتاء (چار ضخیم جلدیں کویت سے شائع شدہ) (عربی)

۷۔ دراسۃ فقہیہ (عربی)

۸۔ دراسۃ علمیہ (عربی)

۹۔ بحوث فقہیہ (انگریزی)

۱۰۔ میڈیکل ایشوز (انگریزی)

۱۱۔ اسلامی عدالت — پاکستان و ہندوستان سے شائع شدہ (اردو)

۱۲۔ مجلہ فقہ اسلامی — جلد اول (اردو)

۱۳۔ مجلہ فقہ اسلامی — جلد دوم (اردو)

۱۴۔ مجلہ فقہ اسلامی — جلد سوم (اردو)

۱۵۔ مجلہ فقہ اسلامی — جلد چہارم (اردو)

۱۶۔ مجلہ فقہ اسلامی — جلد پنجم، دو حصے (اردو)

۱۷۔ مجلہ فقہ اسلامی — جلد ششم، دو حصے (اردو)

۱۸۔ ضرورت و حاجت (اردو)

۱۹۔ اشتراط فی النکاح (اردو)

۲۰۔ طبی اخلاقیات (اردو)

۲۱۔ خطبات بنگلور (اردو)

۲۲۔ فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول (اردو)

۲۳۔ فتاویٰ امارت شرعیہ جلد دوم (اردو)

۲۴۔ اوقاف (اردو)

۲۵۔ حج و عمرہ (اردو)

۲۶۔ جدید تجارتی شکلیں (اردو)

۲۷۔ ولایت نکاح (اردو)

۲۸۔ بیع بالتقسیط (اردو)

۲۹۔ شیئرز اور کمپنی (اردو)

۳۰۔ مباحث فقہیہ (اردو)

۳۱۔ آداب قضاء — زیر طباعت (اردو)

قاضی مجاہد الاسلام

کاتعلیمی ریکارڈ۔ایک نظر

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمہم اللہ کی ابتدائی تعلیم گھر پر اور متوسطات کی تعلیم درج ذیل جگہوں پر ہوئی:

(۱) مدرسہ محمود العلوم دملہ، ضلع۔مدھوبنی، بہار

(۲) مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ، دربھنگہ، بہار

(۳) مدرسہ امدادیہ لہیریا سرائے دربھنگہ، بہار

(۴) دارالعلوم مئو، یو۔پی

قاضی صاحبؒ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء دیوبند میں رہے۔ آپ نے آج سے تقریباً نصف صدی قبل دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی جو سن ہجری کے حساب سے ۱۳۷۴ھ کا دور تھا۔ آپ ۱۳۷۱ھ تا ۱۳۷۴ھ درمیان سال پنجم تا دورہ حدیث تعلیم حاصل کی اور دورہ حدیث میں اول آئے۔ دیوبند کے ان چار سالوں کے مضمون وار ریکارڈس درج ذیل ترتیب کے ساتھ دئے جارہے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ وہ ریکارڈ ہیں جو دارالعلوم کے شعبہ تعلیمات سے حاصل کیا گیا ہے۔

سال پنجم (مختصر المعانی): ۱۳۷۱ھ

مضامین	مقررہ نمبرات	حاصل شدہ نمبرات
میر قطبی	۵۰	۵۰
ہدایہ اولین	۵۰	۵۰
مقامات حریری	۵۰	۵۰
حسامی	۵۰	۵۰
تلخیص المفتاح	۵۰	۵۰
مختصر المعانی	۵۰	۴۸
مجموعی نمبرات	۳۰۰	۲۹۸

سال ششم (جلالین): ۱۳۷۲ھ

مضامین	مقررہ نمبرات	حاصل شدہ نمبرات
میبذی	۵۰	۵۲
سلم العلوم	۵۰	۴۹
ترجمہ ثانی	۵۰	۵۰
دیوان حماسہ	۵۰	۵۲
جلالین شریف	۵۰	۵۰
فوز الکبیر	۵۰	۵۰
شرح عقائد	۵۰	۵۰
مجموعی نمبرات	۳۵۰	۳۵۳

سال ہفتم (موقوف علیہ): ۱۳۷۳ھ

مضامین	مقررہ نمبرات	حاصل شدہ نمبرات
ہدایہ اخیرین	۵۰	۵۱
ملاحسن	۵۰	۵۰
قرأت	۵۰	۴۲
فوائد مکیہ	۵۰	۳۹
مشکوٰۃ	۵۰	۵۱
بیضاوی	۵۰	۴۸
نخبۃ الفکر	۵۰	۵۰
مجموعی نمبرات	۳۵۰	۳۵۳

سال ہشتم (دورہ حدیث): ۱۳۷۴ھ

مضامین	مقررہ نمبرات	حاصل شدہ نمبرات
بخاری شریف	۵۰	۵۳
مسلم شریف	۵۰	۵۲
ترمذی شریف	۵۰	۴۹
ابوداؤد	۵۰	۵۱
نسائی شریف	۵۰	۵۱

طحاوی	۵۰	۵۲
ابن ماجہ	۵۰	۵۱
شمائل ترمذی	۵۰	۴۹
موطاامام مالک	۵۰	۵۰
مؤطاامام محمد	۵۰	۵۲
مجموعی نمبرات	۵۰۰	۵۱۰

آپ کے والد ماجد مولانا عبدالاحد قاسمیؒ دربھنگوی جو شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، اپنے فرزندار جمند سے کوئی ۵۰ سال قبل دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تھے۔ سن فضیلت ۱۳۲۰ھ رقم کی گئی ہے۔ حضرت قاضی صاحب سے اگر تقابل کیا جائے تو ان کے والد محترم بھی کچھ کم نہ تھے۔ سال ہشتم کا نتیجہ امتحان کچھ اس طرح ہے:۔

(سال ہشتم): ۱۳۲۰ھ

مضامین	مقررہ نمبرات	حاصل شدہ نمبرات
بخاری شریف	۵۰	۵۰
مسلم شریف	۵۰	۴۶
ترمذی شریف	۵۰	۴۵
ابوداؤد	۵۰	۴۸
نسائی شریف	۵۰	۵۰
طحاوی	۵۰	۵۱
ابن ماجہ	۵۰	۴۶
شمائل ترمذی	۵۰	۴۹
موطاامام مالک	۵۰	۵۱
موطاامام محمد	۵۰	۴۹
بیضاوی شریف	۵۰	۵۰
میرزاہد ملا جلال	۵۰	۴۶
توضیح تلویح	۵۰	۴۴
شرح...	۵۰	۲۷
مجموعی نمبرات	۷۰۰	۶۰۲

عکس تحریر
قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

بخدمت جناب عبدالحفیظ خاں صاحب۔ حیدرآباد
بتوسط مولانا رضوان قاسمی صاحب

مکرمی! سلام مسنون

خدا کرے مزاج بخیر ہو۔
آپ کی اچانک علالت کی خبر سن کر سخت تشویش ہوئی۔ عزیزی مجاہد الاسلام سلمہ سے گفتگو کر کے خیریت دریافت کی
پھر عزیزی خالد سے بات ہوئی۔ کل مولانا رضوان قاسمی صاحب سے خیریت جان کر راحت ملی۔ دلی دعا ہے کہ
اللہ تعالیٰ آپ کو پوری طرح صحت و عافیت عطا فرمائے اور جو کار دینی و ملی آپ کے ذریعہ انجام پا رہے ہیں، وہ پورا ہو۔ اور مزید
خدمت کا موقع نصیب ہو۔
- ۲۶/۲/۹۶ کا لکھا ہوا خط کچھ تاخیر سے مجھے موصول ہوا۔ اس سلسلہ میں مجھے پریشانی یہ ہے کہ لکھا ہوا
مسودہ صرف [illegible] طرح کا ذہن پر پڑنا مناسب ہے۔ اسلئے اگر اس معاملہ کو
آپ اپنی مکمل صحت تک ملتوی رکھیں تو بہتر ہے۔
- دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اگر آپ کا مقصد قیادت سے "سکریٹری جنرل" کا عہدہ ہے تو
میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ عہدہ اس حقیر کے لئے ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ اسکی
وجہ سے میری صحت خراب ہو رہی ہے اور میرے سارے علمی تحقیقی مشاغل متاثر ہو رہے ہیں، اور حقیقت اس
نازک اور اہم ذمہ داری کو انجام دینے کا میں اہل نہیں ہوں۔ اگر آپ حضرات مجھے اس ذمہ داری سے
فارغ کر دیں تو یہ مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ اور جب سے جہاں تک ہوگا میں کونسل کی تحریک کا کام کرتا
رہوں گا۔
- تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے مکتوب میں کوئی غلطی نہیں بتائی ہے تو آخر میں کس بات کا جواب دوں
مجھے پتہ نہیں کہ میرے کس عمل سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ اگر یہ امر واضح ہو تو میں اپنی غلطی کی اصلاح اور آئندہ
اور اگر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو تو وہ دور ہو جائیگی۔
میری خواہش ہے کہ آپ اپنی مکمل صحتیابی تک سارے مسائل ملتوی رکھیں اور جو میں ... ماہ کے آخر میں ...
دعا کا طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت عطا فرمائے

مجاہد الاسلام
۲۶/۵/۹۶

باب چہارم

ایک عالم اداس ہے

(تعزیتی جلسوں کی مختصر رپورٹ)



اس جہاں سے آج وہ انسان رخصت ہو گیا
جس سے قائم تھا زمانے میں وقارِ علم و فضل

ایک اہم پیغام

اسلام کے غلبہ کے لیے علم و تدبر

الحمد الله رب العالمین ، والصلوة والسلام علی رسوله الامین

الله خود علیم ہے، تخلقوا باخلاق الله کا تقاضا ہے کہ الله کی صفت علم کو سامنے رکھتے ہوئے ان قرآنی آیات پر غور کیا جائے جو لکھنے، پڑھنے، قلم کے استعمال ، تفکر و تدبر، سمجھنے، سوچنے، آنکھ، کان، عقل کے معرفت حق کے لئے ، اور انہیں خیر و شر، ظلمت و نور کے درمیان فرق کرنے کے لئے استعمال کرنے، قلب کے روشن و تاریك ہونے سے متعلق ہیں۔

الله نے انسان کو عقل اسی لئے عطا کی تاکہ اسے وہ علم کے حصول کے لئے استعمال کرسکے، وسائل علم کا استعمال خدا شناسی، حق شناسی اور خود شناسی کے لئے ہونا چاهئے، وسائل علم جس قدر تیز رفتار حساس ہوں گے اسی قدر حصول علم میں سهولت ہوگی، جس طرح زندہ رهنے کے لئے ہوا، پانی، اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح علم کو زندہ رکھنے اور پروان چڑھانے کے لئے مطالعہ، مشاہدہ، سیر فی الارض، سیر فی النفس، انفس و آفاق کی نشانیوں پر غور کرنے کی حاجت ناگزیر ہوتی ہے، جس طرح جسم کو غذا کی ضرورت ہے، اسی طرح عقل کو تفکر کی، عقل علم کے سهارے چلتی ہے اور علم عقل کے سهارے، علم کی حیثیت عقل کے لئے بمنزله روح کے ہے، الله نے انسان کو عقل اور وسائل علم کے استعمال کی قوت و صلاحیت اس لئے بخشی تاکہ وہ اپنے کو پہچان سکے اور رب کی بندگی کرسکے۔

ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ قرآن و سنت کو سمجھنے کے لئے زیادہ قرآن کو پڑھنے، اس سے تعلق جوڑنے اور اس کی ہدایات کو زندگی میں اتارنے اور پوری زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی جدوجہد کریں، اس طرح جونورحاصل ہوگا وہی حق و باطل، خیر وشر میں فرق کرنے میں معاون و مددگار بنے گا اور ہم میں فراست ایمانی پیدا ہوگی۔

آپ خوب پڑھیں، مذاہب کا تقابلی مطالعہ کریں، انسانی تاریخ، دنیا کے عروج و زوال کے اسباب کا جائزہ لیں، ہر زبان میں اہل علم کی تحریروں کو سمجھنے کے لئے مختلف زبانیں سیکھیں، مگر یہ سب اسلام کو غالب کرنے کی نیت سے کریں۔

الله تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حصول علم کا سچا جذبہ اور توفیق خالص عطا فرمائے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام تعزیتی اجلاس

اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے بانی سکریٹری جنرل حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے سانحۂ ارتحال پر ۱۳/اپریل ۲۰۰۲ء کو انصاری آڈیٹوریم جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں تعزیتی اجلاس کا اہتمام کیا جس میں مرحوم کے رفقاء، ممتاز علماء اور دانشوروں نے شرکت کی۔ اجلاس کی صدارت مفتی ظفیر الدین صاحب نے فرمائی، جب کہ باضابطہ آغاز قاری سلیمان صاحب کی تلاوت کلام اللہ سے ہوا۔

اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر طاہر محمود سابق چیرمین قومی اقلیتی کمیشن نے کہا کہ حضرت قاضی صاحب کے انتقال پر میں اپنے آپ کو تعزیت کرنے والوں میں نہیں بلکہ تعزیت کے مستحقین میں شمار کرتا ہوں۔ انھوں نے اس کا اعتراف کیا کہ قاضی صاحب کی سفارش پر ہی مجھے وزیر اعظم دیوگوڑا نے قومی اقلیتی کمیشن کا چیرمین منتخب کیا تھا۔ معروف ملی وسیاسی رہنما جناب سید شہاب الدین نے فرمایا کہ ''قاضی صاحب میرے ہم وطن، ہم عصر اور ہم عمر تھے اور بہت زمانہ تک ہم سفر بھی۔ حضرت قاضی صاحب بغیر بحث کے مسئلہ کی تہہ تک پہونچ جاتے تھے، میں تو ان کو اپنے دور کا مجتہد مانتا ہوں''۔

عربی ادب کے ممتاز اسکالر ڈاکٹر اجتباء ندوی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''فقیہ عموماً ادیب نہیں ہوتا مگر قاضی صاحب جدید عربی پر مکمل عبور رکھتے تھے''۔

اجلاس سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، سعودی سفارت خانہ کے شیخ اسامہ الجوہر، مصر کے سفیر ولید المعونی، مولانا جلال الدین انصر عمری، مولانا اسرار الحق قاسمی، مولانا احمد علی قاسمی، مولانا عمید الزماں کیرانوی اور صاحب صدر مفتی ظفیر الدین وغیرہ نے خطاب کیا۔ جب کہ نظامت کے فرائض مولانا عتیق احمد بستوی نے انجام دیئے۔

امارت شرعیہ کا تعزیتی اجلاس

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی وفات حسرت آیات پر امارت شرعیہ کے وسیع وعریض میدان میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں بہار، مغربی بنگال، جھارکھنڈ، اڑیسہ کے مختلف اضلاع کے علاوہ شہر پٹنہ کے نامور علماء، دانشور، قانون داں اور سیاست داں، سماجی رہنما سمیت سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور حضرت قاضی صاحب کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

اس اجلاس میں سابق وزیر اعلیٰ بہار اور سیاسی رہنما راشٹریہ جنتادل کے صدر لالو پرساد یادو، مولانا سید ولی رحمانی، ناظم امارت شرعیہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، حضرت مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی کلکتہ، ڈاکٹر احمد عبدالحئی، مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی، حضرت مولانا شمس الحق مونگیر، مولانا شفیق عالم پورنیہ، ڈاکٹر شکیل احمد وزیر بہار، شکیل احمد خاں وزیر بہار، عبدالباری صدیقی وزیر بہار، رام کرپال یادو ایم ایل اے، شیام رجک ایم ایل اے، حسن احمد قادری، ہدایت اللہ خاں، سابق وزیر، حاجی ثناء اللہ، ڈاکٹر سید عبدالحلیم سلفی، حسین انصاری، ایم۔ایل۔اے، مولانا ابوالکلام قاسمی، مولانا شکیل احمد قاسمی، عطاء الرحمٰن رضوی، جاوید اقبال، عرفان الحق، سراج الدین، سلطان انصاری ایم ایل اے، مظہر حسین، ڈاکٹر ظفر الاسلام، قاری شبیر احمد، پروفیسر عبدالمتین، غلام غوث ایم ایل اے نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

آخر میں حضرت امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین کی دعا پر یہ اجلاس رات کے دس بجے اختتام پذیر ہوا۔

آل انڈیا ملی کونسل کے زیر اہتمام تعزیتی اجلاس

۲۶/اپریل ۲۰۰۲ء آج بعد نماز جمعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ڈاکٹر انصاری آڈیٹوریم میں معروف ملی وسیاسی قائد جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ کی صدارت میں ملک کے تمام حصوں سے جمع ہونے والے علمائے کرام، سیاسی لیڈروں اور دانشوروں نے مرحوم ومغفور مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کو تعزیتی اجلاس میں دل کی گہرائیوں اور نمناک آنکھوں سے بے مثال خراج عقیدت پیش کیا۔ اس موقع کے خاص مقررین میں صدر جلسہ ابراہیم سلیمان سیٹھ

کے علاوہ جناب سید شہاب الدین، مولانا عبداللہ مغیثی، مولانا سید نظام الدین، جناب شاہد مہدی (وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ)، مولانا سیمان سکندر (حیدرآباد)، جناب عیسی رضازادہ (ڈائرکٹر ایران کلچرل سنٹر)، مولانا سلمان الحسنی ندوی، جناب مرکزی وزیر)، جناب عنایت اللہ (بمبئی کے معروف تاجر)، سبودھ رائے (ممبر پارلیامنٹ)، جناب احمد حسن عمران (مدیر قلم کلکتہ)، مولانا عاقل حسامی (حیدرآباد)، عبدالرحیم قریشی، جناب کشور لال سابق ایم پی، سنتوش بھارتی سابق ایم پی، ڈاکٹر قاسم رسول الیاس اور ڈاکٹر چوپڑا (مرحوم کے معالج) شامل تھے۔ جلسے کی کارروائی مولانا قاری شمس الدین کی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر محمد منظور عالم نے بعنوان احسن انجام دیئے۔ جلسے کا اختتام مولانا عاقل حسامی کی دعاء پر ہوا۔

آخر میں صدر جلسہ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ نے کہا کہ مجھے اس کا بے حد افسوس ہے کہ مجھ جیسا بوڑھا اور بیمار شخص دنیا میں رہ گیا اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اللہ سے جا ملے۔ اس وقت ان کی اشد ضرورت تھی کیونکہ ملک ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر رہا ہے۔

☆☆☆

تحفظ انسانیت کونسل کے زیر اہتمام قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سیمینار

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی حیات وخدمات پر تحفظ انسانیت کونسل نئی دہلی کے زیر اہتمام غالب اکیڈمی نظام الدین نئی دہلی میں ۲۳/مئی ۲۰۰۲ء کو ایک عظیم الشان سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت دارالعلوم دیوبند کے استاد حدیث مولانا عبدالرحیم بستوی نے کی۔ سیمینار سے مولانا اسرار الحق قاسمی، الامام قاسم ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ کے سربراہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہمایوں مراد، ڈاکٹر زین العابدین وغیرہ نے خطاب کیا۔ جبکہ مقالہ نگار وارث مظہری قاسمی، دارالعلوم دیوبند کے مولانا اعجاز ارشد قاسمی، اسلامک فقہ اکیڈمی کے مفتی احمد نادر قاسمی اور ملی اتحاد کے اسسٹنٹ ایڈیٹر عبدالقادر شمس قاسمی شامل تھے۔ اس سیمینار کے داعی اور تحفظ انسانیت کونسل کے صدر مولانا صابر قاسمی، مولانا اورنگ زیب قاسمی اور مولانا طارق انور قاسمی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے افکار و نظریات سے امت کو فائدہ پہونچانے کی شدید ضرورت ہے، یہ سیمینار اسی مقصد کی ایک کڑی ہے۔

☆☆☆

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سیمینار

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ دینیات کے زیر اہتمام اکتوبر ۲۰۰۲ء کے پہلے ہفتے میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی "حیات و خدمات اور کارناموں پر ایک عظیم الشان سیمینار منعقد ہونے جارہا ہے۔ جس میں یونیورسٹی کے اساتذہ کے علاوہ ملک بھر کے جامعات کے اساتذہ، علماء اور دانشور حضرات شرکت فرمائیں گے۔ شعبہ دینیات کے صدر ڈاکٹر سعود عالم قاسمی سیمینار کو مفید و مؤثر بنانے کی تیاری میں مصروف ہیں۔

☆☆☆

عالم اداس ہے

ڈاکٹر فیروز اکرم ایم اے۔پی ایچ ڈی۔ایم ایڈ

لکچرر:ڈاکٹر ذاکر حسین ٹیچرس ٹریننگ کالج،دربھنگہ،بہار

حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ اللہ کو پیارے ہو گئے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام،ایک مفکر اور ملت اسلامیہ کے اس مدبر کے بعد بالخصوص دربھنگہ کے عوام ایسی شخصیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔اب اس طرح کی شخصیت کا پر ہونا ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے۔جناب پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک قول مجھے یاد آرہا ہے انہوں نے گاندھی جی کی موت پر قوم سے ایک ریڈیائی بیان میں کہا تھا کہ ''کسی کے بغیر کسی کا کام پڑا نہیں رہ جاتا'' لیکن ایسے موقع پر علامہ اقبالؒ کا یہ شعر۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے۔

تاہم اللہ تبارک تعالی کی ذات بابرکات سے امید ہے کہ اللہ قوم وملت کے لئے ان کا نعم البدل عطا فرمائے گا اور انہیں جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا کرے گا۔آمین

مورخہ ۴راپریل ۲۰۰۲ء بعد نماز عشاء جناب وسیم احمد فہمی (جو ہمارے استاذی سابق ہیڈ ماسٹر مسلم اسکول دربھنگہ جناب اشفاق ابرہیمی موضع دیگھیار ضلع دربھنگہ کے صاحبزادہ ہیں اسکول سے لے کر کالج سطح تک وہ ہمارے ہم سبق اور گہرے دوست رہے ہیں اور حضرت قاضی صاحبؒ سے تقریباً دس برسوں تک یہ صرف وابستہ ہی نہیں بلکہ حسب صلاحیت خدمت گزاری میں ان کا حق ادا کر دیا ہے) نے گلوگیر آواز میں فون پر دہلی سے حضرتؒ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع مجھے دی۔یہ سن کر تاسف کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا تاہم دل کو یکسو کر کے حضرت کی مغفرت کے لئے اللہ پاک سے التجا کی کہ اے اللہ انہیں اپنی رحمتوں سے مقام بلند عطا فرما اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل۔یہ حقیر بندہ باری تعالی کے دربار میں اس سے زیادہ اور کیا عرض کرسکتا ہے۔

ان کے سانحہ ارتحال کی خبر پاتے ہی ملک کے مختلف حصوں میں تعزیتی جلسے منعقد کئے گئے دربھنگہ میں بھی حضرتؒ کے سانحہ ارتحال پر ایک تاریخی جلسہ تعزیت کا انعقاد مرکزی سطح پر منجانب اہالیان دربھنگہ مورخہ ۱۱راپریل کو مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں منعقد ہوا جس میں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند ہندو مسلم بلا تفریق مذہب وملت اور مسلک بحیثیت مقرر وسامعین کے شریک جلسہ ہوئے۔

جلسہ کا آغاز ڈاکٹر شمیم باری نے تلاوت وترجمہ قرآن پاک سے کیا کنوینر جناب نیاز احمد سابق اے ڈی ایم نے جلسے کے اغراض ومقاصد کا جائزہ پیش کیا۔اور شفیع مسلم ہائی اسکول کے استاذ مولانا سید ابواختر قاسمی نے حضرتؒ کے حیات وکارنامے پر بالتفصیل روشنی ڈالی اور ان کے اوصاف حمیدہ اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا۔

نشست اول مغرب تا عشا کی نظامت ڈاکٹر شمیم باروی نے کی اور حضرت مولانا ولی رحمانی مدظلہ العالی نے صدارت فرمائی جو پیہم صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے جھارکھنڈ کے دورے سے براہ راست دربھنگہ تشریف لائے تھے۔حضرت قاضی صاحبؒ جیسی عظیم شخصیت کی مناسبت سے حضرت مولانا ولی رحمانی مدظلہ کا صدر جلسہ کا انتخاب عوام میں سکون واطمینان کا مظہر بن گیا۔

بیرون دربھنگہ سے آنیوالے شرکاء عظام میں جناب مولانا سہیل احمد قاسمی کی قیادت میں امارت شرعیہ پھلواری شریف سے ایک سات نفری ٹیم نے امارت شرعیہ کی نمائندگی کی۔حضرت مولانا سہیل احمد قاسمی نے اپنی بصیرت افروز تقریر میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی تاریخ اور امارت سے حضرتؒ کی وابستگی کا بالتفصیل جائزہ پیش کیا اور

پرنم آنکھوں سے خراج عقیدت پیش کیا۔ مدرسہ رحمانیہ سپول، و دیگر مدارس دینیہ کے علماء عظام نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس تاریخ ساز اجلاس میں ہر مکتب فکر کے عمائدین، دانشوران سماجی کارکن، علماء، عظام نیز سیاسی رہنماؤں کو اطلاع دی گئی تھی۔

ان میں جناب ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا، سابق وزیر اعلی بہار، جناب ڈاکٹر ناگندر جھا سابق وزیر تعلیم بہار، راشٹریہ جنتا دل کے سکریٹری سابق ایم پی جناب رام کرپال یادو، جناب شیام رجک، وزیر توانائی بہار، جناب کونال جی وائس چانسلر سنسکرت یونیورسٹی دربھنگہ، جناب گوپال جی پرو وائس چانسلر متھلا یونیورسٹی دربھنگہ، سماجی و سیاسی رہنما دیوی دت پوددار، سی پی ایم کے وجے کانت ٹھاکر، مصری لال یادو صدر راشٹریہ جنتا دل دربھنگہ، رام آشرے رائے، بچہ بابو ایڈوکیٹ، جناب بھوگندر جھا سابق ایم پی، جناب متھو کھیریا سابق میئر دربھنگہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے اپنے طور پر مولانا مرحوم سے ذاتی تعلقات اور ان کے اوصاف بیان کئے ان سیاستدانوں میں اکثر افراد نے دوران تقریر یہ کہا کہ حضرت قاضی صاحبؒ سیاستداں تو نہیں تھے لیکن سیاسی بصیرت کے پیش نظر سیاست ساز ضرور تھے۔ اس جلسہ کے سرپرست جناب سلطان احمد ایم۔ ایل۔ اے نے مولانا کی ذات سے منسوب ان کے دینی و ملی کارنامے نیز ان سے ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ان کی مشفقانہ ہمدردی جو ان کے ساتھ تھی، گلوگیر آواز میں بیان کرتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا اس جلسہ کے روح رواں اور سرپرست جناب علی اشرف فاطمی سابق ایم پی بھی بے حد ملول و مغموم نظر آئے انہوں نے بھی حضرتؒ کی گراں قدر شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت سے متعلق معلومات فراہم کرائی۔ ڈاکٹر قمر الحسن صدر کانگریس ضلع دربھنگہ، معروف آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر اختر الحسن، پروفیسر کاشف حسین کاشؔ، راجد لیڈر جناب فضیل احمد انصاری، جناب اشرف آعظم، انجنیر الحاج محمد صالح، جاوید اقبال سابق ڈپٹی میئر، ممتاز عالم سابق ڈپٹی میئر، عبدالولی نعمان، جناب صفی اختر مہدولی، پروفیسر احسن علی، عرفان الرحمٰن بسمل ایڈوکیٹ مہدولی بھی بے حد مغموم نظر آئے۔

نماز عشاء کے لئے جلسہ کے درمیان آدھ گھنٹہ کا وقفہ دیا گیا بعد نماز دوسرے اجلاس کی نظامت جناب عطاء الرحمٰن رضوی سکریٹری مدرسہ امدادیہ دربھنگہ نے کی۔ شہر کے دینی و عصری اور تکنیکی اداروں کے نمائندگان بھی شریک اجلاس ہوئے۔

ان میں مدرسہ حمیدیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے جناب مظہر حسین سکریٹری نے دلی جذبات کا اظہار کیا ڈاکٹر ذاکر حسین ٹیچرس ٹریننگ کالج لہریا سرائے کے جوائنٹ سکریٹری جناب عطاء الرحمٰن رضوی نے عالم کی بے ثباتی کے فلسفوں نیز انسانی زندگی سے متعلق حیات و ممات کے یقین ہونے کو قرآنی آیات سے ثابت کیا کہ ہر ذی روح کے لئے موت لازم ہے۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ کے سکریٹری ڈاکٹر سید عبدالحلیم نے بھی حضرتؒ کو خراج عقیدت پیش کیا خطیب شہر مولانا ابرار قاسمی ناظم جمعیۃ العلماء دربھنگہ نے بھی اس مرد مجاہد کے لئے اپنے جذبات بیان کئے۔ جماعت اسلامی کے نمائندہ نے بھی ان پر بصیرت افروز روشنی ڈالی، اس جلسہ کے سرپرست اعلی شہر کے معروف سرجن ملت کے بہی خواہ جناب ڈاکٹر عبدالوہاب نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا کہ ہمیں بھیگی پلکوں اور کانپتے ہونٹوں سے صرف خراج عقیدت پیش کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ ان کے بتائے راستوں پر چل کر ملت وقوم کے لئے ہمیں بھی آگے بڑھنا ہے ان کے مرض کی شدت کیا تھی یہ میں جانتا ہوں کیونکہ میری حیثیت ڈاکٹر کی ہے۔ قوم یہ جانکاہ خبر سننے کو مزاج بنا چکی تھی اس کے باوجود بھی ان کی تجہیز و تکفین کے موقع پر ہزاروں آنکھیں اشکبار تھیں۔ کیونکہ فکر و نظر کا مسیحا چل بسا۔ اللہ رحمت عطا کرے۔

ان کے بعد نقیب جلسہ جناب عطاء الرحمٰن رضوی نے دست بدستہ حضرت مولانا ولی رحمانی مدظلہ العالی صدر جلسہ کی خدمت میں استدعا پیش کرتے ہوئے ان سے مواعظ حسنہ پیش کرنے کی گزارش کی۔

حضرت مولانا ولی رحمانی نے حضرت کی ابتدائی زندگی سے تادم آخر ان پر ایک اجمالی خاکہ پیش فرمایا اور حضرتؒ کے امیر شریعت رابع سید منت اللہ رحمانیؒ کی صحبتوں میں رہ کر ان سے حاصل شدہ فیض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ملت کے لئے ان کی مفارقت ایک عظیم سانحہ ہے جس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے

اور اپنی بصیرت افروز تقریر کے بعد دعاء فرمائی ان کے ساتھ ساتھ حاضرین نے بھی اللہ جل شانہ دست بدعا ہوئے کہ اللہ تبارک وتعالی ان کی تمام خطاؤں کو درگزر فرمائے تمام نیکیوں کو، ملی، وقومی خدمات کو نیز ان کے کارہائے احسن کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

جناب صدر جلسہ کی تقریر سے قبل جناب یونس حکیم سابق چیرمین مدرسہ بورڈ بہار نے بھی خراج عقیدت پیش کیا حضرتؒ کی پوری تصویر ڈاکٹر عبدالمنان طرزی نے ان کی عمر ۶۶ سال کے تناسب میں ۶۶ اشعار پر مشتمل نظم کی صورت میں پیش کیا۔ ڈاکٹر شاکر خلیق اور ڈاکٹر شیم باروی نے بھی منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ اور پھر پروفیسر ضیاء الحق نظر سابق صدر شعبہ نباتات ملت کالج دربھنگہ وسکریٹری جمن بیگم صغریٰ گرلس ہائی اسکول دربھنگہ نے عوام وشرکاء جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے صدر مجلس کی اجازت سے جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

اس موقع پر جناب نورالہدیٰ نور، جناب امام اعظم مدیر سہ ماہی تمثیل نو دربھنگہ، جناب ڈاکٹر مشتاق مدیر سہ ماہی جہان اردو دربھنگہ کی مساعی اور اشتراک عمل نے جلسہ کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔

مجوزہ تجاویز جو اس اجلاس میں متفقہ طور پر پاس کی گئیں۔ جس کی ایک کاپی صدر جلسہ کی خدمت میں پیش کی گئی اور اس پاس شدہ تجاویز کی فوٹو کاپیاں مختلف اداروں اور ارباب اقتدار کے ذمے داروں تک پہونچادی گئیں ہیں قارئین کی خدمت میں بھی بذریعہ مضمون ہذا پیش کررہا ہوں۔

یہ تعزیتی جلسہ متفقہ طور پر مندرجہ ذیل قرارداد منظور کرتا ہے:

(۱) بلاشبہ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین، مستند فقیہ، باشعور مدیر، فعال مصلح، ماہر قوانین قضا، فرض شناس رہبر اور باخبر مصنف تھے۔ اس عظیم شخصیت کے انتقال پر ملال پر اہل دربھنگہ اپنے شدید غم وافسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

(۲) اس پیکر علم و دانش کی رحلت سے ملت اسلامیہ کا عظیم ترین خسارہ ہوا ہے اور عمومی طور پر ملک وقوم نے ایک ایسے وطن دوست وہمہ جہت شخصیت کو کھو دیا ہے جو انسانیت، امن و آشتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی بھائی چارگی کا علمبردار تھا۔

(۳) عمومی طور پر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ ملکی و بین الاقوامی صورت حال کے پس منظر میں جبکہ مولانا علیہ الرحمہ کی شخصیت ناگزیر نظر آرہی تھی، اور جہاں ملت کو ایسے مخلص ورہبر کی ضرورت تھی، ان کی رحلت ایک عظیم سانحہ ہے جس سے ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا دشوار نظر آتا ہے۔

(۴) اہل جلسہ اللہ رب العزت سے قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور جنت میں ان کے درجات کی بلندی کے لئے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ ان کے پسماندگان وافراد ملت کو صبر جمیل مرحمت فرمائے اور ان کے بہترین نعم البدل سے ہمیں نواز دے، نیز مولانا کے مشن کو آگے بڑھانے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق و صلاحیت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(۵) آج کے اس تعزیتی اجلاس میں ہم یہ بھی قرارداد منظور کرتے ہیں کہ مولانا علیہ الرحمہ کی بے بہا خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے شہر دربھنگہ میں ایک ''قاضی مجاہد الاسلام ہال''، تعمیر کیا جائے جو ان کی علمی وفکری مشن کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ دیگر ثقافتی وسماجی سرگرمیوں کا مرکز بن سکے۔

(۶) جناب لالو پرشاد یادو، صدر راشٹریہ جنتا دل، حکومت بہار، دربھنگہ ضلعی انتظامیہ اور پرنٹ والکٹرونک میڈیا نے مولانا کی گرانقدر شخصیت کو واجب ومناسب اہمیت دے کر، ان کی تجہیز وتکفین کے موقع پر جس اکرام وتعاون کا نمونہ پیش کیا ہے اس کے لئے اہل دربھنگہ ہمیشہ شکرگزار رہیں گے۔

(۷) آج کا یہ تعزیتی اجلاس حکومت بہار سے بجا طور پر امید کرتا ہے کہ قومی یکجہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، سماجی انصاف اور علم ودانش کا منبع، اپنے اس سپوت بہار کے لئے، ان کی شخصیت کی مناسبت سے کوئی مستقل یادگار قائم کرے گی، جو آئندہ نسل کے لئے نشان راہ ثابت ہو۔

(۸) ایک اضافی تجویز یہ بھی آئی کہ انہوں نے امارت شرعیہ پٹنہ میں پوری زندگی صرف کی اور امارت کے لئے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اس لئے امارت میں بھی ان کی ایک یادگار قائم کی جائے۔

اس تجویز کے محرک حضرت مولانا صغیر احمد رحمانی مدظلہ اور مؤید انجنیئر الحاج محمد صالح سکریٹری امارت مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ دربھنگہ تھے اور جمیع حاضرین نے بھی پرزور تائید کی۔ ☆☆

ملی وسماجی خدمات نا قابل فراموش

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی رحلت ایک ایسا قومی نقصان ہے، جس کی تلافی ناممکن ہے، امت اسلامیہ کے لئے ان کی علمی، فکری، ملی اور سماجی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

رنج وغم کے اس موقع پر ہم آل انڈیا ملی کونسل کے ممبران، کارکنان اور مسلمانان ہند کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی مرحوم کو جوار رحمت میں بلند درجہ عطا فرمائے۔ آمین

محمد حسن مظفری
ڈائریکٹر
سفارت جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی

ہمیں قاضی صاحب کے مشن کو اخلاص سے آگے بڑھانا ہوگا

محترم جناب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے انتقال کی خبر سے ہم سب کے دلوں کو شدید صدمہ پہنچا، آل انڈیا ملی کونسل کے سامنے ملت کے ڈھیر سارے پیچیدہ مسائل ہیں ایسے نازک وقت میں قاضی صاحب کا ہم سب کو داغ مفارقت دے جانا ایسا شدید صدمہ ہے جسے ہم سہار پانے کے متحمل نہیں لیکن لله ماخذ ولی ما اعطی وکل شئ عنده لاجل مسمی فانا لله وانا اليه راجعون وانا الی ربنا لمنقلبون۔

محترم قاضی صاحب جس پختہ عزم، اعلی جرأت، غیور شخصیت کے مالک تھے اس کی مثال نہیں ملتی، وہ اپنے بے پایاں علم کے ساتھ ساتھ سراپا تواضع وانکسار تھے، ملت بڑے قیمتی سرمایہ سے محروم ہوگئی، اللہ تعالی ہم سب کو صبر وتحمل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت قاضی صاحب جس مشن کو لے کر اٹھے تھے ہمیں اس مشن کو اسی اخلاص اور لگن سے آگے بڑھانا ہوگا۔ امت مسلمہ جن نازک حالات سے گذر رہی ہے ضرورت ہے کہ ہم قاضی صاحب کے اس فکر کی روشنی میں قوت وہمت، شعور وآگہی کے ساتھ ملت کی رہنمائی کریں، نیز ملت کے بکھرے ہوئے دانوں کو ایک تسبیح میں پرونے کی اسی طرح کوشش کریں جس طرح حضرت قاضی صاحب نے اپنی پوری زندگی کوشش کی۔ اللہ تعالی ہمیں ہمت وحوصلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم قاضی صاحب کا دارالعلوم الاسلامیہ اور اس کے اساتذہ وکارکنان سے گہرا تعلق تھا، کئی بار دارالعلوم تشریف لائے، اساتذہ اور طلبہ کو اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اوران کے پسماندگان اعزاء اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

محمد باقر حسین
مہتمم دارالعلوم اسلامیہ، بستی، یوپی۔

بھٹکل مسلم ایسوی ایشن چنئی کے زیر اہتمام تعزیتی اجلاس

بھٹکل مسلم ایسوی ایشن چنئی نے اپنے تعزیتی اجلاس میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا

ابراهيم
سکریٹری (بھٹکل مسلم ایسوی ایشن چنئی)

☆ مولانا نصیر احمد رشادی، سلیمان خان موتی نگر، بنگلور، ور ظہیر احمد صدیقی ندوی صدر فاؤنڈیشن فار سوشل کیر لکھنو۔ نے بھی قاضی صاحب کے انتقال پر گہرے دکھ وصدمے کا اظہار کیا ہے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی وفات ایک صدمہ جانکاہ ہے، دینی وسیاسی شعور سے لبریز قائد آج ہم سے بچھڑ گیا، امارت شرعیہ بہار، آل انڈیا ملی کونسل، اسلامک فقہ اکیڈمی سے مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت تک قاضی صاحب کے مخلصانہ کارناموں کا جو سفر ہے، وہ یقیں محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی عمدہ مثال ہے، امت مسلمہ کا کوئی بھی سیاسی، معاشی، دینی مسئلہ ایسا نہیں کہ جس کے لئے مرد مجاہد نے شب زندہ دار رہ کر ہمہ جہت کوشش نہ کی ہو، فرقہ وارانہ فسادات، قدرتی آفات ارضی وسماوی، امت مسلمہ کی عائلی زندگی میں دخل اندازی وغیرہ مسائل کے حل کے لئے جس نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر امت محمدیہ کا ہر فرد رنجیدہ وکبیدہ خاطر ہے، اور آئندہ ایسا قائد کہاں سے لائے اس کے لئے فکر مند ہوکر قانون قدرت کو تسلیم کرتا ہے۔

قاضی صاحب پڑے ہیں یارو دیکھو ہاتھ پسارے

ملک الموت کی ڈگری ہوگئی قاضی صاحب ہارے

ہم تمام ذمہ داران اساتذہ وطلبہ جامعہ اسلامیہ نورباغ کوسہ ممبرا (ممبئی) ضلع تھانہ پسماندگان اوران کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرنے والوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں، اور بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اللہ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ اور امت مسلمہ کو نعم البدل سے نوازے۔

ڈاکٹر عبد الحکیم عبد السلام المدنی

مدیر الجامعۃ الاسلامیہ، نورباغ، کوسہ ضلع تھانہ مہاراشٹر۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

عرض اینکہ دل رنجور ہے، آنکھیں پرنم ہیں اور قلم لرزاں ہے جب کہ یہ چند کلمات بطور محبت وعقیدت پیش کررہا ہوں کہ ضلعی، صوبائی، اور ملی سرحدوں سے گزر کر عالمی شہرت وپذیرائی حاصل کرنے والے، نت نئے مشکل ترین نو پید معاملات میں تحقیق و جستجو کے عرق بہا کر نتیجہ تحقیق سے روشناس کرانے والے، گونا گوں مسائل میں شرعی احکام بتانے والے، ہزار ہا نفوس انسانی کو اپنے لاکھوں قضاء وفتاوی کے ذریعہ جمود علماء کو توڑ کر ایک دھوم مچانے والے، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے روح رواں، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر باوقار، اسلامک فقہ اکیڈمی کے میر کارواں، مفتیان دور حاضر کے ملجاؤ ماوی الغرض عالم اسلام کا کبریت احمر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نوراللہ مرقدہ، کے داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کی خبر نے دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور کے جملہ اراکین، اساتذہ وطلبہ ودیگر ملازمین کو ورطہ حیرانی میں مبتلا کردیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بندہ کی پہلی ملاقات حضرت طاب اللہ ثراہ سے اسلامک فقہ اکیڈمی کے ماتحت منعقد ہونے والا دار العلوم ماٹلی والا بھروچ کے سیمنار میں ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہوگیا پھر حقیر دعوت پر دار العلوم انکلیشور تشریف لائے اور دار العلوم کا معائینہ فرما کر خوب دعائیں دی، واقعتا موصوف کا خلاء صرف اور صرف امارت شرعیہ، اسلامی فقہ اکیڈمی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ہی محسوس نہیں کررہے ہیں بلکہ عالم اسلام اس کلیدی عظیم شخصیت کا خلا محسوس کررہا ہے اور صدیوں تک یہ خلاء پر ہوتا نظر نہیں آتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی نعم البدل عطا فرمائے، مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

موسیٰ ماکڑود

دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات۔

مولانا کی شخصیت اکابر دیوبند کی سچی تصویر تھی

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے حادثہ جاں سے نہایت رنج والمسوس ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون. ان للہ مااخذ ولہ ما اعطی وعندہ باجل مسمی۔

مولانا کی شخصیت اکابر دیوبند کی سچی تصویر تھی، آپ دور حاضر کے قاضی اسلام اور اکابر کے یادگار تھے، مرحوم قاضی صاحبؒ اسلامی قضاء کے نظام پر گہری نظر رکھتے تھے آپ کا اصل میدان عمل فقہ اسلامی تھا جس میں وہ تفردانہ انداز اور سوچ رکھتے تھے نیز فقہ اسلامی کے سیمنار آپ کی ہی سعی پیہم کی مرہون منت ہے، اس میں اچھے اچھے جدید مسائل پر مقالات تیار ہوئے اور "جدید فقہی مباحث" کے نام سے پانچ جلدوں میں تیار ہوکر شہرت حاصل کرچکی ہے اور مختلف مکتبوں نے اسے شائع کیا، آپ خالص علمی اور تحقیقی انسان تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کے بعد "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" کی صدارت کے عظیم عہدہ پر فائز ہوئے لیکن افسوس کہ اس سلسلے میں محنت اور اسلامی قوانین کو اجاگر کرنے کے لئے زیادہ موقع نہ مل سکا۔ آپ کے انتقال پر ملال سے علمی حلقے میں ایک عظیم تر خلا پیدا ہوگیا ہے، ہمارے تمام اکابرین کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے باوجود خدمت دین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے یہی حال مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا رہا حتی کہ وفات بھی وطن سے ہزاروں میل دور دہلی میں ہوئی۔

خداوند کریم مرحوم کی مغفرت فرماکر جنت الفردوس میں بلند درجات نصیب فرمائے، آمین۔ جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات ایک مشہور دینی وتعلیمی ادارہ ہے جو ۹۰ سال سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے مولانا مرحوم کے لئے اس میں ختم قرآن کے بعد ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کی گئی۔

اسماعیل احمد

جامعہ حسینیہ، راندیر۔ گجرات۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے انتقال پر بیڑ شہر میں جلسہ تعزیت

دیگر تفصیلات کے مطابق جیسے ہی شہریان بیڑ کو حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی لوگ رنج وغم میں ڈوب گئے بعد نماز جمعہ شہر کی مختلف مساجد میں اجتماعی

دعاؤں کا اہتمام کیا گیا بیڑ ضلع کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت مولانا عبدالرحمن صاحب نے کی اپنے خطاب میں مولانا عبد الرحمن نے مرحوم قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی زندگی کے متعلق روشنی ڈالی اور غم کا اظہار کیا آخر میں اس تعزیتی نشست میں جمع شدہ حضرات نے مولاناؒ کے حق میں اللہ سے ان کی جنت میں درجات بلند کرنے کی دعا کی بیڑ شہر کی دوسری دینی درسگاہ مدرسہ مظاہر العلوم مومن پورہ میں بھی جلسہ تعزیت کیا گیا اور حضرتؒ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور مجلس علماء بیڑ کی جانب سے رنج وغم کا اظہار کیا گیا شہر کے مختلف سیاسی سماجی کارکنوں کی جانب سے غم کا اظہار کیا گیا۔

حافظ سید چاند حسینی (نمائندہ ملی اتحاد)

رائے موہ ضلع بیڑ، مہاراشٹرا

بھٹکل مسلم ایسوسی ایشن جدہ کا تعزیتی اجلاس

بھٹکل مسلم ایسوسی ایشن جدہ سعودی عربیہ کا منعقدہ ۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء موافق صفر ۱۴۲۳ھ کا عام اجلاس حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، عالم دین، عظیم رہنما، قاضی القضاۃ اور صدر مسلم پرسنل لا بورڈ کی رحلت پر اپنے گہرے رنج وملال کا اظہار کرتا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مسلمانان عالم اور خصوصا ملت اسلامیہ ہند اپنی تاریخ کے سنگین دور سے گزر رہی ہے، اس وقت مولانا موصوف کی جدائی ناقابل برداشت صدمہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے، لیکن "ولن تجد لسنت الله تبديلا" یہ اللہ کی سنت ہے، ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اللہ کی مرضی پر راضی بہ رضا رہنا مومن کی شان ہے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اپنی ذات میں اسم با مسمی تھے، سادگی ملنساری اور خاکساری کا نمونہ اور تکبرانہ جذبات سے عاری، مقبولیت نے کبھی طبیعت میں خود پسندی پیدا نہ کی، شخصیت میں انجمن، گفتگو شیریں اور مٹھاس سے بھرپور، خطابات دلنوازی اور فکر ملت کا مجموعہ، فکری توازن اور ملت کے مسائل سے بے انتہا دلچسپی ان کا وصف خاص تھا، مولانا مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے ہونہار طالب علم، شفیق ومربی استاد اور عدلیہ کے اعلی منصب پر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قاضی القضاۃ کی حیثیت سے اپنی مثال آپ تھے، فقہی مسائل پر وسیع مطالعہ، عمیق فکر کے ساتھ مسائل کا استنباط، دور حاضر کے علوم پر محققانہ نظر اور اس کے حل کے لئے جدوجہد نے ان کو اعلی مقام پر پہنچا دیا ہے، ان کی علمی فقہی وتحقیقی کاوشیں ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کا زرین باب بن چکے ہیں، ہندوستان کے علماء اور دانشوروں کی معیت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی زیر سرپرستی ملی تشخص کی بقا کے لئے ان سبھوں کی مساعی جمیلہ باقیات الصالحات ہیں جو موجودہ اور آنے والی نسلوں کے دین وایمان کے تحفظ کی علامات ہیں، یہ خدمات قاضی صاحب اور مسلم علماء رہنماؤں کے لئے زاد راہ بن کر انشاء اللہ مغفرت کا باعث بنیں گی، آمین۔

مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کی خاطر ملی کونسل کا قیام، فقہ اکیڈمی کا قیام، ان کی وسعت نظری اور سیاسی بصیرت کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں، جمہور قدروں کو فروغ دیتے ہوئے برادران وطن کے ساتھ افہام وتفہیم کے ذریعے مسائل کے حل کے لئے کوششیں، انہیں علماء کرام کی صف میں ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتے ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ میں صدارت کے فرائض منصبی ادا کرنے اور ملی وقومی عظیم تر ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دینے میں ان کی ناسازی طبیعت کبھی مانع ثابت نہیں رہی، اس کی فعالیت کے لئے جدوجہد اور دوسرے اراکین کے ساتھ تعاون آخری ایام میں ان کا خاص وصف رہا ہے، ان کے فقہی، اقتصادی، ملکی اور بین الاقوامی اجتماعات وسمپوزیم کا انعقاد، مقالات وتصنیفات، عدل وانصاف وقضاء کے فیصلے ہمارے لئے مشعل راہ وتحفظ ملت کا مواد فراہم کرتے ہیں۔

آج وہ ہم میں نہیں ہیں، لیکن ان کی جدائی کو تا دیر محسوس کیا جائے گا اللہ ان کی بال بال مغفرت کرے، جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا کرے، اور ہمیں ان کا بہترین نعم البدل عنایت کرے، آمین ثم آمین

محمد اسحاق

بھٹکل مسلم ایسوسی ایشن جدہ سعودی عربیہ

جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور میں شدید غم وتعزیت

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے انتقال کی خبر [illegible] اثر سے جامعہ کا ماحول شدید ترین غمگین ہو گیا، فوراً مدرسہ کے حضرات مدرسین کے وفد کی جنازہ میں شرکت کے لئے دہلی روانگی ہوئی، اور حضرت اقدس مولانا مفتی مظفر حسین صاحب، ناظم جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کی صدارت میں اس سانحہ فاجعہ پر تعزیتی اجلاس ہوا جس میں درج ذیل تجویز تعزیت پاس ہوئی۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی جنرل سکریٹری ملی کونسل وصدر مسلم پرسنل لابورڈ کے انتقال پر ملال کی خبر کلفت اثر معلوم ہو کر بہت زیادہ افسوس، قلق اور رنج ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں اور جملہ اہل مدرسہ اس حادثہ عظمی پر تعزیت اور اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور جملہ پسماندگان ومتعلقین ورفقاء کو صبر جمیل واجر جزیل ارزانی کرے۔ مدرسہ میں حضرت موصوف کے لئے قرآن شریف ختم کرا کے ایصال ثواب کرایا گیا ہے اور دعائے مغفرت کی گئی ہے۔

بھوپال میں مسلم پرسنل لابورڈ، ملی کونسل، جماعت اسلامی اور تعمیر ملت کی جانب سے تعزیتی جلسہ

منشی حسین خاں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ بھوپال میں قاضی مجاہد الاسلام کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا اس کی صدارت ممتاز عالم دین حضرت مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری نے فرمائی، اس نمائندہ جلسہ کا آغاز قاری ہاشم صاحب کی تلاوت کلام سے ہوا اس کے بعد سرکردہ علماء نے قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے کارہائے نمایاں کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر اظہار خیال فرمایا۔

خطاب کرنے والوں میں مولانا مشتاق صاحب، آصف جنید صاحب، اختر سعید صاحب، جناب وفا صدیقی، جناب مولانا ارشاد اعظمی، سید ظہور الحسن صاحب صدر جماعت اسلامی حلقہ مدھیہ پردیش، مولانا شمس الدین آفریدی، مولانا محمد نعمان خاں صاحب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

وفا صدیقی

جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل مدھیہ پردیش

کل ہند مجلس تعمیر ملت کے زیر اہتمام حیدرآباد میں تعزیتی جلسہ

بمقام مغل پورہ اردو گھر حیدرآباد مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب مرحوم کے انتقال پر تعزیتی جلسہ اسٹڈی سرکل کل ہند مجلس تعمیر ملت کی طرف سے منعقد ہوا، صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت جناب عبد الرحیم قریشی صاحب نے صدارت کی، قاری عبد القیوم شاکری قراءت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا، اس جلسہ کو مختلف تنظیموں اور ادارہ جات کے ذمہ داروں نے مخاطب کیا، جناب علاء الدین انصاری ایڈوکیٹ، جناب ڈاکٹر محبوب علی خاں سابق صدر انجمن مہدویہ، جناب سید قبول پاشا صاحب شطاری، جناب حیدر غوری صاحب نے بھی جن کا تعلق آل انڈیا ملی کونسل سے ہے مخاطب کیا، مولانا رضوان القاسمی صاحب ناظم اعلی دار العلوم سبیل السلام نے اپنی تقریر میں مولانا مجاہد صاحب کی علمی اور مذہبی خدمات کا جائزہ لیا اور کہا کہ مولانا مجاہد مرحوم اپنے عصر اور زمانے کے لئے ایک باوقار شخصیت تھے۔

امیر شریعت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامی صاحب نے اپنی تقریر میں مولانا مجاہد صاحب کی خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیا اور کہا کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ایک عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے یہ بات پوری طرح سے مجاہد صاحب مرحوم پر صادق آتی ہے،

کل ہند مجلس تعمیر ملت کے نائب صدر مولانا سلیمان سکندر صاحب نے اپنی تقریر مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

آخر میں جلسہ کے صدر جناب محمد عبد الرحیم قریشی صاحب جو مجاہد صاحب مرحوم کی جلوتوں اور خلوتوں کے برابر کے شریک شمار کئے جاتے ہیں اپنی تقریر میں مجاہد صاحب مرحوم کی اس بڑی خصوصیت کو واضح کیا کہ وہ ہمیشہ دل کو زبان سے، زبان کو دل سے ہم آہنگ بنائے رکھتے تھے، رحیم قریشی صاحب نے اس خصوص میں ایک مثال دیتے ہوئے کہا کہ حالیہ برسوں میں جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا کی حکومت نے ملک میں مسلمانوں کے شرعی نظام کا جو پاس ولحاظ روا رکھا اس میں بالخصوص خواتین کے بارے میں مولانا مجاہد صاحب مرحوم کی کوششوں کو بڑا دخل حاصل رہا۔ تعمیر ملت کے اسٹڈی سرکل کا یہ جلسہ معتمد اسدی سرکل ڈاکٹر یوسف حامدی کے شکریہ کے ساتھ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور فاتحہ خوانی پر اختتام پذیر ہوا۔

قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے سانحہ ارتحال پر ریاست جھارکھنڈ میں منعقد کئے جانے والے تعزیتی نشستوں اور اجلاس کی مشترکہ رپورٹ

ملی کونسل جھارکھنڈ کا تعزیزیتی اجلاس

مولانا کے انتقال کی خبر سنتے ہی مختلف علاقوں سے تعزیتی پیغامات وصول ہونے لگے اور تعزیتی نشستوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا، سب سے پہلے آل انڈیا ملی کونسل ریاست جھارکھنڈ نے ایک تعزیت نشست کا اہتمام کیا جس میں شہر کے مقتدر علماء کرام دانشور حضرات اور سماجی کارکنان نے شرکت کی اور مولانا کی حیات وخدمات سے تعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اس نشست میں خصوصی طور پر ملی کونسل کے کنویز ڈاکٹر وکیل رضوی سکریٹری ملی کونسل رانچی مولانا صدیق مظاہری، مولانا قاری علیم الدین، سید تہذیب الحسن رضوی امام مسجد جعفریہ رانچی، ڈاکٹر یسین قاسمی، سلطان احمد ایڈوکیٹ، پروفیسر زاہد حسین اور قمرالحسن، محمد اسرائیل خاں، شکیل احمد، شمیم احمد، پروفیسر شاہد حسن، مفتی انوار القاسمی، قاضی امارت شرعیہ جھارکھنڈ قمر العارفین، مولوی جاوید احمد، حاجی حبیب اللہ و دیگر لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

ہزاری باغ میں تعزیتی اجلاس:

ہزاری باغ کے ہوٹل جھارکھنڈ نواب گنج میں ایک تعزیتی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں وقف کمیٹی کے صدر سید محمد عمر، ڈپٹی لیبر کمشنر ہزاری باغ شاہنواز احمد خاں، قومی تنظیم کے بیورو چیف ڈاکٹر ظفر اللہ صادق وغیرہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا، نشست کی صدارت مفتی محمد یوسف نے فرمائی اور اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا، شرکاء میں مولانا فداء الرحمٰن امارت شرعیہ، سید متین الحق، رفعت حسن، پروفیسر انور ملک، مولانا اختر قاسمی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

گریڈیہہ میں تعزیتی اجلاس:

گریڈیہہ میں ۱۲/اپریل بروز جمعہ جناب عظیم الدین رحمانی کی صدارت میں تعزیتی نشست کا اہتمام کیا گیا، اس موقعہ پر الحاج عبدالقدوس نے مولانا سے متعلق تمہیدی کلمات کہے، بعد ازاں مفتی امتیاز احمد قاسمی جو ایک عرصہ تک قاضی صاحب کی صحبت میں رہے اور ان سے کسب فیض کیا، نے تفصیل کے ساتھ حضرت کی سوانح عمری، علمی، فقہی فلاحی اور سماجی کارناموں پر روشنی ڈالی، شرکاء میں مولانا صداقت حسین، مولانا رستم علی، حافظ غفران احمد، ماسٹر مظلوم، حافظ محمد الیاس، شمیم لقمانی نظامی کمپاؤنڈر راشد اللہ، محمد عادل، معصوم اختر، قاری محمد اسلم، محمد فیروز اور محمد سلیم کے نام شامل ہیں۔

مدرسہ حسینیہ کڈرو رانچی میں تعزیتی اجلاس:

۱۵/اپریل کو مدرسہ حسینیہ کڈرو میں ایک تعزیتی نشست اور قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا مذکورہ نشست میں جمعیۃ العلماء ہند و جھارکھنڈ کے صدر اور مدرسہ حسینیہ کے مہتمم حضرت مولانا ازہر صاحب نے قاضی القضاۃ مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے انتقال کو ساری دنیا کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا انہوں نے مرحوم کے اسلامی خدمات کا بھرپور اعتراف کرتے ہوئے انہیں وقت کا بے نظیر بے مثل ومنفرد اور ممتاز عالم دین قرار دیا اس موقع پر مدرسہ کے تمام مدرسین اور طلباء نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی اور مرحوم کے نام ایصال ثواب فرمایا اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا۔

مدرسہ تجوید القرآن سمڈیگا میں تعزیتی اجلاس:

مدرسہ تجوید القرآن سمڈیگا میں مولانا کے انتقال پر تعزیتی نشست کا اہتمام کیا گیا اس موقع پر نماز فجر سے گیارہ بجے تک اور نماز ظہر سے عصر تک قرآن خوانی کا بھی اہتمام ہوا، بعد نماز مغرب تعزیتی جلسے کا انعقاد ہوا جس میں الحاج مولانا شاکر صاحب قاسمی نے قاضی صاحب کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ مدرسہ ہذا کے سرپرست اور مشیر کار تھے انہوں نے کہا کہ ان کی کمی صرف ہمیں نہیں بلکہ سارے ہندوستان اور پورے عالم اسلام کو محسوس ہوگی، یہ بیان کرتے ہوئے ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اس موقع پر مولانا محفوظ صاحب منہاج الدین رحمانی، مولانا شوکت قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عباس قاسمی، مولانا مشتاق احمد قاسمی، قاری فیاض احمد، حافظ مقبول، مولانا شاہد قاسمی، مولانا مفتی مطیع الرحمٰن قاسمی، مولانا عباس قاسمی اور صدر مدرسہ جناب طیب حسین صاحب نے اپنے اظہار خیال میں مرحوم کے انتقال کو ملت اسلامیہ اور عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

مدرسہ دینیہ لوہردگا میں تعزیتی جلسہ

مدرسہ دینیہ لوہردگا کی تعزیتی نشست میں حضرت کو عالم اسلام کا مشہور عالم

دین مختلف کمالات سے متصف نائب رسول درجنوں تنظیموں کے میر کارواں اور سرپرست معروف مفکر اسلام اور ملت کا خیر خواہ بتایا گیا، مدرسہ کے مدرسین اور طلباء نے قرآن خوانی کی اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا نشست میں مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی مہتمم مدرسہ، مولانا احسن امام مظاہری، قومی مسجد کے امام وخطیب مولانا منہاج الحق قاسمی ناظم اعلیٰ مولانا ابو الکلام اور قاری شفیق عالم رشیدی نے مولانا کی خدمات اور اخلاق وعادات سے روشناس کراتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا۔

مرکز ادب وسائنس رانچی میں تعزیتی نشست

مرکز ادب وسائنس رانچی کی تعزیتی نشست میں ٹرسٹ کے چیئر مین پروفیسر احمد سجاد سکریٹری طارق سجاد، سنٹر سپروائزر شکر کریمی کے علاوہ مارننگ اور ایوننگ شفٹ کے بھی طلباء وطالبات نے شرکت کی، مسٹر طارق سجاد نے مولانا کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ علم کے خزانہ تھے دینی تعلیم اور عصری آگہی سے پوری طرح واقف تھے، چیئر مین پروفیسر احمد سجاد نے طلباء وطلبات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایسی عظیم شخصیتوں کے نقش قدم پر چلنے اور ملک وملت کی خدمت کرنے کی آج سخت ضرورت ہے، آخر میں حافظ ساجد اقبال نے فاتحہ خوانی کے بعد مولانا موصوف کے لئے دعائے مغفرت کی۔

جامعہ رشید العلوم چترا میں تعزیتی نشست

جامعہ رشید العلوم چترا میں بھی تعزیتی نشست منعقد ہوئی نشست میں مفتی عبد اللہ ازہر قاسمی نے مولانا کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان نے ایسے نازک وقت میں ایک ایسی عبقری شخصیت کو کھودیا ہے، جس کے اندر ملی وسیاسی قیادت کی زبردست صلاحیت موجود تھی، وہ ایک ساتھ عظیم مفتی قاضی، مفکر، مدبر، محدث اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ اسلامی کے عظیم ماہر شناس بھی تھے، چترا سے ایک قافلہ شریعت منزل توحید کی قیادت میں پٹنہ کے لئے روانہ ہوا جس میں کئی افراد شامل تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی ایجوکیشنل سوسائٹی دھنباد

منعقدہ تعزیتی نشست میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کو پر جوش خراج عقیدت پیش کی گئی، قاضی صاحب کی حیات وخدمات ان کی بلند فکری وسیع النظری، سادگی، تواضع، علوم اسلامیہ کے وسیع وعمیق مطالعے، حالات حاضرہ پر مبصرانہ وناقدانہ نظر اور ان کی بھرپور مجاہدانہ زندگی پر مقررین نے روشنی ڈالی۔ اس موقع پر مولانا ندوی صاحب نے فرمایا کہ قاضی صاحب کو جھارکھنڈ کے شہر گاؤں اور قصبوں سے بڑا گہرا لگاؤ تھا انہوں نے کئی گاؤں کا پیدل اور بیل گاڑیوں سے سفر کیا تھا یہاں کے مقدمات اور تنازعات کے حل کے لئے اسلام کو مضبوطی سے تھامنے کا لوگوں کو سبق پڑھایا تھا۔ مولانا آفتاب عالم ندوی نے قاضی صاحب کی انفرادیت وعبقریت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ شریعت اسلامی کا ایسا ترجمان اور روشناس دور دور نہیں پیدا ہوئے، جلسے میں نصف درجن سے زیادہ گاؤں کے لوگوں نے شرکت کی اس موقعہ پر الحاج منیر الدین، ماسٹر محمود عالم، خالد سیف اللہ قاسمی، وغیرہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا آخر میں مولانا کے لئے دعا مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

دفتر امارت شرعیہ رانچی میں تعزیتی نشست:

۲۱ راپریل ۲۰۰۲ء کو جمشید پور میں واقع امارت شرعیہ کے مقامی دفتر میں ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا جس میں مقررین نے قاضی صاحب کے حیات وخدمات ان کی بلند فکری، دور بینی اور دور اندیشی پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کے سانحہ ارتحال کو امت مسلمہ کا عظیم نقصان قرار دیا گیا۔

تعزیتی اجلاس:

آل جھارکھنڈ ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام جھارکھنڈ ہاسپٹل اینڈ ریسرچ سنٹر حسین گھر پرانی رانچی میں بھی ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت سوسائٹی کے نائب صدر حافظ ابوبکر فاروقی نے کی سوسائٹی کے سکریٹری اور ہاسپٹل کے ڈائرکٹر مولانا مشرف عالم قاسمی نے کہا کہ قاضی صاحب کی شخصیت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کو ایک انمول تحفہ دیا تھا جسے واپس لے لیا، علم فقہ کی دنیا میں فی الحال ان کا کوئی ثانی اور نظیر نظر نہیں آتا، حافظ ابوبکر نے قاضی صاحب کی رحلت کو ملت کا عظیم نقصان قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہئے کہ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور ان کے مشن کو آگے بڑھائیں اس موقعہ پر حافظ نظام قیصر، مولانا محمد سعید، جاوید احمد اور عنایت احمد نے بھی اپنے خیالات پیش کئے۔

انجمن پلازہ میں تعزیتی اجلاس:

۲۸ راپریل کو انجمن پلازہ کے وسیع وعریض ہال میں قاضی صاحب کے تعزیتی اجلاس کا اہتمام امارت شرعیہ جھارکھنڈ کی زونل کمیٹی کی جانب سے کیا گیا جس میں گردونواح

سے بھی لوگوں نے شرکت کی خصوصی طور پر انگو، نیا سرائے، ہلسو کرا، کا کگے، اربا، پھوڑیا، دغیرہ کے عمائدین حضرات نے جلسے میں شریک ہوکر مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا۔

جلسے کے کنوینر مولانا صدیق مظاہری اور نائب کنوینر ڈاکٹر وکیل رضوی تھے، اس موقع پر شرکت کے لئے امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب ناظم مفتی نسیم احمد قاسمی اور دارالقضاہ کے مفتی سہیل احمد پٹنہ سے تشریف لائے تھے، جلسے کے آغاز میں تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا صدیق مظاہری نے مولانا سے متعلق ابتدائیہ کلمات کہے، بعد ازاں حضرت مولانا جمیل اختر، پروفیسر زاہد حسین، پروفیسر شاہد حسن، سی سی ایل کے ریٹائرڈ چیئر مین سید جمال الدین، انجمن اسلامیہ اسپتال کے سکریٹری محمد حلیم الدین، انجمن اسلامیہ رانچی کے صدر محمد سعید، جھارکھنڈ ہائیکورٹ کے ایڈوکیٹ سہیل انوار اور عبد الغلام، پروفیسر ابوذر عثمانی، مولانا کمال احمد قاسمی، نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور مولانا مرحوم کے انتقال کو ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان قرار دیا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی نے اپنی عالمانہ اور بصیرت افروز تقریر میں قاضی صاحب کے علم وبصیرت عصری آگہی اور معاملہ فہمی و بے مثل قائدانہ صلاحیتوں کا احاطہ کرتے ہوئے ان کے انتقال پر ملال کو ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا، جلسے کی قیادت ملی کونسل کے کنوینر ڈاکٹر وکیل رضوی نے کی جلسے کے اہتمام میں جناب فہیم احمد اور شکیل احمد نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات پر تعزیتی جلسہ

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی وفات پر اقراء ماڈل اکاڈمی چاپدانی میں اظہار تعزیت کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں جناب محمد صدیق نے کہا کہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی وفات سے امت مسلمہ ایک بے باک وجری مجاہد سے محروم ہوگئی۔

جناب غلام محمد صاحب اسسٹنٹ سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل شاخ مغربی بنگال وسکریٹری اقراء ماڈل اکاڈمی چاپدانی ہگلی۔ ماسٹر شمس الہدی صاحب وغیرہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ جلسہ کا آغاز حافظ عبد الصمد صاحب امام الہی سردار مسجد چاپدانی کے تلاوت قرآن پاک سے ہوا، جناب محمد اسرائیل امیر حلقہ جماعت اسلامی چاپدانی نے جلسہ کی صدارت کی۔

(غلام محمد سکریٹری جنرل اقراء ماڈل، چاپدانی)

انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کلکتہ کے زیر اہتمام ایک تعزیتی نشست

۱۱/اپریل کو قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی رحلت پر انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کلکتہ کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں شرکائے جلسہ نے قاضی صاحبؒ کی دینی وملی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب ایک بلند پایہ عالم دین، صاحب بصیرت، فقیہ اعلی درجہ کے خطیب تھے، ان میں دین کی محبت اور ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، طبیعت میں اعتدال پسندی تھی جس کے سبب وہ ہر طبقہ میں مقبول تھے۔

تاثرات بیان کرنے والوں میں قابل دید حضرات مولانا فضل الرحمن، ڈاکٹر ناقابل تلا عباس صدیقی، سید علی، عمران حسن، غلام محمد وغیرہ تھے۔

مدینۃ العلوم بیدر کندی کرناٹک میں تعزیتی جلسہ

ریڈیو نشریہ کے ذریعہ خبر ملی کہ مفکر ملت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ۴/اپریل بروز جمعرات دنیا سے چل بسے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خبر ملتے ہی جامعہ کی مسجد یوسفی میں قرآن خوانی کے بعد تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، جس کا آغاز حافظ سلیم الدین شولاپوری کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کے بعد جامعہ کے ناظم تعلیمات مفتی تنظیم عالم قاسمی نے بڑے درد بھرے لہجہ میں حضرت قاضی صاحب کی حیات اور ان کے عظیم کارنامہ پر روشنی ڈالی، انہوں نے کہا کہ حضرت قاضی صاحبؒ ملک وملت کے تئیں ایک متحرک اور فعال انسان تھے، وہ چین سے بیٹھنا نہیں جانتے تھے اور نہ ہی انہیں علمی کاموں سے کوئی دلچسپی تھی، جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد حسین صاحب راندیری سورت گجرات نے بھی حضرت کے انتقال پر گہرے دکھ درد کا اظہار کیا اور فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب کی شکل میں ایک علمی سایہ تھا جو ہمارے سر سے اٹھا دیا گیا، مجلس کا اختتام مولانا ظہیر حسن الاعظمی شیخ الحدیث جامعہ کی دعاء پر ہوا۔

مرکز جمعیۃ ابناء ندوہ امارات دبئی میں تعزیتی جلسہ

امارات کے ندوی حلقہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کی وفات کو انتہائی غم والم، اور رنج وحسرت کے ساتھ محسوس کیا گیا، اور جمعیۃ ابناء ندوہ کے دفتر میں ندوی فضلاء مقیم دبئی وشارجہ کی ایک نشست بغرض اظہار تعزیت وعقیدت مورخہ ۱۱/اپریل کو زیر صدارت جناب

مولانا قمر علی ندوی صاحب منعقد ہوئی، مولانا خالد کانپوری نے تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز کیا، جمعیۃ کے نائب صدر، حبیب اللہ ندوی نے قاضی صاحب کی ذات وشخصیت اور خدمات وکارناموں پر ایک مختصر مقالہ پیش کیا، پھر مولانا نظام الدین صاحب ندوی مولانا قمر علی صاحب ندوی اور مولانا خالد گل صاحب قاسمی نے قاضی صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور ان کی وفات کو ملت کے لئے عموماً اور خاص طور پر ہندی مسلمانوں کے لئے ایک بڑا نقصان قرار دیا۔ صدر جمعیۃ مولانا عبیداللہ سبحانی ندوی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

رپورٹ حبیب اللہ ندوی، دبئی

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات پر دبئی کے مسلمانوں کا تعزیتی جلسہ

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی وفات حسرت آیات پر اظہار تعزیت کی غرض سے دبئی میں ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک اجلاس، زیر صدارت جناب سید خلیل الرحمٰن صاحب جنگلی، مسجد بن دلموک، دیرہ دبئی میں مورخہ ۱۲ اپریل کو منعقد ہوا، جس میں قاضی صاحب کے محبان وعقیدتمندان کی ایک بہت بڑی جماعت نے شرکت کی، تلاوت قرآن اور ترجمہ کے بعد اجلاس کے کنوینر حبیب اللہ ندوی کے مختصر مقالہ سے جلسہ کی ابتداء ہوئی، مقالہ میں قاضی صاحب کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی خدمات اور کارناموں کا جائزہ پیش کیا گیا، پھر جناب سلمان صدیقی صاحب آئے، جو کہ حضرت قاضی صاحب کے عزیز ہوتے ہیں، تفصیل سے قاضی صاحب کے خاندانی پس منظر حالات زندگی، سرگرمیوں اور خدمات، ذاتی صفات وخصوصیات پر روشنی ڈالی، ان کے علاوہ قاری عبدالحمید صاحب ندوی، قاری محمد یعقوب صاحب گجراتی، مولانا شین اشرف صاحب قاسمی، مولانا عبدالمتین صاحب منیری، جناب خالد حیدر صاحب صدر انجمن مسلمانان بہار، صدر جلسہ جناب سید خلیل صاحب نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ان کی دینی وملی خدمات کا اعتراف کیا اور ان کی وفات کو ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ اخیر میں مولانا محمد فاروق ندوی صاحب کے دعائیہ کلمات پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

ملی کونسل شاخ پربھنی کے زیر اہتمام تعزیتی نشست کا انعقاد

قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے وصال پر انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ملی کونسل شاخ پربھنی مہاراشٹر کی جانب سے ایک تعزیتی نشست یہاں غالب ریڈنگ روم میں منعقد ہوئی۔

پروگرام کا آغاز مولانا یونس حسامی صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، ابتدائی کلمات سے جلسہ کا آغاز کرتے ہوئے پربھنی ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر ورکن عاملہ آل انڈیا ملی کونسل عالی جناب ایم اے رشید انجینئر صاحب نے مرحوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا، انہوں نے فرمایا کہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ایک فعال، ہوشمند اور بے لوث قائد تھے مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم کے بعد ایسے عالم دین تھے جن کو تمام مکاتیب فکر کی حمایت حاصل تھی بالخصوص نئی نسل کے درمیان قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

حافظ مہذب الدین صاحب، مولانا عبدالقادر ملی صاحب۔ آخر میں صدر نشست حکیم عبدالستار خانصاحب وغیرہ نے خطاب کیا۔

ملی کونسل پنجاب کے زیر اہتمام تعزیتی نشست

حضرت قاضی صاحب کے بعد رحلت پر آل انڈیا ملی کونسل پنجاب کی ایک ہنگامی میٹنگ میں اپنے گہرے دکھ اور صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

تعزیتی بیان میں ماسٹر اختر پرویز، مفتی محمد طاہر قاسمی جنرل سکریٹری، شمشاد علی انصاری خازن، ماسٹر صابر علی زبیری ودیگر ممبران ملی کونسل پنجاب نے مسلمانان ہند کے لئے ان کی خدمات کا اعتراف کیا اور کہا کہ قاضی صاحب کی وفات سے مسلم قیادت میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ تادیر پر نہیں ہوگا۔

دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ملی کونسل پنجاب ان کے غم میں برابر کی شریک ہے۔

ماسٹر اختر پرویز

محلہ لوہاراں مالیر کوٹلہ پنجاب

بنگلور تعزیتی اجلاس

بنگلور شہر کے علمائے کرام اور نمائندہ حضرات نے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی رحلت پر منعقدہ تعزیتی اجلاس میں انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئی، مولانا مفتی اشرف علی صاحب کی صدارت میں مسجد

سرمرزا اسماعیل سیٹھ فریزر ٹاؤن میں منعقدہ اس اجلاس میں علماء و دانشور احباب مولانا مفتی اشرف علی صاحب، رکن پارلیمان جناب کے رحمان خان، جماعت اسلامی ہند کرناٹک و گوا کے امیر جناب اقبال ملا، مولانا ریاض الرحمن رشادی، ریاستی وزیر برائے امور حج جناب آر روشن بیگ، مسلم پرسنل لابورڈ کے ذمہ دار مولانا عبدالحفیظ جنیدی، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے رکن والامین تحریک کے بانی ڈاکٹر ممتاز احمد خان وغیرہ نے تعزیتی اجلاس سے خطاب کیا۔

جمعیت العلماء کے جناب ظفر الاسلام نے بھی انہیں خراج عقیدت پیش کیا، مولانا مصطفی رفاعی نے قراردادیں پیش کیں، مفتی اشرف علی صاحب کی دعا پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔ **رپورٹ صدیق آلدوری بنگلور**

تنظیم ابنائے قدیم کے دفتر میں تعزیتی نشست

یہاں تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے دفتر میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی میٹنگ ہوئی جس میں مقررین نے حضرت موصوف کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کا انتقال ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

میٹنگ کی صدارت مولانا عبداللہ مغیثی نے کارگزار صدر مولانا عمید الزماں کیرانوی تنظیم کے ناظم اعلی ڈاکٹر قاضی زین الساجدین قاسمی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، کارگزار ناظم اعلی محمد مزمل الحق الحسینی نے ان کے دیرینہ اور سرپرستانہ تعلقات پر روشنی ڈالی۔ میٹنگ کا آغاز قاری عبدالواحد قاسمی کی تلاوت سے ہوا، میٹنگ کے شرکاء میں مولانا سید عقیل احمد قاسمی، مولانا آس محمد گلزار قاسمی، قاری سرور احمد الحسینی، مولانا وارث مظہری ایڈیٹر ترجمان دارالعلوم دیوبند، نوشاد عالم قاسمی اور دیگر حضرات نے شرکت کی اور قاضی موصوف کے لئے ترقی درجات اور پسماندگان کے لئے صبر کی دعا کی۔

مجلس مشاورت کی تعزیتی نشست

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے انتقال پر ملال پر آج آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی ایک تعزیتی نشست حضرت مولانا سالم قاسمی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ مولانا موصوف نے حضرت قاضی صاحب کی وفات پر اپنے گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ قاضی صاحب ملت اسلامیہ کا ایک قیمتی سرمایہ تھے۔

تعزیتی نشست میں شریک ہونے والوں میں مولانا احمد علی قاسمی (جنرل سکریٹری)، ڈاکٹر بصیر احمد خاں (مدعو خصوصی) مولانا قاضی زین الساجدین، مولانا عمید الزماں کیرانوی، مولانا عطاء الرحمن قاسمی، خالد صابر، ڈاکٹر محمد فیاض قاسمی، ڈاکٹر انوار الاسلام (ارکان عاملہ شریک تھے)۔

میسور میں تعزیتی جلسہ

مجاہد الاسلام صاحب مرحوم کی یاد میں میسور کی دارالعلوم صدیقیہ میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا ہے، علماء دین اور عمائدین شہر نے اس تعزیتی جلسہ میں شرکت کی۔ دارالعلوم صدیقیہ کے سکریٹری جناب ابوبکر سیٹھ نے نے قاضی صاحب سے تعلقات کا اظہار کیا شرکاء نے مرحوم کے لئے دعائیں کیں۔

جامعۃ الحسنین بنگلور میں تعزیتی جلسہ

ممتاز عالم دین، فقیہ الامت صدر مسلم پرسنل لابورڈ، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے انتقال پر بروز جمعہ صبح آٹھ بجے جامعۃ الحسنین بنگلور میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں طلبہ واساتذہ کرام نے حضرت کی خدمات واوصاف پر روشنی ڈالی اور دعا کے ساتھ جلسہ ختم ہوا (سید شبیر احمد ندوی)۔

ملی کونسل کے مرکزی دفتر نئی دہلی میں تعزیتی نشست

۶ راپریل کو عالم اسلام کے معروف اسلامی اسکالر وفقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے انتقال پر ملال آل انڈیا ملی کونسل میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی۔ اس موقع پر ماہنامہ ملی اتحاد کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مولانا عبدالقادر شمس قاسمی نے حضرت قاضی صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب بحیثیت سکریٹری جنرل ملی کونسل کے اسٹاف کے ساتھ بے حد محبت ونرمی کا برتاؤ کرتے تھے، کیونکہ وہ ہم سب کے سرپرست اعلی تھے، لیکن آج ان کی رحلت نے ہم سب کو یتیم کردیا ہے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل دے نیز ان کی خلاء کو پر کرکے تمام اداروں کو دوام بخشے۔ اس موقع پر ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

جمعیۃ علماء صوبہ دہلی کے زیر اہتمام تعزیتی نشست

جمعیۃ علماء صوبہ دہلی میں ایک تعزیتی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں جمعیۃ علماء صوبہ دہلی کے صدر مفتی ظفیر الدین نے اپنی تعزیتی بیان میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات پر اپنے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ جنرل سکریٹری ڈاکٹر سعید الدین قاسمی نے کہا کہ قاضی صاحب کی علمی کاوشوں نے علماء کے لئے موجودہ دور کے مسائل کے حل وتحقیقات کے لئے ایک وسیع میدان چھوڑا ہے۔

جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ کا تعزیتی جلسہ

۱۷/اپریل کو جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ کے تعزیتی اجلاس میں مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ان کے لئے جوار رحمت اور رفعت درجات کی دعا کی گئی۔ مفتی جمیل الرحمن قاسمی مولانا احتشام احمد سیتا پوری قاری فضل الرحمن، انجم رحمانی نے مرحوم کے تاریخ ساز کارناموں پر روشنی ڈالی اور خراج عقیدت پیش کیا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قاضی صاحب کو خراج عقیدت

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے سابق رکن مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو ان کا بدل عطا کرنے کی دعا کی گئی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ، طلباء، اور ملازمین کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسہ ناظم دینیات مولانا مسعود عالم قاسمی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر کفیل احمد قاسمی، ڈاکٹر زین الساجدین، ڈاکٹر سلیم قاسمی نے مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی شخصیت اور ان کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تعزیتی پروگرام میں مسلم پرسنل لابورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی اور امارت شرعیہ سے اپیل کی ہے کہ مولانا مرحوم کے پیغام کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے، یہی ان کی روح کے لئے تسکین کا سبب ہوگا۔

تعزیتی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے پروفیسر یاسین مظہر صدیقی نے کہا کہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صحیح معنوں میں اسلام کے مجاہد تھے جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں اسلام کی سربلندی کے لئے صرف کردیں مولانا کو اتحاد اسلامی کا علمبردار بتاتے ہوئے کہا کہ مولانا نے ملت کے ہر مکاتب فکر کو ساتھ لے کر اس کی قیادت فرمائی۔

اس تعزیتی جلسہ میں ڈاکٹر عبید اللہ فہد، پروفیسر کفیل احمد قاسمی اور مولانا ظفر الاسلام اصلاحی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جمعیۃ علماء خیالہ کی تعزیتی نشست

جمعیۃ علماء خیالہ وشنو گارڈن کی جانب سے ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت مولانا ضیاء الدین قاسمی نے کی۔ شرکاء نے مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وغم اظہار کیا۔ محمد یعقوب خاں نے نشست کو خطاب کرتے ہوئے مولانا موصوف کے انتقال کو عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ نشست میں شہادت علی نظامی، واجد علی نظامی، نور العین قیصر قاسمی، حافظ نور، حاجی محمد اسحاق، فہیم الدین، بھورے خاں، محمد یونس اور محمد صدیق نے تقریر کی۔

نیپال میں تعزیتی اجلاس

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب گوناگوں خوبیوں کے مالک اور خصوصیتوں کے حامل تھے، انہوں نے جب بھی ملک نیپال کا تبلیغی دورہ کیا اس موقع پر مدرسہ عربیہ مخزن العلوم السلفیہ اور اس کے اراکین کے ساتھ اپنی دلی محبت اور ہمدردی کا ثبوت دیا۔ مدرسہ عربیہ مخزن العلوم میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی گئی۔

اقرا پبلک اسکول مئو

اس سلسلے میں اقراء پبلک اسکول کی مجلس انتظامیہ کی فوری طور پر میٹنگ بلائی گئی جس میں اقراء اسکول کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی اور ایک تعزیتی قرارداد پاس کی گئی کہ جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ کے تعزیتی مرحوم کی ہمہ گیر شخصیت کا خلا پورا ہونا ناممکن ہے مرحوم سچے وطن پرست اور قوم دوست تھے۔

ہاوڑہ بنگال میں تعزیتی نشست

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کے انتقال کی خبر بنگلہ ریڈیو میں نشر ہوئی، بہت مختصر اعلان کیا اس سے ہم لوگوں کو تشویش ہوئی بذریعہ فون کلکتہ سے معلومات حاصل کرنے کے بعد تعزیتی جلسہ منعقد کیا۔ جس میں مدرسہ قاسم العلوم کے طلبہ اساتذہ کرام اور عوام، خواص نے شرکت کی، خصوصا خدیجۃ الکبری گرلس کے طالبات معلمات ختم قرآن شریف کی حضرت کے انتقال سے عالم اسلام خصوصا ہندوستان ناقابل تلافی ایک اہم شخصیت سے محروم ہوگیا، ہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی حضرت قاضی صاحب کے درجات کو بلند فرمائے۔

☆☆☆

باب پنجم

نغمات الم



وہ چراغ علم و دانش وہ امیر کارواں
وہ متاع قوم وملت، نازش ہندوستاں

قاضی صاحب کو فضیلت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں الوداعیہ

مولانا ریاست علی ظفر بجنوری
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

بعض احباب نے راقم الحروف سے مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی وفات پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی اس موقع پر مجھے یاد آیا کہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں جب وطن مالوف واپس ہونے لگے تو ان کے احباب نے ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔ اور اس کے لئے مولانا لقمان الحق صاحب فاروقی مرحوم کی خواہش پر حضرت کاشف الہاشمی مرحوم نے درج ذیل اشعار موزوں کئے، جو ان کی خدمت میں پیش کئے گئے۔

الدعوات الصالحات

مجاہد الاسلام قاسمی دربھنگوی سے خطاب

(از: حضرت کاشف الہاشمی)

مسرت سے گلشن سراپا بہار
فضا کیف آگیں، ہوا عطر بار
ہے ایک سمت رعنائیوں کا ہجوم
سراپا نظارہ، ہیں ماہ و نجوم
الٰہی یہ عالم ہمیشہ رہے
چمن نغمۂ عیش گاتا رہے
مسرت میں پنہاں اک اعجاز ہے
اب اک جادۂ نو کا آغاز ہے
عمل مضطرب ہے جلا کے لئے
جلا اور نشو ونما کے لئے
جہاد مسلسل کا ہنگام ہے
مجاہد کو اٹھنے کا پیغام ہے
بپا ہوگیا عرصۂ کار زار
جنھوں نے پڑھی آیت اعتبار
مصائب سے ٹکرارہی ہے خودی
سراپا تحیر بنی زندگی
مجاہد تری راہ دشوار ہے
تجھے اک دل زندہ درکار ہے
جہاں تیغ ہے اور سپر عشق ہے
جہاں شام ہے اور سحر عشق ہے
مجاہد یقیں آفریں حیات
بس اک عشق پر ہے جہاں کائنات
مجاہد یہ کوہ گراں کچھ نہیں
جہاں منتظر اور تو منتظر
نئی راہ تیرے لئے فرش راہ
کہ تیرے لیے نور ہے لاالہ
مجاہد دکھا معجزات ہنر
جہاد مسلسل میں ہو بے سپر

پیش کردہ: لقمان الحق فاروقی

نظم سے جہاں دارالعلوم دیوبند کے اس وقت کے ادبی ماحول کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی طالب علمانہ زندگی میں بھی امتیازی حیثیت تھی۔ نیز یہ کہ ان کے احباب نے الوداع کہتے ہوئے جو دعائیں دی تھیں، ان میں بے پناہ اخلاص تھا اور وہ بارگاہ خداوندی میں شرف قبول سے نوازی گئیں کہ مستقبل میں دنیا نے ان کے کارناموں کا مشاہدہ کیا، اور اب مجلات ورسائل ان کے ذکر جمیل سے آراستہ ہورہے ہیں۔ دعا ہے کہ پروردگار ان کے ساتھ فضل وکرم کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

اے ایم گلزار قاسمی
جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ ، میرٹھ

ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں

ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہار گلشن ہندوستاں
جس نے دکھلائے ہیں اسلاف کے نقش کہن
جس کے دم سے تھی چراغاں فقہ دین کی انجمن
جس کی تحقیقی نظر ذوقِ مطالعہ تھا مشن
تربیت پاتے رہے تا مرگ سب پیرو جواں
ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہارِ گلشن ہندوستاں
یوں تو قاضی بن کے ملت کا کیا بے حد نفع
کردیا زوجین کے ہر اک تنازع کو رفع
جو شریعت کا مخالف تھا کیا اس کو دفع
ان کی ہر کاوش رہے گی دیر تک دل میں نہاں
ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہارِ گلشن ہندوستاں
زندگی کا بیشتر حصہ گزارا تھا جہاں
بن گیا ہے آج وہ خطہ یقیناً کہکشاں
شمع جو پٹنہ میں روشن تھی وہی پہونچی یہاں
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے روشنی بے گماں
ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہار گلشنِ ہندوستاں
ملت اسلامیہ کی ناؤ تھی منجدھار میں
اور قیادت پڑ چکی تھی گویا گیرودار میں
چھ دسمبر تھا کہ جب مسجد گری یلغار میں
ایسے نازک وقت میں وہ تھا امیر کارواں
ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہار گلشنِ ہندوستاں
جس کے ہندوستان میں بے حد اہم تھے کارواں
جشنِ آزادی کبھی ملی سفر ان کے نشاں
ایک سیاسی تھا شعور وآگہی میں کامراں
یہ مجاہد کے عزائم بن گئے ہیں داستاں
ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہار گلشنِ ہندوستاں
جس کا ہر قول وعمل خنداں دہن دنداں شکن
جس نے اسلاف و اکابر سے لیا تھا فکر وفن
ثانوی پیدا کیا جس نے قیادت کا ذہن
اور قیادت کے لئے پیدا کئے جس نے جواں
ہم کو جو کچھ بھی دیا اس کو بھلاسکتے نہیں
جرأت وہمت کی دیواریں ہلاسکتے نہیں
ان کے پیچھے قوم کو ہرگز رلاسکتے نہیں
حوصلہ رکھیں گے ہم گلزار پھر عزم جواں
ہوگیا رخصت مجاہد، دین وملت کی زباں
جس کے دم سے تھی بہار گلشنِ ہندوستاں

ڈاکٹر عبدالمنان طرزی
دربھنگہ، بہار

اک قاضیٔ شرع متیں

۲۰۰۲ء

یہ نظم ۱۶۶ اشعار پر محیط ہے کہ قاضی صاحب کی عمر ۶۶ سال تھی

وہ اک مجاہد بالیقیں — اسلام کا ماہِ مبیں
وہ قاسمیت متصف — عبدالاحد کا اک نگیں
وہ رہ برِ مشعل بکف — وہ رہ نمائے دور بیں
سرمایہء اولی البصر — وہ اک متاعِ صالحیں
وہ اک فقیہ مفتخر — وہ بینشِ اہلِ یقیں
وہ علم و عرفاں بہرہ ور — وہ اک سراجِ متقیں
وہ تاجِ فوقِ فاضلاں — وہ آبروئے کاملیں
وہ زندگی بھر جس نے کی — تبلیغِ دیں ترویجِ دیں
مولدِ کہ اس کا جالے تھا — امدادئے کا درس بیں
وہ تھا حمیدئے میں بھی — شاگردِ مقبولینِ دیں
استادِ انگریزی تھے جو — منظر یکی از کاملیں
وہ تھے مجاہد کے خسر — بے شک یکے از صالحیں
دیوبند فارغ یافتہ — رحمانیے میں جاگزیں
شرعی امارت کو بھی پھر — کیا کیا دیا اس نے نہیں
تعلیم گاہیں ٹکنیکل — اور ہاسپٹل بہتریں
ہاں عدلیاتِ شرعی کے — چھوڑے نقوشِ دل نشیں
لا بورڈ مسلم پرسنل — جس کا تھا صدر فاخریں
اک بین قومی شخصیت — کیا عزت و شہرت ملیں
اہلِ وطن بھی مانتے — کہ بورڈ ہے محکم تریں
اس نے دیا تھا بورڈ کو — ایسا وقار، ایسا یقیں
وہ اک مدبر دیدہ ور — "بحث ونظر" کا دل نشیں
خدمات ہیں اس کی گراں — دے اجر ربّ العالمیں
وہ ایک ملی کونسل — جس کا تھا وہ رکنِ مبیں
ملت کی ہے بہبود کا — مرکز مفید اک بہتریں
اکیڈمی ہے فقہ کی — ہے ضامنِ خدماتِ دیں
کالج بھی ان کے نام پر — جالے میں اک نقشِ حسیں
آئی۔او۔ایس۔ منظور کا — وابستگیاں جس سے تھیں
اعزاز پھر خدمات بھی — اس کی یہاں سے پاگئیں
اعزاز اس کے نام کا — طرزی کی کاوش پاگئیں
شاخوں سے بارش پھول کی — تقریر ایسی دل نشیں
اور نظریاتی نخوتیں — اس کے یہاں ہرگز نہیں
ہر مکتبہ فکر کا — محبوب تھا وہ اک حسیں
تسکین ہائے زاہداں — اندیشہائے بے یقیں
روتے ہیں اہلِ آسماں — گریاں ہیں اب اہلِ زمیں
دنیا سے رشتہ توڑ کر — ہے زیب فردوسِ بریں
اہلِ حرم کی آبرو — تقدیسِ عرفان و یقیں
اب دور ہم سے ہوگیا — وہ مرد فرخندہ جبیں
شیریں زباں شیریں لقا — وہ نکتہ رس وہ نکتہ بیں
موجِ تبسم زیرِ لب — وہ دیدہائے آبگیں
تھا انتشارِ ملی سے — حد درجہ جو اندوہگیں
اک عظمتِ اسلاف کی — تھی سادگی جس کی امیں
تھی قوم کی تقدیر ہی — وہ جس کی ہاں جس کی نہیں
تھا زندگی بھر اِتّقوا — جس کا وظیفہ اک حسیں
تھیں کتنی ہی بیماریاں — جو یہ عمارت ڈھا گئیں
ہے جو اپولو دلی کا — اک ہسپتال ماہریں
جاں بر جہاں نہ ہوسکی — افسوس وہ جانِ حزیں
اک روح نے پھر جسم سے — رشتہ کوئی رکھا نہیں
اپریل جو تھی، جمعرات — اک شام وہ اندوہگیں
پھر حق رسا اس مرد نے — جاں کی سپردِ آفریں
ان کی چھیاسٹھ سال کی — تھی زندگی اک عکسِ دیں
اشعار کی تعداد بھی — اس نظم کی اتنی رہیں
ہے کلُّ نفسٍ ذائقہ — سچائی اک محکم تریں
دائم کوئی رہ جانے کو — دنیا میں تو آیا نہیں

دنیا کہیں عقبیٰ کہیں　　اک وہم ہے اک ہے یقیں
آج ایک تو کل دوسرا　　وہ کوئی ہو اور ہو کہیں
ہو خاتمہ بالخیر ہی　　اپنا بھی ربّ العالمیں
کہدے گا کوئی میری بھی　　تاریخِ رحلت اک حسیں
اب کارنامہ ہی ترا　　زندہ رکھے گا ہے یقیں
یادیں تری باتیں تری　　اپنا اثاثہ رہ گئیں
خدمات ہیں زندہ تری　　گرچہ ہے تو زیرِ زمیں
آرام گاہِ آخری　　مہدولی کی دوگز زمیں
بر قبر، لطفِ ایزدی　　بر تو مجاہد آفریں
اب اس کے جیسا ہم میں ہے　　کوئی نہیں کوئی نہیں
اس ایک روحِ نیک پر　　ہے آفریں ہے آفریں
نعم البدل اس ذات کا　　اب دے بھی ربّ العالمیں

اب ہوگئے جنّت نشیں
اک قاضیٔ شرع متیں
۲۱ ۹۱۱ ۵۷۰ ۵۰۰

۲۰۰۲ء

کامل فقیر

ڈاکٹر شمیم باروی
ریڈر: شعبہ علم نباتات، سی ایم سائنس کالج، دربھنگہ

زمانے کا اک عالم پر وقار　　دین وملت کا مستند شہسوار
فقیہِ ملت قاضئ دارالقضا　　گلشنِ شریعت کا پیکر وفا
اس کی زندگی تفسیرِ علم وعمل　　ذاتِ گرامی اک انجمن شش پہل
بن کے جیا اک مجاہد نایاب　　خوشبو سے معطر شگفتہ گلاب
اتحاد و اتفاق کا دیوانہ　　اس کا انداز تھا سب سے جُداگانہ
اک مفکر ومنصف باکمال　　اک مقرر و مبلغ بے مثال
سادگی میں غضب کا حسن وجمال　　انداز میں اسلاف کا جاہ وجلال
ہر دور میں جھونکاءِ پُر بہار تھا　　انسانیت کے درمیاں گہربار تھا
ہر لحہ نور ایمانی سے سرشار تھا　　چلچلاتی دھوپ میں آبشار تھا
کمزور و ناتواں کا غمگسار تھا　　منجانب خُدا فصل بہار تھا
حق دیں و دنیا ادا کیا اس نے　　حق پہ اپنا سب کچھ فدا کیا اس نے
زندگی بھر امارت سے وابستہ رہا　　ہر لحہ شریعت کا دم بھرتا رہا
عدل وانصاف سے آشکار کردیا　　قلب مومن کو تابدار کردیا
بحکم الٰہی رخت سفر باندھا　　سوئے فردوس سامان دھر باندھا
خُدایا لحد اس کی پرنور کردے　　مہد خاکی کو رحمتوں سے بھردے
فضل وکرم ان پر بے شمار کردے　　نعم البدل سے ہمیں ہمکنار کردے

اک خواب جو شرمندۂ تعبیر تھا
وہ مرد مجاہد کامل فقیر تھا

(یہ نظم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے وصال پر تعزیتی نشست دربھنگہ میں پڑھی گئی)

☆☆☆

حضرت قاضی صاحب دنیا سے رخصت ہوگئے۔ وہ میرے استاذ تھے سب کچھ تھے ان کے گزر جانے کے بعد میں اپنے پورے قابو میں نہیں ہوں برابر ان کی شان میں نظم لکھتا رہتا ہوں۔ ایک نظم پیش خدمت ہے۔

صبغۃ اللہ رحمانی القاسمی
سرجاپور، سوپول، بہار

علم کے ایک بادشاہ تھے یہ ہے ان کی یادگار

بابر و اکبر ہیں گزرے ہند کے ایک تاجدار
بادشاہ اکبر کے والد تھے ہمایوں تاجدار
بادشاہ اکبر نے چھوڑا پیچھے شہزادہ سلیم
شاہ جہانی عہد آیا بعد شہزادہ سلیم
عہد مغل کی نشانی ان کے دم سے قائم ہے
آگرہ کا تاج ہے موتی محل ہے قائم ہے
جامع مسجد ایک ہے دہلی میں ان کی یادگار
دیکھنے والے ہیں جاتے دیکھتے ہیں بار بار
دہلی میں ہے ایک قلعہ ہے رنگ اس کا لال لال
شاہ جہاں کی ہے نشانی رنگ ہے بیحد گلال
ان کی شہرت اسقدر سیاح آتے ہیں کشاں
ایسی شہرت ایسی عظمت بھاگا آتا ہے جہاں

آگرہ کا تاج بنوایا تھا بیگم کے لئے
دونوں ہیں مدفون ہیں ہے تاج ہم دم کے لئے
زائرین آتے ہیں اور پڑھتے ہیں ان پر فاتحہ
مولا ان کو بخش دے ہوتا ہے بیحد فاتحہ
میرے حضرت قاضی صاحب نے بنایا ایک محل
ہے تعجب خیز وہ خود دفن ہیں اندر محل
یہ جگہ مہدولی ہے آپ کا اس میں لحد
روز ہوتی ہے تلاوت قل ھواللہ اَحد
ہے وہاں اتنی جگہ بن سکتی ہے کچھ اور قبر
ہو یہ مثل تاج جسے ہے وہاں پر جوڑی قبر
آگرہ کا تاج ہے ایک بادشاہ کی یادگار
علم کے ایک بادشاہ تھے یہ ہے ان کی یادگار
میرے حضرت پیر مرشد ان کا بھی تھا ذوق خوب
فن تعمیرات میں تھا شاہ جہانی ذوق خوب
ان کے ہاتھوں جس قدر تعمیر ہے ظاہر ہوا
شاہ جہانی ذوق کا ہے عکس یہ ظاہر ہوا
راہی کے استاذ تھے دونوں تھے حضرت باکمال
ہے اگر اقبال مندی دور ہوجائے زوال

☆☆☆

رزاق افسر

تاریخ وفات

یَا مُغِیثُ یَا سُبْحَانُ یَا رحمٰن	یَا نذیرٌ یَا قَاسِمٌ یَا مصطفےٰ
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ
وائے داغ ہائے قاضی مجاہد	خلد آشیاں مجاہد الاسلام قاسمی
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ
سن روشن چراغ اسلام	اُفوہ سن داغ مجاہد الاسلام
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ
آہ داغ فرقتِ قاسمی	آہ۔بختیار علومِ دیں
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ

رزاق افسر

بزم اردو، حیدر علی روڈ شکر محلہ میسور

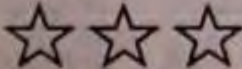
نظمِ عقیدت

ہم دعائیں مانگتے تھے روز وشب جن کے لئے
وہ فقیہ محترم قاضی مجاہد چل بسے
وہ خسارہ علم دیں کا آخرش ہوکر رہا
عافیت جس کی تھی یارب اپنا مقصودِ دعا
علمِ دیں کی آبیاری کا وسیلہ چھن گیا
فرد کی صورت میں ہائے اک قبیلہ چھن گیا
دم بخود فکرِ رسا خاموش ہر زور قلم
دینِ حق کی ہر جیت پر حیف کیا ٹوٹا ستم
ہر نظر کا آئینہ دھندلا گیا ہے ائے خدا
منجمد نطق زمانہ بھی ہوا ہے ائے خدا

نذرِ فقیہ ملت حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نئی دہلی وسکریٹری جنرل فقہ اکیڈمی نئی دہلی۔

تاریخ وفات: جمعرات ۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ ب۔م۔۴ اپریل ۲۰۰۲ء بمقام دہلی۔ تدفین آبائی وطن مہدولی، دربھنگہ، ضلع دربھنگہ، بہار۔

یَا مُغِیثُ یَا بَارِیُ یَا جبّارٌ	یَا نذیرٌ یَا قَاسِمٌ یَا مصطفےٰ
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ
وائے داغ ہائے قاضی مجاہد	خلد آشیاں مجاہد الاسلام قاسمی
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ
سن روشن چراغ اسلام	اُفوہ سن داغ مجاہد الاسلام
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ
آہ داغ فرقتِ قاسمی	آہ۔بختیار علوم دیں
۲۰۰۲ء	۱۴۲۳ھ



قطعات

(۱)

حسرتا قاضی مجاہد چل بسے
ساری ملت ہے پریشان دیکھئے
ہے کہاں پیروں تلے کوئی زمیں
سر پہ ٹوٹا آسماں ہے دیکھئے

(۲)

نائب علامہ ندوی کی وفات
ہر نظر پرایک اندھیرا چھا گیا
ہر نظر کی تہ سے اُبھرے ہے سوال
اللہ اللہ پُر ہو کیسے یہ خلا

(۳)

بجھ گیا کیسا چراغ علم دیں
جس سے روشن دین کی تھی انجمن
حکم حق ہے حسرتا وہ روشنی
جانب ملکِ عدم ہے گامزن

(۴)

یا یزید عصر اُف جاتا رہا
ہاتھ سے ملّت کے چھوٹا ہے قلم
پوچھتی ہے آج ہر فکر و نظر
حیف کس پر کھل گئی راہِ عدم

(۵)

دین حق کا معتبر یاور گیا
علم "فقہ" کا قوی بشر گیا
کہہ رہی ہے آج ہر فکرونظر
حیف کیا کردار کا پیکر گیا

از: احمد میرٹھی قاسمی الحسینی بہروڑہ میرٹھ، یوپی

حضرت قاضی مجاہد وقت کا ابن ہمام

تھا وحید دہر و یکتا اور فقیہوں کا امام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابنِ ہمام
ان کے اٹھنے سے فقیہ العصر اک جاتا رہا
اک مربی اک محقق راہبر جاتا رہا
مستند جاتا رہا اک معتبر جاتا رہا
تا قیامت اپنی یادیں چھوڑ کر جاتا رہا
چھوڑ کر دنیا گیا ہے آج اک ماہِ تمام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابن ہمام
اک مجاہد اک خطیب خوش بیاں جاتا رہا
اک محافظ ایک نگراں پاسباں جاتا رہا
امتِ مسلم کے سر سے سائباں جاتا رہا
کرکے کتنے کارہائے جاوداں جاتا رہا
کردیا آخر اجل نے آج قصہ ہی تمام
حضرتِ قاضی مجاہدوقت کا ابنِ ہمام
آپ کے جانے سے ساری رونقیں ہی اٹھ گئیں
سیکڑوں کی زندگی کی حسرتیں ہی اٹھ گئیں
قوم وملت کے لئے سب کوششیں ہی اٹھ گئیں
آپ سے مخصوص ساری حکمتیں ہی اٹھ گئیں
موتِ عالم موتِ عالم ہے یقیناً لا کلام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابن ہمام
کیا عزائم کیا جوانمردی تھی کیسا ذوق تھا
واسطہ ملت کے کاموں سے مطالعہ شوق تھا
ہر گھڑی بس قوم کا غم مشغلہ تھا شوق تھا

حامئ حق تھا وہ باطل کے گلے کا طوق تھا
صاحب فکر ونظر تھا واعظِ شیریں کلام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابنِ ہمام
ان کا کہنا ان کا سننا ان کا سب کچھ بولنا
ان کا کھانا ان کا پینا ان کا سونا جاگنا
ان کا چلنا ان کا پھرنا ان کا ہر دم سوچنا
ان کا آنا ان کا جانا ان کا اٹھنا بیٹھنا
قوم کی خاطر تھا انکا ہر سفر ہر ہر قیام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابنِ ہمام
مجتہد تھے منتسب تھے لائقِ تقلید تھے
بوالحسن کے بعد باطل کیلئے تہدید تھے
ظالموں کے رو برو مظلوم کی تائید تھے
تھی معظم شخصیت وہ قابلِ تمجید تھے
ذات پر تھے آپ ہی کی متفق سب خاص وعام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابنِ ہمام
علم میں ممتاز عزم و حوصلہ کا تاجدار
اک مفکر اک مدبر اک ادیب پائیدار
وادیاں سر کرگیا وہ کیسی کیسی خار دار
مرضئ مولی سے واقف تھا وہ رب کا راز دار
آہ احمؔد چل بسی وہ ہستی ذی احترام
حضرتِ قاضی مجاہد وقت کا ابنِ ہمام

☆☆☆

اے مفکر، اے مدبر اے فقیہِ بے مثال

.........تاثرات ظفرؔ جنکپوری قاسمی

اے مجاہد ، عالم بے مثل ، مردِ باکمال
تجھ کو بخشا تھا مشیت نے شعورلازوال
تیری ہستی تھی یقیناً، لائقِ صد افتخار
علم دیں کا تھا منارا، حق نگر ، روشن خیال
تو نے سلجھائے تھے گیسو، قوم کی تقدیر کے
تجھ کو بخشا تھا ، مشیت نے عجب حسنِ کمال
دارِ فانی میں، تجھے اب ڈھونڈنے جائیں کہاں
اے مفکر، اے مدبر اے فقیہِ بے مثال
تیرا غم ، اہلِ زمیں پر ہی تھیں کچھ منحصر
اہلِ گردوں کو بھی ہے، تیرا بہت حزن وملال
ہجر میں تیرے ہیں ابنائے وطن سب اشکبار
اے مجاہدؒ، مردِ بے باک وجری ، روشن خیال
تیرے غم میں رو رہی ہے ، ملک کی ہر رہ گزر
بھول جانا تجھ کو ہمدم ہے یہ اک امرِ محال
رو رہے ہیں، آج بیرونِ ممالک بھی تجھے
وہ کہاں پائیں گے اب تجھ سا خطیب بے مثال
تیری فرقت میں ، عرب کی ، اور عجم کی سرزمیں
ہوگئی ہیں، اشک برساتی ہوئی ، بے حدِ نڈھال
تیری تصنیفات سے، سب ہورہے ہیں فیضیاب
دے جزائے خیر اس کی، تجھ کو ربّ ذوالجلال
ہے ہمیں یہ فکر لاحق ، تیرے اٹھ جانے کے بعد
ہو نہ جائے گلستانِ بورڈ، تجھ بن پائمال
رحمتِ حق بڑھ کے لے، عقبیٰ میں خود تیرے قدم
تیرا مسکن جنت الفردوس ہو بے قیل وقال
ہم نفس عقبیٰ میں تجھ کو، وہ ظفرؔ مندی ملے
دیکھ کر تجھ کو کہیں واں، خوش نصیب و خوشحال

از ظفرؔ جنکپوری قاسمی

قطعۂ تاریخ وفات

حق نگر، حق گو مجاہد، اک فقیہ بے مثال
تھے جو ابنائے وطن کے خانہ دل میں مکیں

دارِ فانی سے گئے وہ کر کے ملت کو یتیم
عالم بے مثل تھے جو، حامل دین متین
ہے دعا فرمائے ان کی مغفرت رب کریم
ہوں وہ'' بہرہ ور مجاہدؒ ، داخل خلدِ بریں''
۲۰۰۲ء

☆☆☆

وارث مظہری

نالۂ فراق

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

چراغِ بزم افسردہ ، دیار شوق ویراں ہے
بہارِ رفتہ گلشن کے لئے خوابِ پریشاں ہے
ہوا کس اوٹ میں وہ رشک مہرو ماہ پوشیدہ
کہ شب ظلمت بداماں ہے ، سحر شامِ غریباں ہے
کہاں وہ ساقیِ خوش دست ، مینا و سبو خالی
درو دیوارِ میخانہ ، سراپا چشمِ گریاں ہے
تفکر کیا ، تدبر کیا ، تفقہ کیا بصیرت کیا؟
ہر اک محفل خزاں دیدہ ، غم وحسرت کا ساماں ہے
وہ ملک وقوم کا خادم ، وہ دین حق کا شیدائی
وہ جس کی زندگی کا ہر ورق ملت کا عنواں ہے
فراقِ نا خدائے کشتی ملت معاذا للہ !
تلاطم خیز دریا ہے ، ہوائے تند جولاں ہے
کہاں وہ قیس صحرائی ، وہ رشکِ آبلہ پائی
کہ نم دیدہ سرِ شک خون سے چشمِ غزالاں ہے
کہوں کیا حال زارِ مظہری نیم جاں تم سے
زباں پر آہ و نالہ ہے ، جگر میں سوز ہجراں ہے

•••••

قاضی صاحب کا وداعی سفر

۴/اپریل کوشام سات بجے اپولو ہاسپٹل میں انتقال ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپولو ہاسپٹل میں مخلصین کی ایک جم غفیر جمع ہوگئی۔ پانچ اپریل کی صبح مرحوم کے رہائش گاہ ذاکر باغ نئی دہلی سے جنازہ لے کر سینکڑوں افراد جامعہ ملیہ کی مسجد پہونچے جہاں بعد نماز فجر جنازہ کی نماز مولانا عبداللہ مغیثی نے پڑھائی۔ جنازہ میں شرکت کے لئے دارالعلوم وقف دیوبند سے حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی، مظاہر العلوم وقف سے ایک وفد، جماعت اسلامی کے سرکردہ ذمہ داران، جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا محمود مدنی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کئی اساتذہ وطلبہ اور سابق چیف جسٹس اے۔ایم احمدی وغیرہ سینکڑوں لوگ پہونچ چکے تھے۔

دوسرے مرحلے میں جنازہ دہلی ایئر پورٹ لے جایا گیا ایئر پورٹ پر دارالعلوم دیو بند سے ایک بس میں آئے ہوئے طلبہ نے نماز جنازہ ادا کی۔ پھر سہارا ایئر لائنز کے ذریعہ چار درجن رفقاء میت کو لے کر پٹنہ کے لئے روانہ ہوئے، دوپہر ڈھائی بجے جب یہ قافلہ پٹنہ پہونچا تو وہاں کی وزیر اعلیٰ محترمہ رابڑی دیوی، لالو پرشاد یادو، آٹھ وزراء کے ساتھ قاضی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے موجود تھے۔ چونکہ حکومت بہار نے ایک دن کے سوگ کا اعلان کیا تھا، حکومت کی جانب سے ماتمی دھن اور سلامی دی گئی پھر ایک بہت بڑے قافلے کی شکل میں پھلواری شریف کے لئے روانہ ہوئے اس قافلہ میں وزیر اعلیٰ سمیت ہزاروں افراد شریک تھے۔ پھلواری شریف میں امیر شریعت نے بعد نماز جمعہ جنازہ کی نماز پڑھائی جسمیں ہزاروں لوگ شریک تھے۔ اس کے بعد حکومت کے خصوصی ہیلی کوپٹر کے ذریعہ میت کو مہدولی در بھنگہ لے جایا گیا۔ حکومت نے جنازے میں شریک ہونے والوں کے لئے گیارہ بسیں اور دس لال بتی گاڑی فراہم کی تھی۔ چنانچہ در بھنگہ میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی، جنازہ کی نماز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے پڑھائی۔ پھر باگمتی ندی کے کنارے تدفین عمل میں آئی۔

باب ششم

چند یادگار تصویریں



زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
تم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے



اے کہ تو مجموعۂ خوبی



کے رحمٰن خاں (ایم ۔ پی) کے ہاتھوں "لیڈر شپ کیمونیٹی ایوارڈ" قبول کرتے ہوئے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ساتھ میں موجود ڈاکٹر ممتاز احمد خان، بنگلور



"شاہ ولی اللہ ایوارڈ ۲۰۰۱ء" قبول کرتے ہوئے قاضی صاحب، ساتھ میں جسٹس اے۔ایم احمدی اور ڈاکٹر منظور عالم



قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کا تقریب شاہ ولی اللہ ایوارڈ میں استقبال کرتے ہوئے کمال فاروقی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر سید شاہد مہدی



پٹنہ کے ایک اجلاس میں (بائیں سے) ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، ڈاکٹر احمد عبدالحی، لالو پرشاد یادو، قاضی مجاہدالاسلام اور مولانا سید رابع حسنی ندوی



← بین الاقوامی اتحاد امت کانفرنس تہران میں ایرانی علماء اور سربراہان مملکت کے ساتھ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی



← سابق صدر جمہوریہ ہند مسٹر آر وینکٹ رمن کو بابری مسجد مسئلہ پر اپنا موقف سمجھاتے ہوئے اپنی رہائش گاہ ذاکر باغ نئی دہلی میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

☆ مولانا سجاد میموریل ہاسپٹل کے افتتاح کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے سابق گورنر بہار شفیع قریشی اور امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمٰن کے ساتھ قاضی صاحب



☆ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز نئی دہلی کے دس سالہ جشن کے موقع پر قاضی مجاہدالاسلام قاسمی، سابق مرکزی وزیر چترانجن مشرا اور ڈاکٹر منظور عالم



مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر منتخب ہونے کے بعد استقبالیہ اجلاس بنگلور کے موقع پر پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے قاضی صاحب، ساتھ میں مفتی اشرف علی، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ



← قاضی صاحب اپنے قیام گاہ پھلواری شریف پٹنہ میں سابق وزیر اعظم جناب وی پی سنگھ، مولانا سید نظام الدین اور بھوگیندر جھا ایم پی کے ساتھ



← دسویں فقہی سیمینار بمبئی میں کویت کے مفتی اعظم شیخ ڈاکٹر خالد المذکور کے ساتھ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی



☆ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی چیف قاضی امارت شرعیہ کی سابق چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس اے۔ایم احمدی سے ایک ملاقات



☆ اوقاف سیمینار نئی دہلی کے موقع پر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور ڈاکٹر منظور عالم



چار سابق وزراء اعظم سے ملی کونسل کے اراکین کی ایک ملاقات ـــ اسٹیج پر (دائیں سے) دیوگوڑا، وی پی سنگھ، چندر شیکھر، اندر کمار گجرال اور قاضی مجاہدالاسلام قاسمی



← ۱۹۹۷ء میں "کاروان آزادی" کے ملک گیر سفر کے دوران کارواں کے پٹنہ پہونچنے پر تیس کلو کا پھولوں کا ہار پہناتے ہوئے مقامی لوگ ساتھ میں عبدالقادر شمس قاسمی



← امارت مجیبیہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ دربھنگہ میں عوام کو خطاب کرتے ہوئے قاضی صاحب (دائیں سے) مسٹر سنجی وارڈ کونسلر، ادریس پرویز ایڈوکیٹ، عرفان الرحمن بسمل، سلطان احمد ایم ایل اے اور عطاء الرحمن رضوی



امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں قاضی مجاہد الاسلام کی نماز جنازہ میں امڈا عوام کا ہجوم



1996ء میں ملی کونسل بہار کے سالانہ اجلاس کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے قاضی صاحب ساتھ میں مولانا سید نظام الدین، نظیر عالم جیلانی، سابق چیرمین اقلیتی کمیشن جناب ہارون رشید اور عبدالقادر شمس قاسمی



ماہنامہ ملی اتحاد کا خصوصی شمارہ ”تعلیم کا کیمیا گرن“ کے رسم اجراء کے موقع پر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور ملی اتحاد کے اسسٹنٹ ایڈیٹر عبدالقادر شمس قاسمی